ترکِ موالات عن الرّوافض

جلد اوّل

قرآنی آیات

یہ کتاب اہل اسلام کیلئے ایک قیمتی سرمایہ ہے، جس میں آپ پڑھ سکتے ہیں.....شیعہ کو زکوۃ اور صدقاتِ واجبہ دینے، ان کے ساتھ لین دین کرنے، خرید وفروخت کرنے، تجارت کرنے، ان کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، شادی بیاہ، غمی وخوشی میں شرکت کرنے، ان کے پیچھے نماز پڑھنے، ان کا جنازہ پڑھنے یا پڑھانے، ان کیلئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرنے، ان کے ساتھ دوستی اور محبت رکھنے، اختلاط اور میل جول رکھنے، اُن کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے، ان کو ووٹ دینے، ان کو قربانی میں شریک کرنے، ان کو جج اور قاضی بنانے، ان کو عہدہ دینے، اور اُن کے ماتمی جلوسوں میں شرکت کرنے اور ان کے ساتھ اتحاد کرنے کی ممانعت اور اس کا شرعی حکم اور اس کے خطرناک نتائج.....!

تالیف

مولانا محبّ اللّٰہ قریشی صاحب

ترکِ موالات

عن الرّوافض

(جلد اوّل)

(قرآنی آیات)

یہ کتاب اہل اسلام کیلئے ایک قیمتی سرمایہ ہے،جس میں آپ پڑھ سکتے ہیں.....شیعہ کوزکوۃ اورصدقاتِ واجبہ دینے،ان کے ساتھ لین دین کرنے،خرید وفروخت کرنے،تجارت کرنے،ان کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے،کھانے پینے،شادی بیاہ،غمی وخوشی میں شرکت کرنے،ان کے پیچھے نماز پڑھنے،ان کا جنازہ پڑھنے یا پڑھانے،ان کیلئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرنے،ان کے ساتھ دوستی اور محبت رکھنے،اختلاط اور میل جول رکھنے،اُن کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے،ان کو ووٹ دینے،ان کو قربانی میں شریک کرنے،ان کو جج اور قاضی بنانے،ان کو عہدہ دینے،اوراُن کے ماتمی جلوسوں میں شرکت کرنے اور ان کے ساتھ اتحاد کرنے کی ممانعت اوراس کا شرعی حکم اوراس کے خطرناک نتائج....!

(.....تالیف.....)

مولانامحبّ اللّٰہ قریشی صاحب

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں)

نام کتاب..... **ترکِ موالات عن الرّوافض**

جلداوّل..... قرآنی آیات

تالیف..... حضرت مولانا محبّ اللہ قریشی صاحب

صفحات.....458

اشاعت.....مارچ2024ء

ناشر..... تحفظ ناموس صحابہؓ واہل بیتؓ اکیڈمی کوئٹہ

﴿.....فہرست مضامین: جلد اوّل.....﴾

(1) انتساب.....6

(2) عرضِ مؤلف.....7

(3) پیش لفظ.....8

(4) اِس کتاب کی اہمیت وحیثیت.....9

(5) اِس کتاب میں فتاوی جات کی ترتیب.....10

(6) کتاب کا اجمالی خاکہ.....11

(7) چند اصطلاحات کی وضاحت.....13

(8) مقامِ صحابیت ودفاعِ صحابہؓ.....15

(9) مقدمہ.....20

(1) سورۃ البقرہ آیت ☆109☆.....25

(2) سورۃ البقرہ آیت ☆120☆.....30

(3) سورۃ البقرہ آیت ☆221☆.....35

(4) سورۃ البقرہ آیت ☆257☆.....50

(5) سورۃ آل عمران: آیات ☆28☆29☆30☆.....55

(6) سورۃ آل عمران: آیات ☆118☆119☆120☆.....77

(7) سورۃ آل عمران: آیات ☆149☆150☆.....103

(8) سورۃ النسآء آیات ☆88☆89☆.....109

(9) سورة النسآء:آیات☆138☆139☆140☆☆141☆ 123
(10) سورة النسآء:آیت☆144☆ 144
(11) سورة المآئدة:آیات☆51☆52☆53☆54☆55☆56☆57☆58☆ 148
(12) سورة المآئدة:آیات☆80☆81☆82☆ 190
(13) سورة الانعام:آیات☆68☆69☆70☆ 204
(14) سورةالتوبه:آیات☆23☆24☆ 219
(15) سورةالتوبه:آیات☆79☆80☆ 231
(16) سورةالتوبه:آیت☆84☆ 245
(17) سورةالتوبه:آیات☆113☆114☆ 257
(18) سورة الهود:آیات☆45☆46☆ 271
(19) سورة الهود:آیت☆113☆ 279
(20) سورةالنور:آیت☆3☆ 284
(21) سورة الفرقان:آیات☆27☆28☆29☆ 287
(22) سورة الشعرآء:آیات☆151☆152☆ 295
(23) سورة الشعرآء:آیات☆215☆216☆ 297
(24) سورةالقصص:آیات☆86☆87☆88☆ 300
(25) سورة العنکبوت:آیت☆25☆ 307
(26) سورة الاحزاب:آیات☆1☆2☆3☆ 312
(27) سورة الجاثیه:آیات☆18☆19☆ 322
(28) سورةالنجم:آیت☆29☆ 327
(29) سورة المجادله:آیات☆14☆15☆ 330
(30) سورة المجادله:آیت☆22☆ 338
(31) سورةالممتحنه:آیات☆1☆2☆3☆4☆5☆6☆7☆8☆9☆ 352

(32) سورۃالممتحنہ:آیات☆10☆11☆ 405
(33) سورۃالممتحنہ:آیت☆13☆ 421
(34) سورۃ المنافقون:آیات☆1☆2☆3☆4☆5☆6☆ 426
(35) سورۃ الکفرون:مکمل 446

انتساب

میں اپنی اس مختصری محنت کو امام سنی انقلاب، امام اہل سنت، مجدّد وقت، اسلام اور ملک پاکستان کے نظریئے کا حقیقی محافظ، امیر عزیمت حضرت مولانا علامہ مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ اور ان کے رفقاء کرام کے نام کرتا ہوں جنہوں نے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہن کر، گولیوں اور بموں کا نشانہ بن کر، بچوں کو یتیم کروا کر، بیویوں کو بیواہ کروا کر، جیل کی کال کوٹھڑیوں میں زندگی گزار کر، تختہ دار پر چڑھ کر، اپنا تن، من، دھن قربان کر کے اس عظیم فتنے کا راستہ روک کر سنیوں کو بیدار کیا، شیعیت کے مکروہ چہرے سے کفر اور نفاق کا پردہ ہٹا کر شیعیت کو ایسا لگام دیا کہ ان کے تمام ناپاک منصوبے خاک میں مل گئیں۔

اور اُن شہداء و اسیرانِ ناموس صحابہؓ کے نام جنہوں نے حقیقی معنوں میں اپنے مشن اور نظریہ کی خاطر باطل کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ایک بہت بڑے فتنے اور کفر کے چہرے سے نقاب ہٹا کر قربانی دی، نہ صرف اپنا خون دیا بلکہ بیویاں بیوہ کروا دیئے، بچے یتیم کروا دیئے، ماں کی آغوش شفقت سے خالی کرا دی، قید و بند کی طویل طویل اور مشقت ترین دن اور راتیں گزار دیئے لیکن کسی بھی لمحے اپنے مشن اور موقف میں کمزوری نہ آنے دی۔

(فجزاهم الله احسن الجزاء)

عرضِ مؤلف

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا بے حد شکر و امتنان ہے کہ اس نے محض اپنے خاص فضل و کرم سے مجھ جیسے بے بضاعت و کم سواد طالب علم کو شیعیت کو بے نقاب کرنے کے موضوع پر قافلۂ اہل حق کی خدمات جلیلہ کا کچھ تذکرہ نظر قارئین کرنے کی سعادت بخشی۔ اس کی وجہ وہ تحریک اور جذبہ قلب ہے جس نے صحابہ کرامؓ سے بالخصوص اور ناموس صحابہؓ پر کٹ مرنے والے قافلہ سے بالعموم ایک باطنی تعلق اور روحانی نسبت پیدا کر دی ہے۔ یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

جن کا مقصد اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کا حصول اور شیعیت کی اصلیت کی اہمیت اُمت مسلمہ کے عوام و خواص کے سامنے رکھ کر اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس موضوع پر کام کرنے کیلئے دعوت فکر دینا ہے اور محبانِ اسلام کے لئے معلوماتی مواد فراہم کرنا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس مجموعہ کا تمام مواد بندہ نے اپنے اسلافؒ اور اکابرؒ کی کتب سے خوشہ چینی کر کے حاصل کیا ہے۔ اس لئے اگر اس کتاب کے اندر آپ حضرات کو کوئی خوبی ملے تو اس کو میرے اکابرؒ کی طرف منسوب کیا جائے اور جو بھی کوتاہی اور خامی نظر آئے تو اس کو بندہ کی طرف منسوب کر کے احسان کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کم علم، کم فہم، کم فکر بندہ کو آگاہ فرما کر مشکور و ممنون فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دعا ہے کہ بندۂ عاجز کی اس ٹوٹی پھوٹی کوشش کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اپنی رضا کا ذریعہ بنائے اور اُمت مسلمہ کے لئے نافع بنائیں اور دارین میں سلامتی اور بہتری والا سلسلہ فرمائے۔

انت ولیی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصٰلحین

خادم صحابہؓ و اہل بیتؓ

(محب اللہ قریشی)

پیش لفظ

الحمدللّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفی : امّا بعد:

میرے محترم قارئین کرام!

شروع ہی سے اسلام کے قلب وجگر اور اس کے اعصاب پر ایسے حملے ہوئے ہیں کہ دوسرا مذہب ان میں سے ایک کی بھی تاب نہیں لاسکتا لیکن اسلام نے شکست نہیں کھائی بلکہ اپنے سب حریفوں کو شکست دی اور اپنی اصل شکل میں قائم رہا۔اس لئے کہ ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جنہوں نے نہایت جرأت وہمت کے ساتھ اُن حملوں کا مقابلہ کیا۔یہ محض اتفاقی بات نہیں ،اور خدا تعالیٰ جل شانہ کی اس کائنات میں کوئی بات اتفاقی طور پر نہیں ہوتی ۔بلکہ اس انتظام خداوندی کا نتیجہ ہے کہ جس دور میں جس صلاحیت وقوت کے آدمی کی ضرورت تھی ،اور زہر کو جس تریاق کی حاجت تھی وہ اُمت کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے عطا فرمایا۔

اسلام کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ جن داخلی فتنوں اور منافقانہ تحریکوں سے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے ان کا سرچشمہ اور ان میں سب سے زیادہ طویل العمر اور سخت جان شیعیت کا فتنہ ہے جسے ہماری شامتِ اعمال کے طور پر اِس زمانہ میں نئی زندگی ملی ہے۔لیکن شاید یہ نئی زندگی مستقبل میں اس کے لئے:افاقۃ الموت:ثابت ہو۔

البتہ اس بات کا انحصار ،سنت اللہ کے مطابق اس بات پر ہے کہ کتنی جلد ہمارے علماء کرام اور ہماری قوم اس فتنہ کی سنگینی کو صحیح طور پر سمجھتی ہے اور اس کے شر سے اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے کتنا عزم وارادہ ،کتنی غیرت وحمیت اور کتنی چستی وبیداری کا ثبوت دیتی ہے....؟؟؟

اِس کتاب کی
اھمیت وحیثیت

ایک مرتبہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ فرمانے لگے کہ: شیعہ مذہب کے معلومات کے بارے میں ہمارے پاس کچھ نہ تھا،صرف: تحفہ اثناعشریہ:تھا۔اور جب :تحفہ اثناعشریہ:تھاتو گویا کہ.....سب کچھ تھا۔

آج میں بھی:تحدیث باالنّعمت:کے طور پر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے فضل وکرم سے یہ کتاب آپ حضرات تک پہنچ گئی ہے۔ جس کے پاس یہ کتاب:ترك موالات عن الروافض: پہنچ گئی تو گویا اس کے پاس.....سب کچھ پہنچ گیا۔

محب اللہ قریشی

اِس کتاب میں
فتاوی جات کی ترتیب

میں نے تمام فتاوی جات میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ سب سے پہلے شیعیت کے بارے میں دیئے گئے اسلافؒ اور اکابرینؒ کے جو فتاوی جات ہیں وہ رکھے ہیں۔اس کے بعد وہ فتاوی جات رکھے ہیں جو زندیق اور مرتد کے بارے میں ہیں، چونکہ بہت سے اسلافؒ اور اکابرینؒ نے شیعہ پر مرتد اور زندیق کا فتوی دیا ہے۔تو گویا وہ فتاوی جات بھی شیعہ پر فٹ آرہی ہیں۔اس کے بعد عام کفار کے بارے میں اسلافؒ اور اکابرینؒ نے جو فتاوی جات دیئے ہیں وہ رکھے ہیں، چونکہ بہت سے اسلافؒ اور اکابرینؒ نے شیعہ کے کفر پر فتاوی دیئے ہیں، تو گویا وہ فتاوی جات بھی شیعہ پر فٹ آرہی ہیں۔اس کے بعد وہ فتاوی جات رکھے ہیں جو اہل بدعت کے بارے میں اسلافؒ اور اکابرینؒ نے دیئے ہیں۔اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک بدعتی کے ساتھ نشست و برخاست پر اتنی سخت وعیدیں آئی ہے تو آپ اندازہ لگائیں کہ کسی کافر و مرتد و زندیق اور گستاخِ رسول ﷺ و گستاخِ صحابہؓ کے ساتھ نشست و برخاست پر کیا سزا ہوگی۔

محب اللہ قریشی

کتاب کا اجمالی خاکہ

اس کتاب کے: **جلد اوّل**: میں قرآن کریم کی وہ تمام آیات جمع کئے گئے ہیں جو اِس موضوع سے متعلق ہیں۔ اور ہر آیت کے تحت اِن حضرات کی تشریحات لکھ لئے ہیں:

1..... حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب۔

2..... حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجدّدی پانی پتی صاحبؒ۔

3..... حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی صاحبؒ۔

4..... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ۔

5..... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔

6..... شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ۔

7..... حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ۔

8.....حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیر صاحبؒ۔

جلد دوم: میں دوسری صدی ہجری سے لے کر چودہویں صدی ہجری تک دیئے گئے اسلافؒ اور اکابرینؒ کے فتاوی جات جمع کئے گئے ہیں۔

:**جلد سوم: حصہ اوّل** : میں پندرہویں صدی ہجری تک دیئے گئے اسلافؒ اور اکابرینؒ کے فتاوی جات جمع کئے گئے ہیں۔

:**جلد چہارم: حصہ دوم**: میں پندرہویں صدی ہجری تک دیئے گئے اسلافؒ اور اکابرینؒ کے فتاوی جات جمع کئے گئے ہیں۔

:**جلد پنجم: حصہ سوم**: میں پندرہویں صدی ہجری تک دیئے گئے اسلافؒ اور اکابرینؒ کے فتاوی جات اور اسلافؒ و اکابرینؒ کے: **فرمودات**: جمع کئے گئے ہیں۔

:**جلد ششم**: میں بریلوی مسلک کے فتاوی جات جمع کئے گئے ہیں۔

:**جلد ہفتم**: میں اہل حدیث علماء کے فتاوی جات ☆ صحابہ کرامؓ کی شان وعظمت اور شیعہ مذہب کے رد میں اسلافؒ اور اکابرینؒ کی لکھی گئی کتابیں ☆ مراجع وماخذ کتب ☆ توحید، رسالت ﷺ، قرآن کریم اور صحابہ کرامؓ وازواج مطہراتؓ کے بارے میں شیعوں کے کفریہ عقائد، اِن کے ائمہ معصومین کے ارشادات اور اِن کے مستند ترین علماء ومجتہدین کے بیانات جمع کئے گئے ہیں۔

چند اصطلاحات کی وضاحت

میرے محترم قارئین کرام!

کتاب شروع کرنے سے پہلے چند اصطلاحات کی وضاحت کرنا ضروری ہے، تاکہ کتاب کے دوران اگر وہ اصطلاحات آپ کے سامنے آجائے تو سمجھنے میں آسانی ہوں گی۔

1.....شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہاءؒ اور اہل فتاوی کی عبارتوں میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر ''قذف'' کا جو ذکر آتا ہے اس سے مراد.....ایک سخت اور گندے گناہ کی تہمت ہے۔ جو حضور اکرم ﷺ کی زندگی مبارکہ میں (دراصل بعض خبیث النفس منافقین کی شرارت سے) حضرت عائشہ صدیقہؓ پر لگائی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے سورۂ نور میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی براءت نازل فرما کر قیامت تک کیلئے ان کی پاکدامنی کی خداوندی شہادت اسی طرح محفوظ فرمادی جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کی شہادت محفوظ کردی گئی ہے۔

حضرات فقہاءؒ نے جس تہمت کا ''قذف'' کے لفظ سے ذکر کیا ہے وہ ایک گناہ کی تہمت تھی، لیکن اثنا عشریہ کے مصنفین اس سے بھی شدید تر اور خبیث ترین گناہ اور جرم کی تہمت سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر لگاتے ہیں۔ یہاں تک کہ شیعہ مصنفین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کافرہ و منافقہ تک تحریر کیا گیا ہے۔ (معاذاللہ)

2.....شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہاءؒ اور اہل فتاوی کی عبارتوں میں: شیخینؓ: کا جو ذکر آتا ہے اس سے مراد.....سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ اور سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ ہیں۔

3.....شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہاءؒ اور اہل فتاوی کی عبارتوں میں: خلفاء ثلاثہؓ: کا جو ذکر آتا ہے اس سے مراد.....سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ، سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ اور سیدنا حضرت عثمان غنیؓ ہیں۔

4.....شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہاءؒ اور اہل فتاوی کی عبارتوں میں ''خلیفۂ بلافصل'' کا جو ذکر آتا ہے اس سے مراد.... پہلا خلیفہ، یعنی سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت.... ہے۔

5.....شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہاءؒ اور اہل فتاوی کی عبارتوں میں: سبِّ شیخینؓ یا سبِّ صحابہؓ: کا جو ذکر آتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ: جو شخص ابوبکرؓ وعمرؓ یا صحابہ کرامؓ کو گالی دیتا ہو، بُرا کہتا ہو، عیب لگاتا ہو، بہت گالیاں بکتا ہو، لعن طعن کرتا ہو۔

6.....شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہاءؒ اور اہل فتاوی کی عبارتوں میں ''توہین'' کا جو ذکر آتا ہے اس سے مراد.... جو شخص صحابہ کرامؓ کی ہتک، بے عزتی، ذلت، اہانت اور تحقیر کرتا ہوں۔

(القاموس الجدید: ص 220)

7.....شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہاءؒ اور اہل فتاوی کی عبارتوں میں ''تکفیر'' کا جو ذکر آتا ہے اس سے مراد.... جو شخص صحابہ کرامؓ پر کفر کا فتوی دیتا ہو، کافر ٹھہراتا ہو، کافر کہتا ہو، کفر کا الزام لگاتا ہو، انکار کرتا ہو۔

(جامع الغات: ص 167)

8.....شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہاءؒ اور اہل فتاوی کی عبارتوں میں ''تنقیص'' کا جو ذکر آتا ہے اس سے مراد.... جو شخص صحابہ کرامؓ کی عزت کم کرتا ہو، گھٹاتا ہو، نقص نکالتا ہو، کمی کرتا ہو، رسوائی کرتا ہو، ذلت کرتا ہو۔ (جامع الغات: ص 172: بیان اللسان: ص 187)

9.....شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہاءؒ اور اہل فتاوی کی عبارتوں میں ''نکیر'' کا جو ذکر آتا ہے اس سے مراد.... جو شخص صحابہ کرامؓ کا انکار کرتا ہو۔

مقامِ صحابیتؓ
ودفاعِ صحابہؓ

میرے محترم قارئین کرام!

مقام نبوت کے بعد سب سے بڑا مقام: مقامِ صحابیت: ہے۔صحابہ کرامؓ کی جماعت قیامت تک آنے والی انسانیت کیلئے معیارِ حق ہیں۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کی شان،عظمت اور فضیلت تقریباً گیارہ سو آیات میں بیان فرمائی ہیں،اوران تمام آیات قرآنی میں صحابہ کرامؓ کے ایمان،تقویٰ،طہارت،عبادت،اخلاص، امانت،صداقت،دیانت،خلافت وقیادت،غیرت و بہادری،جرأت واستقامت اخلاق واسوۂ حسنہ اور صفات حمیدہ کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے۔

دوسری طرف صحابہ کرامؓ کی مقدس ومحترم جماعت حضور اکرم ﷺ کی تعلیم یافتہ وتربیت یافتہ جماعت ہے۔ یہ ہی صحابہ کرامؓ اُمت اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان رابطہ اور واسطہ ہیں،صحابہ کرامؓ حضور اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کے عینی گواہ ہیں،صحابہ کرامؓ نبوت ورسالت کے محافظ ہیں،صحابہ کرامؓ حضور اکرم ﷺ کی 23 سالہ محنت کا ثمر ہیں،صحابہ کرامؓ حضور اکرم ﷺ کے سچے وفادار،حُب دار،تابعدار اور جانثار ہیں،اسی لئے صحابہ کرامؓ کو آسمانِ رشد وہدایت کے ستارے کہا گیا ہے۔

چنانچہ کفار واشرار نے ہمیشہ اسلام کی مخالفت کرتے ہوئے،شجرِ اسلام کو کبھی اُبھرنے سے روکنے کی سازشیں کیں،تو کبھی اس کو پھلنے پھولنے سے روکنے کے حربے استعمال کئے،تو کبھی جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کی ناپاک جسارت کی،مگر وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔انہی سازشوں اور کاوشوں میں کفار کی ایک سازش یہ بھی تھی (رہی اور ہے) کہ صحابہ کرامؓ کی

قدسی جماعت چونکہ حضور اکرم ﷺ کی آواز پر لبیک کہہ کر دست و بازو بننے والی معاون جماعت ہے کہ جس نے اپنے مال واسباب، اہل وعیال، توانائیوں اور وفاداریوں اور خون پسینے سے شجر اسلام کی آبیاری کی اور ہر مشکل و آسان گھڑی میں حضور اکرم ﷺ کے دامن نبوت سے چمٹے رہنے والی جماعت ہے، اس جماعت کو حضور اکرم ﷺ کے دامن نبوت سے الگ کیا جائے، اور ان کے درمیان اختلاف وانتشار کی فضا پیدا کی جائے، اور الزام تراشی کی جائے تا کہ اس مقدس جماعت پر اعتماد ختم ہو جائے۔

چنانچہ پہلے مرحلہ میں کفار نے حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانے کی پاداش میں صحابہ کرامؓ کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا، سفاکیت و بربریت کی انتہا کی، تا کہ صحابہ کرامؓ حضور اکرم ﷺ کا دامن نبوت چھوڑ دیں، مگر صحابہ کرامؓ نے زبردست استقامت واستقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے کفار کو بتادیا کہ ہم کٹ مرتو سکتے ہیں لیکن اس صاق الامین پیغمبر ﷺ کا دامن نبوت نہیں چھوڑ سکتے۔

صحابہ کرامؓ کے انہی جذبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں: سورۃ الاحزاب: کی آیت نمبر دس اور گیارہ میں فرمایا گیا:

:اذجاؤکم من فوقکم و من اسفل منکم واذزاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنّون باللّٰہ الظّنونا: ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوازلزالاً شدیداً: یعنی سخت آزمائش کے وقت صحابہ کرامؓ کی آنکھیں پتھرانے لگیں، دل ودماغ ابال کھانے لگے: ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوازلزالاًشدید: آزمائے گئے ایمان والے (صحابہ کرامؓ) جھڑجھڑائے گئے ایمان والے زور کا جھڑجھڑانا، مگر اس کے باوجود صحابہ کرامؓ کے پایہ استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ منافق تو بھاگ گئے مگر صحابہ کرامؓ ڈٹے رہے، بلکہ ان سخت آزمائشوں میں: وما زادھم الّا ایمانا وّتسلیما: ان کا ایمان اور بھی مضبوط ہوا، اطاعت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ اور حضور اکرم ﷺ کے حکم کے وہ اور زیادہ سرخم تسلیم ہوتے گئے۔ اسی کو آگے چل کر قرآن مجید بیان کرتا ہے:

:من المؤمنین رجال صدقوا ماعٰھدوا اللّٰہ ورسولہ فمنھم مّن قضٰی نحبہ ومنھم مّن یّنتظر وما بدّلوا تبدیلا: یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ اور حضور اکرم ﷺ کو جو زبان دے چکے تھے، پہاڑ کی طرح اس پر جمے رہے، حضور اکرم ﷺ کی رفاقت سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے، اور ارادوں میں ایک لمحہ تبدیلی نہیں آئی۔

دوسرا مرحلہ حضور اکرم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد صحابہ کرامؓ میں اختلاف وانتشار کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ یہ حضرات آپس میں ہی کٹ مرے، مگر اس سازش کو بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے فضل وکرم سے

صحابہ کرامؓ کے حسن تدبر نے اور حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے اتحاد نے ناکام بنا دیا۔

پھر اوّل روز سے صحابہ کرامؓ پر کفار و مشرکین نے جو الزام تراشی کا سلسلہ شروع کیا تھا، اُس ہتھیار کو سب سے زیادہ استعمال کیا گیا اور تا حال کیا جا رہا ہے۔ جس میں صحابہ کرامؓ جیسی مقدس و محترم اور کامل الایمان جماعت کو کافر، منافق، مرتد، شرابی، زانی، اہل بیت کا دشمن، غاصب وغیرہ کہا گیا اور لکھا گیا (معاذاللّٰہ ثمّ معاذاللّٰہ)۔

تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جس طرح پہلے مرحلوں میں کفار و منافقین کے مقابل صحابہ کرامؓ کی مدد و نصرت فرما کر صحابہ کرامؓ کو آزمائشوں میں مستقیم اور اختلافات میں متحد رکھا، اسی طرح جب صحابہ کرامؓ پر الزام تراشی اور مخالفت... حضور اکرم ﷺ کے دور میں ہوئی تو خود اللہ رب العزت نے صحابہ کرامؓ کا دفاع کیا، جس کی متعدد مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

:واذاقیل لھم اٰمنوا کما اٰمن النّاس: جب کفار سے کہا گیا کہ ایمان لاؤ جیسے یہ لوگ (صحابہ کرامؓ) ایمان لائے تو کفار نے تبرا کرتے ہوئے کہا: اٰمنوکما اٰمن السّفھاء: کہ ہم ایمان لائیں جس طرح یہ بے وقوف ایمان لائے، یعنی صحابہ کرامؓ کو معاذاللّٰہ بے وقوف کہا۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فوراً دفاع کرتے ہوئے فرمایا: خبردار! الا انّھم ھم السّفھاء: بیشک وہ خود بیوقوف ہیں جو میرے محبوب ﷺ کے صحابہؓ کو ایسا کہتے ہیں۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے بھی صحابہ کرامؓ کے خلاف جب بھی کسی طرف سے کوئی حملہ ہوا، چاہے وہ غیر کفار و منافقین کی طرف سے تھا یا اپنوں میں سے کسی صحابی کے متعلق کوئی تلخ جملہ زبان سے نکل گیا تو اس پر سخت نوٹس بھی لیا اور سرزنش بھی کی.....اور غیروں (کفار) کو لعنت ملامت بھی فرمایا.....اس کی بھی متعدد مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ پھر حضور اکرم ﷺ کا فرمان مبارک بھی ہے دفاع صحابہؓ کے لئے:

:اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لاتتّخذوھم غرضامن بعدی فمن احبّھم فبحبّی احبّھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اٰذاھم فقداٰذانی ومن اٰذانی فقداٰذی اللّٰہ ومن اٰذی اللّٰہ فیوشک ان یأخذہ:

ترجمہ: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرے بعد ان کو تنقید کا نشانہ نہ بناؤ، جو ان سے محبت رکھے گا وہ میری محبت کی وجہ سے انہیں محبوب رکھے گا، جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا، جس نے ان کو دکھ پہنچایا اس نے مجھے دکھ پہنچایا اور جس نے مجھے دکھ پہنچایا اس نے اللہ تعالیٰ کو دکھ پہنچایا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو دکھ پہنچایا تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو سخت عذاب میں گرفتار کرے گا۔

دوسری حدیث شریف میں حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے: اذا ذکر اصحابی فامسکوا: جب میرے صحابہ کے متعلق اختلافی بحث ہو تو اپنے منہ بند رکھو۔ اور یہ حکم بھی حضور اکرم ﷺ نے دیا ہے کہ: اذا رأیتم الذین یسبّون اصحابی فقولوا لعنۃ اللّٰہ علی شرّکم: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو صحابہ کرامؓ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں تو اس کے اس فعل پر لعنت کرو۔

پھر اس کے بعد اُمت کیلئے بھی دفاع صحابہؓ کا حکم رہا حتیٰ کہ خود صحابہ کرامؓ نے بھی صحابہ کرامؓ کا دفاع کیا ہے جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی نے (جو مشرکین مکہ کی طرف سے بطور سفیر آئے تھے) حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ یہ صحابہ کرامؓ سارے کمزور لوگ ہیں، سخت حالات آنے پر آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے، یہ سن کر سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ نے: امصص بظر اللات: جیسے سخت الفاظ میں جواب دے کر صحابہ کرامؓ کا دفاع کیا تھا۔ اسی انداز میں اپنے اپنے دور میں صحابہ کرامؓ کے گستاخوں کو خلفاء راشدینؓ نے سزائیں دیئے۔ پھر تابعینؒ، تبع تابعینؒ کے ادوار میں بھی صحابہ کرامؓ کی دفاع کا سلسلہ جاری رہا۔

تو جب ہر دور میں صحابہ کرامؓ کا دفاع ہوتا رہا تو پھر کس طرح علمائے حق، علمائے دیوبند اس کار خیر سے پیچھے رہتے۔ سب سے پہلے بانی دارالعلوم دیوبند، حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ کی: ھدیۃ الشیعہ: نامی کتاب اور حضرت نانوتوی صاحبؒ کی عملی کردار نے اس طرف توجہ دلائی۔ جس کے نتیجے میں دیوبند مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام نے جب بھی دشمنانِ صحابہ کرامؓ بالخصوص اہل تشیع کی طرف سے تبرا کا سلسلہ شروع ہوا تو فوراً علمائے دیوبند نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔

سرزمین ہندوستان پر دفاع صحابہؓ کے لئے حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی فاروقی صاحبؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ کی خدمات تحریکی صورت میں نمایاں ہیں۔ اور پاکستان میں اس کا تنظیمی اور تحریکی آغاز امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالستار تونسوی صاحبؒ سے ہوا۔ پھر حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ سے ہو کر یہ سلسلہ تنظیمی و تحریکی انداز میں بانی سپاہ صحابہؓ، مجدد وقت، قاطع رافضیت، وکیل صحابہؓ، امیر عزیمت حضرت مولانا علامہ حق نواز جھنگوی شہیدؒ تک پہنچتا ہے، جس کی ایک مکمل تفصیل اور داستان ہے۔ تفصیل کے خواہش مند حضرات میری تالیف: دفاعِ صحابہؓ اور علماء کرام کی شرعی ذمہ داریاں: میں دیکھ سکتے ہیں۔

ہندوستان میں بھی دفاع صحابہؓ کیلئے جب بھی تنظیمی، تحریکی، تصنیفی اور علمی مناظرانہ میدان لگے تو اس میں بھی پیش پیش علمائے دیوبند کا کردار رہا ہے، اور پاکستان میں جب بھی دفاع صحابہؓ کیلئے تنظیمی، تحریکی، تصنیفی اور علمی مناظرانہ

میدان لگے تو اس میں بھی علمائے دیوبند کا بنیادی اور نمایاں کردار بلا مبالغہ موجود رہا ہے اور ہے۔اور اب تو عالمی سطح پر بھی دفاع صحابہؓ کے لئے جو علماء کرام اور مفتیان عظام سرگرم عمل ہیں ان کی محنت و کاوش کے پیچھے بھی علمائے دیوبند کا ہی کردار ہیں۔آج سپاہ صحابہؓ کی تحریک بھی علمائے دیوبند ہی کی تنظیم ہے جس نے خون دے کر، بچوں کو یتیم کروا کر، بیویوں کو بیوہ کروا کر، جیلیں بھر کر، ہتھکڑی، بیڑی پہن کر، قید و بند کی سختیاں برداشت کر کے اس گئے گزرے دور میں پوری دنیا میں صحابہ کرامؓ کے دفاع کے فریضے کو پوری دنیا کے مسلمانوں میں اُجاگر کر دکھایا ہے۔دیگر مسالک کے حضرات نام صحابہ کرامؓ کا لیتے ہیں مگر دفاع صحابہؓ کے لئے صرف اور صرف جو کردار علماء دیوبند نے سرانجام دیا ہے اور دے رہے ہیں وہ انہی کا وطیرہ ہے۔اور یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے علمائے دیوبند کے ایک خادم سے لے لیا ہے۔

(.....دُعا.....)

اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کتاب کو میرے لئے اور میرے والدین کیلئے اور میرے بہن بھائیوں کے لئے (جنہوں نے تمام دنیاوی ضروریات سے بے پرواہ کر کے مجھے دین کی اشاعت اور خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے) قیامت تک صدقۂ جاریہ اور اپنی رضا کا ذریعہ بنائے۔

:فجزاهم اللّٰه احسن الجزاء:

اٰمین یارب العٰلمین بحرمة سیّدالمرسلین علیه الصّلاة والتّسلیم

(العارض)

خادم صحابہؓ واھل بیتؓ

محبّ اللّٰه قریشی

تاریخ:23:3:2024:

مقدمہ

نحمدہ ونصلّی علی رسولہ الکریم:امّابعد:

کفار کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کیسے ہونے چاہئے؟ یہ مضمون بہت سے آیات قرآنیہ میں مجمل اور مفصل مذکور ہے۔جس میں مسلمانوں کوغیر مسلموں کے ساتھ موالات اور دوستی اور محبت سے شدّت کے ساتھ روکا گیا ہے ان تصریحات کو دیکھ کر حقیقتِ حال سے ناواقف غیر مسلموں کوتو یہ شبہ ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب میں غیر مسلموں سے کسی قسم کی رواداری اور تعلق کی بلکہ حُسنِ اَخلاق کی بھی کوئی گنجائش نہیں،اور دوسری طرف اس کے بالمقابل جب قرآن کی بہت سے آیات سے اور رسول کریم ﷺ کے ارشادات اور عمل سے اور خلفاء راشدینؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے تعامل سے غیر مسلموں کے ساتھ احسان وسلوک اور ہمدردی وغمخواری کے احکام اور ایسے ایسے واقعات ثابت ہوتے ہیں جن کی مثالیں دنیا کی اقوام میں ملنا مشکل ہیں،تو ایک سطحی نظر رکھنے والے مسلمان کوبھی اس جگہ قرآن وسنت کے احکام و ارشادات میں باہم تعارض اور تصادم محسوس ہونے لگتا ہے۔مگر یہ دونوں خیال قرآن کی حقیقی تعلیمات پر طائرانہ نظر اور ناقص تحقیق کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اگر مختلف مقامات سے قرآن کی آیات کو جو اس معاملہ سے متعلق ہیں جمع کر کے غور کیا جائے تو..... نہ غیر مسلموں کیلئے وجہِ شکایت باقی رہتی ہے۔نہ آیات وروایات میں کسی قسم کا تعارض باقی رہتا ہے۔اس لئے اس کتاب میں قرآن وسنت اور اسلافؒ کے فتاوی جات کی روشنی میں اس کی پوری تشریح کردی جاتی ہے۔جس سے موالات اور احسان وسلوک،ہمدردی وغمخواری میں باہمی فرق اور ہر ایک کی حقیقت بھی معلوم ہوجائے گی۔اور یہ بھی کہ ان میں کونسا درجہ جائز ہے کونسا ناجائز،اور جو ناجائز ہے اس کی وجوہات کیا ہیں۔

یہ بتلادینا ضروری ہے کہ دنیا کے تمام موجودہ مذاہب میں صرف اسلام ہی کو حق تعالیٰ جل شانہ نے یہ امتیازی

شان عطا فرمائی ہے کہ اس کی ہر بات معتدل ہے۔ نہ اس میں عام مذاہب کی طرح تعصب سکھایا گیا ہے کہ حق بات ہو یا ناحق، اپنی قوم ہی کی حمایت کی جائے، جیسا کہ بہت سی اقوام کا دستور العمل ہے۔ نہ اس میں چھوت چھات کی لغو تعلیم ہے کہ اپنے سوا دوسری قوموں سے ایسا برتاؤ کیا جائے جو عام جانوروں کے ساتھ بھی کوئی شریف الطبع انسان گوارا نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اتنی آزادی اور بے قیدی بھی نہیں کہ مذہب، مذہب ہی نہ رہے، نہ اس کی کچھ حدود و قیود ہوں، اور نہ حلال وحرام کی کوئی تفصیل ہو، نہ کفر و اسلام اور مسلم و غیر مسلم کا کوئی امتیاز رہے۔

بلکہ اسلام کی شریعت کو حق تعالیٰ جل شانہ نے ایک ایسا معتدل قانون بنایا ہے جس میں ہر چیز کا پورا انتظام ہے۔ عقائد و عبادات اور معاشرت و معاملات کے ہر پیش آنے والی صورت کے لئے حدود مقرر ہیں، جن سے تجاوز ممنوع ہے۔ شفقت و رحمت اور حُسنِ معاشرت و حُسنِ اَخلاق کا برتاؤ..... اسلام میں اتنا عام ہے کہ اپنی قوم اور ہم مذہب مسلمانوں سے گذر کر عام کفار کے ساتھ بھی یہی معمول ہے بلکہ ان سے بھی آگے تمام جانداروں کے ساتھ حُسنِ معاملہ کی سخت تاکید ہے۔

رسول کریم ﷺ جو رحمۃ للعالمین ہو کر اس دنیا میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان و ہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کئے، اس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ مکّہ میں قحط پڑا تو جن دشمنوں نے آپ ﷺ کو اپنے وطن سے نکالا تھا ان کی خود امداد فرمائی۔ پھر مکہ مکرمہ فتح ہو کر یہ سب دشمن آپ ﷺ کے قابو میں آگئے تو سب کو یہ فرما کر آزاد کردیا کہ: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ: یعنی آج تمہیں صرف معافی نہیں دی جاتی بلکہ تمہارے پچھلے مظالم اور تکالیف پر ہم کوئی ملامت بھی نہیں کرتے۔ غیر مسلم جنگی قیدی ہاتھ آئے تو ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو اپنی اولاد کے ساتھ بھی ہر شخص نہیں کرتا۔ کفار نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، کبھی آپ ﷺ کا ہاتھ انتقام کیلئے نہ اٹھا۔ بنو ثقیف جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا گیا، جو مسلمانوں کیلئے سب سے زیادہ عزت کا مقام تھا۔

سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے غیر مسلم محتاج ذمیوں کو مسلمانوں کی طرح بیت المال سے وظیفے دیئے۔ خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے معاملات اس قسم کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ شفقت و رحمت اور رواداری و ایثار کی جو تعلیم دی ہے وہ دنیا کے موجودہ مذاہب میں صرف اسی کا طرۂ امتیاز ہے۔

لیکن اس کے ساتھ اس معتدل قانون اور شریعتِ حقہ نے یہ بھی جائز نہیں رکھا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے

دوست اور دشمن..... مسلم و کافر..... سب ایک پلہ میں تولے جائیں، اسلام و کفر کا کوئی امتیاز نہ رہے۔ بلکہ مؤمن کامل کی یہ علامت قرار دی ہے کہ اس کی محبت و عداوت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی محبت و عداوت کے تابع ہو۔ جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول ﷺ محبوب رکھتا ہے وہ اس کے نزدیک بھی محبوب ہو، اور جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول ﷺ مبغوض رکھتا ہے، اُس سے اِس کو بھی بغض ہو۔

الغرض شریعتِ اسلام کے معتدل قانون نے کفار و غیر مسلم لوگوں کے ساتھ نہ تو ایسا چھوت چھات کا برتاؤ روا رکھا جیسا ہندوؤں میں ہے کہ جس کو کوئی عقلمند شریف الطبع انسان کسی دوسرے انسان کے لئے پسند نہیں کرسکتا، اور نہ ایسا خلط ملط اور بے ضرورت اشتراکِ معاملات کو پسند کیا جس سے برادرانہ تعلقات کا اظہار ہو، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نافرمان دشمنوں کا کوئی فرق اس کے فرمان بردار بندوں سے باقی نہ رہے۔

اب ایک بات یہ باقی رہ گئی کہ قرآن نے کفار کی موالات اور قلبی دوستی و محبت کو اِتنی شدّت کے ساتھ کیوں روکا کہ وہ کسی حال میں کسی کافر کے ساتھ جائز نہیں رکھی؟ اس میں کیا حکمت ہے؟

میرے محترم دوستو!

اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں اس دنیا کے اندر انسان کا وجود عام جانوروں یا جنگل کے درختوں اور گھاس پھوس کی طرح نہیں کہ پیدا ہوئے، پھولے پھلے، پھر مر کر ختم ہو گئے، بلکہ..... انسان کی زندگی اس جہاں میں ایک مقصدی زندگی ہے۔ اس کی زندگی کے تمام ادوار، اس کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، یہاں تک کہ جینا اور مرنا..... سب ایک مقصد کے گرد گھومتے ہیں۔ جب تک وہ اس مقصد کے مطابق ہیں تو یہ سارے کام صحیح و درست ہیں، اور جب وہ اس کے مخالف ہو جائیں تو یہ سب غلط ہیں۔

یاد رکھئے! جو انسان..... اس مقصد سے ہٹ جائے وہ: اہل حقیقت: کے نزدیک انسان نہیں۔ قرآن نے اسی مقصد کا اقرار انسان سے ان الفاظ میں لیا: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: آپ کہئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے۔

اور جب انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ جل شانہ کی اطاعت و عبادت ٹھہرا تو دنیا کے کاروبار، ریاست و سیاست اور عائلی اور منزلی تعلقات سب اس کے تابع ٹھہرے۔ تو جو انسان اس مقصد کے مخالف ہیں وہ انسان کے سب سے زیادہ دشمن ہیں، اور اس دشمنی میں چونکہ شیطان سب سے آگے ہے اس لئے قرآن حکیم نے فرمایا: اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا: یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے، اس کی دشمنی کو ہمیشہ یاد رکھو۔

اسی طرح جو لوگ شیطانی وساوس کے پیرو اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ آئے ہوئے احکامِ خداوندی کے مخالف ہیں ان کے ساتھ دلی ہمدردی اور قلبی دوستی اس شخص کی ہو ہی نہیں سکتی جس کی زندگی ایک مقصدی زندگی ہے، اور دوستی و دشمنی اور موافقت و مخالفت سب اس مقصد کے تابع ہیں۔ اسی مضمون کو صحیحین کی ایک حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ فَقَدِاسْتَكْمَلَ اِيْمَانَه: یعنی جس شخص نے اپنی دوستی اور دشمنی کو صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کے لئے وقف کر دیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

معلوم ہوا کہ ایمان کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جبکہ انسان اپنی محبت و دوستی اور دشمنی و نفرت کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے تابع بنا دے۔ اس لئے مؤمن کی قلبی موالات اور مودّت صرف اسی کیلئے ہو سکتی ہے جو اس مقصد کا ساتھی اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کا تابعِ فرمان ہے۔ اس لئے قرآن کی مذکورہ آیتوں میں کافروں کے ساتھ دلی محبت اور قلبی موالات اور دوستی کرنے والوں کے بارے میں کہا گیا کہ وہ انہی میں سے ہیں۔

مسلمان، غیر مسلموں سے رواداری، ہمدردی، خیر خواہی، عدل و انصاف، احسان و سلوک سب کچھ کر سکتے ہیں اور ایسا کرنا چاہئے کہ ان کو اسلام نے اس کی تعلیم دی ہے، لیکن اُن سے ایسی گہری دوستی اور خلط ملط جس سے اسلام کے امتیازی نشانات گڈمڈ ہو جائیں.....اس کی اجازت نہیں ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جو ترکِ موالات: کے نام سے معروف ہے۔

کفار محاربین اور دشمنانِ اسلام سے ترک موالات کے بارے میں قرآن حکیم کی بے شمار آیات موجود ہیں:

یہ واضح رہے کہ: کفار محاربین: جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں، مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے ہوں، اسلامی اصطلاحات کو مسخ کر کے اسلام کا مذاق اڑاتے ہوں، اور مارِ آستین بن کر مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو منتشر کرنے کے درپے ہوں۔ اسلام اُن کے ساتھ سخت سے سخت معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ رواداری کی اُن کافروں سے اجازت دی گئی ہے جو محارب اور موذی نہ ہوں، ورنہ: کفار محاربین: سے سخت معاملہ کرنے کا حکم ہے۔

علاوہ ازیں بسا اوقات اگر مسلمانوں سے کوئی قابلِ نفرت گناہ سرزد ہو جائے تو بطور تعزیر و تادیب ان کے ساتھ ترکِ تعلق اور سلام و کلام، نشست و برخاست ترک کرنے کا حکم شریعت مطہرہ اور سنت نبوی ﷺ میں موجود ہے چہ جائیکہ: کفار محاربین: کے ساتھ۔

اسلام کی غیرت ایک لمحہ کیلئے یہ برداشت نہیں کرتی کہ اسلام اور ملت اسلامیہ کے دشمنوں سے کسی نوعیت کا کوئی تعلق اور رابطہ رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں دشمنانِ اسلام سے دوستی اور ان پر اعتماد کرنے کی شدید ممانعت فرمائی ہیں۔آیات ملاحظہ فرمائیں.....

سورة البقره

:وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْيَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِاِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًامِّنْ عِنْدِاَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِمَاتَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ:(البقره:آیت109)

ترجمہ: دل چاہتا ہے بہت سے اہل کتاب کا کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر بنادیں بسبب اپنے دلی حسد کے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا اُن پر حق۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

(بعض یہود شب و روز مختلف تدبیروں سے دوستی و خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتے تھے۔اور باوجود ناکامی کے اپنی دُھن سے باز نہ آتے تھے،حق تعالیٰ جل شانہ نے مسلمانوں کو اس پر متنبہ فرمادیا کہ)ان اہل کتاب:یعنی یہود:میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں (اور یہ چاہنا کچھ خیر خواہی سے نہیں جیسا وہ اظہار کرتے ہیں بلکہ)محض حسد کی وجہ سے جو کہ (تمہاری جانب سے کسی امر کے سبب پیدا نہیں ہوا بلکہ)خود اُن کے دلوں ہی سے (جوش مارتا)ہے (اور یہ بھی نہیں کہ اُن کو حق واضح نہ ہوا ہو بلکہ)حق واضح ہوئے پیچھے (یہ حالت ہے)۔(بیان القرآن:ج1:ص35)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناءاللہ عثمانی مجدّدی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ : اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ :حی:اور :ابو یاسر اخطب:یہودی کے بیٹے عرب سے اس وجہ سے بہت حسد کرتے تھے کہ ان میں پیغمبرﷺ کیوں ہوئے اور رات دن لوگوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

:لَوْيَرُدُّوْنَكُمْ: کہ تم کو پھیر کر بنادیں۔

:مِّنْ بَعْدِاِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًامِّنْ عِنْدِاَنْفُسِهِمْ: مؤمن ہونے کے بعد کافر،دلی حسد کی وجہ سے۔

مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ تمنائے فاسد ان کے نفس کی خیانت سے پیدا ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کو کہیں اس کا حکم نہیں کیا۔

:مِّنْ بَعْدِمَاتَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ:بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا اُن پر حق۔یعنی یہ سب ان کی گزشتہ کاروائی اس پر ہے کہ ان معجزات اور حضور اکرم ﷺ کی ان صفات سے جو تورات میں مذکور ہیں حق ظاہر ہو چکا ہے۔

(تفسیر مظہری اردو:ج1:ص163)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

(اے مسلمانو! یہ یہود قرآن اور دین میں طرح طرح کے شبہے نکالتے ہیں، کبھی نسخ احکام پر اعتراض کرتے ہیں۔اصل وجہ یہ ہے کہ) اکثر اہل کتاب کی دلی خواہش اور تمنا یہ ہے کہ کسی طرح تم کو ایمان سے پھیر کر کافر بنا دیں (کہ اہل کتاب کی طرح تم بھی جدید حکم کا انکار کر دو اور اپنے نبی پر یہ اعتراض کرو کہ تم نے پہلے تو یہ حکم دیا تھا اور اب یہ دوسرا حکم اس کے خلاف کیسے؟ اور اس غرضِ فاسد کا کوئی محرک اور باعث تمہاری جانب سے وقوع میں نہیں آیا) بلا وجہ محض حسد کی بناء پر کہ جو خود اُن کے (ناپاک اور گندے) نفسوں سے پیدا ہوا ہے (اور پھر تعجب یہ ہے کہ اُن کی یہ کوشش اور یہ حسد کسی شک اور شبہ کی بناء پر نہیں بلکہ) بعد اس کے ہے کہ حق اُن کو خوب واضح ہو چکا ہے (کہ مسلمانوں کا دین اور اُن کی کتاب اور ان کا رسول سب سچے ہیں، نیز اُن کو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ ہر شریعت میں:علیٰ اختلاف المصالح: احکام بدلتے رہتے ہیں)۔(معارف القرآن:ج1:ص260)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ یہودیوں کے ارادے بڑے خطرناک ہیں:وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْيَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِاِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا: بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ تمہیں پھر سے کفر کی طرف لوٹا دیں۔وہ ہر وقت اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح مسلمان کمزور ہو جائیں، جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ بھی اپنے سابقہ دین پر پلٹ جائیں۔یہ تو نزول قرآن کے زمانہ کی بات ہے کہ اہل کتاب مسلمانوں کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے تھے، اور ان کی یہ کوشش آج تک جاری ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیا جائے۔دنیا میں جتنی مشنریاں کام کر رہی ہیں یہ سب اسی کام کے لئے ہیں۔دوسرے مقام پر آتا ہے:فتكونون سواء: سب برابر سرابر ہو جائیں۔جس طرح وہ خود گمراہ ہیں، اسی طرح مسلمان بھی ان کی روش پر چل نکلیں۔جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی کتاب اور انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار کیا، اسی طرح مسلمان بھی ان چیزوں کا انکار کرنے لگیں۔اہل کتاب کی دلی خواہش یہی

ہے۔

فرمایا: اہل کتاب کی اس گندی ذہنیت کے پیچھے ان کی ایک اور خباثت کارفرما ہے یعنی: حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ: ان کے نفسوں پر چھپا ہوا حسد ہے۔ جو انہیں مسلمانوں کے خلاف اُبھار رہا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ ایسا کسی غلط فہمی یا لاعلمی کی بناء پر نہیں کرتے بلکہ: مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ: یہ سب کچھ حق کے اظہار کے بعد کر رہے ہیں۔ انہیں حق اور باطل میں تمیز ہو چکی ہے، مگر حسد اس بات پر کرتے ہیں کہ نبی آخر الزمان ﷺ بنو اسماعیل کے بجائے بنو اسحاق میں کیوں نہیں آیا۔

غیر مسلم حاسد اقوام:

جیسا کہ عرض کیا، غیر مسلم اقوام میں مسلمانوں کے خلاف حسد کی آگ نزول قرآن کے زمانے سے لے کر آج تک برابر بھڑک رہی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اِس وقت امریکہ، برطانیہ، جرمنی اور فرانس وغیرہ کی عیسائی طاقتیں اربوں روپیہ اس مقصد کیلئے خرچ کر رہی ہیں کہ کسی طرح مسلمان قوم کا تعلق قرآن پاک سے منقطع کر دیا جائے۔ مستشرقین کا فتنہ اسی مقصد کیلئے کام کر رہا ہے۔ امیر شکیب ارسلانؒ نے اپنی کتاب: الحاضر الاسلامی: میں لکھا ہے کہ:

یورپی عیسائیوں اور یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کو مسخ کرنے اور قرآن پاک کی تردید میں چھ لاکھ کی تعداد میں کتابیں شائع کی ہیں تاکہ مسلمان اسلام سے بدظن ہو جائیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اگر عیسائیت نہ بھی قبول کریں تو کم از کم مسلمان کی حیثیت میں باقی نہ رہیں۔ مشنری سکول، ہسپتال وغیرہ سب اسی مقصد کیلئے چل رہے ہیں، لوگوں کو لالچ دے کر عیسائیت کی طرف مائل کیا جا رہا ہے۔ یہ اسی حسد کی بناء پر چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا تعلق اپنے نبی سے کٹ جائے اور یہ قرآن پاک کی تعلیمات کو چھوڑ دیں۔

(معالم العرفان فی دروس القرآن: ج2: ص389)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

بعض یہود شب و روز مختلف تدبیروں سے دوستی و خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتے تھے، اور باوجود ناکامی کے دُھن سے باز نہ آتے تھے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مسلمانوں کو اس پر متنبہ فرمایا دیا کہ ان اہل کتاب (یعنی یہود) میں سے بہت، دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں۔ (اور یہ چاہنا کچھ خیر خواہی سے نہیں، جیسا کہ وہ اظہار کرتے ہیں بلکہ) محض حسد کی وجہ سے جو کہ (تمہاری جانب سے کسی اَمر کے سبب پیدا نہیں ہوا، بلکہ (خود اُن کے دلوں سے ہی) جوش مارتا ہے۔ (اور یہ بھی نہیں کہ اُن کو حق واضح نہ

ہوا ہو بلکہ) حق واضح ہوئے پیچھے (یہ حالت ہے)۔(معارف القرآن:ج1:ص335)

اس آیت کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ یہ اہل کتاب تمہیں اسلام سے پھیر کر دوبارہ کافر بنانے کی خواہش رکھتے ہیں ۔اور وہ مسلمانوں کا ارتداد محض ذاتی بغض وعداوت اور حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں اور اس بغض وحسد کا سرچشمہ ان کی نفسانی خواہشات ہیں ۔یعنی مسلمانوں کو مرتد کرنے کے سلسلے میں ان کی سرگرمیاں کسی غلط فہمی یا نادانی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں دیدہ دانستہ کر رہے ہیں۔تورات کے بیانات اور محمد ﷺ کے معجزات سے حق ان پر واضح ہو چکا ہے۔(جواہر القرآن:ج1:ص 58)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

وَدَّ كَثِيْر ":پسند کیا بہت سے لوگوں نے: مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ: اہل کتاب میں سے :لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا: اس بات کو کہ وہ لوٹا دیں تمہیں تمہارے مؤمن ہونے کے بعد کفر کی طرف ۔یعنی مسلمانوں کے دلوں میں ایسے شبہات پیدا کرتے ہیں اور منصوبے بناتے ہیں کہ وہ ایمان چھوڑ کر کافر ہو جائیں جیسے پہلے کافر تھے۔اور اس طرح کیوں کرتے ہیں؟فرمایا:حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ : اپنے نفسوں میں حسد کرتے ہوئے:مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ:بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا ہے ان کے لئے حق ۔کہ وہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ جنہوں نے آنا تھا یہ وہی ہیں ۔کیونکہ ان کی کتابوں میں آخری پیغمبر کی نشانیاں تحریر تھیں،اور تمام کی تمام حضرت محمد ﷺ میں موجود تھیں ۔اور یہ ان ساری باتوں کو سمجھتے اور جانتے تھے مگر ضد کی وجہ سے مانتے نہیں تھے،جس کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن:ج1:ص331)

اس آیت کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق کے کھل جانے کے محض حسد وبغض کی بناء پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔

قومی عصبیت باعث شقاوت ہے:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حیی ابن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہ دونوں یہودی سب سے زیادہ

مسلمانوں کے حاسد تھے لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور عربوں سے جلتے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کعب بن اشرف کا بھی یہی شغل تھا۔ زہریؒ کہتے ہیں اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے یہ بھی یہودی تھا اور اپنے شہروں میں حضرت ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا گو ان کی کتاب میں حضور ﷺ کی تصدیق موجود تھی اور یہ بخوبی حضور ﷺ کی صفتیں جانتے تھے پھر یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ قرآن ان کی کتاب کی تصدیق کر رہا ہے ایک امی اور ان پڑھ وہ کتاب پڑھتا ہے جو سراسر معجزہ ہے لیکن صرف حسد کی بناء پر کہ یہ عرب میں آپ ﷺ کیوں مبعوث ہوئے کفر اور انکار پر آمادہ ہو گئے بلکہ اور لوگوں کو بھی بہکانا شروع کر دیا پس اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم درگزر کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم کا اور اس کے فیصلے کا انتظار کرو۔ جیسے اور جگہ فرمایا تمہیں مشرکوں اور اہل کتاب سے بہت کڑوی باتیں سننی پڑیں گی مگر بعد میں حکم نازل فرمادیا کہ ان مشرکین سے اب دب کر نہ رہو ان سے لڑائی کرنے کی تمہیں اجازت ہے۔

حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اور آپ کے اصحابؓ مشرکین اور اہل کتاب سے درگزر کرتے تھے اور ان کی ایذاء اور تکلیف سہتے تھے اور اس آیت پر عمل پیرا تھے یہاں تک کہ دوسری آیتیں اتری اور یہ حکم ہٹ گیا اب ان سے بدلہ لینے اور اپنا بچاؤ کرنے کا حکم ملا اور پہلی ہی لڑائی جو بدر کے میدان میں ہوئی اس میں کفار کو شکست فاش ہوئی اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں میدان میں بچھ گئیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ج1: ص186)

سورة البقره

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَاالنَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ:(البقره:آیت:120)

ترجمہ: اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ ﷺ سے یہ یہود اور نہ یہ نصاری، جب تک کہ آپ ﷺ ان کے مذہب کے بالکل پیرو نہ ہو جائیں۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ ﷺ سے یہ یہود اور نہ یہ نصاری، جب تک کہ آپ ﷺ (خدانخواستہ) ان کے مذہب کے (بالکل) پیرو نہ ہو جائیں (اور یہ محال ہے، پس اُن کا راضی ہونا محال ہے)۔

(بیان القرآن:ج1:ص39)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجدّدی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور ہرگز نہ خوش ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی تاوقتیکہ نہ اختیار کرلیں آپ اُن کا دین۔

(تفسیر مظہری اردو:ج1:ص172)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

یہ یہود اور نصاری ہرگز آپ سے راضی اور خوش نہ ہوں گے تاوقتیکہ آپ ان کی منسوخ ملت کا اتباع اور پیروی نہ کریں (وہ اس غرہ میں ہیں کہ ہم کتب الہیہ کے علوم کے حامل اور علمبردار ہیں۔ہم کسی کا کیوں اتباع کریں، ہم تو سب کے متبوع اور سردار ہیں۔لہذا جو شخص اپنے آپ کو متبوع سمجھتا ہو وہ تابع بننے پر کب راضی ہوسکتا ہے)۔

(معارف القرآن:ج1:ص275)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہود و نصاری کی خرابیاں مختلف انداز میں بیان ہو رہی ہیں۔اس سے پہلے اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ اہل

کتاب چاہتے ہیں کہ جولوگ ایمان لا چکے ہیں، وہ بھی پہلے دین یعنی یہودیت یانصرانیت کی طرف پلٹ آئیں، ان کی خواہش یہ ہے کہ اہل ایمان کمزور ہوجائیں، اگر چہ اُن پر حق واضح ہو چکا ہے، تاہم وہ حسد کی بناء پر نبی آخرالزمان پر ایمان لانے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ نبی کریم ﷺ بعض باتوں میں موافقت بھی کرتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ شاید یہ لوگ ہمارے ہوکر ایمان لے آئیں۔ چنانچہ مسلمان بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے، ہجرت کے بعد بھی سولہ، سترہ ماہ تک قبلہ بیت المقدس ہی رہا۔ مگر بعد میں یہی معلوم ہوا کہ مشرک تو نادانی کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اہل کتاب حسد اور عناد کی بناء پر ایسا کرتے ہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مشرک یا تو ختم ہو گئے یا ایمان قبول کرلیا، مگر یہود ونصاریٰ باطل پر اڑے رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس مقام پر حضور ﷺ اور اہل ایمان کو خبردار کیا کہ اہل کتاب سے آپ کوئی اُمید نہ رکھیں، یہ دیدہ ودانستہ حق کی مخالفت کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى: یہودی اور نصرانی آپ پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے: حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ: جب تک کہ آپ اُن کی ملت کا اتباع نہ کریں۔ اُن کا مذہب اختیار نہ کریں۔ اور اُن کا طریقہ نہ اپنائیں۔ لفظ: لَنْ: تاکید نفی کیلئے آتا ہے۔ یعنی ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ اہل کتاب کو حق بات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ تو مسلمانوں کو اپنے دین سے منحرف کرنا چاہتے ہیں۔ یہ خود ہدایت قبول نہیں کریں گے۔

اہل کتاب کی جملہ خرابیاں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ آخری بات فرمائی کہ آپ ان سے کوئی امید وابستہ نہ کریں کہ شاید یہ ایمان لے آئیں گے، بلکہ یہ تو اُلٹا مسلمانوں کو اپنے دین پر لانا چاہتے ہیں، جو کہ ناممکن ہے۔ (معالم العرفان فی دروس القرآن: ج2: ص421)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ ﷺ سے یہ یہود اور نہ یہ نصاریٰ، جب تک کہ آپ ﷺ (خدانخواستہ) ان کے مذہب کے (بالکل) پیرو نہ ہوجائیں (اور یہ محال ہے، پس ان کا راضی ہونا محال ہے)۔

(معارف القرآن: ج1: ص355)

اس آیت کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہاں پر آنحضرت ﷺ کو بطور زجر وتنبیہ فرمایا کہ یہود ونصاریٰ شرک وگمراہی میں اس قدر پختہ ہیں کہ کبھی توحید

کونہیں مانے گے،اس لئے آپﷺ ان کی خواہشات کا اتباع نہ کرنا۔آنحضرتﷺ کو یہود ونصاری کے مسلمان ہو جانے کی انتہائی خواہش تھی اور آپﷺ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ فرماتے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ اس معمولی ملاطفت سے یہ راضی نہیں ہو گے، یہ تو آپﷺ سے صرف اسی صورت میں راضی ہو سکتے ہیں کہ آپﷺ ان کی شریعت کی اتباع کرلیں اور ان کا دین اپنالیں۔یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا نائب اور متصرف ومختار سمجھ کر پکارتے ہیں، آپﷺ بھی ان کو پکارنا شروع کردیں اور اُن کی دیگر مشرکانہ اور جاہلانہ رسمیں بجالائیں تو بس یہ لوگ آپﷺ سے راضی ہو جائیں گے۔

اس طرح آپﷺ کے دل میں اُن کے ایمان لانے کی جو ادنیٰ سی اُمید تھی اسے بھی ختم کردیا، گویا ان کا ایمان لانا امکان سے باہر ہے، کیونکہ اسے ایک امرِ محال پر معلّق کیا گیا ہے، نہ حضور اقدسﷺ ان کے دین کی پیروی کرسکتے ہیں نہ وہ ایمان لاسکتے ہیں۔(جواھر القرآن:ج1:ص62)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہود ونصاریٰ کی پیروی:

:وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی:اور ہرگز راضی نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی:حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُم: یہاں تک کہ آپ پیروی کریں ان کی ملت کی۔یعنی یہود ونصاریٰ جو آپﷺ سے معجزات کا تقاضا کرتے ہیں،اس سے ان کی نیت یہ نہیں ہے کہ وہ معجزات دیکھ کر ایمان لے آئیں گے بلکہ وہ صرف آپﷺ کو پریشان کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں،وہ آپ پر کسی صورت میں بھی راضی نہیں ہو گے مگر یہ کہ آپﷺ ان کی پیروی کریں:قل انّ ھدی اللّٰہ ھو الھدی:آپ(ﷺ) کہہ دیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ہدایت ہے :ولئن اتّبعت اھواء ھم بعدالّذی جاء ك من العلم: اورالبتہ اگر آپ(ﷺ) نے پیروی کی ان کی خواہشات کی بعد اس کے کہ آچکا آپ(ﷺ) کے پاس علم:مالک من اللّٰہ من وّلیّ وّلا نصیر:نہیں ہوگا آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔

قارئین کرام!

دیکھو.....!:ولئن اتّبعت: اوراگر آپ(ﷺ) نے اتباع کی۔اس میں خطاب تو حضور اقدسﷺ کو کیا گیا ہے مگر سمجھانا اُمت کو مقصود ہے۔کیونکہ پیغمبرﷺ کے متعلق تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ گمراہ لوگوں کی پیروی کرے

گا البتہ اُمت کے افراد سے اس کا امکان اور خوف ہے۔اس لئے اُمت کو سمجھایا گیا ہے کہ اگر تم علم ہو جانے کے بعد یہود و نصاریٰ کی خواہشات پر چلو گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت ہوگی اور تمہارا حمایتی او رمددگار بھی کوئی نہیں ہوگا۔

یہود و نصاری کی نقالی پر آنحضرت ﷺ کا فرمان مبارک:

او رآنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ تم یہود و نصاری کے نقش قدم پر چلو گے حتی کہ اگر وہ کسی سوراخ میں گھسیں گے تو تم بھی اس سوراخ میں گھسنے کی کوشش کرو گے۔

آج کے معاشرے پر نظر کی جائے تو آنحضرت ﷺ کا فرمان دکھائی دے رہا ہے۔یہود و نصاری جو فیشن ایجاد کرتے ہیں مسلمان اس کی نقالی کو فخر سمجھتے ہیں،اور تہذیب جدید کا نام دے کر اس کو اپناتے ہیں۔حالانکہ ان کا مقصود مسلمانوں کو اپنی تہذیب او راخلاق سے دُور کرنا ہے۔لہذا ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو او راللہ تعالیٰ جل شانہ کی گرفت سے بچ جاؤ۔(ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن:ج1:ص362)

اس آیت کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

تجھ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تو ان کے مذہب کا تابع نہ بن جائے،تو کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر تو نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ تو تیرا کوئی ولی ہوگا او رنہ مددگار۔

دین حق کا باطل سے سمجھوتہ جرم عظیم ہے:

آیتِ بالا کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تجھ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے لہٰذا تو بھی انہیں چھوڑ او ررب تعالیٰ کی رضا کے پیچھے لگ جا تو نے انہیں دعوت رسالت پہنچادی۔دین حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تجھے دیا ہے تو اس پر جم جا۔حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کی ایک جماعت حق پر جم کر دوسروں کے مقابلہ میں رہے گی اور غلبہ کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ قیامت آئے۔

پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے دھمکایا کہ ہرگز ان کی رضامندی اور ان سے صلح جوئی کیلئے اپنے دین میں سست نہ ہونا ان کی طرف نہ جھکنا ان کی نہ ماننا۔

فقہاء کرامؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک مذہب ہے خواہ وہ یہود ہوں نصرانی ہوں یا کوئی اور ہوں اس لئے کہ ملت کا لفظ یہاں مفرد ہی رکھا جیسے اور جگہ ہے:لکم دینکم ولی دین:تمہارے لئے تمہارا دین ہے

اور میرے لئے میرا دین ہے۔

اس استدلال پر اس مسئلہ کی بنا ڈالی ہے کہ مسلمان اور کفار آپس میں وارث نہیں ہو سکتے اور کفر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں گو وہ دونوں ایک ہی قسم کے کافر ہوں یا دو الگ الگ کفروں کے کافر ہوں، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں یہی قول منقول ہے اور دوسری روایت میں امام احمدؒ کا اور امام مالکؒ کا یہ قول مروی ہے کہ دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں ایک صحیح حدیث میں بھی یہی مضمون ہے۔(تفسیر ابن کثیر: ج 1: ص 196)

سورة البقره

:وَلَاتَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ،وَلَامَةٌمُّؤْمِنَةٌخَيْرٌمِّنْ مُّشْرِكَةٍوَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ،وَلَاتُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا،وَلَعَبْدٌمُّؤْمِنٌ خَيْرٌمِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ، اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ،وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ،وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ.(البقره:آیت:221)

ترجمه: اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں،اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے مشرک بی بی سے اگر چہ وہ تم کو بھلی لگے،اور نکاح نہ کرو مشرکین سے جب تک وہ ایمان نہ لے آویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے مشرک سے اگر چہ وہ تم کو بھلا لگے،وہ بُلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور اللہ تعالیٰ بُلاتا ہے جنت کی طرف اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَلَاتَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ(الی قوله)لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ: اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جاویں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے (چاہے وہ آزاد بی بی ہی کیوں نہ ہو) گو وہ (کافر عورت بوجہ مال یا جمال کے) تم کو اچھی ہی معلوم ہو (مگر پھر بھی واقع میں مسلمان ہی عورت اُس سے اچھی ہے) اور (اسی طرح اپنے اختیار کی) عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جاویں اور مسلمان مرد (چاہے) غلام (ہی کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر مرد سے (چاہے وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو) گو وہ (کافر مرد بوجہ مال یا جاہ کے) تم کو اچھا ہی معلوم ہو (مگر پھر بھی واقع میں مسلمان ہی مرد اُس سے اچھا ہے۔اور وجہ ان کافروں کے بُرا ہونے کی اور وہی اصلی سبب ہے،اُن سے نکاح کرنے کی ممانعت کا یہ ہے کہ) یہ (کافر) لوگ دوزخ (میں جانے) کی تحریک دیتے ہیں (کیونکہ کفر کی تحریک دیتے ہیں اور اُس کا انجام دوزخ ہے) اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت (کے حاصل کرنے) کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے (اور اُس کا اس طرح ظہور ہوا کہ کفار کے باب میں یہ حکم صادر فرما دیا کہ ان سے نکاح نہ کیا جاوے تاکہ اُن کی تحریک کے اثر سے پوری حفاظت رہ سکے اور اُس سے محفوظ رہ کر جنت اور مغفرت حاصل ہو جاوے) اور اللہ تعالیٰ جل شانہ اس واسطے

آدمیوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تا کہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں (اور مستحق جنت ومغفرت کے ہو جاویں)۔

فائدہ: اس آیت میں دو حکم ہیں: ایک یہ کہ کافر مردوں سے مسلمان عورت کا نکاح نہ کیا جاوے۔ سو یہ حکم تو اب بھی باقی ہے۔ حتیٰ کہ مرد کے کافر اور عورت کے مسلمان ہونے کی صورت میں پہلا نکاح جائز بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ مثلاً کوئی مسلمان مرد نعوذ باللہ کافر ہو جاوے اور اُس کے نکاح میں پہلے سے کوئی مسلمان عورت تھی نکاح فوراً ٹوٹ جاوے گا اور یہ عورت عدّت پوری کر کے دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ اور مثلاً کوئی کافر عورت بہدایتِ الٰہی مسلمان ہو جاوے اور وہ پہلے سے کسی کافر مرد کے نکاح میں تھی اور وہ مرد اسلام قبول نہ کرے اُسی وقت وہ نکاح ٹوٹ جاوے گا۔

اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر وہ جگہ دارالاسلام ہے تو مرد سے تصریحاً پوچھیں گے کہ تو اسلام قبول کرتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ قبول کر لے تو نکاح نہ ٹوٹے گا اور اگر انکار کر دے تو اب ٹوٹ جاوے گا۔ اور اگر وہ جگہ دارالحرب ہے تو خاوند سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ عورت کے اسلام لانے کے بعد جب تین حیض گذر جاویں یا اگر اُس کو حیض نہ آتا ہو تو جب تین مہینے گذر جاویں اور اگر حاملہ ہو تو جب بچہ پیدا ہو جاوے، اُس شوہر کے نکاح سے باہر ہو جاوے گی اور ہر صورت میں نکاح ٹوٹنے کے بعد پھر عدّت واجب گی۔ بہر حال جس وقت سے نکاح ٹوٹا ہے اُس وقت سے عدّت طلاق کی پوری کر کے دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ اور یہ جو اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ ایسی عورت کے مسلمان ہوتے ہی فوراً کسی سے نکاح کر دیتے ہیں اور عدتِ واجبہ کو پورا نہیں کرتے یہ محض ناجائز ہے اور یہ دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوتا غرض یہ کہ ایک حکم تو آیت کا اس طرح باقی ہے۔

دوسرا حکم یہ کہ مسلمان مرد کا کافر عورت سے نکاح نہ کیا جاوے۔ اس حکم میں دو جزو ہیں۔ ایک جزو یہ کہ وہ کافر عورت کتابی یعنی یہودی یا نصرانی نہ ہو اور کوئی مذہب کفر کا رکھتی ہو سو اس جزو میں بھی اس آیت کا حکم باقی ہے۔ چنانچہ ہندو عورت یا آتش پرست عورت سے نکاح مسلمان کا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا جزو یہ کہ وہ کافر عورت کتابیہ ہو یعنی یہودیہ یا نصرانیہ ہو، اس خاص جزو میں اس آیت کا حکم باقی نہیں بلکہ ایک آیت سورۂ مائدہ میں اس مضمون کی ہے کہ کتابی عورتوں سے نکاح درست ہے۔ سو اُس آیت سے اس آیت کا یہ خاص جزو منسوخ ہو گیا۔ چنانچہ یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح درست ہو جاتا ہے بشرطیکہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ ہوئی ہو۔

مسئلہ: گو کتابی عورت سے نکاح درست ہے لیکن اچھا نہیں۔ حدیث میں دیندار عورت کے حاصل کرنے کا حکم ہے، تو بد دین عورت کا حاصل کرنا اس درجہ میں ناپسند ہو گا۔

مسئلہ: اسی طرح جو مرد ظاہری حالت سے مسلمان سمجھا جائے لیکن عقائد اس کے کفر تک پہنچے ہوں اس سے مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں۔ اور اگر نکاح ہو جانے کے بعد ایسے عقائد خراب ہو جاویں تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے آج کل بہت سے آدمی اپنے مذہب سے ناواقف سائنس کے اثر سے اپنی عقائد تباہ کر لیتے ہیں۔ لڑکی والوں پر واجب ہے کہ پیغام آنے کے وقت اوّل عقائد کی تحقیق کر لیا کریں تب زبان دیں۔

اور عورتوں کو چاہئے کہ اگر نکاح کے بعد ایسے عقائد شوہر کے ثابت ہوں تو اُن سے کنارہ کریں اور جس طرح بن پڑے اُن کو ہمبستر نہ ہونے دیں اور سرپرستوں کو بھی اس میں عورتوں کی امداد واجب ہے۔

سوال: پھر چاہئے تھا کہ عورت مشرک سے نکاح جائز ہوتا؟ اسی طرح مسلمان عورت کا کافر مرد سے نکاح جائز ہوتا؟

جواب: ایک علّت یہ بھی ہے کہ محلِ نکاح میں شر ہے، اور شر میں دو مرتبے ہیں۔ کتابی کے شر کو شرع نے خفیف سمجھا ہے غیر کتابی کے خُبث و شر سے۔ اس لئے غیر کتابیہ کو شرف نکاحِ مُسلم کا محل ہی قرار نہیں دیا۔ یہ تو وجہ ہے غیر کتابیہ سے نکاح درست نہ ہونے کی۔ اور ضعف جیسا داخلی ہوتا ہے جس کو عقلی کہا گیا ہے اسی طرح خارجی بھی ہوتا ہے اور زوجہ طبعاً وفطرۃً مرد کے زیرِ حکومت ہے۔ پس یہ ضعف بھی علّت تأثر کی ہو سکتا ہے۔ اِس لئے مسلمہ کا نکاح کافر سے جائز نہیں کیا گیا۔ اور مسلم کے نکاح میں کافرہ کے ساتھ یہ ضعف مفقود ہے لہٰذا وہ جائز قرار پایا اور چونکہ اکثر کی حالت کا یہ مقتضا تھا اور قانون میں ہمیشہ ایسی ہی حالت کا اعتبار ہوتا ہے۔ لہٰذا قانون اصلی تو یہ مقرر ہوا لیکن اگر کہیں مسلم کو کتابیہ سے نکاح کرنے میں غالب ظن، بگڑ جانے کا ہو، وہاں: لغیرہ: کے درجہ میں اُس کو بھی شدت کے ساتھ ممنوع کہیں گے۔

(بیان القرآن: ج1: ص71)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ، اور نہ نکاح کرو مشرک مردوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں: وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ: اور بیشک لونڈی مسلمان (عورت) مشرک (عورت) سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھی معلوم ہو (یعنی اپنے مال یا جمال یا عادات کی وجہ سے): وَلَا تُنْكِحُوا: اور نہ نکاح کرو (مسلمان عورت کا، یہ خطاب یا تو عورتوں کے ولیوں کو ہے یا حکام کو ہے، مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مشرک مردوں سے نکاح نہ کرنے دو: الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا: مشرک مردوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں (یہ آیت محکم ہے، لہٰذا مسلمان عورت کا نکاح مشرک سے کر دینا بالاتفاق جائز نہیں خواہ وہ مشرک اہل کتاب میں سے ہو یا

اور کسی مذہب کا ہو: وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ، اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ: اور بیشک مسلمان غلام (یعنی آدمی) مشرک سے بہتر ہے۔ اگر چہ وہ (مال یا جاہ وغیرہ کی وجہ سے) تمہیں اچھا معلوم ہو (یعنی یہ مشرک عورتیں اور مرد، مسلمانوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں (یعنی کفر اور معاصی کی طرف) کیونکہ صحبت اور ملاقات کا دلوں میں اثر ہو کر آدمی کو اپنے دوست اور ہم نشین کے دین پر کر دیتا ہے: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا: اور اللہ تعالیٰ جل شانہ بلاتا ہے (اپنے پیغمبروں کی زبانی یا یہ مراد ہے کہ اولیاء اللہ بلاتے ہیں): اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ: جنت اور مغفرت کی طرف (یعنی ایسے عقیدوں اور عملوں کی طرف جو جنت اور مغفرت کو واجب کر دیتے ہیں، پس اولیاء اللہ ہی کے ساتھ رہنا چاہئے): بِاِذْنِهٖ: اپنے حکم سے (یعنی توفیق دے کر اور آسانی کر کے یا اپنے حکم اور اپنے ارادے سے)۔

: وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ: اور اپنے احکام (اور نواہی) لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں (یا ایسے ہو جائیں کہ ان سے نصیحت یاب ہونے کی اُمید ہو)۔

(تفسیر مظہری اردو: ج1: ص 351)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

: وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ (الیٰ) لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ: اس آیت میں مشرکین اور مشرکات کے ازدواجی اختلاط کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ ازدواجی تعلق کے لئے دینی اخوت ضروری ہے اور وہ ان میں مفقود ہے۔ لہذا اہل شرک سے ازدواجی تعلق جائز نہیں۔ کافروں سے نکاحی اختلاط اور ازدواجی تعلقات خمر اور میسر سے زیادہ مضر اور مہلک ہیں۔ کافروں سے ازدواجی اور معاشرتی تعلق کے بعد نہ تو دین باقی رہتا ہے اور نہ اسلامی تمدن۔ چند روز کے بعد نہ اسلامی خصلتیں باقی رہتی ہیں اور نہ عادتیں۔ اپنی قومیت فنا کر کے دوسری قوم کا فرد بن جاتا ہے اور اسلامی تمدن کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور البتہ ایک مسلمان کنیز (یعنی لونڈی اور باندی) ایک مشرک عورت سے بدرجہا بہتر ہے (اگر چہ وہ مشرک عورت آزاد بھی ہو اور حسین وجمیل اور مال دار بھی ہو، اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک ایمان کی لازوال دولت کے مقابلہ میں کسی مال اور جمال کی کوئی حقیقت نہیں اگر چہ) وہ مشرک عورت (اپنے مال یا حسن وجمال یا حسن عادت کی بنا پر) تم کو اچھی معلوم ہو (اور علیٰ ھذا مسلمان عورتوں کو) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور البتہ ایک غلام مسلمان ایک آزاد کافر سے کہیں بہتر ہے اگر چہ وہ کافر (مال ودولت یا عزت ووجاہت کی وجہ سے) تم کو اچھا معلوم ہو، یہ مشرک لوگ آگ کی طرف بلاتے

ہیں (یعنی ایسے اقوال وافعال شرکیہ کی طرف بلاتے ہیں جو دوزخ میں لے جا کر ڈال دیں اور زن وشوئی کا تعلق اُن کی دعوت کی تاثیر کو قوی کرنے کا بہت بڑا سبب ہے۔اندیشہ ہے کہ اس تعلق کی بناء پر عقائد شرکیہ تم میں سرایت کر جائیں اور اسلام کی طرف تم کو شبہات میں ڈال دیں اور رفتہ رفتہ تم ہدایت اور گمراہی کو برابر سمجھنے لگو) اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے اپنے حکم سے اور لوگوں کے لئے اپنے احکام صاف اور واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں (اور سمجھ لیں کہ غلام اور باندی کا تعلق جو جنت اور مغفرت کی طرف لے جائے اُس آزاد اور معزز کے تعلق سے کہیں بہتر ہے کہ جس کا تعلق جہنم کی طرف لے جائے)۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی دعوت اور کافروں کی دعوت میں تضاد اور عداوت ہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ سے اگر تعلق مقصود ہے تو اس کے دشمنوں سے ازدواجی تعلق نہ قائم کرو۔اجتماع ضدین عقلاً بھی محال ہے۔نیز مناکحت اور زوجیت کے لئے باہمی محبت اور موانست ضروری ہے اور اختلاف دین کی وجہ سے اگر محبت نہ ہوئی تو زوجیت کا فائدہ کچھ نہ ہوا۔اور اگر محبت ہوئی اور کفر اور کافری اور شرک سے چشم پوشی کی گئی تو آخرت تباہ اور برباد ہوئی۔اس لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مشرکین سے مناکحت کی قطعاً ممانعت کردی۔

فوائد: اس آیت میں دو حکم ہیں۔ایک یہ کہ مسلمان عورت کا کسی کافر مرد سے نکاح نہ کیا جائے، یہ حکم اب بھی ہے۔دوسرا حکم یہ ہے کہ مسلمان مرد کو کافر عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں، سو اس حکم میں ایک تخصیص ہے۔وہ یہ کہ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے بشرطیکہ وہ اہل کتاب حقیقۃً اہل کتاب ہوں۔ ملحدانہ اور دہریانہ عقائد نہ رکھتے ہوں اور بشرطیکہ اُس یہودی اور نصرانی عورت کے نکاح سے اس مسلمان مرد کے دین میں خلل آنے کا اندیشہ نہ ہو۔(معارف القرآن:ج 1:ص 419)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

مشرکین سے نکاح کی ممانعت:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے نکاح جیسے اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے، اور حکم دیا ہے: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ: مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

نکاح محبت اور رافت کا معاملہ ہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے میاں و بیوی کے درمیان شفقت و محبت کو پیدا فرمایا ہے اگرچہ نفسانی تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں مگر اصل جوہر الفت و محبت ہے۔لہذا اس پاکیزہ رشتے کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ میاں بیوی ہم عقیدہ و ہم خیال ہوں ورنہ اس رشتہ کا قائم رکھنا ممکن نہیں۔اسی لئے فرمایا مشرکہ عورتوں

سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔اور پھر دلیل کے طور پر فرمایا:

:وَلَامَةٌمُّؤْمِنَةٌخَيْرٌمِّنْ مُّشْرِكَةٍ: ایک مؤمنہ لونڈی مشرکہ آزاد عورت سے بہتر ہے۔وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ: اگر چہ مشرکہ عورت تمہیں کتنی اچھی لگے۔

معاشرے میں لونڈی کی حیثیت آزاد عورت کی بنسبت کم تر ہے۔مشرکہ اگر چہ آزاد ہو، مالدار ہو، حسن وجمال میں بھی خوب ہو، اس کے باوجود ایک مؤمنہ لونڈی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں بہتر ہے، اگر چہ اس کے پاس مال ودولت اور حسن بھی نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ جب مشرکہ کا دین الگ ہوگا، عقیدہ غلط ہوگا، تو میاں بیوی کی راہیں جدا جدا ہوں گی اور ان میں رافت ومحبت کا وہ رشتہ قائم نہیں ہو سکے گا، جو نکاح کی غرض وغایت ہے۔لہذا مومنوں کو منع فرمادیا کہ مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کریں۔آگے مؤمنہ عورتوں کے لئے حکم دیا جارہا ہے:

:وَلَاتُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا: ان کے نکاح مشرک مردوں سے نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔جس طرح مومن مردوں سے مشرکہ عورتوں کا نکاح جائز نہیں، اسی طرح مومن عورتوں کا مشرک مردوں سے نکاح درست نہیں۔آگے دلیل کے طور پر فرمایا:

:وَلَعَبْدٌمُّؤْمِنٌ خَيْرٌمِّنْ مُّشْرِكٍ : ایک مؤمن غلام مشرک آزاد مرد سے بہتر ہے:وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ: اگر چہ تمہیں مشرک بھلا معلوم ہو۔یعنی مالدار ہو، صحت مند ہو، اور شکل وصورت میں بھی پسندیدہ ہو، مگر مشرک ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔کیونکہ عقیدے کی خرابی کی وجہ سے میاں بیوی کا نباہ ممکن نہیں۔نیز قرآن پاک نے فیصلہ فرمادیا: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ: بیشک مشرکین ناپاک ہیں۔کیونکہ ان کا عقیدہ غلط ہے، شرک کی غلاظت اُس کے دل ودماغ میں سرایت کرچکی ہے، جو کہ میاں بیوی کے مقدس رشتہ کے منافی ہے۔لہذا نکاح کے لئے ایمان دار مرد کو تلاش کرو، جس کا عقیدہ درست ہو، اگر چہ وہ کم تر حیثیت کا مالک ہو۔

شریعت محمدیہ ﷺ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حکم نازل فرمادیا کہ نہ مومن مرد مشرکہ عورت سے نکاح کرے اور نہ مومنہ عورت مشرک مرد کے عقد میں جائے، یہاں تک کہ مشرکین ایمان لے آئیں، ایسی صورت میں نکاح جائز ہوگا۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد اگر کوئی مرد یا عورت مشرک ہو جائے یا مرتد ہو جائے۔تو اس نکاح کی کیا حیثیت ہوگی؟ جو بحیثیت مومن مرد اور مومنہ عورت ہوا تھا؟

اس کا جواب یہی ہے کہ نکاح ٹوٹ جائے گا۔اگر مرد مشرک ہوگیا ہے یا دہریہ ہوگیا ہے تو عورت اُس کے مرتد

ہونے کے وقت سے آزاد ہو جائے گی۔البتہ نکاحِ ثانی کے لئے اُسے عدت گزارنا ہوگی۔

اگر عورت کو حیض آتے ہیں تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔اگر حیض نہیں آتے تو تین ماہ عدت گزارے گی۔اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔عدت پوری کرنے کے بعد نکاح (دوسری نکاح) کر سکتی ہے۔

اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے:

البتہ ایک اور مسئلہ یہاں پر قابلِ بیان ہے۔بعض دوسری آیات سے ثابت ہے کہ یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس کی اجازت دی ہے:وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ:اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے مسلمان نکاح کر سکتا ہے۔جبکہ زوجین اپنے اپنے دین پر قائم رہیں،اگر چہ یہ پسندیدہ کام نہیں ہے،تاہم اس کی اجازت دی گئی ہے۔

سیدنا حضرت عثمانؓ نے عیسائی عورت ''نائلہ تغلبیہ'' سے نکاح کیا تھا بعد میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُسے توفیق بخشی اور وہ اسلام لے آئی۔حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تھا،سیدنا فاروق اعظمؓ کو علم ہوا،تو انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔حضرت حزیفہؓ نے پوچھا،کیا یہ نکاح ناجائز ہے؟سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا:ناجائز تو نہیں مگر خطرناک ضرور ہے ہوسکتا ہے کہ تمہارے نکاح میں بدکار عورتیں آجائیں اور تمہارا اَخلاق بگڑ جائے،اور یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ تم پر اس قدر اثر انداز ہوں کہ تمہارے دین میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔نکاح میں پیار و محبت کو بڑا دخل ہے،اور محبت میں آکر انسان بہت کچھ کر بیٹھتا ہے۔لہٰذا فاروق اعظمؓ نے حکم دیا کہ اس بی بی کو جدا کر دو،یہ پسندیدہ فعل نہیں ہے۔

بہر حال یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح جائز ہے،بشرطیکہ وہ اپنے دین پر قائم رہیں۔اِس سے مراد یہ ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہوں،مگر ملحد اور دہریہ نہ ہو،جیسا کہ آج کل اکثر نصاریٰ ہیں۔اور عام طور پر تمام انگریزوں کو عیسائی سمجھا جاتا ہے،حالانکہ ان میں بہت سے دہریہ ہوتے ہیں،جو نہ کسی کتاب کو مانتے ہیں اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اِن کا ایمان ہے،ایسی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔

الغرض اس آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمان مرد کا نکاح مشرک عورت سے درست نہیں تاوقتیکہ مسلمان نہ ہو جائے،اور اِس آزاد مشرکہ سے ایک لونڈی بہتر ہے۔گویا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان،اعلیٰ سے اعلیٰ مشرک سے بہتر ہے۔یعنی کمزور مسلمان،طاقتور مشرک سے بہتر ہے۔اور مشرکین سے جس قدر محبت کی جائے گی،اُسی قدر کفر و شرک سے نفرت میں کمی واقع ہو جائے گی،اور یہ چیز اصل دین کو ضائع کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے:اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ: کفار و مشرکین دوزخ کی

طرف دعوت دیتے ہیں۔یعنی ایسے کام کرتے ہیں جودوزخ میں لے جانے کا سبب بنتے ہیں،ان کی تحریف،باطل رسومات اورشرک وغیرہ ایسے افعال ہیں جن کی وجہ سے دوزخ لازم ہوجاتا ہے۔البتہ:وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلَی الْجَنَّۃِ وَالْمَغْفِرَۃِ بِاِذْنِہٖ: اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے حکم سے جنت اورمغفرت کی طرف دعوت دیتے ہیں،نیکی اورتوحید کی طرف بلاتے ہیں،اوراس طرف آجاؤاورشرکیہ افعال سے بچ جاؤ۔فرمایا:

:وَیُبَیِّنُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ : اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے پاس کھول کربیان کرتا ہے:لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ: تاکہ وہ نصیحت پکڑلیں،راہِ راست پرآجائیں اوردوزخ کے عذاب سے بچ جائیں۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن:ج3:ص358)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

مناکحتِ کفار:

اورنکاح مت کروکافرعورتوں کے ساتھ جب تک وہ مسلمان نہ ہوجاویں،اورمسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہووہ ہزاردرجہ) بہتر ہے کافرعورت سے (چاہے وہ آزادبی بی کیوں نہ ہو) گووہ (کافرعورت بوجہ مال یاجمال کے) تم کواچھی معلوم ہو (مگرپھربھی واقع میں مسلمان عورت ہی اس سے اچھی ہے) اور(اسی طرح اپنے اختیارکی) عورتوں کوکافرمردوں کے نکاح میں مت دوجب تک وہ مسلمان نہ ہوجاویں،اورمسلمان مرد (چاہے) غلام (ہی کیوں نہ ہووہ ہزاردرجہ) بہتر ہے کافرمرد سے (چاہے وہ آزادہی کیوں نہ ہو) گووہ (کافرمردبوجہ مال یاجاہ کے) تم کواچھاہی معلوم ہو (مگرپھربھی واقع میں مسلمان ہی اس سے اچھاہے،اوروجہ ان کافروں کے بُراہونے کی،اوروہی اصل سبب ان سے ممانعتِ نکاح کاہے،یہ ہے کہ) یہ (کافر) لوگ دوزخ (میں جانے) کی تحریک دیتے ہیں (کیونکہ کفرکی تحریک کرتے ہیں اوراس کاانجام جہنم ہے) اوراللہ تعالیٰ جنت اورمغفرت (کے حاصل کرنے) کی تحریک کرتے ہیں اپنے حکم سے (اوراس حکم کاظہوراس طرح ہواکہ کفارکے متعلق یہ حکم صادرفرمایاکہ ان سے نکاح نہ کیاجائے،تاکہ اُن کے تحریک کے اثر سے پوری حفاظت رہ سکے،اوراس سے محفوظ رہ کرجنت اورمغفرت حاصل ہوجاوے) اوراللہ تعالیٰ اس واسطے اپنے احکام بتلادیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پرعمل کریں (اورمستحقِ جنت ومغفرت ہوجاویں)۔

مسلم وکافرکاباہمی ازدواج ممنوع ہے:

آیات مذکورہ میں ایک اہم مسئلہ یہ بیان فرمایاگیاکہ مسلمان مردوں کانکاح کافرعورتوں سے اورکافرعورتوں کا

نکاح مسلمان مردوں سے جائز نہیں۔وجہ یہ ہے کہ کافر مرد اور عورتیں انسان کو جہنم کی طرف لے جانے کے سبب بنتے ہیں۔کیونکہ ازدواجی تعلقات، آپس کی محبت ومودّت اور یگانگت کو چاہتے ہیں۔اور بغیر اس کے ان تعلقات کا اصلی مقصد پورا نہیں ہوتا۔اور مشرکین کے ساتھ اس قسم کے تعلقاتِ قریبہ محبت ومودّت کا لازمی اثر یہ ہے کہ اُن کے دل میں بھی کفر وشرک کی طرف میلان پیدا ہو، یا کم از کم کفر وشرک سے نفرت اُن کے دلوں سے نکل جائے۔اور اس کا انجام یہ ہے کہ یہ بھی کفر وشرک میں مبتلاء ہو جائیں۔اور اس کا نتیجہ جہنم ہے۔اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ انسان کو جنت اور مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے، اور صاف صاف اپنے احکام بیان فرما دیتا ہے، تاکہ لوگ نصیحت پر عمل کریں۔

اس جگہ چند باتیں قابلِ غور ہیں:

اوّل یہ کہ.....اس آیت میں لفظ مشرک سے اگر مطلقاً غیر مسلم مراد ہوں تو قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کی بنا پر: اہل کتاب: کی غیر مسلم عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے: والمحصنٰت من الّذین اوتوالکتٰب من قبلکم:(سورۃ المائدہ: 5):اور اگر مشرک سے خاص وہ غیر مسلم مراد ہیں جو: اہل کتاب: نہیں تو یہ آیت اپنی جگہ عام ہے تمام اُن غیر مسلموں کو جو کسی پیغمبر اور آسمانی کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ.....مسلم وکافر کے درمیان ازدواجی تعلقات کو حرام قرار دینے کی جو وجہ قرآن کریم میں بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے ساتھ ایسے تعلقاتِ قریبہ کفر وشرک میں مبتلا ہو جانے کا سبب بن سکتے ہیں، یہ بات تو بظاہر تمام غیر مسلم قوموں میں مساوی ہے، پھر: اہل کتاب: کی عورتوں کو مستثنیٰ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب ظاہر ہے کہ: اہل کتاب: کا اختلاف اسلام کے ساتھ بنسبت دوسرے غیر مسلموں کے کم اور ہلکا ہے، کیونکہ عقائدِ اسلام کے تین عمود ہیں: توحید، آخرت، رسالت۔ان میں سے عقیدۂ آخرت میں تو: اہل کتاب: یہود ونصاریٰ بھی اپنے اصل مذہب کے اعتبار سے مسلمانوں کے ساتھ متفق ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا خود اُن کے مذہب میں بھی کفر ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت ومحبت کے غلو میں شرک تک جا پہنچے۔

اب بنیادی اختلاف صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو رسول نہیں مانتے، اور اسلام میں یہ عقیدہ بھی بنیادی عقیدہ ہے، اس کے بغیر کوئی انسان مؤمن نہیں ہو سکتا۔بہر حال دوسرے غیر مسلم فرقوں کی نسبت سے: اہل کتاب: کا اختلاف ہلکا اور کم ہے، اس لئے اس میں مفسدہ کا خطرہ زیادہ نہیں۔

تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ.....جب:اہل کتاب: کا اختلاف ملکا قرار دے کر اُن کی عورتوں سے نکاح مسلمان کا جائز ہوا تو اس کے برعکس مسلمان عورتوں کا نکاح بھی غیر مسلم:اہل کتاب: سے جائز ہونا چاہئے۔مگر ذرا غور کرنے سے فرق واضح ہوجاتا ہے کہ عورت کچھ فطرۃً ضعیف ہے،اور پھر شوہر اس پر حاکم اور نگران بنایا گیا ہے،اس کے عقائد ونظریات سے عورت کا متاثر ہوجانا مستبعد نہیں،اس لئے اگر مسلمان عورت غیر مسلم کتابی کے نکاح میں رہے تو اس کے عقائد خراب ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے،بخلاف اس کے کہ غیر مسلم کتابی عورت مسلمان کے نکاح میں رہے تو اس کے خیالات کا اثر شوہر پر پڑنا اُصولاً مستبعد ہے،کوئی بے اُصول اور افراط کا شکار ہوجائے یہ اس کا اپنا قصور ہے۔

چھوتھی بات قابل غور یہ ہے کہ.....ازدواجی تعلقات میں جو کچھ اثر ہوتا ہے وہ طرفین پر یکساں ہوتا ہے،اس لئے جیسے یہ اندیشہ ہے کہ مسلمان کے عقائد غیر مسلم سے متاثر ہوجائیں اسی طرح یہ بھی تو احتمال ہے کہ معاملہ برعکس ہو، غیر مسلم کے عقائد مسلمان سے متاثر ہوں اور وہ ہی اسلام قبول کرلے تو اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ مسلم وغیر مسلم کے ازدواجی تعلقات کو ممنوع نہ کیا جائے۔

لیکن یہاں حکمت کی بات یہ ہے کہ جب کسی چیز میں ایک نفع کی اُمید بھی ہو اور کسی ضرر کا خطرہ بھی ہو تو عقلِ سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ ضرر سے بچنے کا اہتمام نفع کی فکر سے زیادہ ضروری ہے۔فارسی کا ایک حکیمانہ مقولہ مشہور ہے:عقل مند تریاق بیقین و زہر بگماں نخورد: عقل مند شخص ایسی چیز کو استعمال نہیں کرتا جس کے تریاق ہونے کا یقین ہے مگر ساتھ ہی اس میں زہر کا خطرہ بھی موجود ہے۔

اس لئے اس نفع کی اُمید کو نظر انداز کیا گیا کہ شاید وہ غیر مسلم متاثر ہوکر اسلام قبول کرلے،اہتمام اس کا کیا گیا کہ مسلمان متاثر ہوکر کفر میں مبتلا نہ ہوجائے۔

پانچویں بات قابلِ غور یہ ہے کہ.....:اہل کتاب:یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کی اجازت کے بھی معنی یہ ہیں کہ اگر نکاح کرلیا جائے تو نکاح صحیح ہوجائے گا،اولاد ثابت النسب ہوگی،لیکن روایاتِ حدیث اس پر شاہد ہیں کہ یہ نکاح بھی پسندیدہ نہیں۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

مسلمان کو اپنے نکاح کے لئے دیندار،صالح عورت تلاش کرنا چاہئے،تاکہ خود اس کے لئے بھی دین میں معین ثابت ہو،اور اس کی اولاد کو بھی دیندار ہونے کا موقع میسر آئے۔

اور جب غیر متدین عورت سے نکاح پسند نہیں کیا گیا تو کسی غیر مسلم سے کیسے پسند کیا جاتا؟یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کو جب خبر پہنچی کہ عراق اور شام کے مسلمانوں میں کچھ ایسے ازدواج کی کثرت ہونے لگی تو بذریعہ

فرمان اُن کو اس سے روک دیا گیا، اور اس پر توجہ دلائی گئی کہ یہ ازدواجی تعلق دیانتاً بھی مسلم گھرانوں کے لئے خرابی کا سبب ہے اور سیاستاً بھی۔

اور آج کے غیر مسلم اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور ان کے سیاسی مکروفریب اور سیاسی شادیاں اور مسلم گھرانوں میں داخل ہو کر ان کو اپنی طرف مائل کرنا اور ان کے راز حاصل کرنا جس کا اقرار خود بعض مسیحی مصنفین کی کتابوں میں میجر جنرل اکبر کی کتاب: حدیث دفاع: میں اس کی کچھ تفصیلات حوالوں کے ساتھ مذکور ہیں۔

میرے محترم قارئین کرام!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کی دُوربین اِن واقعات کو دیکھ رہی تھیں خصوصاً اِس زمانہ کے یورپ کے اکثر وہ لوگ جو عیسائی یا یہودی کہلائے جاتے ہیں، اور مردم شماری کے رجسٹروں میں ان کی قومیت عیسائی یا یہودی لکھی جاتی ہیں، اگر ان کے حالات کی تحقیق کی جائے تو ان میں بکثرت ایسے لوگ ملیں گے جن کو عیسائیت اور یہودیت سے کوئی تعلق نہیں، وہ بالکل ملحد، بے دِین ہیں، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں نہ انجیل کو، نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان ہے نہ تورات پر، نہ خدا تعالیٰ جل شانہ پر نہ آخرت پر۔ ظاہر ہے کہ حلتِ نکاح کا قرآنی حکم ایسے لوگوں کو شامل نہیں، ان کی عورتوں سے نکاح قطعاً حرام ہے، ایسے لوگ ظاہر ہے کہ آیتِ قرآنی: والمحصنٰت من الّذین اوتوا الکتٰب من قبلکم: (سورۃ المائدہ: 5): کے استثناء میں داخل نہیں ہوتے، غیر مسلموں کی طرح ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی قطعاً حرام ہے۔ (معارف القرآن: ج 1: ص 615)

اس آیت کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہاں ایک طرف تو حسن و جمال اور دنیوی مال و دولت ہے اور دوسری طرف مشرک یا مشرک کی رفاقت سے اپنے دین کی بربادی کا خطرہ ہے۔ دوسری جہت کو ترجیح دے کر مشرک مرد سے مومنہ کا اور مشرک عورت سے مومن مرد کا نکاح حرام قرار دے دیا۔

:وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ: حسن و جمال اور دنیوی مال، دین اور ایمان کے مقابلہ میں بے حقیقت ہیں، اس لئے ایمان دار لونڈی جو ظاہری حسن اور دنیوی مال سے محروم ہو اُس آزاد عورت سے بہتر ہے جو حسینہ و جمیلہ ہونے کے ساتھ دولت مند بھی ہو مگر مشرک ہو۔ حُسن اور دنیوی مال کو شرک کے مقابلہ میں ٹھکرا دو اور مشرکین سے رشتۂ نکاح مت جوڑو۔

جس طرح مؤمن مرد کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں ہے، اسی طرح مؤمن عورت کا نکاح مشرک مرد سے جائز نہیں۔

مشرک مرد اور مشرک عورتیں باہمی میل جول اور رہن سہن کے ذریعے شرک اور کفر کی طرف بلاتے ہیں، جس کا انجام جہنم کا عذاب ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ رشتہ ناطہ مت کرو۔

:وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ: اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی صحبت و رفاقت اور ان کے میل جول کے ذریعے اعتقادِ حق اور عمل صالح کی دعوت دیتا ہے جن کا ثمرہ اور نتیجہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور جنت ہے۔

:بِاِذْنِهٖ: یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتا ہے کہ وہ ایمان والوں کے ذریعے ان کے متعلقین کو سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو رشتہ ناطہ کرتے وقت ہمیشہ ایمان اور عمل صالح کو معیار قرار دینا چاہئے نہ کہ ظاہری شان وشوکت اور مال و دولت کو۔ (جواہر القرآن: ج 1: ص 107)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ: اور نہ نکاح کرو تم شرک کرنے والی عورتوں سے: حَتّٰى يُؤْمِنَّ: یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ چھٹے پارے میں یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دی گئی ہے، اُن شرائط کے ساتھ کہ جن کا لحاظ ضروری ہے، لیکن پسندیدہ نہیں ہے۔

نکاح کے چند اصول:

آنحضرت ﷺ نے نکاح کے اصول بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا: عورت میں چار خوبیوں کو دیکھا جاتا ہے، اس کا حسن و جمال بھی دیکھو، اس کے خاندان کو بھی دیکھو، مال بھی دیکھو، اور دین کو بھی ملحوظ رکھو، لیکن ساری شقوں سے زیادہ دین کو ترجیح دو۔ کیونکہ عورت جب دیندار ہوگی تو اولاد پر بڑا گہرا اثر ہوگا۔ ہم نے بہت ساری ایسی صورتیں دیکھی ہیں کہ مائیں بے دین ہیں تو اولاد بھی بے دین ہے، مائیں نیک ہیں تو اولاد بھی نیک ہے، کیونکہ اولاد پر زیادہ اثر ماں کا ہوتا ہے، ماں پہلا مدرسہ ہے بچوں کے لئے۔

تو فرمایا: مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں: وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ: اور البتہ لونڈی مؤمنہ بہتر ہے: مِّنْ مُّشْرِكَةٍ: مشرک عورت سے: وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ: اگرچہ مشرک عورت جو آزاد ہے تمہیں بڑی اچھی لگے۔ اُس زمانے میں غلاموں کو اس طرح حقیر سمجھتے تھے جس طرح آج کل لوگ کمی کو سمجھتے ہیں، کیونکہ ظاہر بات ہے کہ اُونچے خاندان کا آدمی کسی کمی کی لڑکی سے حتی الوسع نکاح کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

اور فرمایا: وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ: اپنی بیٹیاں اور بہنیں تم نکاح کر کے نہ دو مشرکوں کو: حَتّٰى يُؤْمِنُوْا: حتی کہ وہ ایمان لے آئیں۔ لیکن آج تو بڑا فتنے کا دور ہے، کئی باطل فرقے ہیں، مثلاً قادیانی ہیں، منکرینِ حدیث ہیں،

رافضی ہیں، بہائی ہیں، ذکری ہیں، شرک میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں۔ان چیزوں کو سوچنے والے کے رشتے میں بڑا فرق ہے۔

مگر آج تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ لڑکا خوبصورت ہو، تعلیم یافتہ ہو، بزنس مین ہو، کار، کوٹھی، بنگلا ہو، اور الٹی مانگ نکلی ہوئی ہو بس! بچی کا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں پکڑا دیتے ہیں۔اس کی فکر نہیں کہ اس کا ایمان رہے گا یا نہ رہے گا۔

یاد رکھو! رشتہ کرتے وقت سب سے پہلے یہ دیکھو کہ اس کا عقیدہ بھی صحیح ہے یا نہیں۔اس کی وجہ سے ہماری بچی کا ایمان بھی رہے گا یا نہیں رہے گا۔آخرت بنے گی یا خراب ہوگی۔

اور فرمایا: وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ: البتہ مؤمن غلام بہتر ہے: مِّنْ مُّشْرِكٍ: مشرک سے: وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ: اگر چہ وہ مشرک تمہیں شکل وصورت کے اعتبار سے، مال کے لحاظ سے، تعلیم کے لحاظ سے بہت اچھا لگے۔کیوں؟ اس واسطے کہ: اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ: یہ لوگ جو شرک کرنے والے ہیں تمہیں آگ یعنی دوزخ کی دعوت دیتے ہیں: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ: اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی دعوت دیتا ہے: وَالْمَغْفِرَةِ: اور بخشش کی۔اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم مشرکوں کے ساتھ نکاح کرو گے تو وہ تمہیں دوزخ کی دعوت دیں گے۔

بِاِذْنِهٖ: اپنے حکم سے: وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ: اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیات لوگوں کیلئے: لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ: تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج2: ص236)

اس آیت کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

شرک کرنے والی عورتوں سے تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو، ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے گو تمہیں مشرک ہی اچھی لگتی ہو، اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے گو تمہیں مشرک اچھا لگے یہ لوگ تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلا رہا ہے، وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

پاک دامن عورتیں:

بت پرست مشرکہ عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان ہو رہی ہے، گو آیت کا عموم ہر ایک مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کا ممانعت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن دوسرے جگہ فرمان ہے: والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب

من قبلکم۔الخ: یعنی تم سے پہلے جولوگ کتاب اللہ دیئے گئے ہیں ان کی پاک دامن عورتوں سے بھی جوزنا کاری سے بچنے والی ہوں ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال ہے،حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے کہ ان مشرک عورتوں سے اہل کتاب عورتیں مخصوص ہیں،مجاہد عکرمہ سعید بن جبیر مکحول حسن ضحاک قتادہ زید بن اسلم اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے،بعض کہتے ہیں یہ آیت صرف بت پرست مشرک عورتوں ہی کیلئے نازل ہوئی ہے یوں کہہ لو یا یوں،مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔واللہ اعلم۔

ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز قرار دیا سوائے ایماندار ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے خصوصا ان عورتوں سے جو کسی دوسرے مذہب کی پابند ہوں۔قرآن کریم میں اور جگہ ہے:ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ: یعنی کافروں کے اعمال برباد ہیں،ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے یہودیہ عورت سے نکاح کیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ایک نصرانیہ عورت سے نکاح کرلیا تھا جس پر حضرت عمرؓ سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ انہیں کوڑے لگائیں ان دونوں بزرگوں نے کہا اے امیر المومنین! آپ ناراض نہ ہوں ہم انہیں طلاق دے دیتے ہیں آپ نے فرمایا اگر طلاق دینی حلال ہے تو پھر نکاح بھی حلال ہونا چاہئے میں انہیں تم سے چھین لوں گا اور اس ذلت کے ساتھ انہیں الگ کروں گا لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے اور حضرت عمرؓ سے بالکل ہی غریب ہے۔امام ابن جریرؒ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کے بنا پر تھا تاکہ مسلمان عورتوں سے لوگ بے رغبتی نہ کریں یا اور کوئی حکمت عملی اس فرمان میں تھی چنانچہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہؓ کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ کیا آپ اسے حرام کہتے ہیں خلیفۃ المسلمینؓ نے جواب دیا کہ حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے کہیں تم مومن عورتوں سے نکاح نہ کرو؟اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہے،ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کرسکتا ہے لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہوسکتا اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے،ابن جریر میں تو ایک مرفوع حدیث بھی باسناد مروی ہے کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرلیں لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کرسکتے لیکن اس سند میں کچھ کمزوری ہے مگر امت کا اجماع اسی پر ہے،ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اہل کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمادی،امام بخاریؒ حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی شرک کو اس شرک سے بڑھ کر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰ اس کے اللہ ہیں حضرت امام احمدؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپ

فرماتے ہیں مراد اس سے عرب کی وہ مشرک عورتیں ہیں جو بت پرست تھیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان والی لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے یہ فرمان عبداللہ بن رواحہؓ کے بارے میں نازل ہوتا ہے، ان کی ایک سیاہ رنگ لونڈی تھی ایک مرتبہ غصے میں آ کر اسے تھپڑ مار دیا تھا پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا آپ ﷺ نے پوچھا اس کا کیا خیال ہے؟ کہا حضور ﷺ وہ روزے رکھتی ہے نماز پڑھتی ہے اچھی طرح وضو کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوعبداللہ پھر تو وہ ایمان دار ہے، کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ قسم اس اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اسے آزاد کر دوں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے نکاح بھی کر لوں گا چنانچہ یہی کیا جس پر بعض مسلمانوں نے انہیں طعنہ دیا، وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کرا دیں اور انہیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تا کہ شرافت نسب قائم رہے اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورت سے تو مسلمان لونڈی ہزار ہا درجہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک آزاد مرد سے مسلم بھی بڑھ چڑھ کر ہے، مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے ان کا حسن انہیں مغرور کر دے عورتوں کے مال کے پیچھے ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کر دے، نکاح کرو تو دین داری دیکھا کرو بدصورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر دیندار ہو تو بہت افضل ہے، لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے، بخاری مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ ﷺ نے فرمایا چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے ایک تو مال دوسرے حسب نسب تیسرے جمال و خوبصورتی چوتھے دین، تم دین داری ٹٹولو، مسلم شریف میں ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے، متاع دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔

پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے: لاھنّ حلّ لّھم ولا ھم یحلّون لھن: نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لئے حلال نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لئے حلال۔

پھر فرمان ہے کہ مومن مرد کو چاہے حبشی غلام ہو پھر بھی رئیس اور سردار آزاد کافر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول ان کی صحبت، محبتِ دنیا حفاظتِ دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینی سکھاتی ہے جس کا انجام جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے فرمان کی پابندی اس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے لوگوں کے وعظ و نصیحت اور پند و عبرت کے لئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرما دیں۔

(تفسیر ابن کثیر: ج 1: ص 303)

سورة البقره

:اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ،وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ،يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ،اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ،هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ:(البقرہ:آیت 257)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مددگار ہے ایمان والوں کا،نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف،اور جو لوگ کافر ہوئے اُن کے رفیق ہیں شیطان،نکالتے ہیں اُن کو روشنی سے اندھیروں کی طرف،یہی لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا(الیٰ قولہ)هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: اللہ تعالیٰ ساتھی ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے اُن کو(کفر کی)تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور(اسلام)کی طرف لاتا ہے،اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے ساتھی شیاطین ہیں(انسی یا جنی)وہ اُن کو نور(اسلام)سے نکال کر یا بچا کر(کفر کی)تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں ایسے لوگ(جو اسلام چھوڑ کر کفر کو اختیار کریں)دوزخ میں رہنے والے ہیں(اور)یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(بیان القرآن:ج 1:ص 87)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا:یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے ان کا کارساز ہے:اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا:سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ مومن بنانا چاہتا ہے۔

:يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ: یعنی جن لوگوں کا مومن ہونا خدا تعالیٰ چاہتا ہے ان کو اپنی توفیق

وہدایت کی مدد سے جہالت، نفس پرستی، ذہنی وسوسوں اور کفر تک پہنچانے والے شبہات سے نکال کر اُس صراط مستقیم پر ڈالتا ہے جو ایمان تک ان کو پہنچا دیتی ہے۔

:وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ: یعنی جن لوگوں نے ایمان سے انکار کر دیا ان کے دوست شیطان ہیں۔انسانی شیطان اور جناتی شیطان۔یا طاغوت سے مراد ہے انسان کو گمراہ کرنے والی ہر چیز خواہ خواہش نفس ہو یا شیطان وغیرہ، کافروں کے خیال میں یہ گمراہی آفریں چیزیں ان کی دوست اور کارساز ہوتی ہیں مگر واقع میں وہ دوست نہیں دشمن ہیں۔

:يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ: یعنی کافروں کے یہ دوست ان کو فطری نور سے نکال کر شکوک وشبہات، نفس پرستی اور کفر انگیز تباہی کی اندھیریوں کی طرف لے جاتے ہیں۔

:اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ، هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: یہی لوگ دوزخی ہیں دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(تفسیر مظہری اُردو: ج2: ص 26)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

(پس حق اور ہدایت کے روز روشن کی طرح واضح ہو جانے کے بعد) جو شخص طغیان اور ضلال کی طرف بلانے والی چیزوں سے تعلق قطع کر لے اور ایمان لا کر خدا تعالیٰ جل شانہ سے (اپنا تعلق قائم کرے) تو اس نے نہایت مضبوط حلقہ پکڑ لیا (اور اپنے آپ کو گمراہی اور ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا اور وہ ایمان باللہ کا حلقہ ایسا مضبوط ہے) جو ٹوٹ نہیں سکتا (البتہ غفلت کی وجہ سے ہاتھ سے چھوٹ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ ایمان اور کفر کے دعووں) کو سننے والا ہے (اور نیتوں کا) جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ اُن لوگوں کا کارساز ہے جو ایمان لائے (اور خدا تعالیٰ جل شانہ سے واسطہ ہوئے اُن کو اپنی خاص ہدایت اور توفیق کے ذریعہ شکوک اور شبہات اور وساوس اور خطرات کی) تاریکیوں اور اندھیریوں سے نکال کر نور (ہدایت) کی طرف لے جاتا ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا (اور خدا تعالیٰ جل شانہ سے تعلق قطع کر لیا اُن کے دوست اور رفیق جن اور) انس کے شیاطین ہیں جو اُن کو نور ہدایت (اور نور دلائل) سے نکال کر (شبہات) اور (نفسانی خواہشات کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں (ایسے ہی لوگ جو انبیاء کرام علیہم السلام اور علماء کرام اور صلحائے عظام اور دلائل عقل سے بھاگتے ہیں اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے دوڑتے ہیں) دوزخ کے باشندے ہیں، یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔(معارف القرآن: ج 1: ص 496)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہاں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل ایمان کو ملنے والے انعام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو شخص دین اسلام کے ساتھ وابستہ ہوگیا اور اللہ تعالیٰ جل شانہ اُس سے راضی ہوگیا: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا دوست، رفیق، کارساز و مددگار ہے، جو ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی مومنوں کا مددگار ہے اور وہ اُن کی مدد اس طریقہ سے کرتا ہے: یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ: ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔

طاغوت کی دوستی:

فرمایا: وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا: جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ اَوْلِیٰٓـُٔھُمُ الطَّاغُوْتُ: اُن کے ساتھی طاغوت ہیں۔ اور اُن کا کام کیا ہے: یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ: وہ انہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب شیاطین کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ تو کوئی انہیں کفر کی طرف لے جاتا ہے، کوئی شرک کی طرف اور کوئی بدعت کی طرف، اور کوئی ترغیب دلا کر معصیت کی طرف لے جاتا ہے۔ ایسے لوگ بہر حال دین و ایمان کی روشنی سے نکل کر اندھیروں کی طرف ہی جاتے ہیں۔

فرمایا: جو لوگ روشنی سے نکل کر اندھیرے کی طرف جائے گے ان کا انجام یہ ہے کہ: اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ: یہی لوگ اہل دوزخ ہیں: ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ: یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں گے، وہاں سے نکلنے کی کوئی اُمید نہ ہوگی۔ (معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج3: ص514)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جل شانہ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور (اسلام) کی طرف لاتا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے ساتھی شیاطین ہیں (انسی یا جنی) وہ ان کو نور (اسلام) سے نکال کر یا بچا کر (کفر کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، ایسے لوگ (جو اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کریں) دوزخ میں رہنے والے ہیں (اور) یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔

معارف و مسائل:

اس آیت سے ایمان کا سب سے بڑی نعمت اور کفر کا سب سے بڑی مصیبت ہونا بھی معلوم ہوا اور یہ بھی کہ.....کافروں کی دوستی میں ظلمت (اندھیرا) ہے۔ (معارف القرآن: ج1: ص706)

اس آیت کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

ولی کے معنٰی ناصر اور مددگار کے ہیں۔ظلمات سے کفر وشرک اور شبہات کے اندھیرے مراد ہیں اور نور سے مراد یقین وایمان کی روشنی ہے اور:اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: سے وہ لوگ مراد ہیں جو حق کے متلاشی اور ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔یعنی جو لوگ حق کے طالب ہوں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف انابت کریں اور ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہوں،اللہ تعالیٰ جل شانہ اُن کی دستگیری فرماتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے اور انہیں کفر وشرک اور شکوک وشبہات کی اُلجھنوں سے نکال کر اُن کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور اور دولتِ یقین سے مالا مال کر دیتا ہے۔

لیکن جو لوگ ضد وعناد کی وجہ سے کفر پر رہنا چاہتے ہیں اور اپنے اختیار سے کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں،اللہ تعالیٰ جل شانہ اُن سے ایمان کی توفیق چھین کر شیطانوں کو اُن پر مسلط کر دیتا ہے جو اُن کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔یہاں تک کہ اُن کے دل شبہات کی سیاہی سے بالکل ڈھک جاتے ہیں اور اُن سے فطری نور چھین لیا جاتا ہے اور اُن کے دلوں پر مہر جباریت لگ جاتی ہے۔

:اولٰئک: کا اشارہ :اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا: کی طرف ہے۔یعنی وہ لوگ جنہوں نے عناداً اور اختیاراً کفر قبول کیا ہے،وہ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔(جواہر القرآن:ج 1:ص 126)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا :اللہ تعالیٰ آقا ہے،مددگار ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے :یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ :اللہ تعالیٰ ان کو اندھیروں سے،کفر،شرک اور بُرائی کے اندھیروں سے نکالتا ہے نور کی طرف، یعنی نورِ ایمان،نورِ توحید،نورِ اسلام اور نورِ حق کی طرف:وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیٰٓئُھُمُ الطَّاغُوْتُ: اور وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے ساتھی اور دوست طاغوت ہیں،وہ شیطان کا گروہ ہے،جادوگر،بت،شیطان یہ سب ان کے ساتھی ہیں :یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ:وہ ان کو نکالتے ہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف۔ایمان سے کفر کی طرف لے جاتے ہیں وہ کفر کی تبلیغ کرتے ہیں،عقیدے بگاڑتے ہیں،اخلاق بگاڑتے ہیں:اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ،ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ:وہ دوزخ والے ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہا کریں گے۔

(ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن:ج 2:ص 358)

اس آیت کے تحت حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ایمان والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے، اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں، جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔

اندھیرے سے اُجالے تک:

اللہ تعالیٰ جل شانہ خبر دیتا ہے کہ اس کی رضامندی کے طلب گار کو وہ سلامتی کی رہنمائی کرتا ہے اور شک وشبہ کے، کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر نورِ حق کی صاف روشنی میں لا کھڑا کرتا ہے۔ کفار کے ولی شیاطین ہیں جو جہالت وضلالت، کفر وشرک کو مزین کر کے انہیں ایمان سے اور توحید سے رُوکتے ہیں اور یوں نورِ حق سے ہٹا کر ناحق کے اندھیروں میں جھونک دیتے ہیں، یہی کافر ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں ہی پڑے رہیں گے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج 1: ص 356)

سورۃ آل عمران

:لَا یَتَّخِذِالْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ،وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآاَنْ تَتَّقُوْامِنْھُمْ تُقٰۃً،وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ:(آل عمران:28)

ترجمہ: مومن،کافروں کودوست نہ بنائیں مسلمانوں کےعلاوہ۔اور جوشخص ایسا کرے گاپس نہیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز میں مگر یہ کہ تم ان کافروں سے بچاؤاختیار کرو۔اوراللہ تعالیٰ تم کوڈراتا ہےاپنے سے،اوراللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کرجانا ہے۔

:قُلْ اِنْ تُخْفُوْامَافِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْتُبْدُوْہُ یَعْلَمْہُ اللّٰہُ،وَیَعْلَمُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ،وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍقَدِیْرٌ:(آل عمران:29)

ترجمہ: تو کہہ اگرتم چھپاؤ گےاپنے جی کی بات یا اسے ظاہر کرو گے جانتا ہےاس کواللہ تعالیٰ،اوراس کو معلوم ہے جوکچھ کہ ہےآسمانوں میں اورجوکچھ ہےزمین میں،اوراللہ تعالیٰ ہرچیز پرقادر ہے۔

:یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّاعَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍمُّحْضَرًا،وَّمَاعَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ،تَوَدُّلَوْاَنَّ بَیْنَھَاوَبَیْنَہٗ اَمَدًا بَعِیْدًا،وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ،وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ:(آل عمران:30)

ترجمہ: جس دن موجودپاوے گاہرشخص جوکچھ کہ کی ہےاس نے نیکی اپنے سامنے،اورجوکچھ کہ کی ہے اس نے بُرائی،آرزوکرے گا کہ مجھ میں اوراس میں پڑھ جائے فرق دُورکا،اوراللہ تعالیٰ ڈراتا ہےتم کواپنے سے۔اوراللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: اوپر کفار کی مذمت مذکورتھی آئندہ آیت میں بطور تفریع اُن کے ساتھ دوستی کرنے کی ممانعت کابیان فرماتے ہیں۔حاصل یہ ہے کہ جب کفار کے قبائح،مثل انکارِآیات اوراللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی دشمنی وغیرہ معلوم

کر چکے تو ایسے قبیح و منکر و دشمنانِ خدا تعالیٰ اور رسول ﷺ سے دوستی کب زیبا ہے۔

نہی موالاتِ کفار:

:لَا یَتَّخِذِالْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ (الیٰ قولہ)وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ: مسلمانوں کو چاہئے کہ (ظاہراً یا باطناً) کفار کو دوست نہ بنادیں مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کر کے (یہ تجاوز دو صورت سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں سے بالکل دوستی نہ رکھیں، دوسری یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی دوستی ہو اور کفار کے ساتھ بھی، دونوں صورتیں ممانعت میں داخل ہیں) اور جو شخص (ایسا کام) کرے گا سو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں (کیونکہ جن دو شخصوں میں باہم عداوت ہو ایک سے دوستی کر کے دوسرے سے دوستی کا دعویٰ قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتا) مگر ایسی صورت میں (ظاہری دوستی کی اجازت ہے) کہ تم اس سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو (وہاں دفع ضرر کی ضرورت ہے) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتا ہے (کہ اس کی ذات سے ڈر کر احکام کی مخالفت مت کرو) اور خدا تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اس وقت کی سزا کا خوف کرنا ضرور ہے)۔

فائدہ: کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملات ہوتے ہیں:

1..... **موالات** یعنی دوستی۔

2..... **مداراۃ** یعنی ظاہری خوش خلقی۔

3..... مواساۃ یعنی احسان و نفع رسانی۔

ان معاملات میں تفصیل یہ ہے کہ موالات تو کسی حال میں جائز نہیں۔ اور آیت: لاتتخذوا الیھود والنّصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض، ومن یّتولّھم مّنکم فانّہ منھم: اور آیت: لاتتّخذوا عدوّی و عدوّکم: میں یہی مراد ہے۔

اور مداراۃ تین حالتوں میں درست ہیں۔ ایک دفعِ ضرر کے واسطے۔ دوسرے اس کافر کی مصلحتِ دینی، یعنی توقعِ ہدایت کے واسطے۔ تیسرے اکرامِ ضیف کے لئے۔ اور اپنی مصلحت و منفعت مال یا جاہ کے لئے درست نہیں اور بالخصوص جبکہ ضررِ دینی کا بھی خوف ہو تو بدرجۂ اولیٰ یہ اختلاط حرام ہوگا۔ اس مقام کی آیت میں اسی دفعِ ضرر کی حالت مستثنیٰ کیا ہے اور مراد اس سے مداراۃ ہے جس کو صورتاً موالات میں داخل کر کے موالات کو مستثنیٰ منہ قرار دیدیا گیا۔

اور آیت بالا میں چونکہ مولاۃ حقیقۃً مراد ہے لہٰذا استثنا نہیں کیا گیا اور توقعِ ہدایت کے لئے مداراۃ کرنا: سورۂ عبس: کی آیت: فانت لہ تصدّی: میں مذکور ہے۔ اور ضیف ہونے کی وجہ سے مداراۃ کرنا اس حدیث میں ہے

جس میں بنی ثقیف کو آپ ﷺ نے مسجد میں ٹھہرایا تھا اور وجہ شکایت (یہ جواب ہے سوالِ مقدر کا جو کہ قول بالاتو قع ہدایت کے لئے الـــــخ پر وارد ہوتا ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس تصدی پر انکار فرمایا ہے تو اس سے استدلال جواز مدارات پر کس طرح صحیح ہوگا؟ جواب کی تقریر یہ ہے کہ انکار و شکایت کی وجہ: تقدیم الکافر: ہے نہ کہ: مداراۃ الکافر:) تقدیم کافر کی مومن پر ہے اور اپنی مصلحت مالی یا جاہی کے لئے اس کی ممانعت آیت: ایبتغون عندھم العزۃ: میں مذکور ہے۔

اور مواساۃ کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز۔: ســـــورـــــۃ ممتحنۃ: کی آیت: لا ینھٰکم اللّٰـہ (الیٰ قولہ) ھم الظٰلمون: میں اس کی تصریح ہے اور اس آیت میں مواسات کو مجازاً تولی سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اور یہی حکم ہے فساق و اہل بدعت کا جیسا روایات سے ظاہر ہے۔

ربط: اُوپر کی آیت میں کفار کے ساتھ دوستی کرنے کی ممانعت فرمائی تھی آگے اس نہی کے عام ہونے کو ارشاد فرماتے ہیں کہ نہ بلاضرورت ظاہراً ان سے دوستی جائز ہے اور نہ باطناً اصلاً دوستی جائز ہے۔ اور اس مضمون کو ایسے عام عنوان سے ارشاد فرمایا ہے جس سے سب معاصی ظاہرہ و باطنہ سے تحذیر ہو جاوے۔

تعمیم نہی موالاتِ کفار:

:قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ (الیٰ قولہ) وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر: آپ ﷺ (ان سے) فرما دیجئے کہ اگر تم (دل ہی دل میں) پوشیدہ رکھو گے اپنا مافی الضمیر یا اس کو (زبان و جوارح سے) ظاہر کروں گے اللہ تعالیٰ اُس کو (ہر حال میں) جانتے ہیں اور (اسی کی کیا تخصیص ہے) وہ تو سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (کوئی چیز اُن سے مخفی نہیں) اور (علم کے ساتھ) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں (سو اگر تم کسی امرِ قبیح کا ارتکاب کرو گے خواہ ظاہراً یا باطناً تو وہ تم کو سزا دے سکتے ہیں)۔

ربـــط: آگے مضمونِ بالا کی تاکید کے لئے قیامت کا آنا اور اُس میں بلاتخصیص کسی عمل کے سب کے سب اعمال پیش نظر ہو جانا اور اُس وقت عاصیوں کا پچھتانا بیان فرماتے ہیں۔

تاکید مضمون سابق:

:یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّاعَمِلَتْ (الیٰ قولہ) وَاللّٰہُ رَءُوْف بِالْعِبَادِ: (جس روز ایسا ہوگا) کہ ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا اور اپنے بُرے کئے ہوئے کاموں کو (بھی پائے گا اُس روز) اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا جو اُس شخص کے اور اُس روز کے درمیان میں دُور و دراز کی مسافت (حائل) ہوتی

(تا کہ اپنے اعمالِ بد کا معائنہ نہ کرنا پڑتا) اور (تم سے پھر مکرر کہا جاتا ہے کہ) خدا تعالیٰ جل شانہ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتے ہیں اور (یہ ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ) اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں (اپنے) بندوں (کے حال) پر (اُس مہربانی سے یوں چاہتے ہیں کہ یہ سزائے آخرت سے بچے رہیں اور بچنے کا طریقہ ہے اعمالِ بد کا ترک کرنا عادۃً بدون ڈرانے کے ہوتا نہیں اس لئے ڈراتے ہیں، پس یہ ڈرانا عین شفقت و رحمت ہے)۔

مسائل السلوک:

:لَا یَتَّخِذِالْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ ،الآیۃ: روح المعانی میں ہے اور اسی جگہ سے اہل اللہ نے مریدین کو منکرین کے ساتھ تعلق دوستی رکھنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ انکار کی ظلمت کفر کی ظلمت کے مشابہ ہے اور بعض اوقات مجتمع ہو کر طریق ایمان کو بند کر دیتی ہے۔ البتہ اگر ان سے کچھ اندیشہ ہو تو اس وقت ظاہراً دوستی جائز ہے، اور یہ بھی ضعفاء کی نسبت ہے لیکن جس کا یقین قوی ہو وہ خدا تعالیٰ جل شانہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔

(بیان القرآن: ج1: ص108)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابن جریرؒ نے حضرت سعیدؓ اور حضرت عکرمہؓ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حجاج بن عمرو جو عمرو بن اشرف کا حلیف تھا اور ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید تینوں نے انصار کے چند آدمیوں سے اندرونی دوستی گانٹھی تا کہ دین کی طرف سے ان کو ورغلائیں اور بہکا دیں رفاعہ بن منذرؓ اور عبداللہ بن جبیرؓ اور سعید بن خثیمہؓ نے انصار سے کہا آپ لوگ ان یہودیوں سے بچتے رہیں، کہیں دین کی طرف سے آپ کو بہکا نہ دیں۔ انصار نے اندرونی دوستی ترک کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوا۔

:لَا یَتَّخِذِالْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ: یعنی نہ بنائیں مؤمن کافروں کو دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر۔ مؤمنوں کو کافروں سے موالات کی ممانعت فرما دی خواہ رشتہ داری کی صورت میں ہو یا دوستی کی شکل میں یا جہاد اور دینی امور میں طلب امداد کے طور پر ہو (سب کی ممانعت فرما دی)۔

: مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ: کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کافروں کی دوستی مؤمنوں کی دوستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ دو دشمنوں سے بیک وقت دوستی ممکن نہیں۔ کفار کی دوستی بجائے خود بھی بُری ہے اور اس لئے بھی بُری ہے کہ مسلمانوں کی دوستی سے محروم ہو جانے کا سبب ہے۔

علامہ بغویؒ نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ وغیرہ کے متعلق ہوا تھا جو

کفارِ مکہ سے دوستی کا اظہار کرتے تھے۔اور کلبی کا قول بروایت ابو صالح بغوی نے یہ نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کے بارے میں ہوا جو مشرکوں اور یہودیوں سے دوستی رکھتے تھے اور مسلمانوں کی خبریں اُن کو اس امید پر پہنچاتے تھے کہ آنحضرت ﷺ پر ان کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اہل ایمان کو منافقوں کے عمل سے روک دیا۔

محض اللہ تعالیٰ جل شانہ کے لئے دوستی اور دشمنی کرنا ایمان کا ایک عظیم الشان دروازہ ہے:

1.....حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: آدمی اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے اُس کو محبت ہوگی۔حضرت انسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: تُو اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی۔

2.....حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: نیک ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک اپنے ساتھ رکھنے والا اور بُرے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے بھٹی دھونکنے والا۔مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو مفت تجھے مشک دے دے گا یا تُو اُس سے خرید لے گا اور کچھ نہ ہوگا تو خوشبو تو بہر حال تجھے پہنچے گی،اور بھٹی دھونکنے والا تیرے کپڑے جلا دے گا یا کم سے کم تجھے اس کی طرف سے بدبو آئے گی۔

3.....حضرت ابن عباسؓ راوی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: ابوذر! ایمان (کے حصول) کا کون سا قبضہ (ذریعہ) سب سے زیادہ مضبوط ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بخوبی واقف ہیں۔حضور پاک ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جل شانہ کے لئے دوستی اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے محبت اور بغض رکھنا۔

4.....حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مـحـبـت فـی الـلّٰـه: اور: بـغـض فـی الـلّٰـه: اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔

:وَ مَـنْ یَّفْعَلْ ذٰلِـکَ: اور جو ایسا کرے گا، کافروں سے اندرونی دوستی رکھے گا: فَـلَـیْـسَ مِـنَ الـلّٰـهِ فِیْ شَیْءٍ: تو اللہ تعالیٰ سے اس کا کچھ بھی دوستی کا تعلق نہیں۔

:شَیْءٍ: کی تنوین اظہار تحقیر کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی دوستی یا اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین کی کم سے کم مقدار میں بھی اس کا دخل نہیں۔یعنی کافروں کی دوستی جس طرح مؤمنوں کی دوستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ کی دوستی کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتی۔

:اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً: مگر یہ کہ کافروں کی طرف سے تم کو کچھ شر کا اندیشہ ہو۔تو کفار سے (ظاہری) دوستی

جائز ہے،اور اللہ تعالیٰ کی دوستی سے محرومی نہ ہوگی۔یعنی کافروں سے موالات سوائے خوف کے وقت کے اور کسی وقت جائز نہیں۔اور جو شخص سوائے وقتِ خوف کے اور کسی وقت ایسا کرے گا،اس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی دوستی بالکل حاصل نہ ہوگی۔

یعنی موالاتِ کفار جائز نہیں مگر اُس وقت جائز ہے کہ کفار کی طرف سے تم کو کسی اندیشہ ناک چیز کا ڈر ہو،یعنی کافروں کے شر سے اندیشہ کے وقت ان سے موالات جائز ہے۔لیکن ناجائز کا جواز بقدر ضرورت ہوتا ہے اس لئے صرف ظاہری دوستی جائز ہوگی،اندرونی دوستی کا جواز نہیں ہوسکتا۔اور کافروں کی دوستی میں کسی حرام خون یا حرام مال کو حلال قرار دینا یا گناہ کا ارتکاب کرنا یا کافروں کو مسلمانوں کی نقصان رساں تدبیریں بتانا یا مسلمانوں کے رازوں سے واقف کرنا جائز نہیں۔

:وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَه: مذکورہ بالا آیات میں کفار کی دوستی کا نتیجہ مسلمانوں کی اور خدا تعالیٰ کی دوستی سے محروم ہوجانا بیان کیا تھا۔اب مزید باز داشت کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ناراضگی اور عذاب سے ڈرا رہا ہے جو موالاتِ کفار کی صورت میں ہوگا۔

:نفس : کا ذکر عذاب کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا تا کہ کافروں کی طرف سے جس شر کا اندیشہ ہو اس کی پرواہ نہ رہے۔اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ولایتِ کفار جس کی ممانعت کی جارہی ہے انتہائی بُری ہے۔

:وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ: اور اللہ تعالیٰ کے پاس تم کو جانا ہے۔یہ مزید وعید ہے کہ تم اللہ تعالیٰ جل شانہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے،اسی کے پاس تمہیں جانا ہے۔

:قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَافِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰه: اے محمد (ﷺ)! کہہ دو کہ کافروں کی موالات وغیرہ خواہ تم اپنے دلوں میں چھپائے رکھو یا قول وعمل سے اس کا اظہار کردو،بہر حال اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو جانتا ہے۔یعنی چھپانا اور ظاہر کرنا دونوں برابر ہے۔خدا کو بہر حال علم ہوتا ہے۔

:وَيَعْلَمُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ،وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر: مطلب یہ ہے کہ زمین وآسمان کی جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ جل شانہ سے مخفی نہیں اور وہ سب پر قابو رکھتا ہے تو تمہارے دلوں کی حالت اس سے کیسے چھپی رہ سکتی ہے۔

یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ سے ایسی کوئی چیز مخفی نہیں جس کے ذریعہ سے تم کو عذاب دیا جاسکتا ہو اور اس کے قابو میں ہر چیز ہے۔پس وہ جس طرح چاہے گا دنیا یا آخرت یا دونوں جگہ تم کو عذاب

دے گا۔اور کوئی شبہ نہیں اس حقیقت میں کہ کافروں سے موالات اور دین میں مداہنت دنیوی عذاب کو ذل اور محکومی کی صورت میں لانے والی ہے۔

:یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّاعَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا،وَّمَاعَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ،تَوَدُّلَوْاَنَّ بَیْنَھَاوَبَیْنَہٗ اَمَدًا بَعِیْدًا: جس روز کہ ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی (یا نیکی کے ثواب) کو اپنے سامنے موجود پائے گا اور جو بدی کی ہوگی اس کو بھی سامنے موجود پائے گا تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے عملِ بد کے درمیان طول مسافت ہوتی (کہ عملِ بد کی شکل ہی سامنے نہ آتی)۔

:وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ: یہ جملہ مستقل مفہوم رکھتا ہے سابق کی تکرار نہیں ہے، کیونکہ پہلے کافروں کی موالات کے عذاب سے ڈرایا تھا اور اس جملہ میں ترکِ واجبات اور ارتکاب معاصی سے ڈرایا ہے۔

:وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ: اور اللہ مؤمن بندوں پر بڑا مہربان ہے۔(تفسیر مظہری اردو: ج2: ص168)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے دوستوں یعنی اہل اسلام کو حکم دیتا ہے کہ تم مسلمانوں کو چھوڑ کر دشمنانِ خدا کی موالات اور دوستی کی طرف قدم نہ اٹھانا اور کافروں کی ظاہری اور وقتی شان وشوکت کو دیکھ کر یہ گمان نہ کرنا کہ شاید ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے سے کوئی دنیوی عزت و وجاہت مل جائے گی، حاشا وکلا۔:ایبتغون عندھم العزۃ فانّ العزۃ للّٰہ جمیعا: کافروں کے پاس جو عزت نظر آتی ہے وہ حقیقی عزت نہیں محض صورت ہے۔حقیقی عزت اللہ تعالیٰ جل شانہ کے پاس سے ملتی ہے۔البتہ اگر کسی وقت بحالت مجبوری دشمنوں کے شر اور فساد سے بچنے کیلئے ظاہری طور پر ان کی موافقت کرلو تو اس کی ممانعت نہیں۔تدبیر اور انتظام کے درجہ میں کافروں سے اس قسم کی ظاہرداری بشرطِ ضرورت اور بقدر حاجت موالات کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔اس لئے کہ یہ موالات کی حقیقت نہیں بلکہ محض صورت ہے۔

شان نزول: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حجاج بن عمرو اور ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید اس قسم کے چند یہودی چند انصار سے کچھ خلا ملا رکھتے تھے تاکہ موقع پاکر ان کو دین اسلام سے برگشتہ کردیں۔اکثر مسلمانوں کو ان کی اس بدنیتی کا حال معلوم نہ تھا مگر جو صاحب نظر تھے وہ پہچان گئے کہ یہود کا کیا مقصد ہے۔چنانچہ رفاعہ بن منذرؓ، عبداللہ بن جبیرؓ اور سعد بن خیثمہؓ نے ان مسلمانوں سے کہا کہ تم یہود کی اس جماعت سے بچتے رہنا، کہیں تم کو دین سے برگشتہ نہ کردیں، ان انصاریوں نے ان کی اس بات کو نہ مانا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ کافروں کو دوست نہ بنائیں مسلمان کو چھوڑ کر (یعنی سوائے مسلمانوں کے کسی کو ظاہراً

اور باطناً دوست نہ بنائیں، اس لئے کہ ایمان نور ہدایت ہے اور کفر.... ظلمت وضلالت ہے۔ اور نور اور ظلمت اور ہدایت اور ضلالت اور حق اور باطل میں دوستی ممکن نہیں، اجتماع ضدین، عقلاً ونقلاً محال ہے) اور جو کوئی یہ کام کرے (یعنی کافروں کو دوست بنائے) تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ سے کوئی سروکار نہیں (کیونکہ کافر اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور دشمن کا دوست بھی دشمن ہی ہوتا ہے، اور مومن اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ پس مومن رہتے ہوئے کافر کے ساتھ دوستی رکھنا ممکن نہیں) مگر (ایک صورت میں محض تدبیر اور انتظام کے درجہ میں کافروں سے ظاہری دوستی کی اجازت ہے) وہ یہ کہ تم کافروں کے شر سے بچنا چاہو کسی خاص بچاؤ کے ذریعہ سے (یعنی محض اُن کے شر اور ضرر سے بچنے کیلئے حفاظتی تدبیر کے درجہ میں اُن سے فقط بقدر ضرورت محض ظاہری تعلق پیدا کرنا جائز ہے۔ باقی دلی تعلق اور قلبی محبت کسی حال میں بھی جائز نہیں، اور یہ بھی جائز نہیں کہ اس سلسلہ میں کسی معصیت کا مرتکب ہونا پڑے یا مسلمانوں کی جاسوسی کرنا پڑے اور مسلمانوں کے راز اور خبریں کافروں کو دینے لگے۔ فقط دفعِ شر اور دفع ضرر کیلئے بقدر ضرورت قواعد شریعت کے ماتحت کافروں سے فقط اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لئے تعلق رکھنے کی اجازت ہے۔ باقی کافروں سے ایسا تعلق جو مسلمانوں کیلئے یا مسلمانوں کی حکومت کے لئے مضر ہو، یہ کسی طرح اور کسی حالت میں جائز نہیں) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے (یعنی اپنے ذاتی جلال اور قہر سے ڈراتا ہے کہ جو کافروں سے دوستی کرنے پر مرتب ہوگا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ کافروں کی دوستی پر خدائے قہار کا جو قہر مرتب ہوتا ہے وہ قہر ذاتی ہے فعلی نہیں) اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں)۔

اے محمد ﷺ! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم کافروں کی محبت خواہ اپنے سینوں میں چھپاؤ یا اُسے (اپنے کسی قول یا فعل سے ظاہر کرو (تو خوب سمجھ لو) کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو خوب جانتا ہے (اس لئے کہ اس کے سامنے ظاہر اور باطن سینہ اور زبان سب برابر ہیں) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے (یعنی اُس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (علم کی طرح اس کی قدرت بھی محیط ہے۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس علیم وقدیر کے دوستوں سے دوستی کرو) اور اس کے (دشمنوں کی دوستی سے ظاہر وباطن میں احتیاط رکھو اور) اس دن کے (حساب وکتاب سے ڈرو کہ) جس دن ہر نفس اپنے اعمال نیک وبد (کو اپنی اصلی شکلوں میں) حاضر کیا ہوا پائے گا (اُس وقت جب کہ اعمال اپنی اصلی شکلوں میں نمودار ہوں گے اُس وقت اُن اعمال کا حسن وقبح نظروں کے سامنے آجائے گا اور اُس وقت یہ) تمنا کرے گا کہ کاش میرے اور میرے بُرے اعمال کے درمیان ایک طویل اور دُور دراز مسافت حائل ہوتی اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی قہر (اور جلال) سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بڑا مہربان ہے (کہ ان

کو پہلے ہی بتلا دیا کہ دنیا میں کن سے دوستی جائز ہے اور کن سے دوستی ناجائز ہے)۔

فوائد:

1.....کافروں سے موالات یعنی محبت کی تین صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ اُن کو دینی حیثیت سے محبوب رکھا جائے، یہ قطعاً کفر ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ دل سے اُن کے مذہب اور دین کو بُرا سمجھے مگر معاملاتِ دنیویہ میں اُن سے خوش اسلوبی کے ساتھ پیش آئے یہ بالاجماع جائز بلکہ ایک درجہ میں مستحسن ہے۔تیسری صورت ان دونوں صورتوں کے بین بین ہے وہ یہ کہ دل سے تو اُن کے مذہب کو بُرا سمجھے مگر کسی قرابت یا دوستی یا دنیوی غرض کی وجہ سے اُن سے دوستانہ تعلقات رکھے اور اُن کی اعانت اور امداد کرے یا کسی وقت مسلمانوں کی جاسوسی کرے۔یہ صورت کفر تو نہیں مگر سخت گناہ ہے۔

2.....کافروں کی سی وضع قطع اختیار کرنا یہ علامت ہے کہ اس شخص کو کافروں کی وضع پسند ہے اور اسلام کی وضع اس کو ناپسند ہے،اس لئے کہ تمام عقلاء کے نزدیک ظاہری حرکات وسکنات قلبی کیفیات کی ترجمان ہوتی ہیں۔

(معارف القرآن:ج1:ص593)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط آیات: گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے دُعا کے رنگ میں فرمایا کہ تمام چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔سلطنت کا قبضہ اور اختیار بھی اُسی کے پاس ہے،عزت اور ذلت اسی کے اختیار میں ہے،قدرتِ کاملہ کا مالک بھی وہی ہے،وہ جس کو چاہے دے دے اور جس سے چاہے چھین لے،اختیارات،تصرفات اور تقلبات اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ظاہر ہے کہ جس جماعت کی دعوت یہ ہو،انسان کو اس کا ساتھ دینا چاہئے،اور اُسی گروہ میں شامل رہنا چاہئے۔اور وہ گروہ ہے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کا۔یہ جماعت دینی بھی ہے اور سیاسی بھی۔ان کا عقیدہ وہ ہے جو بیان ہو چکا اب جو لوگ اس عقیدے کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ رکھتے ہیں۔اُن کی جماعت میں شامل ہونا جائز نہیں ہے۔

اب اللہ تعالیٰ جل شانہ اہل ایمان سے خطاب فرما رہے ہیں:لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ: مومن لوگ مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں (کیونکہ کافروں کا پروگرام قرآن پاک کے خلاف ہے۔وہ تو کفر کو غالب دیکھنا چاہتے ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ان میں یہود،نصاریٰ،مشرک،منافق سب شامل ہیں۔کسی کے ساتھ دوستانہ جائز نہیں۔اگر رفاقت ہو سکتی ہے تو صرف مسلمانوں کے ساتھ،جن کا مرکزی عقیدہ اور نقطۂ نگاہ ایک ہے،پروگرام اور منزلِ مقصود ایک ہے۔اس لئے اہل

ایمان کا فرض ہے کہ وہ کافروں کی بجائے مومنوں سے دوستی کریں)۔

:وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ : جو کافروں سے دوستی کرے گا:فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ: وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز میں نہیں ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا دین اور مذہب ہرگز قابلِ اعتبار نہیں۔ہاں ایک صورت میں روا ہے:اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً: کہ تم کافروں سے بچاؤ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاؤ۔ایسی صورت میں تم ظاہری طور پر اُن سے دوستی کا اظہار کر سکتے ہو کیونکہ اضطراری حالت میں تو مردار بھی کھایا جا سکتا ہے۔ایسی حالت میں اجازت ہے۔

اضطراری حالت کا مطلب یہ ہے کہ انسان بھوک میں مبتلاء ہے اور کوئی حلال چیز میسّر نہیں تو اُس وقت مردار، خنزیر کا گوشت یا شراب وغیرہ جو کچھ میسّر ہو،اِس قدر استعمال کر سکتا ہے جس سے جان بچ جائے۔پیٹ بھرنے یا لطف اندوز ہونے کی اجازت نہیں۔اسی طرح اگر کسی وقت کافروں کو غلبہ حاصل ہو اور اُن کے شر سے بچنے کیلئے دوستی کا اظہار کر دیا جائے تو کوئی گرفت نہیں۔

:وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ : اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔کہیں اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھنا،ورنہ پکڑے جاؤ گے،کیونکہ:وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ:اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے،وہ ایک ایک چیز کا حساب لے لے گا۔

کفار سے دوستی:

یہ بات تو واضح ہے کہ کافر کے ساتھ دِلی دوستی،کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔بلکہ کوئی کافر کسی مسلمان کا سرپرست بھی نہیں ہو سکتا۔امام ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں کہ:

اگر کوئی شخص اسلام ترک کر کے کفر اختیار کر لے،تو اس کا بچہ اُس کی سرپرستی سے خارج ہو کر مسلمان ماں کے تابع ہو جائے گا،اور مسلمان ہی سمجھا جائے گا،باپ کو اُس بچہ پر تصرف حاصل نہیں رہے گا،تاہم اگر کفار نقصان پہنچانے کے درپے ہوں تو اپنے بچاؤ کی خاطر ان سے دوستی کا اظہار درست ہے بشرطیکہ دِل مطمئن رہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے: سورۃ النحل: میں فرمایا کہ کافر کے ضرر سے بچنے کے لئے کلمۂ کفر بھی زبان پر لایا جا سکتا ہے۔

:وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ : فرمایا:اللہ تعالیٰ جل شانہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے،انسان کسی وقت مجبور ہو جاتا ہے،کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس شخص کے درمیان معاملہ ہے،اس میں قاضی یا مفتی کا کوئی دخل نہیں۔اللہ تعالیٰ جل شانہ جانتا ہے،اگر کوئی شخص واقعی مجبور ہو گیا ہے تو وہ معذور سمجھا جائے گا،اگر محض بہانہ بنا رہا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی گرفت بھی بڑی سخت ہے،اس لئے انسان کو ڈرایا گیا ہے کہ یہاں حیلہ بہانا نہیں چلے گا،تمہارا فیصلہ اِس دنیا تک

ہی محدود نہیں بلکہ:وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ: اُس اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔قیامت کے دن وہاں ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہوگا۔

فرمایا:قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ: آپ کہہ دیجئے اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے :اَوْتُبْدُوْہُ: یا تم اس کو ظاہر کرو:یَعْلَمْہُ اللّٰہُ: اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے:وَیَعْلَمُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ:اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے:وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ: اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذاتِ پاک سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں خواہ وہ کائنات کے کسی کونے میں موجود ہو،حتیٰ کہ وہ ہر شخص کے دل میں چھپی ہوئی بات سے بھی واقف ہے۔وہ جانتا ہے کہ کون منافق ہے جس کے دل اور زبان میں تضاد ہے۔وہ اپنی منافقت سے دوسرے لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتا ہے،مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ تو اس کی نیت تک سے واقف ہے،وہ اپنی بدنیتی اور بدعملی کی سزا ضرور بھگتے گا۔

فرمایا:یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا: قیامت کا دن آنے والا ہے،جس روز ہر شخص دنیا میں کئے گئے ہر نیک عمل کو اپنے سامنے موجود پائے گا:وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ: جو کوئی بُرائی کا کام کیا ہوگا وہ بھی سامنے آجائے گا،ہر شخص اپنے اعمال کو خود دیکھے گا،بُرے اعمال کو دیکھ کر دل میں حسرت پیدا ہوگی کہ کاش کہ اُس نے یہ عمل نہ کیا ہوتا:تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَھَا وَبَیْنَہٗٓ اَمَدًا بَعِیْدًا: اُس دن وہ پسند کرے گا،کاش کہ اس کی بُرائی اور اس کے درمیان لمبا چوڑا فاصلہ ہوتا،یعنی اس کی بدعملی اس کے قریب نہ ہوتی،مگر اُس وقت کی آرزو کوئی فائدہ نہ دے گی،اور اُسے بُرائی کی سزا مل کر رہے گی۔اسی لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے خبردار کیا:وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ: اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔اپنے اعمال کا محاسبہ اِسی دنیا میں کرلو تا کہ قیامت کے دن حسرت و نا اُمیدی کا منہ دیکھنا پڑے۔ہاں اللہ تعالیٰ جل شانہ بلاوجہ کسی پر زیادتی بھی نہیں کرتا:وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ:وہ تو اپنے بندوں کے ساتھ شفقت رکھتا ہے۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن:ج4:ص103)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط آیات: ان آیات میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں اور اس ہدایت کی مخالفت کرنے والوں کیلئے سخت وعید ہے کہ جو اِن کو دوست بنائے گا،اس کا اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دوستی و محبت کا علاقہ قطع ہو جائے گا۔کافروں سے باطنی اور دلی دوستی تو مطلقاً حرام ہے،اور ظاہری دوستی معاملات کے درجہ میں اگر چہ جائز ہے،

مگر بلاضرورت وہ بھی پسند نہیں۔

مختصر تفسیر ان آیات مذکورہ کی یہ ہے:

مسلمانوں کو چاہئے کہ (ظاہراً یا باطناً) کفار کو دوست نہ بنادیں مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کر کے (یہ تجاوز دو صورت سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں سے بالکل دوستی نہ رکھیں، دوسری یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی دوستی ہو اور کفار کے ساتھ بھی، دونوں صورتیں ممانعت میں داخل ہیں) اور جو شخص (ایسا کام) کرے گا سو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں (کیونکہ جن دو شخصوں میں باہم عداوت ہو ایک سے دوستی کر کے دوسرے سے دوستی کا دعویٰ قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتا) مگر ایسی صورت میں (ظاہری دوستی کی اجازت ہے) کہ تم اس سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو (وہاں دفع ضرر کی ضرورت ہے) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتا ہے (کہ اس کی ذات سے ڈر کر احکام کی مخالفت مت کرو) اور خدا تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اس وقت کی سزا کا خوف کرنا ضرور ہے)۔

آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ اگر تم (دل ہی دل میں) پوشیدہ رکھو گے اپنا مافی الضمیر یا اس کو (زبان و جوارح سے) ظاہر کر دو گے اللہ تعالیٰ اس کو (ہر حال میں) جانتے ہیں اور (اسی کی کیا تخصیص ہے) وہ تو سب کچھ جانتے ہیں، جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے (کوئی چیز اللہ تعالیٰ جل شانہ سے مخفی نہیں) اور (علم کے ساتھ) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں (سو اگر تم کسی اَمرِ قبیح کا ارتکاب کرو گے خواہ ظاہراً یا باطناً تو وہ تم کو سزا دے سکتے ہیں)۔

جس روز (ایسا ہوگا) کہ ہر شخص اپنے اچھے کئے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا، اور اپنے بُرے کئے ہوئے کاموں کو (بھی پائے گا، اُس روز) اِس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا جو اس شخص کے اور اس روز کے درمیان دُور دراز کی مسافت (حائل) ہوتی (تاکہ اپنے اعمالِ بد کا معائنہ نہ کرنا پڑتا) اور (تم سے پھر مکرّر کہا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتے ہیں (اور یہ ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ) اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں (اپنے) بندوں (کے حال) پر (اس مہربانی سے یوں چاہتے ہیں کہ یہ سزائے آخرت سے بچے رہیں، اور بچنے کا طریقہ ہے اعمالِ بد کا ترک کرنا، اور ترک کرنا عادۃً بدون ڈرانے کے ہوتا نہیں، اس لئے ڈراتے ہیں، پس یہ ڈرانا عین شفقت و رحمت ہے)۔

معارف و مسائل:

اس مضمون کی آیات قرآن میں جابجا مختلف عنوانات کے ساتھ بکثرت آئی ہیں: سورۂ ممتحنہ: میں

ارشاد ہیں: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ: یعنی اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن یعنی کافر کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کو پیغام بھیجو دوستی کے۔

پھر اس کے آخر میں فرمایا: وَمَنْ یَّفْعَلْہُ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ: جس شخص نے ان سے دوستی کی وہ سیدھی راہ سے گمراہ ہوگیا۔

اور دوسری جگہ میں ارشاد ہیں: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ: یعنی اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، کیونکہ وہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں (مسلمانوں سے ان کو کوئی دوستی اور ہمدردی نہیں) تو جو اُن سے دوستی کرے گا وہ انہی میں شمار ہوگا۔

اور سورۂ مجادلہ میں ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ: یعنی آپ ﷺ نہ پائیں گے کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر کہ دوستی کریں ایسے لوگوں سے جو مخالف ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ دادا ہی ہوں، یا اپنی اولاد یا اپنے بھائی، یا اپنے خاندان والے۔

کفار کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کیسے ہونے چاہئے؟

یہ مضمون بہت سے آیات قرآنیہ میں مجمل اور مفصل مذکور ہے، جس میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ مولات اور دوستی اور محبت سے شدّت کے ساتھ روکا گیا ہے۔ ان تصریحات کو دیکھ کر حقیقتِ حال سے ناواقف غیر مسلموں کو تو یہ شبہ ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب میں غیر مسلموں سے کسی قسم کی رواداری اور تعلق کی بلکہ حُسنِ اَخلاق کی بھی کوئی گنجائش نہیں، اور دوسری طرف اس کے بالمقابل جب قرآن کی بہت سے آیات سے اور رسول ﷺ کے ارشادات اور عمل سے اور خلفاء راشدینؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے تعامل سے غیر مسلموں کے ساتھ احسان و سلوک اور ہمدردی و غمخواری کے احکام اور ایسے ایسے واقعات ثابت ہوتے ہیں جن کی مثالیں دنیا کی اقوام میں ملنا مشکل ہیں تو ایک سطحی نظر رکھنے والے مسلمان کو بھی اس جگہ قرآن و سنت کے احکام و ارشادات میں باہم تعارض اور تصادم محسوس ہونے لگتا ہے۔ مگر یہ دونوں خیال قرآن کی حقیقی تعلیمات پر طائرانہ نظر اور ناقص تحقیق کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اگر مختلف مقامات سے قرآن کی آیات کو جو اس معاملہ سے متعلق ہیں جمع کر کے غور کیا جائے تو نہ غیر مسلموں کیلئے وجہِ شکایت باقی رہتی ہے، نہ آیات و روایات میں کسی قسم کا تعارض باقی رہتا ہے۔ اس لئے اس مقام کی پوری تشریح

کردی جاتی ہے، جس سے موالات اور احسان وسلوک، ہمدردی وغمخواری میں باہمی فرق اور ہر ایک کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی۔ اور یہ بھی کہ ان میں کونسا درجہ جائز ہے کونسا ناجائز، اور جو ناجائز ہے اس کی وجوہات کیا ہیں۔

بات یہ ہے کہ دو شخصوں یا دو جماعتوں میں تعلقات کے مختلف درجات ہوتے ہیں ایک درجہ تعلق کا قلبی موالات یا دلی مودّت ومحبت ہے۔ یہ صرف مومنین کے ساتھ مخصوص ہے، غیر مؤمن کے ساتھ مؤمن کا یہ تعلق کسی حال میں قطعاً جائز نہیں۔

دوسرا درجہ مواسات کا ہے۔ جس کے معنی ہے ہمدردی وخیر خواہی اور نفع رسانی کے، یہ بجز کفار اہلِ حرب کے جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔

:سورۂ ممتحنہ: کی آٹھویں آیت میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہیں: جس میں ارشاد ہے: لا ینھٰکم اللّٰہ عن الّذین لم یقاتلوکم فی الدّین ولم یخرجوکم مّن دیارکم ان تبرّوھم وتقسطوا الیھم: یعنی اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا ان سے جو لڑتے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان کے ساتھ احسان اور انصاف کا سلوک کرو۔

تیسرا درجہ مدارات کا ہے جس کے معنی ہیں ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ کے۔ یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جب کہ اس سے مقصود اُن کو دینی نفع پہنچانا ہو، یا وہ اپنے مہمان ہوں، یا ان کے شر اور ضرر رسائی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو۔ آیت مذکور میں: اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا: سے یہی درجہ مدارات کا مراد ہے، یعنی کافروں سے موالات جائز نہیں، مگر ایسی حالت میں جبکہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنا چاہو، اور چونکہ مدارات میں بھی صورت موالات کی ہوتی ہے اس لئے اس کو موالات سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔

چوتھا درجہ معاملات کا ہے۔ کہ ان سے تجارت یا اجرت وملازمت اور صنعت وحرفت کے معاملات کئے جائیں۔ یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، بجز ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ رسول کریم ﷺ اور خلفاء راشدینؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کا تعامل اس پر شاہد ہے فقہاء کرامؒ نے اسی بناء پر کفار اہلِ حرب کے ساتھ اسلحہ فروخت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ باقی تجارت وغیرہ کی اجازت دی ہے۔ اور ان کو اپنا ملازم رکھنا یا خود اُن کے کارخانوں اور اداروں میں ملازم ہونا یہ سب جائز ہے۔

اس تفصیل سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ قلبی اور دلی دوستی ومحبت تو کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں جائز نہیں، اور احسان وہمدردی ونفع رسانی بجز اہلِ حرب کے اور سب کے ساتھ جائز ہے۔ اسی طرح ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ

بھی سب کے ساتھ جائز ہے، جبکہ اس کا مقصد مہمان کی خاطر داری یا غیر مسلموں کو اسلامی معلومات اور دینی نفع پہنچانا یا اپنے آپ کو ان کے کسی نقصان وضرر سے بچانا ہو۔

رسول کریم ﷺ جو رحمۃ للعالمین ہو کر اس دنیا میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان و ہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کئے، اس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ مکہ میں قحط پڑا تو جن دشمنوں نے آپ ﷺ کو اپنے وطن سے نکالا تھا، ان کی خود امداد فرمائی، پھر مکہ مکرمہ فتح ہو کر یہ سب دشمن آپ ﷺ کے قابو میں آگئے تو سب کو یہ فرما کر آزاد کر دیا کہ: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ: یعنی آج تمہیں صرف معافی نہیں دی جاتی بلکہ تمہارے پچھلے مظالم اور تکالیف پر ہم کوئی ملامت بھی نہیں کرتے۔ غیر مسلم جنگی قیدی ہاتھ آئے تو ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو اپنی اولاد کے ساتھ بھی ہر شخص نہیں کرتا۔ کفار نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، کبھی آپ ﷺ کا ہاتھ انتقام کیلئے نہ اٹھا، زبانِ مبارک سے بددعا بھی نہیں فرمائی، بنو ثقیف جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ان کو مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا گیا، جو مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ عزت کا مقام تھا۔

سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے غیر مسلم محتاج ذمیوں کو مسلمانوں کی طرح بیت المال سے وظیفے دیئے، خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے معاملات اس قسم کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ سب مواسات یا مدارات یا معاملات کی صورتیں تھیں۔ جس موالات سے منع کیا گیا وہ نہ تھی۔

اس تفصیل اور تشریح سے ایک طرف تو یہ معلوم ہو گیا کہ غیر مسلموں کے لئے اسلام میں کتنی رواداری اور حُسنِ سلوک کی تعلیم ہے۔ دوسری طرف جو ظاہری تعارض ترکِ موالات کی آیات سے محسوس ہوتا تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔

اب ایک بات یہ باقی رہ گئی کہ قرآن نے کفار کی موالات اور قلبی دوستی و محبت کو اتنی شدت کے ساتھ کیوں روکا کہ وہ کسی حال میں کسی کافر کے ساتھ جائز نہیں رکھی؟ اس میں کیا حکمت ہے؟

اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں اس دنیا کے اندر انسان کا وجود عام جانوروں یا جنگل کے درختوں اور گھاس پھوس کی طرح نہیں کہ پیدا ہوئے، پھولے پھلے پھر مر کر ختم ہو گئے بلکہ انسان کی زندگی اس جہاں میں ایک مقصدی زندگی ہے۔ اس کی زندگی کے تمام ادوار، اس کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، یہاں تک کہ جینا اور مرنا سب ایک مقصد کے گرد گھومتے ہیں۔ جب تک وہ اس مقصد کے مطابق ہیں تو یہ سارے کام صحیح و درست ہیں، اس کے مخالف ہیں تو یہ سب غلط ہیں۔ دانائے رُوم نے خوب فرمایا:

زندگی از بہر ذکر و بندگی ست ..... بے عبادت زندگی شرمندگی است

ترجمہ: زندگی ذکراور بندگی کے لئے ہے،بغیر عبادت کے زندگی شرمندگی ہے۔

جوانسان اس مقصد سے ہٹ جائے وہ: اہل حقیقت: کے نزدیک انسان نہیں۔

آنچہ می بینم خلافِ آدم اند ..... نیستند آدم خلافِ آدم اند

ترجمہ: جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ آدمیت کے خلاف ہے،آدمیت نہیں آدمیت کا غلاف ہے۔

قرآن کریم نے اسی مقصد کا اقرار انسان سے ان الفاظ میں لیا ہے:قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: آپ کہئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

اور جب انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت ٹھہرا تو دنیا کے کاروبار، ریاست وسیاست اور عائلی اور منزلی تعلقات سب اس کے تابع ٹھہرے۔تو جوانسان اس مقصد کے مخالف ہیں وہ انسان کے سب سے زیادہ دشمن ہیں،اور اس دشمنی میں چونکہ شیطان سب سے آگے ہے اس لئے قرآن حکیم نے فرمایا:اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا:یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے،اس کی دشمنی کو ہمیشہ یاد رکھو۔

اسی طرح جو لوگ شیطانی وساوس کے پیرو اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ آئے ہوئے احکامِ خداوندی کے مخالف ہیں ان کے ساتھ دلی ہمدردی اور قلبی دوستی اس شخص کی ہو ہی نہیں سکتی جس کی زندگی ایک مقصدی زندگی ہے،اور دوستی ودشمنی اور موافقت ومخالفت سب اس مقصد کے تابع ہیں۔

اسی مضمون کو صحیحین کی ایک حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے:مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ فَقَدِاسْتَکْمَلَ اِیْمَانَہٗ:یعنی جس شخص نے اپنی دوستی اور دشمنی کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کردیا اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔

معلوم ہوا کہ ایمان کی تکمیل اُس وقت ہوتی ہے جبکہ انسان اپنی محبت ودوستی اور دشمنی ونفرت کو اللہ تعالیٰ کے تابع بنادے۔اس لئے مؤمن کی قلبی موالات اور مودّت صرف اسی کیلئے ہوسکتی ہے جو اس مقصد کا ساتھی اور اللہ جل شانہ کا متبع فرمان ہے۔اس لئے قرآن کی مذکورہ آیتوں میں کافروں کے ساتھ دلی محبت اور قلبی موالات اور دوستی کرنے والوں کے بارے میں کہا گیا کہ وہ انہی میں سے ہیں۔

آخرِ آیت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات عظیم سے ڈراتا ہے،ایسا نہ ہو کہ چند روزہ اغراض ومقاصد

کے خاطر موالاتِ کفار میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کو ناراض کر بیٹھو۔ اور چونکہ موالات کا تعلق دل سے ہے، اور دل کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص واقع میں تو کفار کی موالات ومحبت میں مبتلا ہو مگر زبانی انکار کرے۔ اس لئے دوسری آیت میں فرمایا کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف وخبر دار ہیں یہ انکار وحیلہ ان کے سامنے نہیں چل سکتا۔

کارہا باخلق آری جملہ راست ..... باخدا تزویر و حیلہ کے رواست

ترجمہ: مخلوق کے ساتھ تو جو کچھ بھی کیا جائے چل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ دھوکہ وفریب کہاں چل سکتا ہے۔ (معارف القرآن: ج2: ص64)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:لَا یَتَّخِذِالْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ: اس آیت میں مسلمانوں کو کافروں سے قطع تعلقی کا حکم دیا جارہا ہے۔ پہلے بیان فرمایا کہ مالک الملک، عزت اور ذلت دینے والا، اور قادر مطلق صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی ہے، اس لئے اسی پر بھروسہ رکھو اور ان کافروں کی پرواہ نہ کرو۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ جو محض ضد وعناد کی وجہ سے توحید کو نہیں مانتے اور اسلام قبول نہیں کرتے۔ اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے ہر قسم کے دوستانہ تعلقات منقطع کرلیں۔

:وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً: یہ مؤمنوں کے لئے زجر ہے۔ یعنی جو مسلمان ان کافروں سے دوستی رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی دوستی کا رشتہ اس سے منقطع ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جماعت میں اس کا شمار نہیں ہوگا۔

کافروں سے معاملات اور دلی دوستی تو کسی صورت میں جائز نہیں البتہ اگر ان سے جان کا خطرہ ہو یا اس کے علاوہ کسی بھاری نقصان کا اندیشہ ہو تو ظاہری طور پر میل ملاقات اور خاطر مدارات میں کوئی حرج نہیں۔

:وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ: اس لئے ظاہر وباطن میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نافرمانی سے باز رہو۔

:قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْتُبْدُوْہُ یَعْلَمْہُ اللّٰہُ: یہ تخویف دنیوی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہارے ظاہر وباطن کو جانتا ہے اگر تم خفیہ طور پر ان کافروں سے تعلقات رکھو گے تو یہ بھی اس کے علم میں ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ دنیا میں ہی تمہیں اس کی سزا دے دے۔

:وَيَعْلَمُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ،وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر: یہ ماقبل کی علت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ زمین وآسمان کے تمام معلومات اور حقائق پر حاوی اور ہر چیز پر قادر بھی ہے۔اس لئے وہ کافروں سے تمہاری پوشیدہ دوستی کو جانتا اور اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔

:يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا،وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ،تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا: قیامت کے دن جب ہر آدمی کے نیک اور بُرے اعمال اس کے سامنے کر دیئے جائیں گے اور اعمال کا حساب کتاب ہوگا تو ہر آدمی تمنا کرے گا کہ کاش! اس کے اور اس کے بد اعمال کے درمیان بہت فاصلہ ہوتا اور وہ ان کو نہ دیکھ پاتا۔

:وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَه،وَاللّٰهُ رَءُوْف بِالْعِبَادِ: اور یہ بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عین رحمت اور مہربانی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب سے ڈراتا ہے تاکہ وہ اس کی نافرمانیوں سے باز رہیں اور اس کی اطاعت کریں اور اسی میں ان کی دینی اور دنیوی بھلائی ہے۔(جواھر القرآن:ج 1:ص 149)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ: نہ بنائیں مؤمن کافروں کو دوست سوائے مؤمنوں کے۔یعنی ایمان والوں کی دوستی ایمان والوں سے ہونی چاہئے۔مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہوتی ہے:محبتِ قلبی:جس کو موالات کہتے ہیں۔یہ تعلق اور محبت کافروں کے ساتھ جائز نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے چھٹے پارے میں فرمایا ہے:

:يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ،بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ،وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ:اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود ونصاریٰ کو دوست،یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔جو شخص ان کو دوست بنائے گا تم میں سے،وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔یعنی اس کا شمار یہود ونصاری میں سے ہوگا۔اور اس سے اگلے رکوع میں فرمایا کہ یہود ونصاری کو بھی دوست نہ بناؤ اور دوسرے کافروں کو بھی دوست نہ بناؤ۔تو ہر حال میں موالات یعنی قلبی دوستی کافروں سے بالکل جائز نہیں ہے،ممنوع ہے۔

دوسری چیز ہے مدارات۔اور مدارات کا معنی ہے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا۔مثلاً کوئی کافر تمہارا مہمان ہے،تو اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ،کیونکہ مہمان کا حق ہے۔یا کسی کافر سے مسلمان ہونے کا توقع ہے تو اس سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔یا کافر ظالم ہے،حاکم ہے،اس کے شر سے بچنے کے لئے،اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے

پیش آؤ،اس کی اجازت ہے مگر نفع اور مالی مفاد حاصل کرنے کے لئے نہ ہو،اور دلی محبت بھی نہ ہو،صرف ظاہری طور پر خوش اخلاقی ہو تو ٹھیک ہے۔

اور تیسری چیز مواسات ہے،مواسات کا معنی ہے مالی ہمدردی۔تو کافروں کے ساتھ مالی ہمدردی کر سکتے ہیں یا نہیں؟تو اس کا ضابطہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے:سورۃ الممتحنۃ: کے اندر فرمایا ہے:لا ینھٰکم اللّٰہ:اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا:عن الّذین: ان لوگوں سے:لم یقاتلو کم: جو تمہارے ساتھ نہیں لڑے:فی الدّین: دین کے بارے میں:ولم یخرجو کم من دیار کم: اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا:ان تبرّوھم و تقسطوا الیھم: یہ کہ تم بھلائی کرو اُن کے ساتھ اور اُن کے ساتھ انصاف کا سلوک کرو۔یعنی وہ کافر جو دین کے معاملے میں تم سے لڑے نہیں اور نہ ہی انہوں نے تمہیں گھروں سے نکالا ہے،اُن کے ساتھ تم مالی ہمدردی کر سکتے ہو۔اور وہ کافر جو دین کے معاملہ میں تمہارے ساتھ لڑیں اُن کے ساتھ مواسات یعنی مالی ہمدردی بھی جائز نہیں۔یہ قرآن پاک کا فیصلہ ہے۔

:وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ:اور جس نے یہ کاروائی کی۔یعنی کافروں کے ساتھ قلبی محبت کا تعلق رکھا:فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ:پس نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی شے میں۔یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کا کوئی عذر،کوئی بہانہ، کوئی دلیل نہیں سنے گا:اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً: مگر یہ کہ تم ڈرو ان سے ڈرنا۔یعنی ایسے موقع پر تم ان کے ساتھ ظاہری خوش اخلاقی سے پیش آسکتے ہو،جبکہ تمہیں ان کے ساتھ ضرر کا اندیشہ ہو،لیکن فائدہ اٹھانے کیلئے نہیں:وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ: اور اللہ تعالیٰ تمہیں ڈراتا ہے اپنی جان سے۔یعنی اپنے عذاب سے ڈراتا ہے کہ اگر نافرمانی کرو گے تو عذاب دے گا،دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی:وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ: اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے لوٹنا،سب نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے پاس جانا ہے۔

:قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْتُبْدُوْہُ: آپ ﷺ کہہ دیں کہ اگر تم مخفی رکھو اُن چیزوں کو جو بھی تمہارے دلوں میں ہیں،مثلاً کافروں سے محبت وغیرہ یا تم اُس کو ظاہر کرو:یَعْلَمْہُ اللّٰہُ:اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے :وَیَعْلَمُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ:اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے،سب کچھ اس کے علم میں ہے:وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ:اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

:یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ:جس دن پائے گا ہر نفس:مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا: اس چیز کو جو اس نے عمل کیا نیکی سے حاضر پائے گا،یعنی جو اس نے نیکی کی ہے قیامت والے دن اس کے سامنے آئے گی:وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ اور جو اس نے عمل کیا بُرا،اس کو بھی سامنے پائے گا:تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَھَا وَبَیْنَہٗٓ اَمَدًا بَعِیْدًا: وہ نفس پسند

کرے گا اس بات کو کہ بیشک اس کے درمیان اور اس کے بُرے اعمال کے درمیان مسافت ہو دُور کی۔ یعنی نفس یہ پسند کرے گا کہ میرے اور بُرے اعمال کے درمیان لمبا چوڑا فاصلہ ہو کہ یہ مجھے نظر نہ آئیں، مگر ہوگا کچھ بھی نہیں۔ یہ تو اس دن گلے کا ہار ہوگا: وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ: اور اللہ تعالیٰ تمہیں ڈراتا ہے اپنی ذات سے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخالفت اور عذاب سے تمہیں ڈراتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور یہ ڈرانا بھی اس کا شفقت کی وجہ سے ہے کہ تم راہ راست پر آجاؤ: وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ: اور اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا ہے بندوں پر۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج3: ص 61)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ (الیٰ قولہ) وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ: ایمانداروں کو چاہئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچ جانا ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

ترک موالات کی وضاحت:

یہاں اللہ تعالیٰ جل شانہ ترک موالات کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے مسلمانوں کو کفار سے دوستی اور محض محبت کرنا مناسب نہیں بلکہ انہیں آپس میں ایمان داروں سے میل ملاپ اور محبت رکھنی چاہئے، پھر انہیں حکم سنایا جاتا ہے کہ جو ایسا کرے گا اس سے اللہ تعالیٰ جل شانہ بالکل بیزار ہو جائے گا، جیسے اور جگہ ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَاءَ الخ: یعنی مسلمانو! میرے اور اپنے دشمنوں سے دوستی نہ کیا کرو اور جگہ فرمایا مومنو! یہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو بھی ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہے، دوسرے جگہ پروردگار عالم نے مہاجرؓ انصارؓ اور دوسرے مومنوں کے بھائی چارے کا ذکر کر کے فرمایا کہ کافر آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست ہیں تم بھی آپس میں اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیل جائے گا اور زبردست فساد برپا ہوگا۔

البتہ ان لوگوں کو رخصت دے دی گئی جو کسی شہر میں کسی وقت ان کی بدی اور برائی سے ڈر کر دفع الوقتی کے لئے بظاہر کچھ میل ملاپ ظاہر کریں لیکن دل میں ان کی طرف رغبت اور ان سے حقیقی محبت نہ ہو، جیسے صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ ہم بعض قوموں سے کشادہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صرف زبان سے اظہار کرے لیکن عمل میں ان کا ساتھ ایسے وقت میں بھی ہرگز نہ دے، یہی بات اور مفسرین سے بھی مروی ہے، اور اسی کی تائید اللہ تعالیٰ جل شانہ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ

من بعد ایمانه الّا من اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان: جوشخص اپنے ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ سے کفر کرے سوائے ان مسلمانوں کے جن پر زبردستی کی جائے مگران کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ بخاری شریف میں ہے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے یعنی اپنے دبدبے اور اپنے عذاب سے اس شخص کو خبردار کئے دیتا ہے جو اس کے فرمان کی مخالفت کر کے اس کے دشمنوں سے دوستی رکھے اور اس کے دوستوں سے دشمنی کرے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا بدلہ وہیں ملے گا۔ حضرت معاذؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا اے بنی اود! میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ﷺ کا قاصد ہو کر تمہاری طرف آیا ہوں جان لو کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف پھر کر کے سب کو جانا ہے پھر یا تو جنت ٹھکانا ہوگا یا جہنم۔

:قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْتُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ (الیٰ قوله) وَاللّٰهُ رَءُوْف بِالْعِبَادِ:

کہہ دے کہ اگر تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اسے معلوم ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا، آرزو کرے گا کہ کاش کہ اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ سے ڈر ہمارے لئے بہتر ہے:

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں وہ پوشیدہ کو اور چھپی ہوئی باتوں کو اور ظاہر باتوں کو بخوبی جانتا ہے کوئی چھوٹی سی چھوٹی بات بھی اس پر پوشیدہ نہیں اس کا علم سب چیزوں کو ہر وقت اور ہر لحظہ گھیرے ہوئے ہے، زمین کے گوشوں میں پہاڑوں میں سمندروں میں آسمانوں میں ہواؤں میں سوراخوں میں غرض جو کچھ جہاں کہیں ہے سب اس کے علم میں ہے پھر ان سب پر اس کی قدرت ہے جس طرح چاہے رکھے اور جو چاہے سزا و جزاء دے، پس اتنے بڑے وسیع علم والے اتنی بڑی زبردست قدرت والے سے ہر شخص کو ڈرتے ہوئے رہنا چاہئے۔ اس کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہئے اور اس کی نافرمانیوں سے علیحدہ رہنا چاہئے، وہ عالم بھی ہے اور قادر بھی ہے ممکن ہے کسی کو ڈھیل دے دے لیکن جب پکڑے گا تب دبوچ لے گا پھر نہ مہلت ملے گی نہ رخصت، ایک دن آنے والا ہے جس دن تمام عمر کے برے بھلے سب کام سامنے رکھ دئے جائیں گے، نیکیوں کو دیکھ کر خوشی ہوگی اور برائیوں پر نظریں ڈال کر دانت پیسے گا اور حسرت وافسوس کرے گا اور چاہے گا کہ میں ان سے کوسوں دور رہتا اور پرے ہی پرے رہتا۔ قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا

:ینبئوا الانسان یومئذبماقدّم واخّر: سب گزری ہوئی باتیں اس دن پیش کردی جائیں گی ،شیطان جو اس کے ساتھ دنیا میں رہتا تھا اور اسے برائیوں پر اکساتا تھا اس سے بھی اس دن بیزاری کرے گا اور کہے گا:یٰلیت بینی وبینک بعد المشرقین فبئس القرین: کیا اچھا ہوتا کہ اے شیطان میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا وہ تو بڑا برا ساتھ ہے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے یعنی اپنے عذاب سے ڈرا دھمکا رہا ہے، پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے نیک بندوں کو خوشخبری دیتا ہے کہ وہ اس کے لطف وکرم سے کبھی ناامید نہ ہوں وہ نہایت ہی مہربان بہت رحم اور پیار رکھنے والا ہے، امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں یہ بھی اس کی سراسر مہربانی اور لطف ومحبت ہے کہ اس نے اپنے سے نہیں بلکہ اپنے عذاب سے اپنے بندوں کو ڈرایا، یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے بندوں پر رحیم ہے بندوں کو بھی چاہئے کہ صراط مستقیم سے قدم نہ ہٹائیں دین پاک کو نہ چوڑیں رسول کریم ﷺ کی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑیں۔

(تفسیر ابن کثیر:ج 1:ص 403)

سورة آل عمران

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ:(آل عمران:118)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا، وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں، ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو، نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبانوں سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے، ہم نے بتا دیئے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے۔

:ھَآاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّہٖ وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ:(آل عمران:119)

ترجمہ: سن لو! تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں، اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو، اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصے سے، تو کہہ مرو تم اپنے غصہ میں، اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہیں دلوں کی باتیں۔

:اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَۃٌ تَسُؤْھُمْ وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَۃٌ یَّفْرَحُوْا بِھَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ:(آل عمران:آیت:120)

ترجمہ: اگر تم کو ملے کچھ بھلائی تو بُری لگتی ہے ان کو، اور اگر تم پر پہنچے کوئی بُرائی تو خوش ہوں اس سے، اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا، ان کے فریب سے، بیشک جو کچھ وہ کرتے، سب اللہ تعالیٰ کے بس میں

ہے۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربـــط: اوپر اہل کتاب کے خصوص یہود کے مختلف قبائح و ذمائم مذکور ہوئے ہیں آگے اہل ایمان کو خطاب کرتے ہیں کہ یہ جب ایسے ہیں تو ان سے دوستی یا دوستانہ برتاؤ مت رکھو۔

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْابِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ (الی قولہ)اِنَّ اللّٰہَ بِمَایَعْمَلُوْنَ

مُحِیْط: اے ایمان والو! (اپنے لوگوں کے) سوا (اور مذہب والوں میں سے) کسی کو (محبت میں، برتاؤ میں) صاحب خصوصیت مت بناؤ (کیونکہ) وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے (اور دل سے بھی) تمہاری مضرت (دنیوی و دینی) کی تمنا رکھتے ہیں (دلوں میں تمہاری طرف سے اس قدر بغض بھرا ہے کہ) واقعی (وہ) بغض (بعض اوقات) ان کے منہ سے (بے اختیار بات چیت میں) ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہیں وہ تو بہت کچھ ہے (چنانچہ) ہم (ان کی عداوت کے) علامات (اور قرائن) تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان یقینی علامات سے دیکھ لو)۔

ہاں (سمجھو) تم تو ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت (کا برتاؤ) رکھتے ہو، اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے (نہ دل سے، نہ برتاؤ سے) حالانکہ تم تمام (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (اس میں ان کی کتابیں بھی آگئیں اور وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے، مگر وہ تو باوجود اس تمہارے ایمان کے بھی تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم باوجود ان کے اس عدمِ ایمان کے بھی ان سے محبت رکھتے ہو) اور (تم اُن کے اس ظاہری دعوی ایمان سے شبہ مت کرنا کہ وہ بھی تو ہماری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ) یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں (صرف تمہارے دکھانے کو منافقانہ طور پر) کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب (تم سے) الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غیظ (وغضب) کے (یہ کنایہ ہے شدتِ غضب سے جو مجبوری کے وقت ہو) آپ (اُن سے) کہہ دیجئے کہ تم مر رہو اپنے غصہ میں (مراد یہ کہ اگر تم مر بھی جاؤ گے تب بھی تمہاری مراد پوری نہ ہوگی) بیشک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو (اسی لئے ان لوگوں کے دلوں میں جو رنج وغبار اور عداوت تمہاری طرف سے بھری ہے سب بتلا دی اور ان کا یہ حال ہے کہ)۔

اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے (مثلاً تم میں باہم اتفاق ہو، غیروں پر غلبہ ہو جاوے) تو ان کیلئے موجب رنج ہوتی ہے (جس کا سبب اشد درجہ کا حسد ہے) اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے (تو جو اس اچھی حالت کی ضد

ہو)تو اس سے (بڑے) خوش ہوتے ہیں (جس سے ان کی شماتت ثابت ہے، سو ان کے جب یہ حالات ہیں تو وہ اس قابل کب ہے کہ ان سے دوستی یا دوستی کا برتاؤ کیا جاوے۔ یہ تقریر سننے والے کے دل سے دوستی کا خیال حک کرنے کے لئے تو بس ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ان مخالفات پر آگاہ ہو کر اس فکر میں پڑھ سکتا ہے کہ جب یہ ایسے دشمن ہیں تو کہیں ہم کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچا دیں، اس لئے آگے اس کے متعلق تسلی ہے)۔

اور اگر تم استقلال اور تقوی کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی (تم اس سے بے فکر رہو تو دنیا میں تو اُن کو یہ ناکامی نصیب ہوگی اور آخرت میں سزائے دوزخ ہوگی کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کے اعمال پر (علمی) احاطہ رکھتے ہیں (کوئی عمل ہم سے مخفی نہیں، اس لئے وہاں سزا سے بچنے کے لئے کسی حیلہ حوالہ کی گنجائش نہیں)۔

فائدہ: یہاں پر جو غیر مذہب والوں سے خصوصیت کی ممانعت فرمائی ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کو اپنا ہمراز نہ بنایا جاوے۔ چنانچہ روح المعانی میں حضرت حسنؓ کا تائید کرنا ایک حدیث کا جو بروایتِ بیہقی مشرکین کو ہمراز بنانے کی ممانعت میں آئی ہے اس آیت سے منقول ہے۔ اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے خاص اُمورِ انتظامی میں اس کو دخل دیا جاوے۔ چنانچہ کبیر میں سیدنا فاروق اعظمؓ کا انکار فرمانا ایک نصرانی کو منشی بنانے سے اسی آیت کی بنا پر مذکور ہے اور گو شانِ نزول خاص ہے مگر عموم الفاظ سے حکم عام ہے۔ (بیان القرآن: ج1: ص131)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ابن جریرؒ اور ابن اسحاقؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ مسلمانوں کا میل ملاپ کچھ یہودیوں کے ساتھ تھا، کیونکہ دونوں ہمسائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ میں حلیف (ہم عہد) بھی تھے۔ اس سلسلہ میں ذیل کی آیت نازل ہوئی:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْابِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ: اے اہل ایمان! اپنے لوگوں یعنی مسلمانوں کے علاوہ دوسروں کو اندرونی یار غار نہ بناؤ۔: بطانۃ: رازدار، اور وہ شخص جس پر اعتماد کر کے کوئی اس کو اپنے رازوں سے واقف بنا دے۔ یعنی ان لوگوں کو اپنا یار غار نہ بناؤ جو تم سے نچلے اور کم مرتبہ والے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کی مدح ہے کہ تمہارا مرتبہ غیر مسلموں سے زیادہ ہے۔ اور اس بات کی بھی آیت سے ہدایت (مستفاد) ہوتی ہے کہ اونچے مرتبہ والوں کے ساتھ رہو، ادنی لوگوں کی صحبت اختیار نہ کرو، گوشہ نشینی بُرے ہم نشین سے بہتر ہے، اور اچھا ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے۔

:مِّنْ دُوْنِكُمْ: کالفظ رافضیوں، خارجیوں اور دوسرے بدعتیوں کو بھی شامل ہے، اس لئے کافروں کی طرح ان کو بھی اندرونی رازدار بنانا جائز نہیں۔

:لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا: یعنی جو لوگ دوسرے مذہب پر ہیں وہ تمہارے اندر شر اور بگاڑ پیدا کرنے میں کوتاہی نہیں کریں گے بلکہ تمہارے اندر شر اور فساد کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش خرچ کردیں گے۔

:وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ: یعنی تمہارا سخت دُکھ اور تکلیف میں پڑھ جانا وہ دل سے پسند کرتے ہیں بلکہ کبھی: قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ: دشمنی ان کے منہ سے ظاہر ہوجاتی ہے۔ انتہائی بغض کی وجہ سے وہ اپنے پر قابو بھی نہیں رکھتے اور ایسی باتیں کہہ گزرتے ہیں جن سے تم کو دکھ ہو۔

:وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ: اور جو بغض ان کے دلوں کے اندر چھپا ہوا ہے وہ ظاہر شدہ بغض سے بہت بڑا ہے۔ کیونکہ وہ دھوکہ اور فریب دینے کے لئے (عموماً) دوستی کا اظہار کرتے ہیں۔

:قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ: ہم نے تمہارے سامنے کھلی ہوئی نشانیاں کھول کر بیان کردیں، جن سے ان کی عداوت معلوم ہوجاتی ہے یا جو دلالت کررہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا مخلص ہونا اور مومنوں سے دوستی رکھنا اور کافروں سے دشمنی رکھنا واجب ہے۔

:اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ. یعنی اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو کافروں کی اندرونی دوستی سے باز رہو، ان کو دشمن ہی سمجھو، اللہ تعالیٰ جل شانہ سے خلوص رکھو اور مسلمانوں سے موالات کرو۔

:هٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ: دیکھو تم تو قرابت یا دوستی کے پیش نظر ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ اختلاف مذہب کی وجہ سے تم سے محبت نہیں کرتے (یہ عجیب بات ہے): وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ: باوجودیکہ تم ہی سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو یا پوری تورات پر تمہارا ہی ایمان ہے۔ یعنی تم ہی ایمان رکھتے ہو، کافر تمام کتابوں پر یا پوری تورات پر ایمان نہیں رکھتے، کیونکہ تورات کے اندر جو نبی ﷺ کے اوصاف کا بیان ہے، اس کو نہیں مانتے، اس بیان میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جتنے تم لوگ حق پر مضبوط ہو اس سے زیادہ وہ باطل پر سخت ہیں۔

:وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا: جب وہ تم سے ملتے ہیں تو نفاق کے ساتھ کہتے ہیں ہم تمہاری طرح محمد ﷺ اور قرآن کو مانتے ہیں۔

:وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ: اور جب تنہائی میں (اپنے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ) ہوتے ہیں تو غصہ سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ تمہاری سلطنت دیکھتے ہیں اور تم کو ضرر

پہنچانے کا کوئی راستہ اُن کو نہیں ملتا تو شدتِ غضب کی وجہ سے نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ اپنی انگلیاں چھباتے ہیں یا اس سبب سے انگلیاں چباتے ہیں کہ اظہارِ ایمان کے سوا ان کے لئے کوئی چارہ نہیں ہوتا، اور وہ دل سے اس کو پسند نہیں کرتے۔

:قُلْ: آپ کہہ دیں۔ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے یا ہر مسلمان کو ہے۔ آئندہ کلام میں مسلمانوں کو کافروں کی عداوت پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور اس طرح خطاب کرنے پر اُبھارا گیا ہے جیسے دشمنوں سے خطاب کیا جاتا ہے، کیونکہ شمشیر کے زخم سے بھی زبان کا زخم زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

:مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ: یعنی اے کافرو! اور منافقو! اپنے غصہ سے خود مر جاؤ۔ مطلب یہ کہ اسلام کی شان یونہی بڑھتی رہے گی اور تم اسلام کی شوکت دیکھ کر ہمیشہ جلتے اور مرتے رہو۔

:اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں سے خوب واقف ہے، یعنی تمہارے دلوں کے اندر جو شدتِ غضب پوشیدہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ جانتا ہے۔

یعنی اے مسلمانو! تم اگرچہ واقف نہیں کہ کافروں کو تم سے قلبی محبت نہیں ہے اور وہ غصہ سے تم پر اپنی انگلیاں چباتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ تو واقف ہے، اس لئے تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تم کو جو کافروں سے بغض رکھنے کا حکم دیا ہے اس پر چلو اور باہمی تعلقات کی وجہ سے ان سے محبت نہ کرو۔

:اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ: اے مسلمانو! اگر تم کو کوئی بھلائی چھو بھی جاتی ہے، مثلاً دشمن پر تم کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے، اسلام کی شوکت بڑھتی ہے، تم کو مالِ غنیمت یا زندگی کی فراغت نصیب ہو جاتی ہے تو ان کو دُکھ پہنچتا ہے وہ اس سے جلتے ہیں۔ یعنی تمہاری ادنیٰ بہتری بھی ان کے لئے رنج آفریں ہوتی ہے۔

:وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا: اور اگر تم پر کوئی بُرائی پڑھ جاتی ہے مثلاً دشمن کو کچھ غلبہ حاصل ہو جاتا ہے یا قحط پڑھ جاتا ہے اور تمہاری روزی تنگ ہو جاتی ہے تو وہ خوب خوش ہوتے ہیں۔

:وَاِنْ تَصْبِرُوْا: اور اگر ان کی دشمنی یا تمام مصائب یا حکم الٰہی کی تعمیل کی مشقت پر تم صبر کرو گے :وَتَتَّقُوْا: اور ان کی موالات سے اور دوسرے ممنوعات سے بچتے رہو گے :لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا: تو ان کی مکاری تم کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ :اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ: یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔

(تفسیر مظہری اردو: ج2: ص264)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: گزشتہ آیات میں مسلمانوں کے صفات اور کافروں کے ذمائم اور قبائح کا ذکر تھا اب ان آیات میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ کافروں کے ساتھ خلاملا نہ رکھو اور نہ ان کو اپنا رازدار بناؤ، کافر تمہارے دین اور دنیا دونوں کے دشمن ہیں۔

یا یوں کہو کہ جب گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ کفر اور ظلم کی سردہوا نے ظالموں کے اعمال کی کھیتیوں کو تباہ و برباد کیا تو اب آئندہ آیت میں اہل ایمان کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم ان ظالموں سے خلط ملط نہ رکھنا۔ مبادا ان کے کفر اور ظلم کی سردہوا کا اثر تمہارے اعمال کی کھیتیوں کو نقصان نہ پہنچاوے۔

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْابِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ (الی قولہ) بِمَایَعْمَلُوْنَ مُحِیْط: (چنانچہ فرماتے ہیں) اے ایمان والو! ایمان (کا مقتضٰی یہ ہے کہ) اپنے غیروں کو اپنا رازدار اور بھیدی نہ بناؤ (یعنی غیر مسلموں کو اپنا ہمدم اور رفیق اور رازدار نہ بناؤ، اور اس ممانعت کی متعدد وجوہ ہیں:

اوّل..... تو یہ کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی اور تمہارے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، ہر وقت اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں باہمی کوئی خرابی اور فساد پیدا ہو۔

دوم..... یہ کہ ہر وقت اس کی تمنا کرتے ہیں کہ تم کسی تکلیف اور ضرر میں مبتلا ہو جاؤ، ہر وقت تمہاری مصیبت کے خواہشمند رہتے ہیں، یہ خواہش کبھی اُن کے دل سے زائل نہیں ہوتی۔

سوم..... یہ کہ اِن کے دل تمہاری دشمنی سے لبریز ہیں کہ) بعض مرتبہ دلی بغض اور اندرونی (دشمنی بلا اختیار) ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتی ہے (بغض اور دشمنی اس درجہ پہنچا ہوا ہے کہ اس کو ضبط نہیں کر سکتے اور نہ وہ ان کے چھپانے سے چھپ سکتا ہے، اندر سے اوچھل کر اور اُبل کر منہ پر آ گیا ہے اور کھل گیا ہے۔

چہارم..... یہ کہ وہ بغض اور دشمنی جو اِن کے سینوں نے اپنے اندر چھپا رکھا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے (کہ جو دشمنی اُن سے ظاہر ہو جاتی ہے تمہیں معلوم نہیں کہ اُن کے سینوں کے اندر دشمنی کتنی چھپی ہوئی ہے) تحقیق ہم نے تمہارے لئے صاف صاف نشانیاں بیان کر دی ہیں اگر تم کو عقل ہے (تو سمجھ جاؤ کہ یہ تمہارے خیر خواہ نہیں بلکہ سخت دشمن ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کو اپنا بطانہ یعنی دوست اور رازدار بناؤ۔

پنجم..... یہ کہ تم ایسے نادان اور غفلت شعار کیوں ہو کہ) تم ان کو دوست رکھتے ہو اور وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے (پس اگر وہ تم سے بغض اور دشمنی ہی نہ رکھتے تو فقط ان کا تم سے محبت نہ رکھنا یہ کافی تھا کہ ان کو رازدار نہ بنایا جائے، اس لئے کہ جس کو تم سے محبت نہ ہو اور نہ وہ تمہارا خیر خواہ ہو تو اس کو اپنا رازدار رہنا نادانی ہے۔

اور **چھٹی**.....وجہ یہ کہ)تم اللہ تعالیٰ کی سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو(اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ تمہاری کتاب پر باوجود حقانیت کے ظاہر ہو جانے کے تمہاری ضد میں اس پر ایمان نہیں لاتے ان کو چاہئے تھا کہ وہ تم سے محبت رکھتے کہ تم اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی کتاب کا انکار نہیں کرتے مگر معاملہ برعکس ہو گیا کہ وہ تم سے بغض اور دشمنی رکھتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو کیا اپنا دوست اور راز دار بناتے ہو؟ ضِدّی اور پیچی آدمی کو راز دار بنانا سخت غلطی ہے۔

اور **ساتھویں**.....وجہ یہ ہے کہ ان کا برتاؤ اور معاملہ تم سے منافقانہ ہے مخلصانہ نہیں اسلئے کہ)یہ لوگ جب تم سے (ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں)اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو غیظ وغضب سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ جب اپنے مجمع میں اکیلے ہوتے ہیں اور کوئی مسلمان وہاں نہیں ہوتا تو مسلمانوں کے جوشِ عداوت میں غصہ میں آکر دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ مسلمانوں کی دن دونی رات چوگنی قوت وشوکت اور باہمی اتحاد اور الفت اُن سے برداشت نہیں ہوتی اس لئے اپنے مجمع میں اس دلی دشمنی کا اظہار کرتے ہیں)اے نبی کریم ﷺ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے اس غصے میں (گلا گھونٹ کر)اسی طرح جلتے اور مرتے رہو (اور یوں ہی عمر بسر کرتے رہو، یہ غصہ مرتے دم تک تمہارے ساتھ رہے گا اور اس غیظ وغضب سے تم اسلام اور مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں پر نعمتیں پوری کرے گا، تمہارا غصہ اور حسد بیکار ہے)۔

بمیر اے از حسد پیوستہ غمگین ..... کہ جز مرگت نخواہد داد تسکین

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے (اور دشمنوں کے دلوں کی پوشیدہ باتیں اپنے دوستوں کو بتلا دیتا ہے۔

اور **آٹھویں**.....وجہ یہ ہے کہ اُن کی دشمنی اور حسد کا یہ حال ہے کہ اے مسلمانو!)اگر تم کو ذرا سی کوئی بھلائی چھو بھی جائے تو انہیں بہت ہی بُری لگتی ہے (سمجھ لو کہ اُن کا حسد اس درجہ پہنچا ہوا ہے۔

اور **نویں**.....وجہ یہ ہے کہ)اگر تمہیں کوئی بُرائی یا تکلیف پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں (یہ ان کی شماتت کا حال ہے۔

اور **دسویں**.....وجہ یہ ہے کہ وہ اندرونی طور پر تمہارے خلاف سازشوں میں سرگرم ہیں جس کا علاج یہ ہے کہ)اگر تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو (یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرو اور ان کی موالاۃ اور بطانہ بنانے سے پرہیز کرو)تو تم کو ان کا فریب کچھ نقصان نہیں دے گا، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس قوم کی دشمنی کا یہ حال ہو اس سے کیا خیر خواہی کی توقع ہو سکتی ہے کہ جو اس سے دوستی کی جائے اور اس کو اپنا رازدار بنایا جائے....؟؟؟

فائدہ: فقہاء کرامؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسلمان حاکم کے لئے یہ جائز نہیں کہ اہل ذمہ میں سے کسی کافر کو اپنا منشی اور پیشہ کار بنائے۔ اس لئے کہ وہ کافر مسلمانوں کا خیر خواہ نہ ہوگا اور اسلامی حکومت کے راز اور امور مملکت سے اپنی ہم قوم حکومت کو مطلع کرے گا۔ بلکہ جن مسلمان وزیروں اور امیروں نے کسی غیر مسلم عورت سے نکاح کر لیا یا اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا تو پھر اسلامی حکومت کے راز غیر مسلموں پر ظاہر ہوئے اور اسلامی حکومت کو شدید نقصان پہنچا اور ان غیر مسلم عورتوں نے مسلمان شوہر سے زائد اپنے ہم مذہب کافروں کی مصلحت کا لحاظ رکھا جیسا کہ تجربہ اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔ اور سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کا بھی یہی مسلک تھا کہ وہ غیر مسلم منشی اور پیشکار بنانے کو ناپسند فرماتے تھے، اور اسی آیت سے استدلال فرماتے تھے۔

تنبیہ:

شریعت اسلامیہ کا یہ حکم کہ: غیر مسلم کو اپنا دوست اور رازدار نہ بنایا جائے اور امور مملکت میں اس کو دخیل نہ بنایا جائے: عین حق اور عین حقیقت ہے۔ یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ غیر مذہب والا اپنے مذہب اور اپنے اہل مذہب ہی کی خیر خواہی کرتا ہے دوسرے اہل مذہب کی خیر خواہی نہیں کرتا۔ تمام مغربی ممالک کو دیکھ لیجئے کہ وہ کبھی بھی کسی مسلمان کو وزارت اور سفارت کا منصب سپرد نہیں کرتے۔

مقام افسوس:

مگر افسوس کہ.....آج کل کے نام نہاد مسلمان جب اس قسم کا حکم سنتے ہیں تو اس کو تعصب اور تنگ نظری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اگر ان کو اپنے حقیقی بھائی کی خیر خواہی پر اطمینان نہ ہو تو اس کو بھی اپنا بطانہ (رازدار) بنانا گوارا نہیں کرتے۔ مگر جب خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! جو شخص اسلام کا اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہ ہو بلکہ ان کا دشمن اور حاسد ہو، اس کو اسلامی حکومت میں کوئی عہدہ اور منصب نہ دو، تو یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قانون پر نکتہ چینی کرنے لگتے ہیں۔

تمام دنیا کی حکومتوں کا یہ مسلّم قانون ہے کہ حکومت میں، حکومت کے باغی کو کوئی عہدہ اور منصب نہیں دیا جا سکتا۔ باغی کو عہدہ دینا، سیاسیات مملکیہ میں بالاجماع حرام ہے۔ پس اگر اسلام یہ کہتا ہے کہ اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو کہ جو اسلام سے باغی ہو یعنی کافر ہو اس کو کوئی عہدہ اور منصب نہ دو تو اس پر کیوں ناک منہ چڑھاتے ہیں؟

اپنے باغی کے لئے عہدہ دینا تو ناجائز اور حرام ہو، اور اللہ تعالیٰ کے باغی اور سرکش کیلئے عہدہ دینا جائز ہو۔ جس

کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا باغی تو مجرم ہے اور اللہ تعالیٰ کا باغی بے قصور ہے۔ تو اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ (معاذ اللہ) آپ کی شان، اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کی فانی اور مجازی حکومت سے انحراف اور بغاوت کرے تو وہ قتل اور ہمیشہ قید کا مستحق بنے اور: احکم الحاکمین: سے اگر بغاوت (کفر) کرے تو اس کو وزیر بنانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ وسعت قلب نہیں بلکہ..... بے غیرتی ہے۔ (معارف القرآن: ج2: ص 39)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط آیات: آج کے درس میں اہل ایمان کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ مسلمان، اہل کتاب کی دشمنی کے پیش نظر اُن کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں۔

ارشاد ہوتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اے ایمان والو! لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ: اپنوں کے سوا دوسروں کو اپنا مخلص دوست نہ بناؤ۔ من دونکم: میں اہل کتاب اور مشرک آتے ہیں۔ بعض مفسرینؒ نے منافقین کو بھی اس زمرہ میں شامل کیا ہے۔ تو مسلمانوں کو نصیحت کی جارہی ہے کہ اہل ایمان کے علاوہ دوسروں کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں۔

مدینے میں دو مشہور قبائل: اوس: اور: خزرج: آباد تھے۔ یہ مشرک لوگ تھے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن کو ایمان لانے کی توفیق بخشی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اپنی پُرانی دشمنی ترک کر کے آپس میں شیر وشکر ہو گئے۔ ان قبائل کے مدینے کے یہودیوں سے دیرینہ تعلقات تھے، جنہیں وہ اسلام لانے کے بعد نبھا رہے تھے۔ مگر یہودی چونکہ ایمان نہیں لائے تھے، اس لئے وہ مسلمانوں کے مخلص دوست نہیں ہو سکتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اوس وخزرج والوں کو بھی منع فرمادیا کہ یہودیوں کے ساتھ دوستی نہ رکھیں۔ کیونکہ وہ اسلام اور اہل اسلام کو اچھا نہیں سمجھتے۔

مفسرین کرامؒ نے اس آیت کی شان نزول میں ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ انصار مدینہ میں سے عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ مصر کی فتح کے دوران اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عبادہؓ کو مقوقس سے گفتگو کرنے کیلئے نمائندہ نامزد کیا تھا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، حضور! یہاں کے یہودیوں سے میرے مخلصانہ تعلقات ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اُن کو اپنے ساتھ جنگ میں شریک کرلوں؟ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کی امداد لینے سے یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ ان سے خیر کی توقع عبث ہے۔ ان سے مسلمانوں کے حق میں نقصان کی توقع ہی کی جاسکتی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہودیوں کے ساتھ دوستی کرنے سے روک دیا: لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا: مومن کے سوا کسی سے رفاقت نہ کرو۔ غیر مومن کی رفاقت سے

نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔لہذا ان سے مخلصانہ دوستی نہ جوڑو۔

فرمایا غیر مسلموں کی دوستی سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ: لا یألونکم خبالا : وہ تمہارے درمیان فساد برپا کرنے میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔غیر مومنوں کی ہمیشہ یہ خواہش ہوگی کہ مومنوں کو کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچائیں، انہیں تمہاری خیر خواہی ہرگز منظور نہیں۔اُن سے رازداری قائم کرنے کی صورت میں مسلمانوں کو دنیا اور دین دونوں جگہ نقصان ہوگا۔

اس سے پہلے سورۂ بقرہ میں بھی گذر چکا ہے کہ اہل کتاب ہرگز پسند نہیں کرتے کہ اہل اسلام پر خدا کی جانب سے کوئی بہتری نازل ہو یا اُن کو اس دنیا میں عزت اور ترقی نصیب ہو۔وہ تو چاہتے ہیں کہ مسلمان اُن سے زیادہ پستی میں چلے جائیں۔اہل کتاب یہود و نصاری کے علاوہ اہل ہنود اور دہریوں کا بھی یہی حال ہے۔مسلمانوں کی ترقی اُن کو ایک آنکھ بھی نہیں بھاتی۔چنانچہ اسی سورۃ میں پہلے گزر چکا ہے کہ ایک مومن کی دوستی ایک غیر مومن کے ساتھ کسی حال میں نہیں ہوسکتی۔دوستی کیلئے کم از کم نظریات تو یکساں ہونے چاہئے،مگر ایسا ممکن نہیں۔یہاں تو صورت حال یہ ہے: لا اعبد ما تعبدون: بلکہ: لکم دینکم ولی دین: غیر مسلم کفر کو پسند کرتے ہیں،جبکہ اہل اسلام کا منتہائے مقصود محض رضائے الٰہی ہوتی ہے۔لہذا دونوں گروہوں کی آپس میں مخلص دوستی ممکن نہیں۔

البتہ کسی کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آنا الگ چیز ہے۔اسلامی ملک میں رہنے والے غیر مسلم،جذیہ ادا کر کے اسلامی قوانین کے تحت زندگی بسر کر سکتے ہیں،ایسے لوگ ذمی کہلاتے ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی ذمی کو تنگ کرے گا،میں قیامت کے دن ذمی کی طرف سے خدا کے ہاں جھگڑا کروں گا۔آپ ﷺ نے ذمیوں کو اتنے حقوق دیئے ہیں،اس کے باوجود فرمایا اُن کے ساتھ دوستانہ قائم نہیں ہوسکتا۔مخلص دوستی صرف اہل ایمان کے ساتھ ہوگی،کسی کافر کے ساتھ نہیں ہوسکتی۔خصوصاً یہود و نصاری کے متعلق تو خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔

کلیدی آسامیوں پر تقرری کا نقصان:

غیر مسلموں سے دوستی اور رازداری کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا کہ یہ لوگ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔لہذا کوئی راز کی بات اُن تک نہیں پہنچنی چاہئے۔ایسا کرنے سے مسلمانوں کی ترقی اور تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔اسی لئے امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ:

کسی غیر مسلم کو اسلامی ملک میں عہدے پر فائز نہیں کرنا چاہئے،انہیں نہ وزیر بنانا چاہئے،نہ مشیر اور نہ ہی پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کرنا چاہئے۔کسی عیسائی،یہودی،ہندو،یا قادیانی کو وزیر یا مشیر یا افواج کا کمانڈر بنادیا جائے تو

معاملہ بگڑ جائے گا۔

سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کے دَور میں حضرت حذیفہؓ نے اپنا کاتب ایک غیر مسلم کو مقرر کرنا چاہا تھا مگر سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے انکار کر دیا تھا اور فرمایا..... جسے خدا نے دُور کیا تم اُسے کیوں قریب کرنا چاہتے ہو۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ وثیق نامی روم کا عیسائی سیدنا فاروق اعظمؓ کا غلام تھا، بڑا ذہین اور اعلیٰ درجے کا حساب دان تھا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا اگر تم ایمان لے آؤ تو میں تمہیں کوئی ذمہ داری کا کام سونپ دوں گا۔ مگر وہ شخص ایمان نہ لایا، اور آپؓ نے اسے کوئی عہدہ نہ دیا۔ جب آپؓ زخمی ہو گئے تو اُسے پھر بلا کر ایمان اور عہدہ کی پیش کش کی مگر وہ رضامند نہ ہوا۔ آپؓ نے اُسے آزاد کر دیا، مگر کوئی عہدہ نہ دیا۔

اس روایت سے یہ چیز ثابت ہوگئی کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی حکومت میں کوئی کلیدی آسامی پیش نہیں کی جا سکتی۔ اگر ایسا ہوگا تو اہل اسلام کے لئے لازماً نقصان کا باعث ہوگا۔

مسلمانوں کے ساتھ بدخواہی:

غیر مسلموں کی خصلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ : وہ تمہاری مشقت کو پسند کرتے ہیں۔ ان کی دِلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مسلمان مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اور دیکھو: قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ: اُن کی اسلام دشمنی کی بات بعض اوقات اُن کی زبانوں پر بھی آجاتی ہے۔ وہ لاکھ کوشش کریں کہ اُن کی اسلام کے ساتھ دشمنی مخفی رہے مگر پھر بھی منہ سے کوئی نہ کوئی بات ایسی نکل جاتی ہے، جو اُن کی اندرونی خباثت کا مظہر ہوتی ہے۔ اسی لئے غیر مسلموں کے ساتھ دوستی سے منع فرمایا گیا ہے۔

اور یہ کہ اسلام دشمن طاقتیں کبھی مسلمانوں کی خیر خواہ نہیں ہو سکتیں، ان کی اندرونی خباثت بسا اوقات ان کی زبانوں پر تو آتی رہتی ہے۔ مگر: وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ : جو کچھ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی غلاظت ہے، وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ لہٰذا ان سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہئے۔ کوئی راز کی بات اِن تک نہیں پہنچنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ : ہم نے اپنی نشانیاں اور احکام کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں: اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ: اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو تو اِن پر سختی سے عمل پیرا ہو جاؤ۔ اگر اس کے باوجود تم غیر مسلموں پر اعتماد کرو گے، ان کو وزیر، مشیر بناؤ گے، بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرو گے تو پھر..... بہت بڑے قومی نقصان کے خود ذمہ دار ہو گے۔

اہل کتاب کی عداوت اور دشمنی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل کتاب، مشرکین اور منافقین

سے دوستی کرنے سے منع فرمادیا، اور خبردار کردیا کہ اُن کو اپنے دلی رازدان نہ بناؤ، ورنہ وہ تمہارے درمیان فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دیں گے۔ اُن کی حالت یہ ہے کہ جو چیز تمہیں مشقت میں ڈالتی ہے، وہ اُس کو پسند کرتے ہیں، اُن کی اسلام دشمنی بسا اوقات اُن کی زبانوں پر آجاتی ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے خلاف جو بغض وعناد اُن کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے، اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ ہم نے تمام احکام کھول کر بیان کردیئے ہیں، اگر تم عقل وشعور رکھتے ہو تو اِن کو سمجھ جاؤ اور غیر مسلموں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ، نہ ہی اُن کو راز سے آگاہ کرو، انہیں وزیر ومشیر نہ بناؤ کہ اس طرح تمہاری اندرونی باتیں اُن تک پہنچتی ہیں، جو تمہارے نقصان کا باعث بنتی ہیں، وہ تمہاری کامیابی پر کبھی خوش نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اُن کی ہر وقت کوشش یہ ہوگی کہ تم کسی نہ کسی طرح ناکام ہوکر مصیبت میں گرفتار ہوجاؤ۔

آج ہمارے گردوپیش یہی کچھ ہورہا ہے۔ کافر طاقتیں مسلمانوں کے اندرونی معاملات میں دخیل ہورہی ہیں، مسلمان اپنی نالائقی کی وجہ سے اپنے مشن سے ہٹ چکے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں اغیار کو رازدان بنایا جارہا ہے، اُن سے مشورے طلب ہوتے ہیں اور پھر وہی لوگ اندرونی راز حاصل کرکے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں، اُن کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں تاکہ وہ ہمیشہ انہی کے دام میں گرفتار رہیں۔

آج ہم نے ان کفار کو اپنا رازدار بنالیا ہے، وہ ہمیں اچھا اور خیر خواہی کا مشورہ کیسے دے سکتے ہیں؟ وہ تو ہمیشہ ہماری ٹانگیں کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ غیر اقوام کے ساتھ دلی دوستی قائم نہیں کرنی چاہئے۔

یکطرفہ محبت:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: هَاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ: اے ایمان والو! تم تو دوسروں سے محبت کرتے ہو وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ: مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ مطلب یہ کہ تم ان کفار کو اپنا رازدار بنارہے ہو، ان کو مشیر بنا رکھا ہے، ان سے محبت بڑھا رہے ہو، مگر وہ تم سے دلی لگاؤ نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان کے ساتھ تمہاری محبت یکطرفہ ہے، محبت ہمیشہ جانبین کی طرف سے ہونی چاہئے۔ لہٰذا صرف تمہاری طرف سے یکطرفہ محبت کوئی محبت نہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ، اُس کے رسول ﷺ، قرآن پاک کے شدید ترین دشمن ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ صرف تمہاری طرف سے دوستی اور محبت اہل اسلام کے لئے لازماً نقصان کا باعث ہوگی۔

ایمان بالکتب:

فرمایا کہ اہل ایمان اور اہل کتاب میں ایک بنیادی فرق یہ ہے: تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ تم یعنی اہل ایمان تو تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ منجانب اللہ ہونے کی حیثیت سے تمہارے نزدیک زبور، تورات، انجیل اور قرآن پاک سب برابر ہیں، مگر اہل کتاب قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں مانتے۔ بلکہ یہودی ہمیشہ قرآن پاک کی مخالفت میں تمام اخلاقی حدود کو پامال کرتے رہتے ہیں۔ اور اہل کتاب قرآن پاک کو انسانیت کا دشمن سمجھتے ہیں، جبکہ ہمارے نزدیک انسانیت کی بہتری کے لئے سب سے اعلیٰ کتاب قرآن کریم ہے ان حالات میں جبکہ اہل ایمان اور اہل کتاب کی دوستی کی بنیاد ہی نہیں ہے، تو اُن کے ساتھ دوستی کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ اُن کو رازداری کی بات نہ بتادینا، ورنہ وہ نقصان پہنچائیں گے۔

منافقین کا اظہارِ خفگی:

آگے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہودی منافقین کی ایک اور خصلت بیان فرمائی ہے: وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا: جب وہ تم سے یعنی مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں: وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ: اور جب الگ ہوتے ہیں تو غصے کے مارے انگلیوں کو چباتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ یہ منافق قسم کے یہودی بظاہر تو تمہارے ساتھ ایمان کے رشتے جوڑتے ہیں مگر جب تم سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں تو تمہاری ہر کامیابی اُن کو سخت گراں گزرتی ہے، اور وہ غصے کے مارے دانت پیستے بلکہ انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ اے پیغمبر ﷺ! یہ لوگ آپ کے اور ایمان والوں کے خلاف غصے سے بھرے بیٹھے ہیں۔ اس صورت حال میں قُلْ: آپ اُن سے کہہ دیں: مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ: تم اپنے ہی غصے کی آگ میں جل مرو۔

فرماتے ہیں کہ جب کسی سے قطع تعلق کرنا ہو تو اُسے کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ دینی چاہئے تاکہ وہ سمجھ جائے کہ اب یہ تعلقات قائم نہیں رہ سکتے، یہ الفاظ بھی اسی قسم کے ہیں۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کا دوستانہ نہیں رہ سکتا، ہم تمام آسمانی کتابوں کو برحق سمجھتے ہیں مگر وہ قرآن پاک کو آسمانی کتاب ماننے پر تیار نہیں۔ ہم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں مگر وہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کو تیار نہیں تو پھر دوستی کی بنیاد ہی ختم ہوگئی۔ لہٰذا اُن کو یہ دل شکن بات کہہ دی گئی کہ جس غیظ وغضب کا اظہار تم مسلمانوں کے خلاف کررہے ہو، خود اُسی غصے سے مرجاؤ۔

فرمایا اگرچہ تم بظاہر ایمان کا اظہار کرتے ہو، مگر یاد رکھو!: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں کے راز یعنی اُن میں بھری ہوئی غلاظت سے خوب واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ، اہل ایمان

اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کے خلاف تمہارے دلوں میں کس قدر زہر بھرا ہوا ہے۔

تمہاری کچھ خباثت تو تمہاری زبانوں سے بھی بعض اوقات ظاہر ہو جاتی ہے مگر جس چیز کو تم چھپا رہے ہو، اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں، وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا، پھر اُس کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے۔

فرمایا: اے ایمان والو! اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ: اگر تمہیں کوئی اچھائی پہنچے تو منافقین کو ناگوار گزرتی ہے۔ تمہاری کامیابی دیکھ کر جل جاتے ہیں، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو، کسی جنگ میں فتح ہو تو ان پر گراں گزرتا ہے: وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا: اور اگر تم کو کوئی تکلیف پہنچے، شکست ہو جائے، کچھ آدمی مارے جائیں، مالی نقصان ہو جائے تو یہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔

اِن حالات میں ان لوگوں سے دوستی کبھی مفید نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہوتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد و غمخوار ہوں گے: المؤمن اخو المؤمن: ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اور پھر: انما المؤمنون اخوۃ: تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا دلی دوستی اپنے بھائیوں سے رکھو، دشمنانِ خدا تعالیٰ اور دشمنانِ رسول ﷺ سے لاتعلقی کا اظہار کرو، اُن سے دوستی نقصان کا باعث ہوگی۔

دفاع کا طریقہ:

فرمایا: اہل کتاب کی طرف سے ہر قسم کی ضرر رسانی کا دفاع دو طریقوں سے ممکن ہے۔ پہلی چیز ہے: وَاِنْ تَصْبِرُوْا: اگر تم صبر کرو۔ دوسری چیز: وَتَتَّقُوْا: ہے۔ صبر کے ساتھ ساتھ اگر تقویٰ اختیار کئے رکھو گے تو پھر تمہارا پورا پورا دفاع ہوگا: لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا: دشمنانِ اسلام کی کوئی مکاری اور حیلہ سازی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ البتہ: اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ: اللہ تعالیٰ اُن کے ہر عمل کا احاطہ کرنے والا ہے۔ اُن کی شرارتوں کی سزا اُن کو ضرور مل کر رہے گی، وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ (معالم العرفان فی دُروس القرآن: ج 4: ص 382)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اے ایمان والو! اپنے (لوگوں کے) سوا (اور مذہب والوں میں سے) کسی کو (محبت کے برتاؤ میں) صاحبِ خصوصیت مت بناؤ (کیونکہ) وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے (اور دل سے بھی) تمہاری مضرت (دنیوی و دینی) کی تمنا رکھتے ہیں (دلوں میں تمہاری طرف سے اس قدر بغض بھرا ہے کہ) واقعی (وہ) بغض (بعض اوقات) ان کے مُنہ سے (بے اختیار بات چیت میں) ظاہر ہو پڑتا ہے، اور جس قدر اُن کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے (چنانچہ) ہم (ان کی عداوت کے) علامات (اور قرائن) تمہارے سامنے ظاہر کر چکے، اگر تم عقل رکھتے ہو

(تو ان یقینی علامات سے دیکھ لو)۔

ہاں (سمجھو) تم ایسے ہو کہ، ان لوگوں سے محبت (کا برتاؤ) رکھتے ہو، اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے (نہ دل سے نہ برتاؤ سے) حالانکہ تم تمام (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (اس میں ان کی کتابیں بھی شامل ہیں اور وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ مگر وہ تو باوجود تمہارے اس ایمان کے بھی تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم باوجود ان کے اس عدمِ ایمان کے بھی ان سے محبت رکھتے ہو) اور (تم ان کے ظاہری دعوی ایمان سے شبہ مت کرنا کہ وہ بھی تو ہماری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ) یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں (صرف تمہارے دکھانے کو منافقانہ طور پر) کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب (تم سے) الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غیظ (وغضب) کے (یہ کنایہ ہے شدتِ غضب سے) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم مر رہو اپنے غصہ میں (مراد یہ کہ اگر تم مر بھی جاؤ گے تب بھی تمہاری مراد پوری نہ ہوگی) بیشک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو (اسی لئے ان لوگوں کے دلوں میں جو رنج وغبار اور عداوت تمہاری طرف سے بھری ہیں سب بتلادی اور ان کا حال یہ ہے کہ)۔

اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے (مثلاً تم میں باہم اتفاق ہو، غیروں پر غلبہ ہو جائے) تو ان کیلئے موجب رنج ہوتی ہے (جس کا سبب اشد درجہ کا حسد ہے) اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے (بڑے) خوش ہوتے ہیں (جس سے ان کی شماتت ثابت ہے، سو ان کے جب یہ حالات ہیں تو وہ اس قابل کب ہیں کہ ان سے دوستی یا دوستی کا برتاؤ کیا جاوے۔ ان کی مذکورہ حالات سننے کے بعد دلوں میں یہ خیال پیدا ہونا بعید نہیں تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو ضرر پہنچانے میں کوئی کسر نہیں رکھیں گے، اس لئے آگلی آیت میں مسلمانوں کی تسلی کیلئے فرمایا) اور اگر تم استقلال اور تقوی کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی (تم اس سے بے فکر رہو تو دنیا میں تو اُن کو یہ ناکامی نصیب ہوگی اور آخرت میں سزائے دوزخ ہوگی (کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر (علمی) احاطہ رکھتے ہیں (کوئی عمل ہم سے مخفی نہیں، اس لئے وہاں سزا سے بچنے کیلئے کسی حیلہ حوالہ کی گنجائش نہیں)۔

معارف ومسائل:

شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے ان کے ساتھ: اوس: اور: خزرج: کے لوگوں کی قدیم زمانہ سے دوستی چلی آتی تھی، انفرادی طور پر بھی ان قبیلوں کے افراد ان کے افراد سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے، اور قبائلی حیثیت سے بھی یہ اور یہود ایک دوسرے کے ہمسایہ اور حلیف تھے۔ جب اوس اور خزرج کے قبیلے مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد بھی وہ یہودیوں کے ساتھ پُرانے تعلقات نبھاتے رہے اور ان کے افراد اپنے سابق یہودی

دوستوں سے اسی محبت وخلوص کے ساتھ ملتے رہے لیکن یہودیوں کو آنحضرت ﷺ سے اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے جو دشمنی تھی اس کی بناء پر وہ کسی ایسے شخص سے مخلصانہ محبت رکھنے کے لئے تیار نہ تھے جو اس دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہو گیا ہو، انہوں نے انصار کے ساتھ ظاہر میں تو وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آرہے تھے، مگر دل میں اب وہ ان کے دشمن ہو چکے تھے، اور اسی ظاہری دوستی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی جماعت میں اندرونی فتنہ وفساد برپا کر دیں، اور ان کے جماعتی راز معلوم کر کے ان کے دشمنوں تک پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ یہاں ان کی اس منافقانہ روش سے مسلمانوں کو محتاط رہنے کی ہدایت فرما رہے ہیں، اور ایک نہایت اہم ضابطہ بیان فرماتے ہیں کہ:

:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ: یعنی اے ایمان والو! اپنے (یعنی مسلمانوں کے) علاوہ کسی کو گہرا اور رازدار دوست نہ بناؤ۔ تو اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملت والوں کے سوا کسی کو اس طرح کا معتمد اور مشیر نہ بناؤ کہ اس سے اپنے اور اپنی ملت وحکومت کے راز کھول دو۔

اسلام نے اپنی عالمگیر رحمت کے سایہ میں جہاں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی، نفع رسانی اور مروّت اور رواداری کی غیر معمولی ہدایات فرمائی اور نہ صرف زبانی ہدایات بلکہ رسول کریم ﷺ نے تمام معاملات میں اس کو عملی طور پر رواج دیا ہے وہیں عینِ حکمت کے مطابق مسلمانوں کی اپنی تنظیم اور ان کے مخصوص شعائر کی حفاظت کے لئے یہ احکام بھی صادر فرمائے کہ قانونِ اسلام کے منکروں اور باغیوں سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت مسلمان کو نہیں دی جا سکتی۔ کہ اس سے فرد اور ملت دونوں کیلئے ضرر اور خطرے کھلے ہوئے ہیں۔ اور یہ ایسا صریح، معقول، مناسب اور ضروری انتظام ہے جس سے فرد اور ملت دونوں کی حفاظت ہوتی ہے۔

جو غیر مسلم، اسلامی مملکت کے باشندے ہیں یا مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کئے ہوئے ہیں، ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور ان کی حفاظت کیلئے انتہائی تاکیدات اسلامی قانون کا جزو ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

:من اذی ذمیا فانا خصمه ومن کنت خصمه خصمته یوم القیامة: جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا تو قیامت کے روز اس کی طرف سے میں دعوے دار بنوں گا، اور جس مقدمے میں، میں دعوے دار ہوں تو میں ہی غالب رہوں گا۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا: منعنی ربی ان اظلم معاهدا ولا غیره: مجھے میرے پروردگار نے منع فرمایا ہے کہ میں کسی معاہد یا کسی دُوسرے پر ظلم کروں۔

ایک اور حدیث میں فرمایا: الا من ظلم معاهدا او نتقصه او کلّفه فوق طاقته او اخذ منه شیئا بغیر طیب نفس منه فانا حجیجه یوم القیامة: خبردار! جو کسی غیر مسلم معاہد پر ظلم کرے یا اس کے حق میں کمی کرے یا اس پر اس کے طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے یا اس سے کوئی چیز بغیر اس کی دلی رضامندی کے حاصل کرے تو قیامت کے روز میں اس کا وکیل ہوں گا۔

لیکن.....ان تمام مراعات کے ساتھ مسلمانوں کی اپنی جماعت اور ملت کی حفاظت کے لئے یہ ہدایات بھی دی گئیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کو اپنا گہرا دوست، رازدار، اور معتمد نہ بنایا جائے۔

ابن ابی حاتمؒ نے نقل کیا ہے کہ سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا گیا کہ یہاں ایک غیر مسلم لڑکا ہے جو بڑا اچھا کاتب ہے، اگر اس کو آپ اپنا منشی بنالیں تو بہتر ہو، اس پر سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا: یعنی اس کو میں ایسا کروں تو مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسرے ملت والے کو رازدار بنالوں گا۔ جو نصِ قرآن کے خلاف ہے۔

امام قرطبیؒ بڑی حسرت اور درد کے ساتھ مسلمانوں میں اس تعلیم کی خلاف ورزی اور اس کے بُرے نتائج کا بیان اس طرح فرماتے ہیں:

یعنی اس زمانہ میں حالات میں ایسا انقلاب آیا کہ یہود و نصاریٰ کو رازدار و امین بنالیا گیا، اور اس ذریعہ سے وہ جاہل.....اغنیاء و امراء پر مسلّط ہو گئے۔

آج بھی کسی ایسی مملکت میں جس کا قیام کسی خاص نظریہ پر ہو وہاں اس نئی روش کے زمانے میں بھی کسی ایسے شخص کو جو اُس نظریہ کو قبول نہیں کرتا، مشیر اور معتمد نہیں بنایا جاسکتا۔ روس اور چین میں کسی ایسے شخص کو جو کیمیونزم پر ایمان نہیں رکھتا ہو، کسی ذمہ دار عہدہ پر فائز نہیں کیا جاتا اور اس کو مملکت کا رازدار اور مشیر نہیں بنایا جاتا۔

اسلامی مملکتوں کے زوال کی داستانیں پڑھئے تو زوال کے دوسرے اسباب کیساتھ بکثرت یہ بھی ملے گا کہ مسلمانوں نے اپنے امور کا رازدار و معتمد غیر مسلموں کو بنالیا تھا۔ سلطنتِ عثمانی کے زوال میں بھی اس کو کافی دخل تھا۔

آیت مذکورہ میں اس حکم کی وجہ بیان کی گئی ہے: لا یألونکم خبالا، الخ: یعنی وہ لوگ تمہیں وبال و فساد میں مبتلاء کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، اور تمہارے دُکھ پہنچنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ بعض تو ان کی زبانوں سے ظاہر ہو پڑتا ہے۔ اور جو کچھ وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں، وہ اُور بھی بڑھ کر ہے۔ ہم تو تمہارے لئے نشانیاں کھول کر ظاہر کر چکے ہیں، اگر تم عقل سے کام لینے والے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ مسلمان اپنے اسلامی بھائیوں کے سوا کسی کو بھیدی اور مشیر نہ

بنائیں، کیونکہ نصاریٰ ہوں یا یہود، منافقین ہوں یا مشرکین، کوئی جماعت تمہاری حقیقی خیر خواہ نہیں ہوسکتی، بلکہ ہمیشہ یہ لوگ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ تمہیں بیوقوف بنا کر نقصان پہنچائیں، اور دینی و دنیوی خرابیوں میں مبتلا کریں۔ ان کی آرزو یہ ہے کہ تم تکلیف میں رہو، اور کسی نہ کسی تدبیر سے تم کو دینی یا دنیوی ضرر پہنچے۔ جو دشمنی یا ضرر ان کے دلوں میں ہے وہ بہت ہی زیادہ ہے۔ لیکن بسا اوقات عداوتِ غیظ و غضب سے مغلوب ہو کر کھلم کھلا بھی ایسی باتیں کر گذرتیں ہیں جو اُن کی گہری دشمنی کا صاف پتہ دیتی ہیں۔ مارے دشمنی و حسد کے ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی۔ پس عقلمند آدمی کا کام نہیں کہ ایسے دشمنوں کو راز دار بنائے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے دوست و دشمن کے پتے اور موالات کے احکام بتلا دیئے ہیں، جس میں عقل ہوگی اس سے کام لے گا۔

ودّوا ما عنتم: یہ فقرہ کافرانہ ذہنیت کا پورا ترجمان ہے۔ اس کے اندر گہری تعلیم اس بات کی آگئی کہ کوئی غیر مسلم کسی حال میں مسلمانوں کا حقیقی دوست اور خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد فرمایا: ھانتم اولاء: یعنی تم تو ایسے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو اور یہ تم سے ذرا بھی محبت نہیں رکھتے، اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو، اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے، کہہ دیجئے کہ تم غیظ میں مر رہو، بیشک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی یہ کیسی بے موقع بات ہے کہ تم ان کی دوستی کا دم بھرتے رہو اور وہ تمہارے دوست نہیں، بلکہ جڑ کاٹنے والے دشمن ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو خواہ وہ کسی قوم کی ہوں، اور کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوئی ہوں، اس کے برخلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے، بلکہ اپنی کتابوں پر بھی خود ان کا ایمان صحیح نہیں۔ اس لحاظ سے چاہئے تھا کہ وہ تم سے قدرے محبت کرتے اور تم ان سے سخت نفور اور بیزار رہتے، مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس ہو رہا ہے۔

اس کافرانہ ذہنیت کی مزید توضیح یہ ہے کہ: ان تمسسکم حسنۃ: یعنی ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آجائے تو یہ ان لوگوں کو دُکھ پہنچاتی ہے، اور اگر تم پر کوئی بُری حالت آپڑتی ہے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔

پھر منافقوں کے کیدومکر اور شدید مخالفین کے عناد اور مخالفت کے نتائج سے محفوظ رہنے کا آسان اور سہل الاصول نسخہ یہ بیان کیا گیا: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ: اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی (تم اس سے بے فکر

رہوتو دنیامیں تو اُن کو یہ ناکامی نصیب ہوگی اور آخرت میں سزائے دوزخ ہوگی کیونکہ)بلاشبہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کے اعمال پر(علمی)احاطہ رکھتے ہیں(کوئی عمل ہم سے مخفی نہیں،اس لئے وہاں سزا سے بچنے کیلئے کسی حیلہ حوالہ کی گنجائش نہیں)۔(معارف القرآن:ج2:ص186)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہ آیت مؤمنین کے لئے زجر ہے۔اس میں ماقبل سے ترقی کر کے فرمایا کہ:امر بالمعروف:اور:نھی عن المنکر: بھی کرتے رہواور غیر مسلموں سے پوشیدہ اور گہری دوستی بھی مت رکھو۔

اسلام سے پہلے انصار کے بعض قبیلوں کے کچھ قرب وجوار کی بناپر اور کچھ مابین القبائلی معاہدات کی بناپر یہود سے دوستانہ تعلقات تھے۔یہ تعلقات اسلام کے بعد بھی انصار نے بدستور قائم رکھے۔ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ دارالاسلام بن گیا،اور اسلام دن بدن ترقی کرنے لگا تو ان یہودیوں نے انصار سے دوستانہ تعلقات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اندر ہی اندر مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کردیں۔ظاہری طور پر مسلمانوں کے گہرے دوست بنے ہوئے تھے لیکن دلوں میں مسلمانوں کے خلاف سخت عداوت رکھتے تھے اور مسلمانوں سے ان کے پوشیدہ راز حاصل کر کے کافروں کو پہنچاتے رہتے اور ہر ممکن طریق سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے،اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔جن میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مسلمانوں کو صورت حال سے آگاہ فرمایا اور ان کو یہودیوں سے دوستانہ تعلقات رکھنے سے روکھ دیا۔

:لایألونکم خبالا: خبال کے معنی،فساد اور شرارت کے ہے۔یعنی یہ یہودی اگرچہ ظاہری تعلقات کی بناپر تمہارے خلاف جنگ میں علانیہ شریک نہیں ہوں گے لیکن خفیہ طور پر تمہارے خلاف مکروفریب اور سازشیں کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑیں گے۔

ظاہر میں تو تمہارے جانی دوست بنے ہوئے ہیں اور تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں لیکن ان کی دلی آرزو اور خواہش یہ ہے کہ تمہیں کوئی فائدہ اور آرام وراحت میسر نہ ہو اور تم سخت تکلیف اور مشقت میں مبتلاء ہو،ان کی دلی عداوت اور ان کا اندرونی بغض وحسد ان کی زبانوں سے کئی بار ظاہر ہو چکا ہے۔یہودی اگرچہ اپنے مبغضانہ جذبات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن شدتِ عداوت کی بناپر بعض دفعہ غیر اختیاری اور غیر شعوری طور پر ان کی زبانوں سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جن سے ان کی خفیہ عداوت ظاہر ہو جاتی:ومـا تـخـفـی صـدورھم اکبر:زبان سے تو وہ کھل کر دشمنی وتکذیب کا اظہار نہیں کرتے،ان کی باتوں سے جو بغض ودشمنی کا ظہور ہوتا ہے۔یہ اس دشمنی اور بغض وحسد کے مقابلے

میں بہت کم ہے، جو تمہارے خلاف ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے۔

فرمایا: کفار سے ترک موالات کے بارے میں ہم نے کھلے الفاظ میں اپنے احکام دے دیئے ہیں اور وہ آیتیں کھول کر بیان کر دی ہیں جن میں کفار کی دوستی سے روکا گیا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان یہودیوں کے بغض وعناد اور حسد و دشمنی کی نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں تا کہ ان کو پہچان لو اور ان سے علیحدہ رہو۔

قومی اور ملی دشمنوں سے دوستانہ تعلقات سیاسی نتائج کے لحاظ سے بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دشمن کو کوئی کلیدی رازوں کا پتہ چل جاتا ہے، جس سے کئی اہم جنگی اور دوسرے تعمیری منصوبے ناکام ہو جاتے ہیں۔ جنگ جیتنے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی خفیہ جنگی تدبیروں کو دشمن کی رسائی سے بالاتر رکھا جائے۔ یہ وقت چونکہ مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کا تھا اس لئے مسلمانوں کو خبردار کر دیا گیا تا کہ وہ محتاط رہیں۔

آگے فرمایا کہ: تم تو ان سے دوستی بھی رکھتے ہو اور تمام آسمانی کتابوں کو حتی کہ تورات اور انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہو، اور ان کا حال یہ ہے کہ تم سے دوستی اور محبت تو درکنار وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ حاصل یہ کہ وہ تمہارے ساتھ کسی درجہ میں اُنس اور محبت نہیں رکھتے۔

آگے فرمایا: ان سے دوستی اور خیر خواہی کی امید بالکل بیکار ہے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں کفر وعناد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور ان کا دعویٰ ایمان سراسر منافقانہ ہے۔ تمہارے سامنے تو وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب آپس میں مل بیٹھتے ہیں تو تمہارے خلاف شدتِ غیظ وغضب سے دانت پیستے ہیں۔ مسلمانوں کی شوکت و کثرت اور اسلام کی ترقی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی مگر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ اس لئے شدتِ غیظ سے جھنجلا اٹھتے ہیں۔

:قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ،اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: آنحضرت ﷺ کو حکم ملا ہے کہ آپ ﷺ منافقین سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے، اور اس نے تمہارے اندرونی کینہ اور بغض کی ہم کو اطلاع دے دی ہے، باقی تمہاری یہ خواہش کہ اسلام مغلوب ہو جائے اور مسلمان ناکام ہو جائیں، یہ کبھی پوری نہیں ہوگی، تم بیشک شدتِ غضب میں مرتے رہو۔

:اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ،وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا: خطاب مسلمانوں سے ہے اور اس میں اسلام کے خلاف منافقین کے بغض وحسد اور کینہ پروری کا مزید بیان ہے، یعنی ان کی عداوت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ تمہاری خوشحالی اور تمہارے نفع کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں دشمنوں پر فتح حاصل ہو جائے یا تم

پر خوشحالی کا دَور آجائے تو اس سے ان کے دل رنجیدہ ہوجاتے ہیں لیکن اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے یا تم مشقت میں پڑھ جاؤ تو اس سے انہیں بہت خوشی ہوتی ہے۔

ان تمام آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ ایمان والوں کے خلاف جن لوگوں کی کینہ پروری اور ان کے بغض وعداوت کا یہ حال ہو، وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ ان کو اپنا رازدار بنایا جائے خصوصاً جبکہ جہاد کا معاملہ درپیش ہو جس پر مسلمانوں کی دنیا اور آخرت کی بھلائی کا مدار ہے۔

:وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً ،اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْط: یہاں پر مسلمانوں کو صبر وتقوی کی تلقین فرمائی۔فرمایا کہ دشمنوں کے مکروفریب اور ان کی چالوں سے محفوظ رہنے کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ تم صبر واستقلال سے کام لو۔ان کی طرف سے تمہیں جو تکلیفیں دی جاتی ہیں انہیں برداشت کرو، دین اسلام پر قائم رہو، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی اطاعت کو اپنا شعار بناؤ، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی سے بچو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی پُرفریب چالوں سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اور وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔(جواہر القرآن:ج1:ص174)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ تمہارا دوستانہ نہیں ہونا چاہئے۔کیونکہ دوستی میں نرمی ہوتی ہے اور مؤمن ویسے ہی نرم ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے: رحماء بینھم: رحم دل ہیں آپس میں۔یعنی ایک دوسرے کے ساتھ بڑی شفقت کرتے ہیں۔اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ لوگ اس کے قریب ہوں، اس سے نفرت نہ کریں۔مطلب یہ کہ مؤمن اخلاق کے لحاظ سے، بول چال کے لحاظ سے، برتاؤ کے اعتبار سے ایسا ہو کہ لوگ اس کے قریب آئیں۔بُرے معاملہ والا، بداخلاق نہ ہو کہ لوگ اس سے دُور بھاگیں۔ظاہر بات ہے کہ جو زبان اور معاملہ کا بُرا ہوگا، اس کے قریب کون آئے گا؟ اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے: المؤمن غرّ کریم: مؤمن بھولا بھولا اور سادہ ہوتا ہے: والفاجر خب لئیم: اور منافق دھوکہ باز اور کمینہ ہوتا ہے۔وہ گفتگو اور برتاؤ میں اپنا کمینہ پن نہیں چھوڑتا۔

تو مؤمن چونکہ نرم دل اور سادہ ہوتا ہے تو بعض مؤمن اپنی سادگی کی بنا پر کچھ باتیں یہودیوں اور منافقوں کو بتادیتے تھے، جس سے قومی نقصان ہوتا تھا۔تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مؤمنوں کو تنبیہ فرمائی:

:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو: لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ : نہ بناؤ تم رازدان

اپنے سوا دوسروں کو۔کسی کافر کے ساتھ ایسا دوستانہ کہ راز کی باتیں اسے بتائی جائیں ممنوع ہے۔کیونکہ دشمن دشمن ہے اگر اس کو تمہاری راز کی باتیں معلوم ہوگئیں تو تمہیں بحیثیت مسلمان کے نقصان ہوگا۔لہذا کسی کافر کو اپنی خاص باتوں کا رازدان نہ بناؤ۔ہاں ان کے ساتھ ظاہر داری رکھو، کہ اچھے طریقے سے پیش آؤ۔

اور ویسے بھی آنحضرت ﷺ نے دوستی اور دشمنی کے بارے میں ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے۔چنانچہ ترمذی شریف میں روایت آتی ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا:احبب حبیبک هونا ما: کسی کے ساتھ دوستی کرو تو اعتدال کے ساتھ، اتنے گھل مل نہ جاؤ کہ ساری راز کی باتیں بتادو بلکہ اعتدال کی حد میں رہ کر:عسی ان یکون بغیضک یوما ما: ہوسکتا ہے کسی وقت تیرا دشمن ہوجائے تو تمہاری ساری پوتھیاں کھول دے،اور تمہیں زک پہنچائے۔اور فرمایا :وابغض بغیضک هونا ما:اور جن کے ساتھ تیری عداوت ہے وہ بھی اعتدال کے ساتھ ہو:عسی ان یکون حبیبک هونا ما: ہوسکتا ہے کہ وہ تیرا دشمن کسی وقت تیرا دوست بن جائے۔تو اُس وقت دشمنی کے دور میں جو سخت باتیں کی ہوگی اُن پر تجھے پشیمانی ہوگی۔

آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا ہے عین فطرت کے مطابق ہے، کہ دوستی بھی اعتدال کے ساتھ اور دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ،لیکن.....کافروں کے ساتھ دوستی اور اُن کو رازدان بنانا ممنوع ہے۔کیونکہ:لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا: وہ نہیں کمی کرتے تمہارے واسطے فساد کی۔وہ ہر وقت فساد کے درپے ہیں۔ان کو راز کی باتیں بتا کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے ہو:وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ: وہ پسند کرتے ہیں اس کو کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ،مصیبت میں مبتلاء ہوجاؤ۔یعنی وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ کسی طرح تمہارے اوپر مصیبت آئے:قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ :تحقیق ظاہر ہوگیا ہے بغض ان کے مونہوں سے:وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ : اور جو مخفی رکھتے ہیں ان کے سینے وہ بہت بڑی چیز ہے۔یعنی تمہارے خلاف جو نفرت اور کینہ ہے وہ تو بہت زیادہ ہے،تو کافر، کافر ہے۔اس کی دوستی سے کبھی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔دشمن، دشمن ہے،اس کو دشمن ہی سمجھو:قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ:تحقیق ہم نے بیان کی ہیں تمہارے واسطے آیتیں:اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ: اگر تم عقل اور سمجھ رکھتے ہو،تو ان آیتوں پر عمل کرو۔اور کافر پر کسی وقت اعتماد نہ رکھو۔کافر بڑا مکار اور چالباز ہے۔

جنگ بدر کے موقع پر ایک کافر جاسوسی کیلئے آیا،بڑی میٹھی اور نرم زبان رکھتا تھا،مسلمانوں کے ساتھ بڑی نرم نرم باتیں کیں۔کہنے لگا میں کلمہ پڑھتا ہوں،دیکھو اس میں کوئی غلطی تو نہیں ہے؟اور قرآن پاک کی کچھ سورتیں بھی اس کو یاد تھیں،وہ بھی اس نے سنائیں،اور مسلمانوں کو اعتماد میں لینے کی پوری کوشش کی۔بعض صحابہ کرامؓ نے سمجھا کہ یہ تو ہمارا

پختہ مسلمان بھائی ہے، کہ اس نے بعض وہ مسائل بیان کئے ہیں کہ جن کا ہمیں بھی علم نہیں ہے، اور بڑے مسائل بیان کر رہا ہے۔ اور جو صحابہ کرامؓ بڑے زیرک اور ذہین تھے ان کو شک پڑا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے سب کو برابر سمجھ عطا نہیں فرمائی، ہر دور میں ذہین بھی ہوتے ہیں اور غبی بھی۔ تو انہوں نے پکڑا اور پھر تو دل کی تو مان گیا کہ میں جاسوس ہوں، صحابہ کرامؓ نے بڑی کوشش کی کہ معلوم ہو جائے کہ کافروں کی کتنی تعداد ہے؟ مگر وہ بڑا پختہ آدمی تھا۔ جب پٹائی ہوئی تو کہتا، بتاتا ہوں۔ اور جب چھوڑ دیتے تو کہتا معلوم نہیں ہے۔

لہٰذا جتنے بھی باطل لوگ ہیں وہ اپنے مشن میں سخت ہیں، کاش کہ یہ بات تمہیں سمجھ آجائے اور کافروں سے دوستی ختم کر کے ایمان وعمل کو پختہ کرو، کہ کافروں سے دوستی جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:

:هَاَنْتُمْ اُولَآءِ: خبردار، اے مومنو! تم یہ ہو: تُحِبُّوْنَهُمْ : ان کے ساتھ محبت کرتے ہو: وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ: اور وہ تمہارے ساتھ محبت نہیں کرتے: وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ : اور تم ایمان رکھتے ہو سب کتابوں پر، یعنی توراۃ، زبور، انجیل اور جتنے بھی صحیفے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں، تم سب پر ایمان لاتے ہو، اور وہ آخری حتمی اور قطعی کتاب کو نہیں مانتے۔ اسی طرح تم سارے پیغمبروں کو مانتے ہو اور وہ حضرت محمد ﷺ کو نہیں مانتے۔ غیرت برابر ہونی چاہئے، وہ اتنے بخیل ہوں کہ تمہارے پیغمبر پر ایمان لانے کیلئے تیار نہ ہوں، اور تم اتنے سخی کہ ان سے محبت کرو۔ اور ان کا حال یہ ہے: وَاِذَا لَقُوْكُمْ : اور جس وقت وہ ملتے ہیں تمہیں: قَالُوْٓا اٰمَنَّا: کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے: وَاِذَا خَلَوْا: اور جس وقت وہ الگ ہوتے ہیں، یعنی تنہائی میں جاتے ہیں: عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ : کاٹتے ہیں وہ تم پر انگلیوں کے سرے: مِنَ الْغَيْظِ: غصے کی وجہ سے: قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ: آپ (ﷺ) کہہ دیجئے! مر جاؤ تم اپنے غصے میں: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو۔

یہودی منافقوں کا یہ حال ہے کہ: اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ: اگر پہنچتی ہے تمہیں راحت تو انہیں بُری لگتی ہے۔ یعنی مسلمانوں کو فتح ہو جائے، غنیمت مل جائے تو یہ بڑے پریشان ہوتے ہیں کہ یہ کیا ہوا؟ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ : اور اگر پہنچتی ہے تمہیں تکلیف: يَّفْرَحُوْا بِهَا: تو اس پر وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور فرمایا: ان کافروں کی طرف سے تکلیف آئے گی: وَاِنْ تَصْبِرُوْا: اور اگر تم صبر کرو گے: وَتَتَّقُوْا: اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے: لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا: نہیں نقصان پہنچائے گی تمہیں ان کی تدبیر کچھ بھی: اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ: بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں، احاطہ کرنے والا ہے، اس کے علم سے کچھ باہر نہیں۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج3: ص242)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

اے ایمان والو!تم اپنا ولی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ (تم نہیں دیکھتے کہ دوسرے لوگ تو) تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو، ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لئے آیتیں بیان کر دیں اگر عقلمند ہو (تو غور کرلو)۔ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے تم پوری کتاب کو مانتے ہو (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصے کے انگلیاں چباتے رہتے ہیں، کہہ دو کہ اپنے غصے میں ہی مر جاؤ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کو بخوبی جانتا ہے۔تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں تم اگر صبر اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمہیں نقصان نہ دے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمالوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔

کافر اور منافق مسلمان کے دوست نہیں، انہیں اپنا ہم راز نہ بناؤ:

اللہ تعالیٰ جل شانہ ایمانداروں کو کافروں اور منافقوں کی دوستی اور ہم راز ہونے سے روکتا ہے کہ یہ تو تمہارے دشمن ہیں ان کی چکنی چپڑی باتوں میں خوش نہ ہو جانا اور ان کے مکر کے پھندے میں پھنس نہ جانا ورنہ موقع پا کر یہ تمہیں سخت ضرر پہنچائیں گے اور اپنی باطنی عداوت نکالیں گے تم انہیں اپنا راز دار ہرگز نہ سمجھنا راز کی باتیں ان کے کانوں تک ہرگز نہ پہنچانا: بطانہ: کہتے ہیں انسان کے راز دار دوست کو اور: من دونکم: سے مراد اہل اسلام کے سوا تمام فرقے ہیں۔بخاری شریف وغیرہ میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور جس خلیفہ کو مقرر کیا اس کے لئے دو: بطانہ: مقرر کئے ایک تو بھلائی کی بات سمجھانے والا اور اس پر رغبت دینے والا اور دوسرا برائی کی رہبری کرنے والا اور اس پر آمادہ کرنے والا، بس اللہ تعالیٰ جسے بچائے وہی بچ سکتا ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ سے کہا گیا کہ یہاں پر حیرہ کا ایک شخص بڑا اچھا لکھنے والا اور بہت اچھے حافظہ والا ہے آپ اسے اپنا محرر اور منشی مقرر کرلیں آپؓ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ غیر مومن کو: بطانہ: بنالوں گا جو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے منع کیا ہے۔

اس واقعہ کو اور اس آیت کو سامنے رکھ کر ذہن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ذمی کفار کو بھی ایسے کاموں میں نہ لگانا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ وہ مخالفین کو مسلمانوں کے پوشیدہ ارادوں سے واقف کر دے اور ان کے دشمنوں کو ان سے ہوشیار کر دے کیونکہ ان کی تو چاہت ہی مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی ہوتی ہے۔

ازہر بن راشد کہتے ہیں کہ لوگ حضرت انسؓ سے حدیثیں سنتے تھے اگر کسی حدیث کا مطلب سمجھ میں نہ آتا تو حضرت حسن بصریؒ سے جا کر مطلب حل کر لیتے تھے ایک دن حضرت انسؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ مشرکوں کی آگ سے روشنی طلب نہ کرو اور اپنی انگوٹھی میں عربی نقش نہ کرو انہوں نے آ کر حسن بصریؒ سے اس کی تشریح دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ پچھلے جملہ کا تو یہ مطلب ہے انگوٹھی پر محمد ﷺ نہ کھدواؤ اور پہلے جملہ کا یہ مطلب ہے کہ مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ نہ لو، دیکھو کتاب اللہ میں بھی ہے کہ ایمان دوار اپنے سوا دوسروں کو ہمراہ نہ بناؤ (ابویعلی) لیکن حسن بصری کی یہ تشریح قابل غور ہے حدیث کا ٹھیک مطلب غالبا یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ عربی خط میں اپنی انگوٹھیوں پر نقش نہ کراؤ، چنانچہ اور حدیث میں صاف ممانعت موجود ہے یہ اس لئے تھا کہ حضور ﷺ کی مہر کے ساتھ مشابہت نہ ہو اور اول جملے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کی بستی کے پاس نہ رہو اس کے پڑوس سے دور رہو، ان کے شہروں سے ہجرت کر جاؤ جیسے، ابو داؤد میں ہے کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان کی لڑائی کی آگ کو کیا تم نہیں دیکھتے، اور حدیث میں ہے جو مشرکوں سے میل جول کرے یا ان کے ساتھ رہے بسے وہ بھی انہی جیسا ہے۔

پھر فرمایا ان کی باتوں سے بھی ان کی عداوت ٹپک رہی ہے، ان کے چہروں سے بھی قیافہ شناس ان کی باطنی خباثتوں کو معلوم کر سکتا ہے پھر جو ان کے دلوں میں تباہ کن شرارتیں ہیں وہ تو تم سے مخفی ہیں لیکن ہم نے تو صاف صاف بیان کر دیا ہے، عاقل لوگ ایسے مکاروں کی مکاری میں نہیں آتے۔

پھر فرمایا دیکھو کتنی کمزوری کی بات ہے کہ تم ان سے محبت رکھو اور وہ تمہیں نہ چاہیں۔ تمہارا ایمان کل کتاب پر ہو اور یہ شک شبہ میں ہی پڑے ہوئے ہیں، ان کی کتاب کو تم مانو لیکن یہ تمہاری کتاب کا انکار کریں، چاہئے تو یہ تھا کہ تم خود انہیں کڑی نظروں سے دیکھتے لیکن برخلاف اس کے یہ تمہاری عداوت کی آگ میں جل رہے ہیں۔ سامنا ہو جائے تو اپنی ایمانداری کی داستان بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں لیکن جب ذرا الگ ہوتے ہیں تو غیظ و غضب سے جلن اور حسد سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں، پس مسلمانوں کو بھی ان کی ظاہر داری سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ یہ چاہے جلتے بھنتے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ اسلام اور مسلمانوں کو ترقی دیتا رہے گا مسلمان دن رات ہر حیثیت میں بڑھتے ہی رہیں گے گو وہ مارے غصے کے مر جائیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کے دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے ان کے تمام منصوبوں پر خاک پڑے گی یہ اپنی شرارتوں میں کامیاب نہ ہو سکیں گے اپنی چاہت کے خلاف مسلمانوں کی دن دونی ترقی دیکھیں گے اور آخرت میں بھی انہیں نعمتوں والی جنت حاصل کرتے دیکھیں گے برخلاف ان کے یہ خود یہاں بھی رسوا ہوں گے اور وہاں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

ان کی شدتِ عداوت کی یہ کتنی بڑی دلیل ہے کہ جہاں تمہیں کوئی نفع پہنچتا ہے یہ کلیجہ مسوسنے لگے اور اگر (اللہ تعالیٰ جل شانہ نہ کرے) تمہیں کوئی نقصان پہنچ گیا تو ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں بغلیں بجانے اور خوشیاں منانے لگتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے مومنوں کی مدد ہوئی یہ کفار پر غالب آئے انہیں غنیمت کا مال ملا یہ تعداد میں بڑھ گئے تو وہ جل بجھے اور اگر مسلمانوں پر تنگی آگئی یا دشمنوں میں گھر گئے تو ان کے ہاں عید منائی جانے لگی۔

اب اللہ تعالیٰ جل شانہ ایمانداروں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ان شریروں کی شرارت اور ان بدبختوں کے مکر سے اگر نجات چاہتے ہو تو صبر وتقویٰ اور توکل کرو اللہ عزوجل خود تمہارے دشمنوں کو گھیر لے گا کسی بھلائی کے حاصل کرنے کسی برائی سے بچنے کی کسی میں طاقت نہیں، جو اللہ تعالیٰ جل شانہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوسکتا، جو اس پر توکل کرے اسے وہ کافی ہے۔(تفسیر ابن کثیر: ج1: ص456)

سورة آل عمران

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْااِنْ تُطِیْعُوْاالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ:(آل عمرن:آیت149)

ترجمہ: اے ایمان والو!اگرتم کہامانوگے،کافروں کا،تو وہ تم کوپھیردیں گےاُلٹے پاؤں،پھر جاپڑو گےتم نقصان میں۔

:بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰکُمْ،وَھُوَخَیْرُالنّٰصِرِیْنَ:(آل عمرن:آیت150)

ترجمہ: بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارامددگار ہے،اوراس کی مدد سب سے بہتر ہے۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: چونکہ لڑائی بگڑنے کے وقت بعض منافقین،مسلمانوں سے کہنے لگے تھے کہ جب آپ ﷺ ہی نہ رہے تو اپنا پہلا ہی دین کیوں نہ اختیار کرلیا جائے،اوراس سے ان منافقین کی خباثت اوران کا دشمن اور بدخواہ ہونا ظاہر ہے۔ اس لئے اگلی آیت میں مسلمانوں کوکسی امر میں ان کے مشورے کے اتباع سے ترہیب ہے،جیسااوپر مخلصین سابقین کی اتباع کی ترغیب تھی۔

ترہیب مؤمنین ازقبول مشورہ کفارومنافقین:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْااِنْ تُطِیْعُوْاالَّذِیْنَ کَفَرُوْا (الی قولہ)وَھُوَخَیْرُالنّٰصِرِیْنَ: اے ایمان والو!اگرتم کہنامانوگے کافروں کاتو وہ تم کو(کفرکی طرف)الٹاپھیردیں گے(یعنی ان کااصل مطلب یہ ہے۔سوکبھی وہ صراحۃ اس کی طرف بلاتے ہیں اورکبھی ظاہر میں کوئی خیرخواہی کی بات سمجھاتے ہیں لیکن اس میں بھی پیچ ایسا ہی رکھتے ہیں

کشدہ شدہ وہ تمہید اسی کی ہوجائے)پھرتم (ہرطرح)ناکام ہوجاؤ گے (غرض کسی طرح وہ تمہارے دوست نہیں ہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے اوروہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے (پس اسی کی دوستی پر اکتفاء کرو اوراسی کو مددگار سمجھو، دوسرا مخالف اگرنصرت کی بھی تدبیر بتلا دے خلافِ حکم خداوندی،عمل مت کرو۔

(بیان القرآن:ج1:ص139)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناءاللہ عثمانی مجدّدی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْااِنْ تُطِیْعُوْاالَّذِیْنَ کَفَرُوْا:اے ایمان والو!اگرتم (ان) کافروں کا کہامانو گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا:اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا: سے منافق مراد ہیں۔اوراطاعت سے مراد ہے منافقوں کا یہ مشورہ ماننا کہ اپنے سابق مذہب میں لوٹ جاؤ۔اگرمحمد (ﷺ) نبی ہوتے تو مارے نہ جاتے۔

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگرتم ابوسفیان اوراس کے ساتھیوں کی اطاعت کروں گے،ان کے سامنے عاجزی کرو گےاوران سے امن کے خواہشمند ہو گےتو:یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ: تو وہ تم کواسلام سے سابق شرک کی طرف ایڑیوں کے بل پلٹادیں گے:فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ: نتیجہ میں تم لوٹ کرگھاٹے میں پڑھ جاؤں گے۔دنیا اوردین دونوں تباہ ہوجائیں گے۔

:بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰکُمْ:(یہ تمہارے دوست نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا دوست،مددگاراورمسلمان ہونے کی حالت میں محافظ ہے۔لہذااس کے سواتم کافروں سے (اندرونی دوستی)نہ کرو۔

:وَھُوَخَیْرُالنّٰصِرِیْنَ:اوروہی بہترین مددگار ہے۔پس اس کے ہوتے ہوئے تم کوکسی دوسرے کی دوستی اورامداد کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر مظہری اردو:ج2:ص293)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: گزشتہ آیات میں خداپرستوں اوراللہ والوں کی راہ اورطریق پر چلنے کی ترغیب تھی اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دشمنوں اوربدباطنوں کے کہامانے سے منع فرماتے ہیں تاکہ مسلمان ہوشیار ہیں اوراُن کے دھوکہ میں نہ آئیں۔چنانچہ فرماتے ہیں:

اے مسلمانو!اگرتم کافروں کا کہامانو گے(اوراُن کے مشورہ پرعمل کرو گےتو)یہ تم کواُلٹے پاؤں کفر کی (طرف)پھیردیں گےتو پھرتم (دنیااورآخرت کے)خسارہ اورنقصان میں جاپڑو گے(اگرتم کافروں کی پناہ میں آگئے اوران کی حکومت قبول کرلی جیسا کہ بعض منافقین تم کومشورہ دیتے ہیں،خوب سمجھ لوکہ اس میں دنیااورآخرت کا خسارہ اور

دونوں جہاں کی ذلت ہے۔ان کو ہرگز اپنا دوست اور معین ومددگار نہ سمجھو، بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہارا کارساز اور مددگار ہے۔(معارف القرآن:ج2:ص67)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

عظیم نقصان:

ارشاد ہوتا ہے:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اے ایمان والو!اِنْ تُطِیْعُوْاالَّذِیْنَ کَفَرُوْا :اگر تم کافروں کی بات مانو گے اور منافق بھی کافروں میں شامل ہیں،تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا:یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ : کہ وہ تمہیں پلٹا دیں گے تمہاری ایڑیوں پر۔مراد یہ ہے کہ اُن کی کوشش یہ ہوگی کہ وہ تمہیں دین حق سے دوبارہ جاہلیت کی طرف لے جائیں گے۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا:فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ: کہ تم سخت نقصان اٹھانے والے پلٹ جاؤ گے۔

مقصد یہ کہ اپنے دین پر قائم رہو،ہر حالت میں دین کی حفاظت کرو۔تمہیں وقتی طور پر فتح ہو یا شکست اپنے دین پر ہر صورت میں قائم رہو۔اگر تم نے دین کے پاکیزہ نظریات کو ترک کر دیا تو پھر کفر اور جہالت کی طرف پلٹ جاؤ گے۔اور یہ سب سے بڑا نقصان ہوگا۔لہٰذا مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں ورنہ وہ تمہیں دوبارہ جاہلیت کی طرف پھیر دیں گے۔

پہلے بھی گزر چکا ہے:لاتتخذوا بطانۃ من دونکم: یعنی ایمان والوں کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔کافروں کو اپنے معاملات میں دخیل نہ ہونے دو،ورنہ وہ تمہیں کفر کی طرف لے جائیں گے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:ولن ترضی عنک الیھود ولاالنّصاریٰ حتیٰ تتبع ملتھم،الخ: آپ سے یہود ونصاریٰ کبھی راضی نہ ہوں گے جب تک تم اُن کا دین اختیار نہ کرلو۔اسی لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل ایمان کو ثابت قدمی اور دشمن کی سازشوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس لئے خبردار کیا ہے کہ اگر اُن کی بات مانو گے تو وہ تمہیں دوبارہ کفر کی طرف لے جائیں گے عیسائی مشنریاں اس پر مستزاد ہیں،مسلمان ممالک میں خاص طور پر کام کر رہی ہیں۔تیس تیس سال تک کام کرنے کے بعد رپورٹ دیتی ہیں کہ اگرچہ مسلمانوں کو عیسائی تو نہیں بنایا جا سکا،مگر اُن کے نظریات اس قدر بگاڑ دیئے گئے ہیں کہ وہ مسلمان بھی باقی نہیں رہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اِن خطرات کو محسوس کریں۔اپنے کام خود انجام دیں اور غیر مسلم اقوام کی مداخلت بند کریں ورنہ وہ کفار کے چنگل سے کبھی آزاد نہ ہوسکیں گے۔

فرمایا اغیار سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے: بَلِ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ: بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا مولا ہے: وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ: وہ بہتر مدد کرنے والا ہے۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج4: ص458)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی عارضی شکست اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کی افواہ گرم ہونے پر منافقین نے جب جنگ کا پانسہ پلٹتے ہوئے دیکھا تو شرارت کا موقع مل گیا، مسلمانوں سے کہنے لگے کہ جب آپ ﷺ ہی نہ رہے تو ہم اپنا ہی دین کیوں نہ اختیار کرلیں، جس سے سارے جھگڑے مٹ جائیں۔

اس سے منافقین کی خباثت اور مسلمانوں کا بدخواہ ہونا ظاہر ہے۔ اس لئے آیت مذکورہ میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ان دشمنوں کی بات پر کان نہ لگائیں، ان کو اپنے کسی مشورہ میں شریک نہ کریں، نہ ان کے کسی مشورہ کا اتباع کریں، تو جیسے پچھلی آیات میں اللہ والوں کا اتباع کرنے کی ہدایت تھی، اس میں منافقین اور مخالفینِ اسلام کے مشورہ پر عمل نہ کرنے اور ان سے بچتے رہنے کی ہدایت ہے۔ تفسیر کا خلاصہ یہ ہے:

اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو (کفر کی طرف) الٹا پھیر دیں گے (مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا اصل مقصد مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانا اور بدگمان کرنا ہے جس کو کبھی صراحۃً بھی کہہ دیتے ہیں، اور کبھی صاف نہیں کہتے مگر انداز ایسا ڈالتے ہیں کہ رفتہ رفتہ ان کے دل سے اسلام کی عظمت و محبت کم ہوتی چلی جائے) پھر تم (ہر طرح) ناکام ہو جاؤ گے (خلاصہ یہ کہ وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں اگرچہ اظہار دوستی کا کریں) بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا دوست ہے، اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے (اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ پر اعتماد کریں، اسی کی مدد پر بھروسہ کریں، مخالفین اگر تمہاری نصرت و امداد کی کچھ تدبیریں بھی بتلائیں تو اللہ تعالیٰ جل شانہ و رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ان پر عمل نہ کرو)۔ (معارف القرآن: ج2: ص235)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہ مؤمنوں کو کافروں کے اتباع سے زجر ہے۔ یعنی اے ایمان والو! مشرکین کی اطاعت مت کرو اور جہاد میں سستی اور کمزوری مت دکھاؤ: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا: سے وہ منافقین مراد ہیں جنہوں نے شکستِ اُحد کے وقت مسلمانوں سے کہا تھا کہ اپنے آبائی دین میں واپس آجاؤ۔ یعنی اگر تم ان منافقوں کی بات مان لوں گے تو وہ تمہیں پھر سے کفر و شرک کی طرف دھکیل دیں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دنیا اور آخرت کی خیر و سعادت سے محروم ہو جاؤ گے اور یہ سب سے بڑا

خسارہ ہے۔

یہ مشرکین اور منافقین تمہارے خیر خواہ نہیں ہیں۔یہ کبھی آڑے وقت میں تمہارے کام نہیں آئیں گے،اس لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ جو تمہارا دوست اور بہترین ناصر و مددگار ہے۔جو کسی سے مغلوب نہیں ہوتا اور جو زندۂ جاوید ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔اس کے ہوتے ہوئے تم کیوں کمزوری دکھاتے اور نصرت و یاری اور پناہ جوئی کے لئے غیروں کی طرف جھکتے ہو۔

ان آیتوں کا شان نزول اگر چہ خاص ہے لیکن ان کا حکم قیامت تک کے لئے عام ہے۔اگر مسلمان کسی بھی زمانے میں کفار و مشرکین کی اطاعت کریں گے اور اسلام کے مقابلہ میں مذہبی معاملات،ملکی اور سیاسی مسائل،معاشی اور معاشرتی امور میں غیر مسلموں کی تقلید کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ غیر شعوری طور پر اسلام سے بالکل بیگانہ ہو جائیں گے۔نام اسلام کا ہوگا مگر کام سارے کافرانہ ہوں گے،جیسا آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

فائدہ: یعنی اس جنگ میں مسلمانوں کے دل ٹوٹے تو کافروں اور منافقوں نے وقت پایا،یعنی الزام دینے لگے،بعضے خیر خواہی کے پردے میں سمجھانے لگے تا کہ آگے لڑائی پر دلیری نہ کریں،اللہ تعالیٰ جل شانہ خبر دار کرتا ہے کہ دشمن کا فریب نہ کھاؤ۔(جواہر القرآن:ج 1:ص 183)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْااِنْ تُطِیْعُوْاالَّذِیْنَ کَفَرُوْا:اے لوگو!جو ایمان لائے ہو،اگر تم اطاعت کرو گے اُن لوگوں کی جو کافر ہے: یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ :تمہیں وہ لوٹا دیں تمہاری ایڑیوں کے بل۔یعنی جس طرح تم پہلے کافر تھے پھر اسی طرح کافر ہو جاؤ گے:فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ:پس تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔

مطلب یہ ہے کہ دین پر قائم رہو اور کافروں کی باتوں پر توجہ نہ دو اور جو منافق ہیں یہ کھلے کافروں سے زیادہ خطرناک ہیں،اسی لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے منافقوں کی سزا دوزخ میں سب سے زیادہ سخت رکھی ہے۔فرمایا:انّ المنٰفقین فی الدّرك الاسفل من النّار: بیشک منافق لوگ دوزخ میں سب سے نیچے ہوں گے اور نیچے والے حصے میں سب سے زیادہ سخت سزا ہوگی۔اس لئے کہ کھلا دشمن اتنا خطرناک نہیں ہوتا جتنا خفیہ منافق مارِ آستین ہیں کہ بظاہر کلمہ بھی پڑھتے ہیں،نمازیں بھی پڑھتے ہیں بلکہ مخلص مومن مسجد میں تاخیر سے آتے تھے اور یہ منافق پہلی صفوں میں بیٹھے ہوتے تھے۔مگر دلوں میں کھوٹ تھا اور بات اتنی غور سے سنتے تھے کہ آدمی سمجھتا تھا کہ میری بات ان کے دلوں پر اثر کر رہی ہے۔

فرمایا ان سے پوچھ: بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰكُمْ: بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا آقا اور مددگار ہے، وہی تمہارا خالق ہے۔ بیشک کافر زیادہ ہیں لیکن: وَ هُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ: اور وہ تمام مدد کرنے والوں میں بہتر مدد کرنے والا ہے۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج3: ص304)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے (تمہیں مرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا مولا ہے، اور وہ ہی بہترین مددگار ہے۔

کافروں اور منافقوں کے ارادے:

اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے ایماندار بندوں کو کافروں اور منافقوں کی باتوں کے ماننے سے روک رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ اگر ان کی مانی تو دنیا اور آخرت کی ذلت تم پر آئے گی، ان کی چاہت تو یہی ہے کہ تمہیں دین اسلام سے ہٹا دیں، پھر فرماتا ہے مجھ ہی کو اپنا ولی اور مددگار جانو مجھ ہی سے دوستی کرو مجھ ہی پر بروسہ کرو مجھ ہی سے مدد چاہو۔

(تفسیر ابن کثیر: ج1: ص471)

سورة النسآء

:فَمَالَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ، اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ،وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَه سَبِيْلاً:(النساء:آیت 88)

ترجمہ: پھر تم کو کیا ہوا کہ منافقوں کے معاملہ میں دو فریق ہو رہے ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اُلٹ دیا بسبب ان کے اعمال کے، کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ تعالیٰ نے اور جس کو گمراہ کرے اللہ تعالیٰ، ہرگز نہ پاوے گا تو اس کے لئے کوئی راہ۔

:وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ،فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ،وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا:(النساء:آیت 89)

ترجمہ: چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو پھر تم سب برابر ہو جاؤ سو تم ان میں سے کسی کو دوست مت بناؤ یہاں تک کہ وطن چھوڑ آویں اللہ تعالیٰ کی راہ میں، پھر اگر اس کو قبول نہ کریں تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ، اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:فَمَالَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا(الی قوله) وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا:

(جب تم ان مرتدین کی حالت دیکھ چکے) پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقین کے باب میں تم (اختلاف رائے کر کے) دو گروہ ہو گئے (کہ ایک گروہ ان کو اب بھی مسلمان کہتا ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو (ان کے علانیہ کفر کی طرف) الٹا پھیر دیا ان کے (بد) عمل کے سبب (وہ بدعمل ارتداداً دارالاسلام کو باوجود قدرت کے چھوڑ دینا ہے جو کہ مثل

ترکِ اقرار بالاسلام کے علامات کفر کی تھی اور واقع میں تو پہلے بھی مسلمان نہ ہوئے تھے اور اسی وجہ سے ان کو منافق کہا) کیا تم لوگ (اے وہ گروہ جن کو اس ترکِ دارالاسلام کا علامت کفر ہونا معلوم نہیں) اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے (جبکہ ان لوگوں نے گمراہی اختیار کی) گمراہی میں ڈال رکھا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عادت ہے کہ عزمِ فعل کے وقت اس فعل کو پیدا کر دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ گمراہ کو جو مؤمن کہتے ہو اور مؤمن وہ ہے جس میں ایمان ہو اور اس وقت تک ایمان ہے نہیں تو کیا اب ایمان پیدا کرو گے جو اس کو مؤمن کہہ سکو اور یہ محال ہے، پس ان کا مؤمن و مہتدی ہونا معلق بالمحال ہے۔ اس لئے ان کو مؤمن کہنا مثل حکم بالمحال کے ہے) اور جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ گمراہی میں ڈال دیں اس کے (مؤمن ہونے کیلئے) کوئی سبیل (یعنی راہ) نہ پاؤں گے (پس ان لوگوں کو مؤمن نہ کہنا چاہئے۔ اور بھلا وہ خود تو کیا مؤمن ہوں گے ان کے غلو فی الکفر کی تو یہ حالت ہے کہ) وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی (خدا نہ کرے) کافر بن جاؤ جس میں تم اور وہ سب ایک طرح کے ہو جاؤ، سو (ان کی جب یہ حالت ہے) ان میں سے کسی کو دوست مت بنانا (یعنی کسی کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ مت کرنا کیونکہ دوستی کے جواز کیلئے اسلام شرط ہے) جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں (یعنی تکمیلِ اسلام کے لئے) ہجرت نہ کریں، اور اگر وہ (اسلام سے) اعراض کریں (اور کافر ہی رہیں) تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جس جگہ ان کو پاؤ، اور نہ ان میں سے کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ (مطلب یہ کہ کسی حالت میں ان سے کوئی تعلق نہ رکھو، نہ امن میں دوستی اور نہ خوف میں استعانت بلکہ بالکل الگ تھلگ رہو)۔ (بیان القرآن: ج 1: ص 192)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

بخاری وغیرہ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ اُحد کی جانب (قریش سے مقابلہ کرنے) چلے تو ساتھیوں میں کچھ (منافق) لوگ راستہ سے ہی لوٹ آئے۔ لوٹنے والوں کے متعلق صحابہ کرامؓ دو فرقے ہو گئے، ایک فرقہ کا خیال تھا کہ ہم کو ان سے لڑنا چاہئے دوسرا فرقہ کہتا تھا نہ لڑنا چاہئے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

:فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ : پس تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے۔ بغوی نے مجاہد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کچھ لوگ مدینہ سے آئے مسلمان ہوئے لیکن پھر مرتد ہو گئے اور حضور اکرم ﷺ سے مکہ واپس جا کر اپنا تجارتی مال لانے کی اجازت طلب کی (اجازت کے بعد) چلے گئے اور جا کر مکہ میں رہ پڑے۔ ان لوگوں کے متعلق مسلمانوں کی رائے مختلف ہو گئی۔ بعض نے کہا وہ منافق تھے اور بعض نے ان کو مومن خیال کیا۔

بعض علماء نے بیان کیا کہ کچھ قریشی مدینہ آ کر مسلمان ہو گئے پھر ان کو پشیمانی ہوئی اور تفریح کرنے والوں کے طریقہ پر مدینہ سے باہر نکل گئے، جب مدینہ سے دُور ہو گئے تو وہاں سے حضور اکرم ﷺ کو خط لکھا کہ ہم اپنے سابق ایمان پر قائم ہیں مگر مدینہ کے اندر ہم کو پیٹ کا روگ لگ گیا اور اپنے وطن کا بھی شوق غالب آیا (اس لئے ہم چلے آئے)۔ کچھ مدت کے بعد یہ لوگ تجارت کے لئے ملک شام کو گئے، مسلمانوں کو ان کی روانگی کی اطلاع مل گئی، اس پر بعض لوگوں نے کہا ہم کو چاہئے کہ جا کر ان سے لڑیں اور ان کو لوٹ لیں کیونکہ وہ ہمارے مذہب سے پھر گئے ہیں، دوسروں نے کہا تم ایسے لوگوں سے جو تمہارے مذہب پر ہیں صرف اس وجہ سے کیسے لڑ سکتے ہو کہ انہوں نے اپنی بستیاں چھوڑیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے مگر ہجرت نہیں کی تھی اور مشرکوں کی مدد کرتے تھے، انہی کے متعلق آیت کا نزول ہوا۔

:وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ : اور اللہ تعالیٰ نے ان کو (کفر کی طرف) لوٹا دیا:بِمَا كَسَبُوْا : ان کے اعمال کی وجہ سے (یعنی مرتد ہونے اور دارالحرب میں چلے جانے کی وجہ سے)۔: اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ: کیا تم چاہتے ہو کہ جس کو خدا تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہے اس کو ہدایت یاب بنا دو:وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا:اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تم کو اس کے لئے (حق تک پہنچانے والا) راستہ نہیں ملے گا۔

:وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً: (جو لوگ کفر کی طرف لوٹ گئے) وہ تو دل سے چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی ایسے کافر ہو جاؤ جیسے وہ ہو گئے۔ یعنی اپنے کفر کی طرح تمہارے کافر ہو جانے کی ان کو تمنا ہے تاکہ (گمراہی میں) تم سب برابر ہو جاؤ۔

: فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ: پس ان میں سے (کسی کو) تم دوست نہ بناؤ۔ ان مرتدوں کی دوستی سے آیت میں ممانعت فرما دی۔

:حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: تاوقتیکہ (خالص مؤمن ہو کر محض ثواب کی امید پر بغیر کسی دنیوی لالچ کے وہ تمہارے ساتھ مل کر) اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا: پس اگر یہ (ایمان کے بعد اسلام سے یا ہجرت سے) پھر جائیں۔ چونکہ اُس زمانہ میں ہجرت فرض تھی اس لئے پھر جانے سے مراد ہجرت سے پھر جانا بھی ہو سکتا ہے:فَخُذُوْهُمْ تو ان کو قیدی بنا لو:وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ:اور (دوسرے کافروں کی طرح) جہاں پاؤ ان کو قتل کرو:وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا:اور ان میں

سے کسی کو دوست نہ بناؤ: وَّلَا نَصِيْرًا: اور نہ مددگار بناؤ۔ اس لفظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ کافروں سے (جنگی) امداد لینا جائز نہیں۔

زہریؒ نے بیان کیا ہے کہ: ابن ابی: جب اُحد سے لوٹ آیا تو صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی کہ جو یہودی ہمارے معاہد ہیں ہم اُن سے مدد طلب کریں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وہ خبیث ہیں ہم کو ان کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر مظہری اردو: ج3: ص120)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربـــط: گزشتہ آیات میں منافقین کے احوال کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ مسلمانوں کو منافقین کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہئے۔

حاصلِ حکم یہ ہے کہ منافقین کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ اُس وقت تک کیا جائے گا کہ جب تک ان کا نفاق چھپا رہے اور جب ان کا کفر اور نفاق واضح اور ظاہر ہو جائے تو پھر ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جب دلائل کفر کے واضح ہو جائیں تو پھر تردّد کی کوئی وجہ نہیں۔ چنانچہ فرمایا:

پس اے مسلمانو! جب تم نے ان منافقین کے کفر اور ارتداد اور ان کی باطنی خباثت کو ظاہر طور پر دیکھ لیا تو تمہیں کیا ہوا کہ ان منافقین کے بارہ میں تم دو گروہ ہو گئے۔ ایک فریق ان کو مسلمان بتاتا ہے اور دوسرا کافر۔ حالانکہ ان سے ایسی باتیں ظہور میں آ چکے ہیں جو ان کے کفر اور نفاق کی صریح دلیل ہیں۔ لہٰذا تم کو ان کے کفر میں شک نہ کرنا چاہئے۔

فـــائدہ: ان لوگوں کو گزشتہ حالت کے اعتبار سے منافق کہا گیا ہے ورنہ جب کفر واضح اور ظاہر ہو گیا تو اب کھلے کافر کہلائیں گے اور ان کے ساتھ منافقین کا سا معاملہ نہیں کیا جائے گا بلکہ کھلے کافروں کے احکام ان پر جاری ہوں گے۔

غرض یہ کہ جب ان منافقین کا پردہ چاک ہو چکا ہے تو تم ان کے بارہ میں کیوں اختلاف کرتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کو ان کے اعمالِ قبیحہ کی بدولت علانیہ کفر کی طرف لوٹا دیا ہے، اسلام کی راہِ راست چھوڑ کر اُلٹے کفر میں جا پڑے اور کافروں سے جا ملے۔ (کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے گمراہ کیا تم اس کو راہِ راست پر لے آؤ، اور جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ گمراہ کرے) تو اے مخاطب! (تو اس کو ہدایت پر لانے کی کوئی سبیل نہ پائے گا) یہ بدنصیب کہاں راہِ راست پر آ سکتے ہیں ان کا حال تو یہ ہے کہ یہ ازلی گمراہ (تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انہی جیسے کافر ہو جاؤ اور پھر تم) اور وہ گمراہی میں سب برابر اور یکساں ہو جاؤ، بھلا ایسے لوگوں کے کفر میں کیوں شک اور اختلاف کرتے ہو۔

اب آگے ان منافقین کے بارہ میں حکم دیتے ہیں۔پس جب ان منافقین کی یہ حالت ہے تو (تم ان منافقین میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ) یعنی ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے دوستانہ تعلقات نہ رکھو (تاوقتیکہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں ہجرت نہ کریں) یعنی تاوقتیکہ خدا تعالیٰ کی راہ میں گھر بار اور خویش و اقارب کو چھوڑ کر مؤمن مخلص نہ بن جائیں، اُس وقت تک ان کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ابتداءِ اسلام میں تکمیلِ ایمان کے لئے ہجرت بھی فرض تھی، بغیر ہجرت کے ایمان معتبر نہ تھا (پس اگر وہ اسلام) اور ہجرت سے (منہ موڑیں اور اپنے کفر پر) قائم رہیں (تو تم ان کو پکڑو) یعنی قید کرو اور اسیر بناؤ (اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ) یعنی ان کا قتل حل اور حرم دونوں جگہ مباح ہے (اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا بناؤ اور نہ مددگار) کیونکہ سب تمہارے دشمن ہیں، یہ تمہارے دوست اور مددگار کیوں بننے لگے۔مطلب یہ ہے کہ ان سے کوئی تعلق نہ رکھو اور نہ ان سے کوئی مدد مانگو۔(معارف القرآن:ج2:ص276)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اِن آیتوں میں اہل اسلام کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ منافقین کے بارے میں مختلف آراء سے پرہیز کرتے ہوئے کسی ایک رائے پر ہی متفق رہیں اور منافقین کو کوئی ایسا موقع نہ دیں کہ وہ اُلٹا تمہیں گمراہ کرسکیں۔

مفسرین کرامؒ نے منافقین کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔پہلی قسم اعتقادی منافقین کی ہے اور دوسری عملی منافقین کی۔اعتقادی منافق وہ ہے جو بظاہر کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے، مگر اس کا دل کفر پر جما رہتا ہے۔نزول قرآن کے زمانہ میں اکثر منافقین کا تعلق اِس قسم کے ساتھ تھا۔وہ حصولِ مقصد یا کسی ممکنہ نقصان سے بچنے کیلئے کلمہ شہادت زبان سے تو ادا کر لیتے تھے مگر اُن کا باطن ایمان سے خالی ہوتا تھا۔منافقین کی یہ بدترین قسم ہے۔جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ میں فرمادیا ہے:اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ: منافقین جہنم کے سب سے نیچے اور بدترین حصے میں ہوں گے۔حضورﷺ کے زمانہ میں اکثر منافقین یہودیوں میں سے تھے۔مقصد یہ کہ اہل ایمان ان بدبختوں کی سازشوں سے ہوشیار رہیں اور ان کے دامِ فریب میں نہ پھنس جائیں۔

منافقوں کی دوسری قسم عملی منافق ہیں۔ایسے منافقین کا ذکر احادیث میں کثرت سے آیا ہے۔اِن کو اخلاقی منافق بھی کہہ سکتے ہیں۔کہ دل میں نورِ ایمان موجود ہے، توحید کی تصدیق بھی کرتے ہیں مگر عمل اور اخلاق اس کے خلاف ہے۔آنحضرتﷺ نے ایسے منافق کی نشانیاں یہ بتائے ہیں: جب بات کرے جھوٹ بولے۔جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔یہ عملی منافق ہے۔آپﷺ کے زمانے کے بعد اور ہر زمانہ میں عملی منافق کثرت سے موجود رہے ہیں۔

اس آیت میں مذکور منافقین:

آج کی آیت میں جن منافقین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اُن کا تعلق کس گروہ کے ساتھ ہے؟ کیا ان سے مراد اعتقادی منافق ہیں یا عملی منافق؟

حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے وہ اعتقادی منافق مراد ہیں جو اُحد کے موقع پر عبداللہ بن ابی کی قیادت میں راستے ہی سے واپس چلے گئے تھے ان منافقوں کے متعلق اہل ایمان کی دو رائیں ہو گئیں تھیں۔ بعض کہتے تھے کہ ان کے ساتھ بالکل کافروں جیسا سلوک ہونا چاہئے اور بعض دوسرے اُن کے لئے قدرے نرم گوشہ رکھتے تھے۔

تفسیر روح المعانی میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اس آیت میں مذکور منافقین سے وہ کفار مراد ہیں جو مکے سے مدینے آئے۔ اسلام کے ساتھ اظہار ہمدردی بھی کیا اور پھر تجارت کے بہانے واپس مکہ چلے گئے۔ دراصل ان لوگوں کو اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ یہ لوگ جاسوسی کی غرض سے یا کسی دیگر سازش کے تحت مدینے آئے تھے اور پھر واپس چلے گئے۔ ان کے متعلق بھی اہل ایمان دو مختلف رائیں رکھتے تھے۔ بعض کہتے تھے کہ وہ ایمان لا چکے ہیں مگر کسی مجبوری کی وجہ سے واپس نہیں آ سکے، جبکہ دوسرے لوگوں کا خیال تھا کہ یہ کافر تھے اور کفر پر ہی واپس چلے گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس پورے رکوع میں جن منافقین کا ذکر ہے اُن سے مراد اصل کافر ہیں۔ اور منافق کا لقب محض لغوی اعتبار سے دیا گیا ہے۔ کیونکہ منافق: ذُو جهتين: یعنی دو رُخہ ہوتا ہے۔ اِدھر کچھ بات کی اور اُدھر کچھ اور سکیم بنائی۔ بہر حال شاہ صاحبؒ کی تحقیق بھی یہ ہے کہ یہ آیات مکے کے اُن کافروں کے متعلق ہیں جو مدینے آ کر واپس چلے گئے تھے نہ کہ مدینہ کے اعتقادی منافق۔

چونکہ اہل ایمان ان کے متعلق دو مختلف رائے رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اسے ناپسند فرمایا اور کہا: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہو گئے ہو: وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا: حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اُلٹ دیا ہے ان کی کمائی کی وجہ سے۔ لہٰذا تمہیں ان کے متعلق مختلف رائے نہیں رکھنی چاہئیں، بلکہ ایک بات پر متفق ہو جانا چاہئے کہ یہ کافر ہیں اور بہت بُرے لوگ ہیں۔ ان کی کرتوتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ لہٰذا ان کے متعلق کوئی اچھا گمان نہ رکھو۔

الغرض فرمایا کہ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کافروں کے متعلق دو رائیں رکھتے ہو، تمہاری اجتماعیت کا تقاضا ہے کہ ہمیشہ ایک رائے پر متفق ہو جایا کرو۔ دشمنانِ دین کے متعلق تمہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا

چاہئے، اسلام دشمنی میں یہ سب کفار متفق ہیں۔ مگر مسلمانوں کی اجتماعیت کا شیرازہ بکھر چکا ہے، یہ اپنوں کی بجائے غیروں سے دوستانہ رکھتے ہیں، اُن سے غلط توقعات وابستہ کرتے ہیں اور پھر نقصان اٹھاتے ہیں۔

آگے اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم کفار سے دوستانہ اس لئے کرتے ہو کہ شاید وہ راہِ راست پر آجائیں: اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ: کیا تم ان لوگوں کو ہدایت یافتہ بنانا چاہتے ہو، جنہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہے۔ فرمایا یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ: وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا: جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، اُسے کون راہِ راست پر لا سکتا ہے۔

اغیار کی دِلی خواہش:

فرمایا: اسلام دشمن طاقتوں کی خواہش یہ ہے: وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا: وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اُسی طرح کفر کا راستہ پکڑ لو جس طرح وہ خود کفر کئے بیٹھے ہیں۔ ساری دنیا کے کفار کی یہی تمنا ہے، سب چاہتے ہیں کہ اہل ایمان کو اپنے دین میں داخل کر لیں۔

پھر فرمایا کہ اغیار کی خواہش پر انہی کا طریقہ اختیار کر لینے سے ان کی مراد یہ ہے: فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً: تاکہ سب برابر ہو جائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اسلام کے متبعین کو فرمایا: فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ: اُن میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ، یہ سب تمہارے دشمن ہیں، دوستی کی آڑ میں تمہارے ساتھ دھوکہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ان سے بچ کر رہو۔ جب تک یہ لوگ اپنی روش ترک نہ کریں اور دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں نہ آجائیں اور پھر تمہارے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہو جائیں: حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی ہجرت جیسا اہم فریضہ پورا نہ کریں، اُس وقت تک اِن کا کچھ اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کی دوستی سے منع فرما دیا۔

فرمایا: فَاِنْ تَوَلَّوْا: اگر وہ روگردانی کریں، تمہارے ساتھ شامل نہ ہو، کفار کی چاپلوسی ترک نہ کریں تو پھر سمجھ لو کہ یہ پکے کافر ہیں، پھر اُن کا علاج یہ ہے کہ: فَخُذُوْهُمْ: اُن کو پکڑو: وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ: اور انہیں جہاں بھی پاؤ مارو: وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا: اور نہ بناؤ اُن میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آیت کے اس حصہ سے واضح ہے کہ اِن لوگوں سے مراد مکے کے کافر ہیں، کیونکہ اعتقادی منافقوں کو مارنے کا حکم نہیں تھا۔ عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقین کے بعض نفاق جب ظاہر ہوتے تھے تو صحابہ کرامؓ انہیں قتل کر دینے کی اجازت طلب کرتے تھے، مگر حضور اکرم ﷺ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر منافقین کو قتل کرنا شروع کر دیا گیا تو لوگ باتیں بنانے لگیں گے کہ حضرت محمد ﷺ

اپنے ساتھیوں کو قتل کرنے لگے ہیں، اور اس طرح دین کی تبلیغ میں رکاوٹ پڑے گی۔

لہذا حضور اکرم ﷺ منافقین کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، البتہ.....ان پر زبانی کلامی سختی کا حکم دیتے تھے، گویا کافروں کے ساتھ عملی سختی کا حکم تھا اور منافق کے ساتھ زبانی سختی روا تھی۔

بہر حال اس آیت میں مذکورہ لوگ ہیں جو دراصل کافر ہی تھے، مگر چاپلوسی کے ذریعے مسلمانوں کو اپنی حمایت کا یقین دلاتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کے نفاق کا راز فاش کر دیا اور ان کے ساتھ مقاتلہ کی اجازت دے دی بلکہ حکم صادر فرما دیا۔

البتہ جن لوگوں سے لڑنے کی اجازت نہیں دی گئی، اُن لوگوں کا ذکر اگلی آیت میں آئے گا۔ یہ بعض قسم کے منافقین ہیں، جنہیں مخصوص حالات میں لڑائی سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج5: ص410)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

(جب تم ان مرتدین کی حالت دیکھ چکے) پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقین کے باب میں تم (اختلاف رائے کر کے) دو گروہ ہو گئے (کہ ایک گروہ ان کو اب بھی مسلمان کہتا ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو (ان کے علانیہ کفر کی طرف) اُلٹا پھیر دیا ان کے (بد) عمل کے سبب (وہ بدعمل ارتداداً دارالاسلام کو باوجود قدرت کے چھوڑ دینا ہے، جو کہ اس وقت مثل ترکِ اقرار بالاسلام کے علامت کفر کی تھی اور واقع میں تو وہ پہلے بھی مسلمان نہ ہوئے تھے، اور اسی وجہ سے ان کو منافق کہا) کیا تم لوگ (اے وہ گروہ جن کو اس ترکِ دارالاسلام کا علامتِ کفر ہونا معلوم نہیں) اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے (جبکہ ان لوگوں نے گمراہی اختیار کی) گمراہی میں ڈال رکھا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ عزمِ فعل کے وقت اس فعل کو پیدا کر دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ غیر مؤمن گمراہ کو جو ہدایت یافتہ مؤمن کہتے ہو یہ تمہارے لئے جائز نہیں) اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اس کے (مؤمن ہونے کے) لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے (پس ان لوگوں کو مؤمن نہ کہنا چاہئے، اور بھلا وہ خود کیا مؤمن ہوں گے ان کے: غلو فی الکفر: کی تو یہ حالت ہے کہ) وہ اس تمنا میں ہیں جیسے وہ کافر ہیں تم بھی (خدا تعالیٰ نہ کرے) کافر بن جاؤ، جس میں تم اور وہ سب ایک طرح ہو جاؤ سو (ان کی جب یہ حالت ہے تو) ان میں سے کسی کو دوست مت بناؤ (یعنی کسی کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ مت کرنا، کیونکہ دوستی کے جواز کیلئے اسلام شرط ہے) جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں (یعنی تکمیلِ اسلام کیلئے) ہجرت نہ کریں (کیونکہ اُس وقت ہجرت کا وہ حکم تھا جو اَب اقرار بالشہادتین کا ہے۔ اور اگر وہ (اسلام سے)

اعراض کریں (اور کافر ہی رہیں) تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جس جگہ ان کو پاؤ، اور نہ ان میں کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ (مطلب یہ کہ کسی حالت میں ان سے کوئی تعلق نہ رکھو، دامن میں دوستی نہ خوف میں استعانت بلکہ الگ تھلگ رہو)۔

معارف ومسائل:

عبد بن حمیدؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ بعض مشرکین، مکہ سے مدینہ آئے، اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں، پھر مرتد ہو گئے، اور آنحضرت ﷺ سے اسباب تجارت لانے کا بہانہ کر کے پھر مکہ چل دیئے اور پھر نہ آئے، ان کے بارے میں مسلمانوں کی رائے مختلف ہوئی، بعض نے کہا یہ کافر ہیں، بعض نے کہا یہ مؤمن ہیں، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کا کافر ہونا آیت: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ: میں بیان کر دیا اور ان کے قتل کا حکم دیا۔

ہجرت کی مختلف صورتیں اور احکام:

:قولہ تعالیٰ: حتّٰی یھاجروا فی سبیل اللّٰہ، الخ: ابتدائے اسلام میں ہجرت دارالکفر سے تمام مسلمانوں پر فرض تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایسے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ کرنے سے منع کیا ہے جو اس فرض کے تارک ہوں، پھر جب مکہ فتح ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: لا ھجرۃ بعد الفتح: یعنی جب مکہ فتح ہو کر دارالاسلام بن گیا تو اب وہاں سے ہجرت فرض نہ رہی۔

یہ اُس زمانہ کا حکم ہے جبکہ ہجرت شرطِ ایمان تھی، اُس آدمی کو مسلمان نہیں سمجھا جاتا تھا جو باوجود قدرت کے ہجرت نہ کریں، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا، اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔

ہجرت کی دوسری صورت یہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گی، جس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے: لاتنقطع الھجرۃ حتی تنقطع التوبۃ: یعنی ہجرت اُس وقت تک باقی رہے گی جب تک توبہ کی قبولیت کا وقت باقی رہے گی۔

علامہ عینیؒ شارحِ بخاری نے اس ہجرت کے متعلق لکھا ہے: ان المراد بالھجرۃ الباقیۃ ھی ھجرۃ السیئات: یعنی اس ہجرت سے مراد گناہوں کا ترک کرنا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں رسول کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: المھاجر من ھجر مانھی اللّٰہ عنہ: یعنی مہاجر وہ ہے جو اُن تمام چیزوں سے پرہیز کرے جن کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حرام کیا ہے۔

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ اصطلاح میں ہجرت کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ نمبر ایک..... دین کے لئے ترکِ وطن کرنا، جیسا کہ صحابہ کرامؓ اپنا وطن مکہ ترک کر کے مدینہ اور حبشہ تشریف لے گئے۔ نمبر دو..... گناہوں کا چھوڑنا۔

:وَلَاتَتَّخِذُوْامِنْهُمْ وَلِيًّاوَّلَانَصِيْرًا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار سے طلبِ نصرت حرام ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ کفار کے خلاف انصارؓ نے جب یہود سے مدد طلب کرنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا:اَلْخَبِيْثُ لَاحَاجَةَ لَنَا بِهِمْ: یعنی یہ خبیث قوم ہے اس کی ہمیں کوئی حاجت نہیں۔

(معارف القرآن:ج2:ص574)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہاں سے منافقین کے دو گروہوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ایک وہ منافقین جو مدینہ سے دوسرے شہروں میں نکل گئے تھے۔دوم وہ جو ایسے کافروں کے پاس جا کر پناہ گزیں ہو گئے تھے جن کے اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ ہو چکا تھا۔اس آیت میں:المنافقین: سے منافقین کا پہلا گروہ مراد ہے۔ان کے قتل کے بارے میں مسلمان دو فریقوں میں بٹ گئے۔ایک فریق نے کہا وہ منافق ہیں انہیں قتل کرنا چاہئے،دوسرے فریق نے ان کے قتل میں توقف کیا۔تو اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مسلمانوں کو زجر و توبیخ کے طور پر فرمایا کہ تم ان منافقین کے بارے میں دو فریق کیوں ہو گئے حالانکہ ان کے کرتوت اس بات کے متقاضی تھے کہ تم ان کے قتل میں ذرّہ برابر تأمل نہ کرتے۔یہ ان کی بدعملی اور خباثتِ باطن ہی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کو ایمان سے ہٹا کر کفر کی طرف دھکیل دیا۔

:وَدُّوالَوتَكفرون: اور یہ ان منافقین کی ایک بہت بڑی خباثت کا بیان ہے۔وہ بظاہر تو مسلمان ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں مگر ان کے دلوں میں وہی کفر و شرک ہے اور وہ دل سے چاہتے ہیں کہ جو لوگ خلوصِ دل سے ایمان لا چکے ہیں وہ پھر سے کافر ہو جائیں اور کفر و ضلالت میں ان کے ساتھ یکساں ہو جائیں۔جو لوگ کفر اور گمراہی میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں،تم ان کی رو رعایت مت کرو اور وہ جہاں بھی تمہیں مل جائیں بلا تأمل ان کو قتل کرو۔

فائدہ: یہاں منافق فرمایا ہے ان لوگوں کو جو ظاہر میں بھی مسلمان نہ تھے لیکن حضرت کے ساتھ محبت اور ملاپ جتاتے تھے اس غرض سے کہ ان کی فوج ہماری قوم پر جاوے تو ہماری جان و مال بچ رہے۔جب مسلمان خبردار ہوئے کہ ان کی آمد و رفت اس غرض سے ہے دل کی محبت سے نہیں تو بعضے کہنے لگے ان سے صحبت و ملاقات ترک کر لے تا کہ ایک طرف ہو جاویں اور بعضوں نے کہا کہ ملے جائیں اسی میں شاید ایمان لا دیں۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کا فکر تم کو کیا،ضرور باقی ایسوں سے جو معاملے چاہئیں سو آگے فرما دیئے۔

(جواہر القرآن:ج1:ص233)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، جن کی تعداد بعض نے تیس بتائی ہے اور بعض نے چالیس بتائی ہے اور بعض نے پچاس بتائی ہے۔ آ کر کہا کہ ہم مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں، ہمیں اسلام کے متعلق معلومات ہوئی تھیں، لیکن ہم نے خود حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کا فیصلہ کیا ہے کہ براہ راست اسلام کے متعلق بیان لیں۔ یہ لوگ چند دن حضور اقدس ﷺ کے پاس رہے، حضور اقدس ﷺ نے ان کو ایمان کی حقیقت سمجھائی اور اسلامی احکامات سے آگاہ فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے ان کی بڑی عزت وخدمت کی، کیونکہ اسلام کا اصول ہے کہ مہمان کی عزت اور خدمت کرنا۔ اُن لوگوں کے اٹھنے بیٹھنے اور بولنے چالنے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی سچے مسلمان ہیں، چند دن بعد کہنے لگے: حضرت! ہم تو مسلمان ہو گئے ہیں، اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی طرح ہم بھی اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کریں۔ حضور اقدس ﷺ کے پاس مدینہ طیبہ آ جائیں اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہیں۔ لہذا آپ ہمیں اجازت دیں ہم چند دنوں تک مثلاً: بیس پچیس دنوں تک بال بچوں کو لے کر آ جائیں گے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: بہت اچھی بات ہے، لے آؤ۔ جب مہینہ گزر گیا، ڈیڑھ مہینہ گزر گیا، دو مہینے گزر گئے اور یہ نہ آئے، حضور اقدس ﷺ ان کے منتظر تھے کہ وہ آئیں اور ہم ان کی خدمت کریں، مگر کافی وقت گزرنے کے باوجود نہ آئے تو صحابہ کرامؓ کی رائے مختلف ہو گئی۔

ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ وہ لوگ مخلص نہیں تھے، منافق تھے، وقت گزارنے آئے تھے، چلے گئے، مخلص ہوتے تو وعدہ پورا کرتے، کیونکہ وعدہ پورا کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اگر کوئی مجبوری بن گئی تھی تو اطلاع کرتے، سارے نہ آتے، کچھ آ جاتے۔

دوسرے گروہ نے کہا کہ کوئی مجبوری بن گئی ہوگی، علاقہ بھی ان کا خاصہ دُور ہے، کسی سے کچھ لینا ہوتا ہے، کسی کو کچھ دینا ہوتا ہے، گھر کے افراد کو آمادہ کرنا ہوتا ہے، سامان باندھنا ہوتا ہے۔

دونوں گروہ اپنے اپنے دلائل دیتے، کیونکہ انسان کا مزاج ہے کہ اپنی رائے پر ہر کوئی قرینہ و دلیل پیش کرتا ہے کہ میری بات اس لئے صحیح ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کی آپس میں بحث چل پڑی، اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا:

:فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ: پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ منافق تھے اور جاسوسی کرنے کیلئے آئے تھے: وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا: اللہ تعالیٰ نے اُن کو الٹا پھیر دیا ہے، ان کی کمائی کی وجہ سے، تم کیوں آپس میں جھگڑتے ہو؟ اپنے دعووں پر دلائل پیش کرتے ہو؟ :اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا: کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ ہدایت دو: مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ: جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے: وَمَنْ

يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا: اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے پس ہرگز نہیں پاؤ گے تم ان کے لئے راستہ۔

تو فرمایا تم ان کو ہدایت دینے کا ارادہ کرتے ہو، جن کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بہکایا ہے، کیونکہ وہ خود تو غلط راستے پر چل پڑے تھے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے صحابہ کرامؓ کے اس گروہ کو تنبیہ فرمائی ہے جو منافقوں کی طرف سے دلائل پیش کرتے تھے تو فرمایا: وہ منافق ہیں، انہوں نے تمہیں دھوکے میں رکھا:

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ: اور وہ منافق پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ تم بھی کافر ہو جاؤ: كَمَا كَفَرُوْا: جیسا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں، وہ تو اپنی طرح تمہیں بھی کافر بنانا چاہتے ہیں اور تم ان کے ایمان کی دلیلیں پیش کرتے ہو: فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً: تم ہو جاؤ برابر کفر میں: فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ: پس نہ بناؤ تم ان میں سے کسی کو دوست: حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں، اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے راستے میں ہجرت فرع ہے ایمان کی، پہلے ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ کے راستے میں ہجرت کریں پھر تمہارے دوست ہیں۔ جب ایسا نہیں ہے تو ان کی طرف سے صفائیاں نہ بیان کرو، آپس میں اختلاف نہ کرو: فَاِنْ تَوَلَّوْا: پس اگر وہ پھر جائیں اس بات سے کہ اعراض کریں ہجرت سے: فَخُذُوْهُمْ: تو پکڑو اُن کو: وَاقْتُلُوْهُمْ: اور ان کو قتل کرو: حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ: جہاں کہیں تم ان کو پاؤ، جس طرح دوسرے کافر ہیں۔ اور ان کے ساتھ اس طرح لڑو جس طرح دوسروں کے ساتھ لڑتے ہو اور اس بات کی پرواہ نہ کرو کہ انہوں نے چند دن ہمارے ساتھ کھانا کھایا ہے، نمازیں پڑھی ہیں، اکٹھے اُٹھتے بیٹھتے رہے ہیں: وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا: اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور مددگار۔

(ذخيرة الجنان فی فهم القرآن: ج4: ص187)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

تمہیں کیا ہو گیا؟ کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو، انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے، اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو، جسے اللہ تعالیٰ راہ بھلا دے تو ہرگز اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا، ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ، پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ، پس اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں، خبردار! ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا۔

منافقوں سے ہوشیار رہو:

اس میں اختلاف ہے کہ منافقوں کے کس مسئلہ میں مسلمانوں کے درمیان دو قسم کے خیالات داخل ہوئے تھے۔حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب میدان احد میں تشریف لے گئے تب آپ ﷺ کے ساتھ منافق بھی تھے جو جنگ سے پہلے ہی لوٹ آئے تھے ان کے بارے میں بعض مسلمان تو کہتے تھے کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے اور بعض کہتے تھے نہیں یہ بھی ایماندار ہیں ،اس پر یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ شہر طیبہ ہے جو خود بخود میل کچیل کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو چھانٹ دیتی ہے۔(بخاری ومسلم)

ابن اسحاق میں ہے کہ کل لشکر جنگ احد میں ایک ہزار کا تھا ،عبداللہ بن ابی بن سلول تین سو آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر واپس لوٹ آیا تھا اور حضور ﷺ کے ساتھ پھر سات سو ہی رہ گئے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکہ میں کچھ لوگ تھے جو کلمہ گو تو تھے لیکن مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی مدد کرتے تھے یہ اپنی کسی ضروری حاجت کیلئے مکہ سے نکلے تھے ،انہیں یقین تھا کہ اصحاب رسول ﷺ سے ان کی کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی کیونکہ بظاہر کلمہ کے قائل تھے ادھر جب مدنی مسلمانوں کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے بعض کہنے لگے ان نامرادوں سے پہلے جہاد کرو یہ ہمارے دشمنوں کے طرف دار ہیں اور بعض نے کہا: سبحان اللہ: جو لوگ تم جیسا کلمہ پڑھتے ہیں تم ان سے لڑو گے؟صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنے گھر نہیں چوڑے ،ہم کس طرح ان کے خون اور ان کے مال اپنے اوپر حلال کر سکتے ہیں؟ان کا یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوا آپ خاموش تھے جو یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم)۔

حضرت سعد بن معاذؓ کے لڑکے فرماتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جب تہمت لگائی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے ممبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کوئی ہے جو مجھے عبداللہ بن ابی کی ایذاء سے بچائے اس پر اوس وخزرج کے درمیان جو اختلاف ہوا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے لیکن یہ قول غریب ہے ان کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا ۔ان کی ہدایت کی کوئی راہ نہیں ۔یہ تو چاہتے ہیں کہ سچے مسلمان بھی ان جیسے گمراہ ہو جائیں ان کے دلوں میں اس قدر عداوت ہے تو تمہیں ممانعت کی جاتی ہے کہ جب تک یہ ہجرت نہ کریں انہیں اپنا نہ سمجھو ،یہ خیال نہ کرو کہ یہ تمہارے دوست اور مددگار ہیں ،بلکہ یہ خود اس لائق ہیں کہ ان سے باقاعدہ جہاد کیا جائے ۔پھر ان میں سے ان حضرات کا استثنا کیا جاتا ہے جو کسی ایسی قوم کی پناہ میں چلے جائیں جس سے مسلمانوں کا عہد و پیمان صلح وسلوک ہو تو ان کا حکم بھی وہی ہوگا جو معاہدہ والی قوم کا ہے۔

سراقہ بن مالک مدلجی فرماتے ہیں جب جنگ بدر اور جنگ احد میں مسلمان غالب آئے اور آس پاس کے لوگوں میں اسلام کی بخوبی اشاعت ہوگئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا ارادہ ہے کہ خالد بن ولید کو ایک لشکر دے کر میری قوم بنو مدلج کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمائیں تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میں آپ کو احسان یاد دلاتا ہوں لوگوں نے مجھ سے کہا خاموش رہ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا اسے کہنے دو، کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میری قوم کی طرف لشکر بھیجنے والے ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ ان سے صلح کرلیں اس بات پر کہ اگر قریش اسلام لائیں تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان پر بھی آپ چڑائی نہ کریں حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے کہنے کے مطابق ان کی قوم سے صلح کر آؤ، پس اس بات پر صلح ہوگئی کہ وہ دشمنان دین کی کسی قسم کی مدد نہ کریں اور اگر قریش اسلام لائیں تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں پس اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ آیت اتار دی کہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے وہ کفر کرتے ہیں پھر تم اور وہ برابر ہو جاؤ پس ان میں سے کسی کو دوست نہ جانو، یہی روایت ابن مردویہ میں ہے اور ان میں ہی آیت: الا الذین یصلون، الخ: نازل ہوئی۔ پس جو بھی ان سے مل جاتا وہ انہی کی طرح پر امن رہتا۔ کلام کے الفاظ سے زیادہ مناسبت اسی کو ہے، صحیح بخاری شریف میں صلح حدیبیہ کے قصے میں ہے کہ پھر جو چاہتا ہے کہ کفار کی جماعت میں داخل ہو جاتا اور امن پالیتا اور جو چاہتا مدنی مسلمانوں سے ملتا اور عہدنامہ کی وجہ سے مامون ہو جاتا، حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس حکم کو پھر اس آیت نے منسوخ کردیا کہ: فاذاانسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم، الخ یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکین سے جہاد کرو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔ (تفسیر ابن کثیر: ج 1: ص 621)

سورة النسآء

:بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا:(النساء:آیت 138)

ترجمہ: خوشخبری سنادے منافقوں کو کہ ان کے واسطے ہے دردناک عذاب۔

:اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ،اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا:(النساء:آیت 139)

ترجمہ: وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر، کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت، سو عزت تو اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے ساری۔

:وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ،اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ،اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا:(النساء:140)

ترجمہ: اور حکم اُتار چکا تم پر قرآن میں کہ جب سنو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنستی ہوتے تو نہ بیٹھو اُن کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں، نہیں تو تم بھی انہی جیسے ہو گئے، اللہ تعالیٰ اکٹھا کرے گا منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ۔

:الّذين يتربّصون بكم،فان كان لكم فتح مّن اللّٰه قالوا الم نكن مّعكم،وان كان للكٰفرين نصيب قالوا الم نستحوذ عليكم ونمنعكم مّن المؤمنين،فاللّٰه يحكم بينكم يوم القيٰمة،ولن يّجعل اللّٰه للكٰفرين على المؤمنين سبيلا:(النسآء:141)

ترجمہ: وہ ایسے ہیں کہ تم پر افتاد پڑنے کے منتظر رہتے ہیں، پھر اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہوگئی تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل گیا تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے

لگے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا، سو اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان کا قیامت میں فیصلہ فرمادیں گے، اور ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمادیں گے۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: اوپر مرتدین کا ذکر تھا ایک فرقہ اہل کفر میں منافقین کا تھا آگے ان کا ذکر ہے۔

فرمایا: بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (الی قوله) فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا: منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے (آخرت میں) بڑی دردناک سزا (تجویز کی گئی) ہے جن کی یہ حالت ہے کہ (عقائد تو اہل ایمان کے نہ رکھتے تھے مگر وضع بھی اہل ایمان کی نہ رکھ سکے، چنانچہ) کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر، کیا ان کے پاس (جا کر) معزز رہنا چاہتے ہیں سو (خوب سمجھ لو کہ) اعزاز تو ساری خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے (وہ جس کو چاہیں دیں، پس اگر خدا تعالیٰ ان کو یا جن سے جا جا کر دوستی کرتے ہیں ان کو اعزاز نہ دیں تو کہاں سے معزز بن جاویں گے)۔

ربط: اُوپر کی آیات میں منافقین کا کفار سے دوستی کرنا مذکور تھا، آگے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے علی الاطلاق آیت: لایتخذ الکافرین اولیاء: میں۔ اور ان کے کفریات کے مشغلہ کے وقت ظاہری مجالست سے بھی جو کہ زیادہ موجب معصیت ہے، آیت: فلا تقعدوا معھم: میں ممانعت فرماتے ہیں اور مجاہرین کے ساتھ منافقین کو بھی فحوائے آیت: انّ اللّٰہ جامع المنٰفقین والکافرین: سے شامل فرماتے ہیں۔

چنانچہ فرمایا: وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ (الی قوله) ولن یجعل اللّٰہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا: اور (اے مسلمانو! دیکھو! تم منافقین کی طرح کفار کے ساتھ خصوصیت مت رکھنا، خاص کر جس وقت وہ کفریات کا تذکرہ کرتے ہوں، چنانچہ اس سورۂ مدنیہ کے قبل بھی) اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان (سورۂ انعام میں جو مکیہ ہے) بھیج چکا ہے (جس کا حاصل یہ ہے) کہ جب (کسی مجمع میں) احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو، تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کریں (اور یہ مضمون اس آیت کا حاصل ہے: واذا رایت الّذین یخوضون، الخ: سو یہ استہزاء کرنے والے مکہ میں مشرکین تھے، اور مدینہ میں یہود تو علانیہ، اور منافقین صرف غرباء وضعفاءِ مسلمین کے سامنے۔ پس جس طرح وہاں مشرکین کی مجالست ایسے وقت میں ممنوع تھی، یہاں یہود اور منافقین کی مجالست سے نہی ہے، اور یہ ممانعت ہم اس لئے کرتے ہیں) کہ اس حالت میں تم بھی (گناہ میں) انہی جیسے ہو جاؤ گے (گو دونوں کی نوعیت میں فرق ہو کہ ایک گناہ کفر کا ہے دوسرا فسق کا۔ اور اس

ممانعتِ مجالست میں مجاہر کفار اور منافقین سب برابر ہیں۔ کیونکہ علّت اس کی: خوض فی الکفر: یعنی کفر کی باتوں کا تذکرہ اور اس خوض کا منشاء کفر ہے، اور اس میں دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ سزائے کفر، یعنی دوزخ کا ایندھن ہونے میں بھی دونوں برابر ہوں گے، کیونکہ)یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے)۔

(اور) وہ (منافقین) ایسے ہیں کہ تم پر افتاد پڑنے کے منتظر (اور آرزومند) رہتے ہیں (پھر ان کے اس انتظار کے بعد) اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہوگئی تو (تم سے آکر) باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ (جہاد میں شریک) نہ تھے (کیونکہ ہم چارہ کو تو مسلمانوں میں گھسے ہی رہتے تھے، مطلب یہ کہ ہم کو بھی غنیمت کا حصہ دو) اور اگر کافروں کو (غلبہ کا) کچھ حصہ مل گیا (یعنی وہ اتفاق سے غالب آئے) تو (اُن سے جاکر) باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے (مگر ہم نے قصداً تمہارے غالب کرنے کے لئے مسلمانوں کی مدد نہ کی اور ایسی تدبیر کی کہ لڑائی بگڑ گئی) اور کیا ہم نے (جب تم مغلوب ہونے لگے تھے تو) تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا (اس طرح کہ ان کی مدد نہ کی اور تدبیر سے لڑائی بگاڑ دی۔ مطلب یہ کہ ہمارا احسان مانو اور جو کچھ تمہارے ہاتھ آیا ہے ہم کو بھی کچھ دلواؤ، غرض دونوں طرف ہاتھ مارتے ہیں) سو (دنیا میں گو اظہارِ اسلام کی برکت سے مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن) اللہ تعالیٰ تمہارا اور اُن کا قیامت میں (عملی) فیصلہ فرما دیں گے اور (اس فیصلہ میں) ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرماویں گے (بلکہ کفار مجرم قرار پاکر دوزخ میں جاویں گے اور مسلمان اہلِ حق ثابت ہوکر جنت میں جاویں گے اور فیصلہ عملی یہی ہے)۔

اہل باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں:

1.....ان کے کفریات پر رضا کے ساتھ۔ یہ کفر ہے۔

2.....اظہارِ کفریات کے وقت کراہت کے ساتھ مگر بلا عذر۔ یہ فسق ہے۔

3.....کسی ضرورتِ دنیوی کے واسطے۔ یہ مباح ہے۔

4.....تبلیغ احکام کے لئے۔ یہ عبادت ہے۔

5.....اضطرار و بے اختیاری کے ساتھ۔ اس میں معذور ہے۔

مسائل السلوک:

:فَلَاتَقْعُدُوْامَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِي حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ: اس پر دال ہے کہ مخالف طریق کے ساتھ مجالست کرنا قبیح ہے۔ خصوص جس وقت میں وہ خلاف کا اظہار بھی کرے۔

(بیان القرآن:ج1:ص207)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا: منافقوں کو خوشخبری سنا دو اس امر کی کہ ان کے لئے ہی بڑی دردناک سزا ہے۔

منافقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضور اکرم ﷺ یا خالص ایمان والوں کے سامنے آکر تو ایمان کا اظہار کرتے تھے اور تنہائی میں جب اپنے سرداروں سے ملتے تھے تو کفر ظاہر کرتے تھے پھر اس منافقت پر جم جانے اور ملک میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش پر اصرار کرنے کی وجہ سے کفر میں بڑھتے چلے جاتے تھے۔

:اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ: جن کی حالت یہ ہے کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں مؤمنوں کو چھوڑ کر، یعنی یہودیوں کو اپنا مددگار اور یارِ غار بناتے ہیں، کیونکہ یہودیوں کے طاقتور ہونے کا ان کو خیال ہوتا ہے۔

:اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ: کیا وہ کافروں کے پاس معزز ہونا (اور معزز رہنا) چاہتے ہیں۔یعنی کافروں کی مدد اور دوستی سے وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف عزت اور قوت کے طلب گار ہیں، جملہ سوالیہ انکاریہ ہے (یعنی ان کو ایسا نہ کرنا چاہئے) یا استہزائیہ یا اظہارِ تعجب کے لئے ہے۔

:فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا: سو...اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ عزت نہ دے وہ عزت نہیں پا سکتا اور عزت اس نے اپنے دوستوں کے لئے لکھ دی ہے:وللّٰه العزّة ولرسوله وللمؤمنين:

:وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ: اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یہ فرمان تمہارے پاس بھیج چکا ہے:اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ: جب اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔

:حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ: جب تک کہ (استہزاء کے علاوہ) وہ کوئی اور بات شروع نہ کریں۔تو اس وقت کسی ضرورت سے ان کے پاس بیٹھنا جائز ہے اور بلا ضرورت مکروہ ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ خواہ استہزاء کو چھوڑ کر کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں تب بھی ان کے ساتھ بیٹھنا ناجائز ہے۔

اس آیت میں:سورۃ الانعام:والی آیت کی طرف اشارہ ہے جو پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی اور فرما دیا تھا

:واذارایت الّذین یخوضون فی اٰیٰتنافاعرض عنهم حتّٰی یخوضوفی حدیث غیره:

حضرت ضحاکؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن تک جتنے بدعتی ہوں گے سب اسی آیت کے حکم میں داخل ہیں۔

:اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ: کہ اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔یعنی اے مسلمانو! جب تم کافروں اور آیاتِ خداوندی کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ ان کے کفر واستہزاء کی حالت میں بیٹھو گے اور اس پر راضی ہو گے تو انہی جیسے کافر ہو جاؤ گے۔ہاں اگر زبان سے کلمہ کفر نہ کہا جائے اور دل سے کفر پر راضی ہو تو منافق ہو جائے گا۔

:اِنَّ اللّٰه جَامِعُ الْمُنَافِقِیْنَ وَالْکٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعًا: یقیناً اللہ تعالیٰ،منافقوں کو اور کافروں کو سب کو جہنم میں جمع کر دے گا۔یعنی جو لوگ کافروں کے پاس بیٹھ کر ان کے کفر واستہزاء پر راضی ہوتے ہیں اور جو لوگ قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ جہنم کے اندر جمع کر دے گا جس طرح وہ دنیا میں کفر وہم نشینی پر جمع تھے۔

:الّذین یتربّصون بکم:وہ ایسے ہیں کہ تم پر افتاد اور مصیبت پڑنے کے منتظر رہتے ہیں۔

:فان کان لکم فتح مّن اللّٰه: پھر اگر من جانب اللہ تمہاری فتح ہوگئی ،یعنی لڑائی میں جیت ہوگئی اور مال غنیمت حاصل ہوگیا۔

: قالوا الم نکن مّعکم:تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے،یعنی کیا دین اور جہاد میں تمہارے ساتھی نہ تھے،لہذا ہم کو بھی مالِ غنیمت کا حصہ دو۔

:وان کان للکٰفرین نصیب:اور اگر کافروں کو کچھ نصیب ہوگیا یعنی مسلمانوں پر غلبہ مل گیا۔

:قالوا الم نستحوذ علیکم :تو کہتے ہیں کیا ہم مسلمانوں کے ساتھ مل کر تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے مگر ہم نے تم کو چھوڑ دیا۔

:ونمنعکم مّن المؤمنین: اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا۔یعنی کیا ہم نے مسلمانوں کو بے مدد نہیں چھوڑ دیا اور کیا تم کو ان کی خبریں نہیں بتائیں اور ان کے واقعات کی اطلاع نہیں دی (جس سے تم ہوشیار ہو گئے اور تم نے تیاری کر لی)۔

:فاللّٰه یحکم بینکم یوم القیٰمة: پس (اے مسلمانو!) تمہارے (اور منافقوں کے) درمیان قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا،مومنوں کو جنت میں داخل کرے گا اور منافقوں کو دوزخ میں۔

:ولن یّجعل اللّٰه للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا: اور اللہ تعالیٰ (اُس فیصلہ میں) ہرگز مومنوں

کے مقابلہ میں کافروں کو غالب نہیں کرے گا۔(تفسیر مظہری اردو:ج3:ص204)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (الی قولہ) فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا: ان آیات میں منافقین کے ذمائم کو بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کے مقابلہ میں دین کی پرواہ نہیں کرتے، کبھی کرسٹان بنتے ہیں اور کبھی مسلمان اور کفار ومشرکین کے جاہ وحشم کو دیکھ کر ان سے یارانہ جوڑتے ہیں کہ ہم کو عزت وشوکت حاصل ہوگی اور یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں حالانکہ ان کو یہ معلوم ہے کہ جس جگہ احکامِ الٰہی کا مذاق اڑایا جاتا ہو، وہاں بیٹھنا بھی ناجائز ہے چہ جائیکہ اُن سے دوستی کی جائے، چنانچہ فرماتے ہیں:

منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے، کیونکہ یہ منافقین باوجود دعوائے اسلام کے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا وہ ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں، یعنی یہ منافق جو مسلمانوں کو چھوڑ کر یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں تو کیا ان کا خیال یہ ہے کہ یہودیوں کے پاس بیٹھنے سے ان کو دنیا میں عزت ملے گی۔ یہ سب غلط ہے اور خیال خام ہے۔ پس ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ تحقیق بلاشبہ ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، اس کے سوا کون عزت دے سکتا ہے، اسی عزیز مقتدر کی چوکھٹ پر سرِ ذلت ٹیکنے ہی سے عزت ملتی ہے: وتعز من تشآء وتذل من تشآء:

جس کے پاس خود عزت نہیں وہ دوسروں کو کہاں سے عزت دے دے گا۔ دنیا میں فرمانروائے سلطنت اور ارکان دولت سے تعلق اور ان کی وفاداری اور اطاعت شعاری سے عزت حاصل ہوتی ہے اور بادشاہ اور وزراء کی نافرمانی اور عدولِ حکمی اور دشمنانِ سلطنت اور باغیانِ حکومت سے دوستی اور آشنائی ذلیل وخوار بناتی ہے۔

پس اسی طرح جو: احکم الحاکمین: کا اور اس کے وزراء اور سفراء یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کا وفادار اور اطاعت شعار بنے گا بقدر وفاداری اور بقدر اطاعت شعاری اس کو بارگاہِ خداوندی سے عزت حاصل ہوگی اور جو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کا منکر اور باغی ہوگا وہ ذلیل وخوار ہوگا۔

جس جگہ احکامِ خداوندی کے ساتھ تمسخر (مذاق) کیا جاتا ہو وہاں بیٹھنے کی ممانعت:

ربط: وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ (الی قولہ) ولن يجعل الله للكفرين على المؤمنين سبيلا: اُوپر کی آیتوں میں کافروں سے دوستی کی ممانعت تھی اب ان آیات میں ان لوگوں کی مجالست سے منع فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی ممنوع ہے جو احکامِ خداوندی کے ساتھ مذاق کرتے ہوں۔

کسی کے ساتھ تمسخر (مذاق) کرنا یہ اس کی انتہائی تحقیر اور تذلیل ہے۔جس طرح احکامِ حکومت کے ساتھ مذاق،عدالت اور حکومت کی توہین ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ نشست و برخواست اور دوستانہ تعلقات قانوناً جرم ہے اسی طرح احکامِ شریعت کے ساتھ مذاق، قانونِ خداوندی کی توہین وتذلیل ہے۔ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی شرعاً ممنوع اور جرم ہے چہ جائیکہ ان سے دوستی کی جائے، چنانچہ فرماتے ہیں:

اور اے مسلمانو! جس کتاب پر تم ایمان رکھتے ہو اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار ہوتے ہوئے یا ان کا تمسخر اور مذاق ہوتے ہوئے سنو تو اس حالت میں ان کفر کرنے والے مسخروں کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کفر اور مسخرہ پن کو چھوڑ کر کسی اور بات میں نہ لگ جائیں۔کیونکہ اس حالت میں اگر تم ان کے پاس بیٹھے تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔اس لئے کہ جب تم احکامِ خداوندی کا تمسخر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے اور اس کی تردید نہ کی تو تم اور وہ برابر ہو گئے،اس لئے کہ ایسی حالت میں تمہارا ان کے ساتھ بیٹھنا اس کی علامت ہے کہ تم بھی اس کفر اور استہزاء پر راضی ہو۔

مشرکینِ مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر قرآن کا مشغلہ بناتے اور اس کی آیتوں کا مذاق اڑاتے اور اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت سے اُن کی مجلس میں جاتا تو اس کو قرآن کریم کے نسبت نامناسب الفاظ سننے پڑتے۔اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے سورۂ انعام میں یہ حکم نازل کیا: واذا رایت الّذین یخوضون فی اٰیٰتنا فاعرض عنھم حتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہ: اور جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو احبار یہود نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور مشرکینِ مکہ کی تقلید کی، منافق ان کی مجلسوں میں جاتے اور مضحکہ میں ان کے ساتھ شریک ہوتے، اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو شخص آیاتِ خداوندی کے ساتھ ہنسی کرنے والوں کے پاس بیٹھے گا وہ بھی کفر و استہزاء میں ان کا شریک ہوگا۔

بے شک اللہ تعالیٰ جل شانہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ جمع کرے گا جس طرح وہ دنیا میں اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی آیتوں کا مذاق کرتے تھے اسی طرح وہ عذابِ دوزخ میں بھی اکٹھے رہیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ جل شانہ منافقین کا ایک اور حال بیان کرتے ہیں جس سے ان کی دورنگی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جد ہر غلبہ دیکھا اسی طرف ہو گئے اور وہ حال یہ ہے کہ یہ منافق لوگ تمہارے انتظار کی راہ دیکھتے رہتے ہیں کہ دشمنوں کے مقابلہ میں تم غالب ہوتے ہو یا مغلوب تاکہ جس فریق کا غلبہ دیکھیں اس کی رفاقت اور دوستی کا دم بھرنے لگیں۔پس اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے تم کو فتح نصیب ہو جائے تو تم سے یہ کہتے ہیں ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، ہم کو بھی

مال غنیمت میں سے حصہ دو اور اگر وقتی طور پر کافروں کو غلبہ سے کوئی حصہ مل جائے یعنی اتفاق سے کافروں کو فتح اور غلبہ حاصل ہو جائے تو کافروں سے یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں کی مار سے نہیں بچایا، یعنی اگر کسی وقت کافر مسلمانوں پر غلبہ پاتے ہیں تو یہ منافق کافروں سے حصہ مانگتے ہیں اور ان پر یہ احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان تو تم پر غالب آ ہی گئے تھے مگر ہم نے ان کا ساتھ نہ دیا اور ایسی تدبیریں کیں کہ مسلمان تم پر غالب نہ آئیں، ان کی مدد میں ہم نے کوتاہی کی اور تمہاری طرف سے انہیں ایسا خوف دلایا جس سے وہ سُست پڑ گئے، اس طرح ہم نے تم کو ان کی مار سے بچایا، اگر ہم تمہارے بچانے کی کوشش نہ کرتے تو مسلمان تم کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے، غرض یہ کہ منافق درہم و دینار کے بندے ہیں ہر طرف ہاتھ مارتے ہیں۔

پس اے منافقو! اللہ تعالیٰ جل شانہ قیامت کے دن تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرے گا، اُس وقت تم پر اسلام کی خوبی اور نفاق کی بُرائی کھل جائے گی اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کافروں کو مسلمانوں پر غالب ہونے کی کوئی راہ ہرگز نہیں دے گا کہ اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے اور اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشان نہ رہے۔

(معارف القرآن: ج2: ص331)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ منافقوں کی دو قسمیں ہیں۔ اعتقادی منافق اور عملی منافق۔ اعتقادی منافق وہ ہوتا ہے جو زبان سے ایمان کا اقرار کرے مگر دل کفر سے لبریز ہو۔ اعتقادی منافق، کافروں کی بدترین قسم ہے۔ حقیقت میں یہ کافر ہی ہوتے ہیں، مگر انہیں منافق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ زبان سے ایمان کا قرار کرتے ہیں منافقوں کے ساتھ سلوک بھی کفار سے مختلف ہوتا ہے۔ کفار کے ساتھ تو: علی الاعلان: جہاد کا حکم ہے مگر منافق چونکہ بظاہر کلمہ گو ہوتے ہیں لہذا اُن کے متعلق حکم ہے: وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ: یعنی اُن پر زبانی طور پر سختی کی جائے تا کہ لوگ اُن سے محتاط ہو جائیں۔ یہ لوگ ریشہ دوانیاں کرتے ہیں اور دین کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ بہر حال آج کے درس میں انہی منافقوں کا ذکر ہے، اُن کی کارگزاری بیان کر کے اُن کی مذمت بیان فرمائی ہے اور پھر اُن کے انجام کا تذکرہ کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ: منافقوں کو بشارت سنا دیجئے: بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا: کہ ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے، انہیں ان کے نفاق کا بدلہ مل کر رہے گا۔

کفار کی دوستی:

فرمایا: منافقین وہ لوگ ہیں: اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ: جو مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، منافقوں کا کام یہی ہوتا ہے کہ کبھی اِدھر سازباز کی کبھی اُدھر۔ کبھی ایک رُخ اختیار کیا کبھی دوسرا رُخ، اِدھر کی بات اُدھر چلادی۔ ان کی کارگزاری ایسی ہی ہے۔ حالانکہ دوستی تو ہمیشہ مومنوں کے ساتھ ہونی چاہئے۔ ایک مومن کی دوستی کافر اور منافق کے ساتھ نہیں ہوسکتی، کیونکہ دونوں کا نصب العین مختلف ہے اُن کی منزلِ مقصود جُدا جُدا ہے۔ اس مسئلے کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے سورۃ آل عمران میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اہل ایمان منافقوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور رواداری سے تو پیش آسکتے ہیں مگر ان کے ساتھ دِلی دوستی نہیں کرسکتے۔ اگر ایسا کریں گے تو ان کے اپنے ایمان میں خلل واقع ہونے کا خدشہ ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ مومنوں کے علاوہ منافقوں کو دوست نہ بناؤ۔

عزت کی تلاش:

فرمایا: اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ: اے گروہِ منافقین! کیا تم کفار کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہو، کیا تم کافروں کے ہاں عزت چاہتے ہو؟ بلکہ حقیقت حال یہ ہے: فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا: ساری کی ساری عزت تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے پاس ہے۔: العزیز: تو خدا تعالیٰ جل شانہ ہے۔ تم عزت کی تلاش میں کہاں کہاں مارے پھرتے ہو، اللہ تعالیٰ جل شانہ خود بندے کی زبان سے کہلاتے ہیں: وتعز من تشآء وتذل من تشآء: اے مولا کریم! تُو ہی جسے چاہے عزت دے دے اور جسے چاہے ذلیل وخوار کردے: المعز والمذل: بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی صفات ہیں، وہ جسے چاہے غلبہ عطا کردے اور جسے چاہے مغلوب کرکے رسوا کردے۔ تو فرمایا عزت حقیقت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کیلئے، اس کے رسول کے لئے اور پھر اہل ایمان کے لئے ہے۔ عزت، ایمان اور نیکی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے مگر منافق اس کی تلاش میں کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ اُنہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اہل باطل کی مجلسیں:

فرمایا: منافقین اپنے مذموم مقصد کے حصول کیلئے اہل باطل کی مجلس میں جاتے ہیں اور اُن کی خوشامد کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فرمان ہے: وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ: کہ اُس نے کتاب یعنی قرآن میں تمہارے لئے یہ حکم نازل فرمایا ہے: اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُبِھَا وَیُسْتَھْزَاُ بِھَا: کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر اور استہزاء کو سنو: فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ: تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو: حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِی حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ: یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہوجائیں۔

مقصد یہ ہے کہ جب کفار کی مجلس میں آیات الٰہی و دین کے شعائر کا انکار کیا جارہا ہو، ان کے ساتھ ٹھٹا کیا جارہا ہو تو ایسی مجلس میں ہرگز نہ بیٹھو کہ یہ غیرت اسلامی کے خلاف ہے۔ اور اگر وہاں دین پر طعن و تشنیع کرنے کی بجائے کوئی دوسری بات ہو رہی ہو تو پھر تمہیں وہاں بیٹھنے کی اجازت ہے۔

اہل باطل کی مجلس میں جانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اگر ایسی مجلس میں احکام الٰہی اور آیات اللہ کے ساتھ مذاق کیا جارہا ہو اور وہاں بیٹھنے والا اس کو پسند کر رہا ہے تو وہ بھی کافر ہو گیا اور اگر وہ شخص دین کی توہین کو دل سے تو پسند نہیں کرتا مگر وہاں پر بلاوجہ بیٹھا بھی رہتا ہے تو وہ فاسق ہے۔ البتہ اگر وہ کسی مقصد کی خاطر وہاں بیٹھا ہے، مجبور ہے، مگر دل سے توہین آمیز باتوں کو بُرا سمجھتا ہے تو ایسی صورت میں اس کا بیٹھنا مباح ہے۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ بیٹھنے والا شخص اس نیت سے ایسی مجلس میں بیٹھا ہے کہ دین کے حق میں تبلیغ کرے تو پھر اس کا بیٹھنا عبادت شمار ہوگا۔

بہر حال فرمایا کہ کافروں کے پاس بلاوجہ مت بیٹھو، کیونکہ اگر ایسا کرو گے: اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ: تو تم بھی انہی کی طرح ہو جاؤ گے۔ وہ قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نبی ﷺ کا استہزاء کرتے ہیں اور تم ان کی مجلس میں شریک ہوتے ہو تو تم بھی اُن کی طرح سخت گنہگار ہوں گے۔ حالانکہ مومن کے لئے آنحضرت ﷺ کا فرمان یہ ہے کہ:

جو شخص اللہ تعالیٰ جل شانہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُسے ایسی جگہ بیٹھنا درست نہیں جہاں شراب کا دَور چل رہا ہے، اگرچہ یہ خود نہیں پیتا مگر شرابیوں کی مجلس میں بیٹھنے سے بھی منع فرمادیا۔ مقصد یہ کہ جہاں بُرائی کا کام ہو رہا ہو، اس کے قریب نہیں جانا چاہئے، اس لئے اہل باطل کی مجالس میں بلاوجہ جانے کا حکم نہیں ہے۔

اسلام کے ساتھ استہزاء:

باطل قوتیں اسلام کے ساتھ استہزاء کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جہاں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ٹھٹا ہو رہا ہو، مومن کی شان نہیں ہے کہ وہاں جائے۔ مگر اب تو ایسی مجلسوں میں جانے کا فیشن بن چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: یاد رکھو! اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا: اللہ تعالیٰ ان منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔ اعتقادی منافقوں کا ٹھکانہ لازماً جہنم ہے۔ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں اور ان کا گٹھ جوڑ کفار کے ساتھ ہے۔

دوغلی پالیسی:

ان منافقین کی خباثتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا: الّذين يتربّصون بكم: یہ لوگ تمہارے بارے میں گردشوں کا انتظار کرتے ہیں: فان كان لكم فتح مّن اللّٰه قالوا الم نكن مّعكم: اگر تمہیں فتح

حاصل ہوجائے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے تو فوراً بول اُٹھتے ہیں، کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے، یعنی ہم تو تمہاری ہی پارٹی کے آدمی ہیں: وان کان للکٰفرین نصیب: اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے، اُن کو کہیں غلبہ حاصل ہوجائے: قالوا الم نستحوذ علیکم: تو کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں آگئے تھے؟ کافروں سے کہتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر تمہیں زیر کرلیا تھا پھر ہم نے چکر چلایا: ونمنعکم من المؤمنین: اور مسلمانوں سے بچایا ورنہ تمہیں سخت نقصان پہنچتا۔ دیکھو! ہم نے تمہارے اُوپر احسان کیا کہ مسلمانوں سے تمہاری جان چھڑائی۔ اس طرح وہ (منافق) کافروں کی ہمدردی حاصل کرتے ہیں۔

فرمایا: منافقوں کی یہ سازشیں اِدھر ہی رہ جائے گی: فاللّٰہ یحکم بینکم یوم القیٰمۃ: اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا، اُس دن پتہ چلے گا کہ منافقین کیسی کیسی سازشیں کرتے تھے اور اہل ایمان کا طرزِ عمل کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اصول کے طور پر سمجھادیا: ولن یجعل اللّٰہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا: اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے مومنوں پر کوئی راستہ نہیں بنایا۔

مطلب یہ ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حفاظت میں ہیں اور کفار انہیں زک نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ وہ خود ہی ذلیل وخوار رہ جائیں گے اور اسلام ہی غالب رہے گا۔ (معالم العرفان فی دُروس القرآن: ج 5: ص 602)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے (آخرت میں) بڑی دردناک سزا (تجویز کی گئی ہے) جن کی یہ حالت ہے کہ (عقائد تو اہل ایمان کے نہ رکھتے تھے مگر وضع بھی اہل ایمان کی نہ رکھ سکے، چنانچہ) کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر، کیا ان کے پاس (جا کر) عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں سو (خوب سمجھ لو کہ) عزت تو ساری خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے (وہ جس کو چاہیں دیں، پس اگر خدا تعالیٰ ان کو یا جن سے جا جا کر دوستی کرتے ہیں ان کو عزت نہ دیں تو کہاں سے معزز بن جاویں گے)۔

اور (اے مسلمانو! دیکھو! تم منافقین کی طرح کفار کے ساتھ خصوصیت مت رکھنا، خاص کر جس وقت وہ کفریات کا تذکرہ کرتے ہوں، چنانچہ اس سورۃ مدنیہ کے قبل بھی) اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان (سورۂ انعام میں جو مکیہ ہے) بھیج چکا ہے (جس کا حاصل یہ ہے) کہ جب (کسی مجمع میں) احکامِ الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کریں (اور یہ مضمون اس آیت کا حاصل ہے: واذا

رایت الّذین یخوضون ،الخ: سو یہ استہزاء کرنے والے مکہ میں مشرکین تھے،اور مدینہ میں یہود تو علانیہ،اور منافقین ،صرف غرباء وضعفاءِ مسلمین کے سامنے۔پس جس طرح وہاں مشرکین کی مجالست ایسے وقت میں ممنوع تھی، یہاں یہود اور منافقین کی مجالست سے نہی ہے،اور یہ ممانعت ہم اس لئے کرتے ہیں) کہ اس حالت میں تم بھی (گناہ میں)انہی جیسے ہو جاؤ گے(گو دونوں کی نوعیت میں فرق ہو کہ ایک گناہ کفر کا ہے دوسرا فسق کا۔اور اس ممانعتِ مجالست میں کفار اور منافقین سب برابر ہیں۔کیونکہ علت اس کی:خوض فی الکفر: یعنی کفر کی باتوں کا تذکرہ اور اس خوض کا منشاء کفر ہے،اور اس میں دونوں برابر ہیں۔چنانچہ سزائے کفر،یعنی دوزخ کا ایندھن ہونے میں بھی دونوں برابر ہوں گے، کیونکہ)یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے۔

(اور)وہ(منافقین)ایسے ہیں کہ تم پر افتاد پڑنے کے منتظر(اور آرزومند)رہتے ہیں(پھر ان کے اس انتظار کے بعد)اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہوگئی تو(تم سے آکر)باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ(جہاد میں شریک)نہ تھے(کیونکہ نام چارہ کو تو مسلمانوں میں گھسے ہی رہتے تھے،مطلب یہ کہ ہم کو بھی غنیمت کا حصہ دو)اور اگر کافروں کو(غلبہ کا)کچھ حصہ مل گیا(یعنی وہ اتفاق سے غالب آئے)تو(اُن سے جاکر)باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے(مگر ہم نے قصداً تمہارے غالب کرنے کے لئے مسلمانوں کی مدد نہ کی اور ایسی تدبیر کی کہ لڑائی بگڑ گئی)اور کیا ہم نے(جب تم مغلوب ہونے لگے تھے تو)تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا(اس طرح کہ ان کی مدد نہ کی اور تدبیر سے لڑائی بگاڑ دی۔مطلب یہ کہ ہمارا احسان مانو اور جو کچھ تمہارے ہاتھ آیا ہے ہم کو بھی کچھ دلواؤ،غرض دونوں طرف ہاتھ مارتے ہیں)سو(دنیا میں گو اظہارِ اسلام کی برکت سے مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن)اللہ تعالیٰ تمہارا اور اُن کا قیامت میں(عملی)فیصلہ فرمادیں گے اور(اس فیصلہ میں)ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمادیں گے(بلکہ کفار مجرم قرار پاکر دوزخ میں جاویں گے اور مسلمان اہلِ حق ثابت ہو کر جنت میں جاویں گے اور فیصلہ عملی یہی ہے)۔

معارف ومسائل:

پہلی آیت میں منافقین کے لئے دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے۔دوسری آیت میں کفار ومشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور گھل مل کر رہنے کی ممانعت اور ایسا کرنے والوں کیلئے وعید مذکور ہے۔اور اس کے ساتھ ہی اس مرض میں مبتلا ہونے کی اصل منشاء اور سبب کو بیان کر کے اس کا لغو اور بیہودہ ہونا بھی بتلا دیا ہے،ارشاد فرمایا:اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا: یعنی کفار ومشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور ان کے ساتھ ملنے کی

غرض عموماً یہ ہوتی ہے کہ ان کی ظاہری عزت وقوت اور جتھے سے متاثر ہو کر یوں خیال کیا جاتا ہے کہ ان سے دوستی رکھی جائے، تو ہمیں بھی ان سے عزت وقوت حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس لغو خیال کی حقیقت اس طرح واضح فرمائی کہ تم ان کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتے ہو جن کے پاس خود عزت نہیں۔

قرآن مجید کی سورۂ منافقون میں بھی یہی مضمون ایک اضافہ کے ساتھ اس طرح آیا ہے: ولـلّـه العزّة ولرسوله وللمؤمنين ولكنّ المنٰفقين لايعلمون: یعنی عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے لئے، لیکن منافقین اس گُر کو نہیں جانتے۔

اس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ رسول ﷺ اور مؤمنین کا اضافہ کر کے یہ بھی بتلا دیا کہ اصل عزت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ ہے، وہ جس کو چاہتا ہے کچھ حصہ عزت عطا فرما دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ﷺ اور ان پر ایمان لانے والے چونکہ اس کے نزدیک محبوب اور مقبول ہیں، اس لئے ان کو عزت وغلبہ دیا جاتا ہے۔ کفار ومشرکین کو خود ہی عزت نصیب نہیں، ان کے تعلق سے کسی دوسرے کو کیا عزت مل سکتی ہے۔ اسی لئے سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ: من اعتزّ بالعبيد اذلّه الله: یعنی جو شخص مخلوقات اور بندوں کے ذریعے عزت حاصل کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

مستدرک حاکم میں ہے کہ سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے ملک شام کے عامل (گورنر) سے فرمایا: اے ابوعبیدہؓ! تم تعداد میں سب سے کم اور سب سے زیادہ کمزور تھے، تم کو محض اسلام کی وجہ سے عزت وشوکت ملی ہے، تو خوب سمجھ لو اگر تم اسلام کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے عزت حاصل کرنا چاہو گے تو خدا تعالیٰ جل شانہ تم کو ذلیل کر دے گا۔ اور امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ سے مراد یہ ہے کہ کفار وفجار سے دوستی کر کے عزت طلب نہ کرو۔

آیت: وقد نزّل عليكم في الكتب، الخ: میں قرآن مجید کی ایک اور آیت کا جو سورۂ انعام میں قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی حوالہ دے کر یہ بتلایا گیا ہے کہ ہم نے تو اصلاحِ انسانی کے لئے پہلے ہی یہ حکم بھیج دیا تھا کہ کفار وفجار کی مجلس میں بھی مت بیٹھو، اور تعجب ہے کہ یہ غافل لوگ اس سے بھی آگے بڑھ گئے، کہ ان سے دوستی کرنے لگے، اور ان کو عزت وقوت کا مالک سمجھنے لگے۔

سورۂ نساء کی متذکرہ آیت اور سورۂ انعام کی وہ آیت جس کا حوالہ سورۂ نساء میں دیا گیا ہے دونوں کا مفہومِ مشترک یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار یا استہزاء کر رہے ہوں، تو جب تک وہ اس بیہودہ شغل میں لگے رہیں، ان کی مجلس میں بیٹھنا اور شرکت کرنا بھی حرام ہے۔ پھر سورۂ انعام کی آیت کے الفاظ میں کچھ تعمیم اور مزید

تفصیل ہے، کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

:واذارایت الّذین یخوضون فی اٰیٰتنافاعرض عنھم حتّٰی یخوضوفی حدیث غیرہ،واماّینسینّک الشّیطٰن فلاتقعدبعدالذّکریٰ مع القوم الظّٰلمین: یعنی جب تم دیکھواُن لوگوں کوجوجھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کرو یہاں تک کہ وہ مشغول ہوجائیں کسی اور بات میں،اور اگر بھلا دے تم کوشیطان تو مت بیٹھو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ۔

اس میں آیاتِ الٰہیہ میں جھگڑا کرنا مذکور ہے،جس میں کفرواستہزاء بھی داخل ہے۔اور آیت کی تحریفِ معنوی یعنی آیاتِ قرآنی کے ایسے معانی نکالنا جورسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی تفسیر کے خلاف،یا اجماعِ اُمت کے خلاف ہوں،یہ بھی اسی حکم میں داخل ہیں،اسی لئے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بروایت ضحاکؒ منقول ہے کہ اس آیت کے مفہوم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جوقرآن کی تفسیر غلط یا اس میں تحریف کرنے والے یا بدعات نکالنے والے ہیں۔

دوسری بات سورۂ انعام کی آیت میں یہ زیادہ ہے کہ اگر کسی وقت بُھولے یا بے خبری سے کوئی آدمی ایسی مجلس میں شریک ہوگیا،پھر خیال آیا تو اُسی وقت اُس مجلس سے علیحدہ ہوجانا چاہئے،خیال ہوجانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھے۔

سورۂ نساء اور سورۂ انعام کی دونوں آیتوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جب تک وہ لوگ اس بیہودہ گفتگو میں مشغول رہیں،اُس وقت تک اُن کی مجلس میں بیٹھنا حرام ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب وہ اس گفتگو کو ختم کر کے کوئی اور بات شروع کردیں تو اُس وقت اُن کے ساتھ مجالست اور شرکت جائز ہے یا نہیں؟ قرآن کریم نے اس کو صراحت سے بیان نہیں فرمایا،اسی لئے علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے۔بعض نے فرمایا کہ ممانعت کی علّت آیاتِ الٰہیہ کی توہین اور تحریف تھی،جب وہ ختم ہوگئی تو ممانعت بھی ختم ہوگئی،اسی لئے دوسری باتیں شروع ہوجانے کے بعد ان کی مجلس میں بیٹھنا گناہ نہیں۔اور بعض نے فرمایا کہ ایسے کفار وفجار اور ظالم لوگوں کی صحبت ومجالست بعد میں بھی درست نہیں۔حضرت حسن بصریؒ کا یہی ارشاد ہے۔انہوں نے سورۂ انعام کے اس جملہ سے استدلال فرمایا ہے:فلا تقعدبعد الذّکری مع القوم الظّٰلمین:یعنی یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھیں۔اور ظاہر ہے کہ ظالم اس گفتگو کے ختم کردینے کے بعد بھی ظالم ہی ہے۔اسی لئے اس کی صحبت ومجالست سے بعد میں بھی احتراز لازم ہے۔

اور تفسیر مظہری میں قاضی صاحبؒ نے دونوں میں تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ جب کفرواستہزاء اور تحریفِ

قرآن کی گفتگو بند ہو کر کوئی دوسری بات شروع ہو جائے تو اُس وقت بھی ایسے لوگوں کی مجلس میں شرکت بلاضرورت تو حرام ہے۔اور اگر کوئی ضرورت شرعی یا طبعی داعی ہو تو جائز ہے۔

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ جس مجلس میں کوئی گناہ ہو رہا ہوں تو مسلمان پر :نھی عن المنکر: کے ضابطہ سے یہ لازم ہے کہ اگر اس کو روکنے کی قدرت ہو تو قوت کے ساتھ روک دے،اور یہ قدرت نہیں ہے تو کم از کم اس گناہ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرے،جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اُس مجلس سے اٹھ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو اس جرم میں گرفتار کیا کہ وہ شراب پی رہے تھے۔ان میں سے ایک شخص کے بارے میں ثابت ہوا کہ وہ روزہ رکھے ہوئے ہے،اس نے شراب نہیں پیا،لیکن ان کی مجلس میں شریک تھا،حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو بھی سزا دی کہ وہ ان کی مجلس میں بیٹھا ہوا کیوں تھا۔

تفسیر ابن کثیر میں اس جگہ یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاخر فلایجلس علیٰ مائدۃ یدار علیھاالخمر: یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ ایسے دسترخوان یا کھانے کی میز پر بھی نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چلتا ہو۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں:

1.....ان کے کفریات پر رضا کے ساتھ،یہ کفر ہے۔

2.....اظہارِ کفریات کے وقت کراہت کے ساتھ،یہ بلاعذر فسق ہے۔

3.....کسی ضرورتِ دنیوی کے واسطے،یہ مباح ہے۔

4.....تبلیغ احکام کے لئے،یہ عبادت ہے۔

5.....اضطرار اور بے اختیاری کے ساتھ،اس میں معذور ہے۔

آخرِ آیت میں ارشاد فرمایا:

:انّکم اذا مّثلھم: یعنی اگر تم ایسی مجلس میں بطیبِ خاطر شریک رہے جس میں آیاتِ الٰہیہ کا انکار یا استہزاء یا تحریف ہو رہی ہو تو تم بھی اُن کے گناہ کے شریک ہو کر انہی جیسے ہو گئے۔

مراد یہ ہے کہ خدانخواستہ تمہارے جذبات وخیالات بھی ایسے ہیں کہ تم ان کے کفریات کو پسند کرتے اور اس پر راضی ہوتے ہو تو حقیقتاً تم بھی کافر ہو،کیونکہ کفر کو پسند کرنا بھی کفر ہے۔اور اگر یہ بات نہیں تو ان کی مثل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور دین کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں تم اپنی اس شرکت کے

ذریعہ ان کی امداد کر کے (معاذ اللہ) ان کے مثل ہو گئے۔(معارف القرآن:ج2:ص 651)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہ منافقین کی ایک خباثت کا بیان ہے کہ ظاہری طور پر تو وہ ایمان کا اظہار کرتے ہیں لیکن پوشیدہ طور پر ان کی دوستی کافروں سے ہے اور ان کی دلی ہمدردیاں بھی کافروں کے ساتھ ہیں۔اور جب وہ آپس میں بیٹھتے ہیں تو اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔اس لئے ایمان والو....!تم ان سے الگ رہو۔

:الّذین یتربّصون بکم: ان کے دلوں کے کھوٹ کا یہ حال ہے کہ ہر وقت تم پر مصیبت کے منتظر رہتے ہیں اور ان کی دورُخی پالیسی کا نمونہ بھی دیکھ لو جب اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے تم کو کافروں پر فتح حاصل ہوتی ہے تو تم پر اپنا حق جتلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ تھے اور جہاد میں تمہارے شریک تھے،اور اگر اتفاق سے کافروں کو فتح ہوگئی تو فوراً اُن کے پاس پہنچ کر اُن پر اپنا احسان جتلاتے ہیں کہ ہم (مسلمانوں کی فوج،بوجہ منافقت اور ظاہری اسلام اپنے کو مسلمانوں میں شامل کرتے ہیں) تم پر غالب آ چکے تھے مگر ہم نے اپنی خوش تدبیری سے لڑائی کا رُخ بدل دیا اور تمہاری شکست فتح میں تبدیل ہوگئی،یہ محض اس لئے ہوا کہ ہم نے تمہاری خفیہ طور پر مدد کی اور تمہیں پناہ دی اور مسلمانوں کو تم سے روک لیا۔

فائدہ نمبر1:

جو شخص ایک مجلس میں اپنے دین کے عیب سنے،پھر انہی میں بیٹھا گر چہ آپ نہ کہے وہ منافق ہے۔

فائدہ نمبر2:

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص راہِ حق میں ہو،اور گمراہوں سے بھی بنائے رکھے یہ بھی نفاق ہے۔

(جواہر القرآن:ج1:ص 247)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

اس سے پہلے کھلے کافروں کا ذکر تھا،اب منافقوں کا ذکر ہے۔مؤمن اسے کہتے ہیں کہ زبان سے اقرار کرے اور دل میں یقین اور تصدیق موجود ہو،اور نماز،روزہ،حج،زکوٰۃ ادا کر کے عملاً ثبوت دے۔کافر وہ ہے کہ نہ دل کی تصدیق ہے،نہ زبان سے اقرار ہے۔منافق اسے کہتے ہیں جو زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے مگر دل میں یقین وتصدیق موجود نہیں ہے،یہ گروہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

کھلے کافر سے بچنا آسان ہے،منافق سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔جس طرح کھلے دشمن سے آدمی بچنے کا انتظام

کرتا ہے اور کر بھی سکتا ہے، اور جو دوست نما دشمن ہو اُس سے بچنا مشکل ہوتا ہے، یہ منافق بھی دوست نما دشمن ہوتے ہیں، ظاہری طور پر کلمہ پڑھتے ہیں اور اندر اُن کے کفر ہوتا ہے۔ اُنہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

:بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ: اے نبی کریم ﷺ! آپ خوشخبری سنا دیں منافقوں کو۔ کس بات کی خوشخبری؟: بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا: اس چیز کی کہ بے شک اُن کے لئے ہے دردناک عذاب۔ یہ منافقوں کے ساتھ مذاق اور طنز ہے، کیونکہ خوشخبری تو اچھی چیز کی ہوتی ہے، عذاب کی کیا خوشخبری ہے؟ پھر عذاب بھی دردناک۔ منافق کون ہیں؟

:اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ جو بناتے ہیں کافروں کو دوست: مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ: مومنوں کے سوا۔ مومنوں کے ساتھ کوئی رابطہ اور تعلق نہیں اور کافروں کے ساتھ یاری اور دوستی ہے اور اُنہیں پر اعتماد ہے، وہ جو کہتے ہیں کرتے ہیں: اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ: کیا تلاش کرتے ہیں ان کافروں کے پاس عزت کہ ان سے دوستی رکھیں گے تو ہمیں عزت ملے گی؟: فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا: پس بے شک عزت ساری اللہ تعالیٰ جل شانہ کے لئے ہے، تمہیں کافروں سے کیا عزت ملے گی؟ کافر تو مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہے۔

بھائی! کافروں پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے؟ ان کے ساتھ دوستی کا کیا معنی ہے؟ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں کہ منافق وہ ہیں جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔

:وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا: اور تحقیق اللہ تعالیٰ جل شانہ نے نازل کیا ہے کتاب میں حکم یہ کہ جب سنو تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور مذاق کیا جاتا ہے، مخالفت کی جارہی ہے: فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ: پس تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔

جس مجلس میں قرآن وحدیث کے خلاف بات ہو رہی ہو، اس مجلس میں بیٹھنے اور شریک ہونے والا گنہگار ہے۔ اسی طرح باطل فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرنے والا بھی گنہگار ہے، البتہ وہ شخص جا سکتا ہے جس کا عقیدہ پختہ ہو اور وہ اس غرض سے جائے کہ سنوں کہ یہ کیا کہتے ہیں؟ تاکہ ان کا جواب دیا جا سکے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ باطل کی تردید فرض کفایہ ہے، اگر کسی نے کسی شہر یا قصبے میں دین کے خلاف بات کی ہے اور اس شہر یا قصبے میں کسی ایک نے بھی اس کی تردید نہ کی تو سارے مسلمان عاقل بالغ گنہگار ہوں گے اور اگر کسی ایک شخص نے بھی باطل کی تردید کر دی تو سارے گناہ سے بچ گئے۔

تو جہاں قرآن کریم اور حدیث شریف کے خلاف بات ہو رہی ہو اُس مجلس میں بیٹھنا منع ہے: حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ: یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں اُس ٹھٹھے کے علاوہ کسی اور بات میں، یعنی قرآن

وحدیث کے خلاف بات کرنے سے باز آجائیں، کیونکہ جب وہ قرآن وحدیث، فقہ اسلامی، اجماعِ اُمت کی مخالفت کر رہے ہوں گے اور تم اُن میں بیٹھے ہوں گے: اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ: بے شک تم اُس وقت اُن جیسے گنہگار ہوں گے، کیونکہ تم اپنے اختیار سے اُس مجلس میں بیٹھے ہو جس مجلس میں قرآن وحدیث کا انکار اور مذاق اُڑایا جارہا ہے، لہذا تم بھی گنہگار ہو: اِنَّ اللّٰہ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْکٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعًا: بے شک اللہ تعالیٰ جمع کرنے والا ہے سب منافقوں اور کافروں کو جہنم میں۔

:الّذین یتربّصون بکم: منافق وہ ہیں جو انتظار کرتے ہیں تمہارے بارے میں، کس چیز کا انتظار کرتے ہیں؟ فرمایا: فان کان لکم فتح مّن اللّٰہ: پس اگر تمہیں فتح نصیب ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لڑائی میں: قالوا الم نکن مّعکم: کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ ہمیں بھی حصہ دو: وان کان للکٰفرین نصیب: اور اگر ہو کافروں کا حصہ کہ لڑائی میں ان کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے: قالوا: ان کے پاس پہنچ کر کہتے ہیں: الم نستحوذ علیکم: کیا ہم غالب نہیں آگئے تھے تم پر؟: ونمنعکم مّن المؤمنین: اور کیا ہم نے تمہاری حفاظت نہیں کی ایمان والوں سے کہ وہ تمہارا صفایا کرنا چاہتے تھے، ہم نے درمیان میں آکر ایسے حالات پیدا کئے کہ تم بچ گئے، ہم نے تمہارا دفاع کیا ہے، لہذا تمہیں جو مال ملا ہے اس سے ہمیں حصہ دو: فاللّٰہ یحکم بینکم یوم القیٰمۃ: پس اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت والے دن: ولن یّجعل اللّٰہ للکٰفرین: اور ہرگز نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے: علی المؤمنین سبیلا: مومنوں پر کوئی بھی اقتدار کا راستہ۔ مومن مومن ہیں، ان کے لئے کافروں کے ساتھ نہ تو دوستی کا راستہ ہے، نہ عزت کا ہے۔ (ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج4: ص290)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

:بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (الیٰ قولہ) اِنَّ اللّٰہ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْکٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعًا: منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کیلئے دردناک عذاب یقینی ہے۔ جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں کیا، ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ پس عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ جب تم کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اس کے علاوہ اور باتیں کرنے نہ لگیں ورنہ تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔

صحبت بد سے بچو:

پھر فرمایا یہ منافقوں کا حال ہے کہ آخرش ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے پھر وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں، ادھر بظاہر مومنوں سے ملے جلے رہتے ہیں اور کافروں میں بیٹھ کر ان مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تو انہیں بیوقوف بنا رہے ہیں دراصل ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، پس اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کے مقصود اصلی کو ان کے سامنے پیش کر کے اس میں ان کی ناکامی کو بیان فرماتا ہے کہ تم چاہتے ہو ان کے پاس تمہاری عزت ہو مگر یہ تمہیں دھوکہ ہوا ہے اور تم غلطی کر رہے ہو، بگوش ہوش سنو! عزتوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے۔ دوسری آیت میں ہے: من کان یرید العزۃ۔الخ: اور فرمایا: و للّٰہ العزۃ۔الخ: یعنی عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کا حق ہے، لیکن منافق بے سمجھ لوگ ہیں۔ مقصود یہ ہے اگر حقیقی عزت چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نیک بندوں کے اعمال اختیار کرو اس کی عبادت کی طرف جھک جاؤ اور اس جناب باری سے عزت کے خواہاں بنو، دنیا و آخرت میں وہ تمہیں وقار بنائے گا، مسند احمد میں حنبل کی یہ حدیث اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص فخر و غرور کے طور پر اپنی عزت ظاہر کرنے کے لئے اپنا نسب اپنے کفار باپ دادا سے جوڑے اور نو تک پہنچ جائے وہ بھی ان کے ساتھ دسواں جہنمی ہوگا۔

پھر فرمان ہے جب میں تمہیں منع کر چکا کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہو اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اس میں نہ بیٹھو پھر بھی اگر تم ایسی مجلسوں میں شریک ہوتے رہو گے تو یاد رکھو میرے ہاں تم بھی ان کے شریک کار سمجھے جاؤ گے۔ ان کے گناہ میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے جیسے ایک حدیث میں ہے کہ جس دسترخوان پر شراب نوشی ہو رہی ہو اس پر کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس آیت میں جس ممانعت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۂ انعام کی جو مکیہ ہے یہ آیت: و اذا رایت الّذین یخوضون فی اٰیاتنا فاعرض عنھم۔الخ: جب تو انہیں دیکھے جو میری آیتوں میں غوطے لگانے بیٹھ جاتے ہیں تو تو ان سے منہ موڑ لے۔ حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں اس آیت کا یہ حکم: انّکم اذا مثلھم: اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اس فرمان: و ما علی الّذین یتّقون من حسابھم من شئی وّلٰکن ذکریٰ لعلّھم یتّقون: سے منسوخ ہو گیا ہے یعنی متقیوں پر ان کے احسان کا کوئی بوجھ نہیں لیکن نصیحت ہے کیا عجب کہ وہ بچ جائیں۔

پھر فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور سارے کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے، یعنی جس طرح یہ منافق ان کافروں کے کفر میں یہاں شریک ہیں قیامت کے دن جہنم میں بھی اور ہمیشہ رہنے والے وہاں کے سخت

تر دل ہلا دینے والے عذابوں کے سہنے میں بھی ان کے شریک حال رہیں گے۔وہاں کی سزاؤں میں وہاں کی قید و بند میں طوق و زنجیر میں گرم پانی کے کڑوے گھونٹ اتارنے میں اور پیپ کے لہو کے زہر مار کرنے میں بھی ان کے ساتھ ہوں گے اور دائمی سزا کا اعلان سب کو ساتھ ہی سنا دیا جائے گا۔

:الّذین یتربّصون بکم (الیٰ قوله) ولن یّجعل اللّٰه للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا:

یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمہیں اللہ تعالیٰ فتح دے تو وہ کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں؟ اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو کہنے لگتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا، پس قیامت کے دن خود اللہ تعالیٰ تم میں فیصلہ کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔

عمل میں صفر دعویٰ میں اصلی مسلمان:

منافقوں کی بد باطنی کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کی بربادی اس کی پستی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں، ٹوہ لیتے رہتے ہیں، اگر کسی جہاد میں مسلمان کامیاب و کامران ہو گئے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مدد سے یہ غالب آ گئے تو ان کے پیٹ میں گھسنے کیلئے آ آ کر کہتے ہیں کیوں جی ہم بھی تو تمہارے ساتھی ہیں۔اور اگر کسی وقت مسلمانوں کی آزمائش کیلئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کافروں کو غلبہ دے دیا جیسے احد میں ہوا تھا کو انجام کار حق ہی غالب رہا تو یہ ان کی طرف لپکتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو پوشیدہ طور پر تو ہم تمہاری تائید کرتے رہے اور انہیں نقصان پہنچاتے رہے یہ ہماری ہی چالاکی تھی جس کی بدولت آج تم نے ان پر فتح پالی۔

یہ ہیں ان کے کرتوت کہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ چھوڑتے ہیں، دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا، گو یہ اپنی اس مکاری کو اپنے لئے باعث فخر جانتے ہوں لیکن دراصل یہ سارا ان کی بے ایمانی اور کم یقینی کی دلیل ہے، بھلا کچا رنگ کب تک رہتا ہے؟ گاجر کی پونگی کب تک بجے گی؟ کاغذ کی ناؤ کب تک چلے گی؟ وقت آ رہا ہے کہ اپنے کئے پر نادم ہوں گے، اپنی بے وقوفی پر ہاتھ ملیں گے، اپنے شرمناک کرتوت پر آنسو بہائیں گے، اللہ تعالیٰ جل شانہ کا سچا فیصلہ سن لیں گے اور تمام بھلائیوں سے ناامید ہو جائیں گے۔بھرم کھل جائے گا ہر راز فاش ہو جائے گا اندر کا باہر آ جائے گا یہ پالیسی اور حکمت عملی یہ مصلحت وقت اور مقتضائے موقعہ نہایت ڈراؤنی صورت سے سامنے آ جائے گا اور عالم الغیب کے بے پناہ عذابوں کا شکار بن جائیں گے۔

ناممکن ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ مومنوں پر غالب کر دے، حضرت علیؓ سے ایک شخص نے اس کا

مطلب پوچھا تو آپؓ نے اول جملے کے ساتھ ملا کر پڑ دیا۔مطلب یہ تھا کہ قیامت کے دن ایسا نہ ہوگا، یہ بھی مروی ہے کہ :سبیل: سے مراد حجت ہے،لیکن تاہم اس کے ظاہری معنی مراد لینے میں بھی کوئی مانع نہیں یعنی یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اب سے لے کر قیامت تک کوئی ایسا وقت لائے کہ کافر اس قدر غلبہ حاصل کرلیں کہ مسلمانوں کا نام مٹادیں یہ اور بات ہے کہ کسی جگہ کسی وقت دنیاوی طور پر انہیں غلبہ مل جائے لیکن انجام کار مسلمانوں کے حق میں ہی مفید ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔فرمان الٰہی ہے:انّالننصر رسلناوالّذین امنوا فی الحیٰوۃ الدّنیا، الخ:ہم اپنے رسولوں اور ایماندار بندوں کی مدد دنیا میں بھی ضرور دیں گے۔اور یہ معنی لینے میں ایک لطافت یہ بھی ہے کہ منافقوں کے دلوں میں مسلمانوں کو ذلت اور بربادی کا شکار دیکھنے کا جو انتظار تھا مایوس کردیا گیا کہ کفار کو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ اس طرح غالب نہیں کرے گا تم پھولے نہ سماؤ گے۔اور کچھ لوگ جس ڈر سے مسلمانوں کا ساتھ کھلے طور پر نہ دیتے تھے ان کے ڈر کو بھی زائل کردیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ کسی وقت بھی مسلمان مٹ جائیں گے اسی مطلب کی وضاحت آیت :فتری الّذین فی قلوبھم ،الخ: میں کردی ہے۔

اس آیت کریمہ سے حضرات علماء کرام نے اس امر پر بھی استدلال کیا ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں ایک کافر کو ایک مسلمان پر غالب کردینا ہے اور اس میں مسلمان کی ذلت ہے۔جن بعض ذی علم حضرات نے اس سودے کو جائز رکھا ہے ان کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنی ملک سے اس کو اسی وقت آزاد کردے۔

(تفسیر ابن کثیر:ج 1:ص 661)

سورة النسآء

:یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ،اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا:(النساء:آیت 144)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر، کیا لیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا الزام صریح۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: آگے تتمہ ہے مضمون ممانعت خصوصیت وتعلق رکھنے کا کفار سے۔

نہی از موالاتِ کفار:

:یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ(الی قولہ)عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا:اے ایمان والو!تم مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو(خواہ منافق ہوں خواہ مجاہر ہو)دوست مت بناؤ(جیسا منافقین کا شیوہ ہے۔کیونکہ تم کو ان کی حالت کفر وعداوت کی معلوم ہو چکی) کیا تم (ان سے دوستی کر کے)یوں اپنے اوپر (یعنی اپنے مجرم ومستحقِ عذاب ہونے پر)اللہ تعالیٰ کی حجتِ صریح قائم کرلو(حجت صریحہ یہی ہے کہ ہم نے جب منع کر دیا تھا پھر کیوں کیا)۔

(بیان القرآن:ج1:ص209)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجدّدی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ:اے ایمان والو!مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو ولی اور دوست نہ بناؤ،کافروں کی دوستی نے منافقوں کو تباہ کر دیا اور ان کو نفاق تک پہنچا دیا،اس لئے تم ان سے احتیاط رکھو۔

:اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا: کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے عذاب کی اللہ تعالیٰ کے پاس واضح وجہ پیدا ہو جائے۔(تفسیر مظہری اردو:ج3:ص 207)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ممانعت از موالاتِ کفار:

اللہ تعالیٰ جل شانہ، جب منافقین کے اعمالِ قبیحہ کا بیان کر چکے تو اب مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ تم ان لوگوں سے دوستی نہ کرنا ورنہ جو ان کی سزا ہے وہ تمہاری ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے: المرء مع من احبّ: کیونکہ ان کی دوستی سے تمہارے دلوں سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی محبت جاتی رہے گی، آخرت کو بھول جاؤ گے اور ان کی طرح دنیا کے شیدائی اور فدائی بن جاؤ گے، کیونکہ ایک دل دو طرف نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی پناہ میں رکھے۔ چنانچہ فرمایا:

اے ایمان والو! (ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح نہ دو اور منافقوں کی طرح) مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ (مبادا ان کی دوستی سے کفر کے جراثیم تم کو نہ لگ جائیں۔ ایک دوست دوسرے دوست کی خصلتوں کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتا ہے) کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا صریح الزام اپنے اوپر قائم کرلو (یعنی اگر تم کافروں اور منافقوں کو دوست بناؤ گے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حجت تم پر قائم ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تم کو ان کی دوستی کی ممانعت کی ہے، قیامت کے دن تم پر اللہ تعالیٰ جل شانہ یہ حجت قائم کریں گے کہ دعویٰ تو ایمان کا تھا مگر دوست رکھتے تھے میرے دشمنوں کو، اور اجتماع ضدین باتفاق عقلاء محال ہے، خوب سمجھ لو کہ کافروں اور منافقوں کی دوستی سے تم کو کوئی نفع نہ ہوگا۔ (معارف القرآن: ج2: ص340)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط آیات: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے منافقین کی سزا کا ذکر کیا تھا کہ کافروں اور منافقوں سب کو جہنم میں اکٹھا کیا جائے گا۔ منافق لوگ کافروں کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں اور اُن کو اپنا دوست اور رفیق بناتے ہیں، ان کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں تاکہ گردش آنے کی صورت میں ذلیل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس کا بھی ردّ فرمایا، اور صاف حکم دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا جا رہا ہو، تو ایسی مجلس میں کسی مومن کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔

ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ کافروں کی مجلس میں جا کر اُن کی خوشامد کرتے ہیں اور مومنوں کے پاس آ کر ان کی چاپلوسی کرتے ہیں تاکہ اُن دونوں گروہوں میں سے جن کا پہلو غالب ہو، اُسی کے ساتھ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن کی دوغلی پالیسی کی مذمت بیان فرمائی۔

اغیار سے دوستی:

منافقین کی مذمت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مومنوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ: اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ منافق تو مفاد حاصل کرنے کیلئے کفار سے دوستی کرتے ہیں تاکہ انہیں عزت حاصل ہو سکے۔ مگر تم اُن کے ساتھ بالکل دوستی نہ کرو۔ کافروں کے ساتھ دوستی سے تمہارا کیا مقصد ہے۔

:اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا: کیا تم خود پر اللہ تعالیٰ کا صریح الزام ثابت کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم بھی منافقوں کی طرح کافروں کو دوست بناؤ گے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے تم پر حجت قائم ہو جائے گی اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کے مجرم ٹھہرو گے۔ لہٰذا کافروں کے ساتھ دلی دوستانہ ہرگز نہ رکھو۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج5: ص611)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اے ایمان والو! تم مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو (خواہ منافق ہوں خواہ مجاہر ہوں) دوست مت بناؤ (جیسا منافقین کا شیوہ ہے۔ کیونکہ تم کو ان کی حالت کفر و عداوت کی معلوم ہو چکی) کیا تم (ان سے دوستی کر کے) یوں اپنے اوپر (یعنی اپنے مجرم و مستحقِ عذاب ہونے پر) اللہ تعالیٰ کی حجتِ صریح قائم کر لو (حجت صریحہ یہی ہے کہ ہم نے جب منع کر دیا تھا پھر کیوں کیا)۔ (معارف القرآن: ج2: ص659)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ، اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا:

یہ خطاب بھی انہی لوگوں سے ہے جو منافقانہ طور پر مومن تھے اور کافروں سے دوستی رکھتے تھے یا یہ خطاب عام ہے مومنوں اور منافقوں سب کو شامل ہے۔ (جواہر القرآن: ج1: ص248)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو: لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ: نہ بناؤ تم کافروں کو دوست: مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ: مومنوں کو چھوڑ کر۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کافروں سے دوستی نہ

کرو۔

:اَتُرِيْدُوْنَ : کیاتم ارادہ کرتے ہو:اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا: اس بات کا کہ بناؤ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے لئے اپنے خلاف دلیل کھلی۔

تم کافروں کے ساتھ دوستی کرو گے تو یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ناراضگی کی کھلی دلیل ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تمہیں منع کردیا ہے: لاتتخذوا الکٰفرین اولیاء کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن:ج4:ص300)

اس آیت کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

:اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیاتم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کرلو۔

کافر سے دوستی آگ سے دوستی کے مترادف ہے:

کافروں سے دوستیاں کرنے سے ان سے دلی محبت رکھنے سے ان کے ساتھ ہر وقت اٹھنے بیٹھنے سے مسلمانوں کے بھید اُن کو دینے سے اور پوشیدہ تعلقات ان سے قائم رکھنے سے اللہ تعالیٰ جل شانہ ایمانداروں کو روک رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے: لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین، الخ: مومنوں کو چاہئے کہ بجز مومنوں کے کفار سے دوستی نہ کریں ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں کسی بھلائی کا مستحق نہیں ہاں اگر صرف بچاؤ کے طور پر ظاہر داری ہو تو اور بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے یعنی اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو گے تو تمہیں اس کے عذابوں کو یاد رکھنا چاہئے۔

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان مروی ہے کہ آپ نے فرمایا قرآن میں جہاں کہیں ایسی عبارتوں میں سلطان کا لفظ ہے وہاں اس سے مراد حجت ہے یعنی تم نے اگر مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے ولی دوستی کے تعلقات پیداء کئے تو تمہارا یہ فعل کافی ثبوت ہوگا اور پوری دلیل ہوگی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہیں سزا دے، کئی ایک سلف مفسرینؒ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔(تفسیر ابن کثیر:ج1:ص666)

سورة المآئدہ

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتَتَّخِذُوْاالْیَھُوْدَوَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ،بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ،وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ،اِنَّ اللّٰہَ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ:(المائدۃ:51)

ترجمہ: اے ایمان والو! مت بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست، وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے، اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہی میں سے ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو۔

:فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْھِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَۃٌ،فَعَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْاَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ فَیُصْبِحُوْاعَلٰی مَآاَسَرُّوْافِیْٓ اَنْفُسِھِمْ نٰدِمِیْنَ:(المائدہ:52)

ترجمہ: اب تو دیکھے گا اُن کو جن کے دل میں بیماری ہے دوڑ کر ملتے ہیں اُن میں، کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ کی، سو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ظاہر فرمادے فتح یا کوئی حکم اپنی پاس سے، تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر پچھتانے۔

:وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓااَھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْابِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ اِنَّھُمْ لَمَعَکُمْ،حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ:(المائدہ:53)

ترجمہ: اور کہتے ہیں مسلمان کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ تعالیٰ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، برباد گئے ان کے عمل پھر رہ گئے نقصان میں۔

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْامَنْ یَّرْتَدَّمِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ،اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَایَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ،ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ،وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ:(المائدہ:54)

ترجمہ: اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ تعالیٰ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ تعالیٰ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں، نرم دل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے، یہ فضل ہے اللہ تعالیٰ کا جس کو چاہے، اور اللہ تعالیٰ کشائش والا ہے خبردار۔

:اِنَّمَاوَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْاالَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ:(المائدہ:55)

ترجمہ: تمہارا رفیق تو وہی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول ﷺ، اور جو ایمان والے ہیں، جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوۃ اور عاجزی کرنے والے ہیں۔

:وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْافَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ:(المائدہ:56)

ترجمہ: اور جو کوئی دوست رکھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اور ایمان والوں کو تو اللہ تعالیٰ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے۔

:يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْادِيْنَكُمْ هُزُوًاوَّلَعِبًامِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْاالْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَاَوْلِيَآءَ،وَاتَّقُوااللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ:(المائدۃ: 57)

ترجمہ: اے ایمان والو! مت بناؤ ان لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں دین کو ہنسی اور کھیل وہ لوگ جو کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور نہ کافروں کو اپنا دوست، اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تم ایمان والے۔

:وَاِذَانَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَاهُزُوًا وَّلَعِبًا،ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّايَعْقِلُوْنَ:(المائدہ:58)

ترجمہ: اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لئے تو وہ ٹھہراتے ہیں اس کو ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: اوپر یہود و نصاریٰ کے قبائح مذکور ہوئے ہیں اور بعض منافقین جو کہ ظاہراً اسلام کے مدعی تھے اُن سے بعض وہمی مصلحتوں کی بنا پر دوستی رکھتے تھے اس لئے آگے اہلِ ایمان کو ان کے ساتھ دوستی کرنے کو بطور تفریع مضمون مذکور کے منع فرماتے ہیں کہ جب ان لوگوں کے یہ حالات ہیں تو ان کا مقتضا تو یہی ہے کہ ان سے منافقوں کی طرح ہرگز دوستی مت کرو۔ پھر اہل ایمان کے منع کرنے کے بعد ان منافقین کی مذمت اور ان مصلحتوں کا ابطال اور انجام کار ان کا ندامت اٹھانا بطور پیشگوئی کے مذکور ہے۔ اور قصہ اس دوستی کا یہ ہوا تھا کہ جب غزوہ اُحد میں اہل اسلام کو ظاہراً شکست ہوئی تو منافقین سخت اندیشہ میں پڑے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ مسلمانوں کے غالب آنے کی تو کچھ امید نہیں رہی، اپنی کہیں پناہ گاہ لگائے رکھنا چاہئے کہ وقت پر کام دے۔ کسی نے کہا کہ میں فلاں یہودی سے امان لئے لیتا ہوں اور ایسے وقت پر

یہودی بن جاؤں گا۔کسی نے کہا کہ میں فلاں نصرانی سے امان لئے لیتا ہوں اور ایسے وقت پر نصرانی بن جاؤں گا۔اور نیز جب یہود: بنی قینقاع: مسلمانوں سے محاربہ پر آمادہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی منافق نے ان سے ساز کرلیا اور ان کی حمایت میں کھڑا ہوا اور حضرت عبادہ بن صامتؓ بھی عبداللہ بن ابی کی طرح اس قوم کے حلیف تھے لیکن انہوں نے صاف طور پر ان سے علاقہ منقطع کردیا، اور عبداللہ بن ابی منافق نے یہ بھی کہا کہ مجھ کو تو زمانہ کے حوادث کا اندیشہ ہے میں ان سے علاقہ قطع نہیں کرتا۔ان واقعات میں یہ آیت نازل ہوئی۔

منعِ مومنین از موالاتِ کفار و ذمِّ منافقین بدیں موالاۃ:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْاالْیَھُوْدَوَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ(الی قولہ)فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ: اے ایمان والو! تم (منافقوں کی طرح) یہود و نصاریٰ کو (اپنا) دوست مت بنانا وہ (خود ہی) ایک دوسرے کے دوست ہیں (یعنی یہودی یہودی باہم اور نصرانی نصرانی باہم، مطلب یہ ہے کہ دوستی ہوتی ہے مناسبت سے، سو ان میں باہم تو مناسبت ہے، مگر تم میں اور ان میں کیا مناسبت) اور (جب جملۂ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ دوستی ہوتی ہے تناسب سے تو) جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ (کسی خاص مناسبت کے اعتبار سے) ان ہی میں سے ہوگا (اور گو یہ امر بہت ہی ظاہر ہے لیکن) یقیناً اللہ تعالیٰ (اس امر کی) سمجھ ہی نہیں دیتے ان لوگوں کو جو (کفار سے دوستی کرکر کے) اپنا نقصان کررہے ہیں (یعنی دوستی میں منہمک ہونے کی وجہ سے یہ بات اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آتی، اور چونکہ ایسے لوگ اس امر کو نہیں سمجھتے) اسی لئے۔

(اے دیکھنے والے) تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں (نفاق کا) مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان (کفار) میں گھستے ہیں (اور کوئی ملامت کرے تو حیلہ بازی اور سخن سازی کیلئے یوں) کہتے ہیں کہ (ہمارا ملنا ان کے ساتھ دل سے نہیں، بلکہ دل سے تو تمہارے ساتھ ہیں صرف ایک مصلحت سے ان کے ساتھ ملتے ہیں۔ وہ یہ کہ) ہم کو اندیشہ ہے کہ (شاید انقلابِ زمانہ سے) ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے (جیسے قحط ہے تنگی ہے، اور یہ یہودی ہمارے ساہوکار ہیں ان سے قرض ادھار مل جاتا ہے، اگر ظاہری میل جول قطع کردیں گے تو وقت پر ہم کو تکلیف ہوگی۔ ظاہراً: نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَادَآئِرَۃٌ: کا یہ مطلب لیتے تھے، لیکن دل میں اور مطلب لیتے کہ شاید آخر میں مسلمانوں پر کفار کے غالب آجانے سے پھر ہم کو ان کی احتیاج پڑے اس لئے ان سے دوستی رکھنا چاہئے) سو قریب امید (یعنی وعدہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ (مسلمانوں کی کامل) فتح (ان کفار کے مقابلہ میں جن سے یہ دوستی کررہے ہیں) فرمادے (جس میں مسلمانوں کی کوشش کا بھی دخل ہوگا) یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف سے (ظہور فرمادے، یعنی ان کے نفاق کا: عَلٰی التَّعْیِیْنِ:

بذریعہ وحی کے عام اظہار فرمادیں جس میں مسلمانوں کی تدبیر کا اصلاً دخل نہیں۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں کی فتح اور ان کی پردہ دری دونوں امر قریب ہونے والے ہیں) پھر (اس وقت) اپنے (سابق) پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے (کہ ہم کیا سمجھتے تھے کہ کفار غالب آویں گے اور یہ کیا برعکس ہوگیا۔ ایک ندامت تو اپنے خیال کی غلطی پر کہ امر طبعی ہے، دوسری ندامت اپنے نفاق پر جس کی بدولت آج رسوا ہوئے۔: مآ اسرّوا: میں یہ دونوں داخل ہیں، اور یہ تیسری ندامت کہ کفار کے ساتھ دوستی کرنے پر رائیگاں ہی گئی، اور مسلمانوں سے بھی بُرے بنے۔ چونکہ دوستی: مآ اسرّوا: پر مبنی تھی، لہٰذا ان دو ندامتوں کے ذکر سے یہ تیسری بلا ذکر صریح خود مفہوم ہوگئی)۔

اور (جب اس زمانہ فتح میں ان لوگوں کا نفاق بھی کھل جائے گا تو آپس میں) مسلمان لوگ (تعجب سے) کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے (ہمارے سامنے) قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم (دل سے) تمہارے ساتھ ہیں (یہ تو کچھ اور ہی ثابت ہوا، اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں کہ) ان لوگوں کی ساری کاروائیاں (کہ دونوں فریق سے بھلا رہنا چاہتے تھے سب) غارت گئیں جس سے (دونوں طرف سے) ناکام رہے (کیونکہ کفار تو مغلوب ہوگئے، ان کا ساتھ دینا محض بیکار ہے، اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل گئی، ان سے اب بھلا بننا دشوار)۔

ربط: اوپر کفار کے ساتھ دوستی کرنے سے خود دوستی کرنے والوں کے ضرر کا بیان تھا آگے مرتدین کے ذکر سے اس دوستی مذکورہ کا اسلام کو ضرر نہ پہنچنا مبالغہ کے ساتھ مذکور ہے کہ جب ارتداد سے جو کہ بالکل کافر ہی بن جانا ہے اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا تو کفار کے ساتھ دوستی کرنے سے تو اسلام کا کیا ضرر ہوگا خود دوستی کرنے والے ہی کا ضرر ہے۔

عدمِ تضرّرِ اسلام از مرتدّین:

:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ (الی قولہ) وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ: اے ایمان والو! (یعنی جو لوگ وقتِ نزول اس آیت کے ایمان والے ہیں) جو شخص تم میں سے اپنے (اس) دین سے پھر جائے تو (اسلام کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ اسلامی خدمات انجام دینے کے لئے) اللہ تعالیٰ بہت جلد (ان کی جگہ) ایسی قوم کو پیدا کردے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی، مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر، تیز ہوں گے کافروں پر (کہ ان سے) جہاد کرتے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور (دین اور جہاد کے مقدمہ میں) وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے (جیسا منافقین کا حال ہے کہ دبے دبائے جہاد کیلئے جاتے تھے، مگر اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کفار جن سے دل میں دوستی ہے ملامت کریں گے، یا اتفاق سے جن کے مقابلہ میں جہاد ہے وہی اپنے دوست اور عزیز ہوں، تو سب دیکھتے سنتے طعن کریں گے کہ ایسوں کو مارنے گئے تھے) یہ (صفات مذکورہ) اللہ تعالیٰ کا

فضل ہے، جس کو چاہیں عطا فرما دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (کہ اگر چاہیں تو سب کو یہ صفات دے سکتے ہیں لیکن) بڑے علم والے (بھی) ہیں (ان کے علم میں جس کو دینا مصلحت ہوتا ہے اس کو دیتے ہیں)۔

ربط: اُوپر کفار سے دوستی کرنے کی ممانعت پھر ذکر مرتدین سے اس کی تاکید ارشاد فرمائی تھی آگے اللہ تعالیٰ جل شانہ و رسول ﷺ و مؤمنین سے دوستی کا علاقہ رکھنے کا حکم اور اس کی فضیلت و برکت فرماتے ہیں۔

امر بولایتِ اللّٰہ تعالیٰ جل شانہ و رسول ﷺ و مومنین:

:اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ (الی قوله) هُمُ الْغٰلِبُوْنَ: تمہارے دوست تو (جن سے تم کو دوستی رکھنا چاہئے) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان دار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں کہ ان (کے دلوں) میں خشوع ہوتا ہے (یعنی عقائد، اخلاق و اعمالِ بدنی و مالی سب کے جامع ہیں) اور جو شخص (موافق مضمون مذکور) اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول ﷺ سے اور ایمان دار لوگوں سے سو (وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے گروہ میں داخل ہو گیا اور) اللہ تعالیٰ کا گروہ بیشک غالب ہے (اور کفار مغلوب ہیں، غالب سے مغلوب کی سازگاری اور دوستی کی فکر کرنا محض نازیبا ہے)۔

ربط: اوپر یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت اس علّت سے تھی کہ تم میں اور ان میں مناسبت نہیں اور اس کے ضمن میں منافقین اور مرتدین کا ذکر آ گیا تھا۔ آگے مضمون مذکور کی ایک خاص علّت یعنی: استهزاء بالدّین: جو کہ اس عدم مناسبت کے آثار میں سے ہے اور یہود و نصاریٰ کے مثل دوسرے کفار جیسے مشرکین کے ساتھ دوستی کرنے کی ممانعت بھی بیان فرماتے ہیں، پس گویا یہ تتمہ ہے ماقبل کا۔

تتمّہ حکم چہارد ہم:

:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا (الی قوله) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ: اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (آسمانی یعنی توریت انجیل) مل چکی ہے (مراد یہود و نصاریٰ) جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے (جو علامت ہے تکذیب کی) ان کو اور (اسی طرح) دوسرے کفار کو (بھی جیسے مشرکین وغیرہ) دوست مت بناؤ (کیونکہ اصل علّت کفر و تکذیب تو مشترک ہے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو (یعنی ایماندار تو ہو ہی، پس جس چیز سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے منع کیا ہے اس کو مت کرو) اور (جیسے اصولِ دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں، اسی طرح فروع کے ساتھ بھی، چنانچہ) جب تم نماز کے لئے (اذان کے ذریعہ سے) اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ (تمہاری) اس (عبادت) کے ساتھ (جس میں اذان اور نماز دونوں

آ گئیں) ہنسی اور کھیل کرتے ہیں (اور) یہ (حرکت) اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے (ورنہ امرِ حق کو سمجھتے اور اس کے ساتھ ہنسی نہ کرتے)۔

مسائل السلوک:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا: اس میں ایسے شخص سے علیحدگی رکھنے پر دلالت ہے جو اہل اللہ کے اور ان کے طریق کے ساتھ تمسخر کرے۔ (بیان القرآن: ج 1: ص 241)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ: اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ یعنی ان پر اعتماد نہ رکھو اور دوستوں کی ایسی معاشرت ان سے نہ رکھو۔

قاضی عیاضؒ کی روایت ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حکم دیا کہ آپ نے جو کچھ لیا دیا ہو، ایک چمڑے پر (لکھ کر) پیش کیجئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا کاتب عیسائی تھا، کاتب نے حساب پیش کیا، سیدنا فاروق اعظمؓ نے تعجب کیا اور فرمایا یہ بڑی یادداشت رکھتا ہے۔ اچھا ہمارا ایک خط شام سے آیا ہے تم اس کو مسجد میں چل کر پڑھ دو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا یہ مسجد میں نہیں جا سکتا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا کیا یہ جُنب ہے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا نہیں، بلکہ یہ عیسائی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی سیدنا فاروق اعظمؓ نے میرے کچوکا مارا اور میرے ران پر ضرب رسید کی اور فرمایا اس کو نکال دو پھر آیت: لاتتخذالیھود والنصٰری اولیآء: تلاوت فرمائی۔

:بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ: وہ تو باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ یعنی چونکہ سب کا مذہب ایک ہے اس لئے آپس کی موالات اور تمہاری مخالفت وضرر رسانی پر سب متفق ہیں۔ اس آیت میں دوستی کی ممانعت کی وجہ بیان فرمائی ہے۔

:وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ: اور تم میں سے جو ان کا دوست ہے وہ حقیقت میں انہی میں سے ہے۔ یعنی: عبداللہ بن ابی منافق: جو ان کا دوست ہے حقیقت میں کافر و منافق ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ: فانہ منھم: سے مجازی معنی مراد ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں سے جو مسلمان دوستی کرے گا وہ فاسق ہوگا اور فاسق کافر کے مشابہ ہوتا ہے۔ فانہ منھم: کہہ کر کلام میں زور پیدا کیا تاکہ ان کافروں سے اجتناب رکھنے کے حکم کی قوت کا اظہار ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان مشرکوں کے ساتھ رہتا ہو اس کا ذمہ دار نہیں (کہ لڑائی کے وقت مسلمانوں کا لشکر اس کو کافر سمجھ کر قتل کر دے)۔

:اِنَّ اللّٰہَ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت یاب نہیں کرتا۔ یعنی ان لوگوں کو ہدایت یاب نہیں کرتا جو کافروں سے دوستی کر کے خود اپنے اوپر بھی ظلم کرتے ہیں اور مسلمانوں کے دشمنوں سے تعاون کر کے مسلمانوں پر بھی ستم کرتے ہیں۔

:فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْھِمْ: اسی لئے تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھستے ہیں۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے منافق ساتھی ہیں جو یہودیوں سے موالات اور تعاون میں تیزی سے گھس رہے تھے۔

:یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَۃٌ: کہتے ہیں کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے۔ یعنی زمانہ کی کوئی گردش آپڑے معاملہ الٹ جائے، کافروں کے ہاتھ میں اقتدار پہنچ جائے اور محمد ﷺ کا کام تکمیل کو نہ پہنچے اور مصیبت ہم پر پڑے۔

ابن جریرؒ اور ابن اسحاقؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یہودیوں میں میرے ہم معاہدہ لوگوں کی تعداد بہت ہے مگر میں اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے ان کی دوستی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ سے موالات کرتا ہوں۔ اس پر عبداللہ بن ابی منافق نے کہا مجھے تو زمانہ کی گردشوں کا اندیشہ ہے، میں اپنے ہم معاہدہ لوگوں کی دوستی سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔

:فَعَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ: پس قریب امید ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح (سامنے) لے آئے۔ :اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ: یا کوئی اور بات خاص اپنی طرف سے۔

:فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ نٰدِمِیْنَ: پھر یہ منافق اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر پشیمان ہوں گے۔ پوشیدہ دلی خیالات سے مراد ہے نفاق اور کافروں کی دوستی کا خیال۔ یعنی ان کو اپنے پوشیدہ خیالات پر پشیمانی ہوگی ان ظاہر اعمال کا تو ذکر ہی کیا ہے جن سے واضح طور پر ان کے نفاق کی نشان دہی ہوتی ہے۔

:وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ: اور مسلمان کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی پختہ قسمیں کھا کر کہا تھا: اِنَّھُمْ لَمَعَکُمْ: کہ ہم یقیناً تمہارے ساتھ ہیں: حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ: ان کی ساری کارروائیوں برباد گئیں اور دنیا و دین میں یہ ناکام ہو گئے۔

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْامَنْ یَّرْتَدَّمِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ: اے اہل ایمان! تم میں سے جو اپنے دین اسلام سے (کفر کی جانب) پھر جائے گا:فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ: تو اللہ تعالیٰ آئندہ ایسے لوگ پیدا کردے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی:اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ: مسلمانوں پر مہربان۔مطلب یہ ہے کہ وہ تواضع کرنے والے،نرم خو،مہربان اور آپس میں جھکاؤ رکھنے والے ہیں:اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ: کافروں کے مقابلے میں طاقتور۔یعنی کافروں کے مقابلے میں طاقتور ہیں۔عاجزی وکمزوری ظاہر نہیں کرتے:یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ:وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے:وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ: اور (اللہ تعالیٰ جل شانہ کے احکام کی تعمیل کرنے میں) کسی بُرا کہنے والے کے بُرا کہنے سے خوفزدہ نہیں ہوں گے (کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہیں کریں گے) یہ: یجاھدون: کی ضمیر سے حال ہے۔اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا کہ وہ کافروں کی ملامت کا اندیشہ کئے بغیر جہاد کریں گے۔منافقوں کی حالت اس کے خلاف تھی وہ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ یا تو مال غنیمت کی طمع میں نکلتے تھے یا اس خیال سے نکلتے تھے کہ نہ نکلنے کی صورت میں ان کے نفاق کا اظہار ہوجائے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہودی دوستوں کے بُرا کہنے کا اندیشہ لگا رہتا تھا۔اس لئے کوئی ایسا کام نہ کرتے تھے جس پر یہودی ان کو آئندہ ملامت کرسکیں۔

:ذٰلِکَ:یہ،یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ کا محبّ ومحبوب ہونا،مسلمانوں کے سامنے بچھ جانا،کافروں کے مقابلہ میں اظہارِ قوت کرنا،اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں جہاد کرنا،کسی کی ملامت کی پروا نہ کرنا اور قوم کے مرتد ہونے اور مسلمانوں کی ساکھ کم ہوجانے کے باوجود کسی کے بُرا کہنے سے نہ ڈرنا:فَضْلُ اللّٰہِ: (ان پر) اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے اور اس کی دین ہے :یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ:اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو دینا چاہتا ہے دیتا ہے:وَاللّٰہُ وَاسِعٌ: اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے:عَلِیْمٌ:وہ خوب جانتا کہ اپنی قدرت کا استعمال کہاں کہاں کرے،تقضاءِ حکمت کے خلاف نہیں کرتا۔

:اِنَّمَاوَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: تمہارے دوست تو بس اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اور اہل ایمان ہیں:الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ: جو ٹھیک ٹھیک نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں :وَھُمْ رَاکِعُوْنَ:(نمازیں پڑھتے ہیں) اور رکوع بھی کرتے ہیں۔

علامہ بغویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہماری قوم یعنی بنی قریظہ اور بنی نضیر نے تو ہم کو چھوڑ دیا اور ہم سے الگ ہوگئے اور قسم کھالی کہ ہمارے ساتھ نشست وبرخاست نہیں رکھیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔اس پر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ہم اللہ تعالیٰ جل شانہ اور

اس کے رسول ﷺ اور مؤمنوں کی دوستی پر خوش ہیں۔

:وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اور جن کے دوست اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ اور مؤمن ہوں (تو یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا گروہ ہوگا)۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان سے مراد مہاجرینؓ وانصارؓ ہیں۔ یعنی جو لوگ مہاجرینؓ وانصارؓ کی دوستی اختیار کریں گے۔

:فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ: اور اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔ گویا یوں فرمایا کہ جو لوگ ان کے دوست ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا گروہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ، رسول ﷺ، اور مؤمنوں کو چھوڑ کر دوسروں سے دوستی کرتے ہیں ان پر تعریض بھی ہے کہ وہ شیطان کا گروہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رفاعہ بن زید بن تابوت اور سوید بن حارث بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر باطن میں کافر تھے۔ مسلمان ان دونوں کو دوست سمجھنے لگے تھے اس پر مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوا۔

:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ: اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا (خواہ وہ) ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی (یعنی یہود) یا دوسرے کافر ہوں۔ کیونکہ وہ دل میں کافر ہیں ایمان کو ظاہر کرتے ہیں۔

ممانعتِ موالات کو استہزاء پر مبنی کرنا بتا رہا ہے کہ ممانعت کی علت استہزاء ہے اور اس امر پر تنبیہ ہے کہ ان کے استہزاء کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان سے دشمنی کی جائے دوستی کا کیا ذکر؟

یہ بھی جائز ہے کہ: الکفار: سے مراد دونوں گروہ ہوں مشرک بھی اور اہل کتاب بھی۔ اس صورت میں یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہوگی۔ اور اس امر کی طرف اشارہ ہوگا کہ استہزاء ہوں یا کفر دونوں کا تقاضا ہے کہ موالات نہ کی جائے دشمنی رکھی جائے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تم مؤمن ہو۔ یعنی ممنوعات کو ترک کردو۔

کلبیؒ نے کہا کہ جب حضور اکرم ﷺ کا مؤذن نماز کی اذان دیتا اور لوگ نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے اور یہودی مذاق سے کہتے کھڑے ہو گئے نہیں کھڑے ہوئے، نماز پڑھی نہیں پڑھی، یہ کہہ کر ہنستے، اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آیت ذیل نازل کی۔

:وَاِذَانَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَاهُزُوًا وَّلَعِبًا: اور جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہوتو وہ نماز کا مذاق اور کھیل بناتے ہیں۔یعنی ایسے لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہاری نماز کا مذاق اڑاتے اور کھیل بناتے ہیں۔

:ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ: یہ (حق سے استہزاء) اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔کیونکہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ استہزاء نہ کرتے اور کسی چیز کی اچھائی بُرائی پر غور کرتے۔(تفسیر مظہری اردو: ج3:ص 341)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: گزشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ کے قبائح کو بیان کیا اب ان آیات میں مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم اُن سے محبت نہ کرنا، جو اُن سے محبت کرے گا وہ انہی میں شمار ہوگا، کیونکہ محبت اور صحبت کا بڑا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے، محبت کا یہ اثر ہے کہ محبوب کی ہر چیز محبّ کی نظر میں محبوب ہو جاتی ہے۔

جذام اور سرطان کی طرح کفر اور شرک ایک روحانی مرض ہے، دلی میل جول سے اس کے جراثیم متعدی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ جل شانہ کے باغیوں کی دلی محبت اور میل جول سے رفتہ رفتہ انہی کا مذہب اختیار کر لیتا ہے، فی الحال اگرچہ باعتبار باطن کے ان میں سے نہیں لیکن اُن کی محبت اور صحبت سے اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر انہیں میں سے نہ ہو جائے، یعنی اسلام سے مرتد نہ ہو جائے جیسا کہ آئندہ آیت میں اسی فتنۂ ارتداد کی خبر دی گئی ہے۔

جس طرح کسی حکومت کی رعایا بن جانے کے بعد قانونِ حکومت پر نقطہ چینی و تبصرہ کرنا حکومت سے ارتداد ہے اسی طرح اسلام میں داخل ہونے کے بعد قانونِ شریعت پر نقطہ چینی اور تبصرہ کرنا اسلام سے ارتداد ہے۔اور کافروں سے دلی تعلق ارتداد کی علامت اور اس کا پیش خیمہ ہے، اور اگر وہ اس کو چھپائیں اور اسلام کو ظاہر کریں تو وہ نفاق ہے۔جو شخص حکومت کے دشمنوں اور باغیوں سے میل جول اور دوستانہ تعلقات رکھے تو حکومت کی نظر میں اس کی وفاداری مشکوک ہو جاتی ہے۔اسی طرح کافروں سے دوستانہ تعلقات سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نظر میں اسلام کی وفاداری مشکوک ہو جاتی ہے۔

شان نزول:

یہ آیتیں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارہ میں نازل ہوئیں۔یہود سے اس کا بہت دوستانہ تھا اور اس کا خیال یہ تھا کہ شاید اُحد کی طرح مسلمان پھر مغلوب ہوں تو یہود سے ہماری دوستی کام آئے گی اور یہ کہا کہ: میں ایسا مرد ہوشیار ہوں کہ مجھے زمانہ کے حوادث کا اندیشہ ہے اس لئے مصلحت کی بناء پر میں، یہود سے تعلق قطع نہیں کر سکتا۔

عبداللہ بن ابی منافق کی طرح حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بھی یہود سے حلیفانہ تعلقات تھے مگر چونکہ وہ سچے

مسلمان تھے اس لئے انہوں نے فوراً یہود سے قطع تعلق کر دیا، اور عبداللہ بن ابی کہنے لگا کہ میں اُن کی دوستی نہیں چھوڑ سکتا، میرا بڑا نقصان ہوگا، حالانکہ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے بھی اسی قسم کی دوستی تھی مگر انہوں نے چھوڑ دی اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتَتَّخِذُوْاالْیَھُوْدَوَالنَّصٰرٰی(الی قولہ) فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ: اے ایمان والو!(ایمان کا مقتضٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے تعلق قطع کرو اور منافقوں کی طرح) یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ (وہ کسی طرح تمہارے دوست نہیں بن سکتے) وہ (تو باہم) ایک دوسرے کے دوست ہے (یعنی اگر چہ باہم ان میں اختلاف ہے مگر تمہاری مخالفت اور دشمنی میں وہ سب ایک ہیں کیونکہ وہ سب کفر ونفاق میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں) تم میں سے جو شخص اُن کو دوست بنائے گا سو وہ بلاشبہ انہیں میں سے ہوگا (یا یہ معنی ہیں کہ اُن کے اختلاط سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ انہیں میں سے ہو جائے گا یعنی مرتد ہو کر انہیں میں سے ہو جائے یا کم از کم شعائر کفر اور رسوم شرکیہ سے نفور اور بیزار تو نہ رہے گا دل سے اگر چہ اُن کا مذہب اختیار نہیں کیا مگر عملاً اور ظاہراً تو انہیں میں سے شمار ہوگا اور: فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ :باعتبار اطلاق کے اعتقاد اور عمل دونوں کو شامل ہے) تحقیق اللہ تعالیٰ بے راہوں اور ستم گاروں کو ہدایت نہیں دیتا (یعنی جو شخص دشمنان اسلام سے موالات اور دوستی کر کے اپنی جان پر ظلم وستم کرے اور اسلام کے مغلوب اور مقہور ہونے کا انتظار کرے ایسے بد بخت ظالم کی راہِ ہدایت پر آنے کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی، جو لوگ کافروں کی دوستی میں غرق ہیں وہ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے)۔

(پس اے دیکھنے والے! تو اپنی آنکھ سے) مشاہدہ کر لے گا (کہ) جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر کافروں میں گھسے جاتے ہیں (اور اگر کوئی انہیں فہمائش کرتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم کو) ڈر ہے کہ زمانہ کا کوئی حادثہ ہم کو نہ آ پہنچے (ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم کو یقین نہیں کہ محمد ﷺ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے اگر کوئی وقت ایسا آیا کہ دشمن ان پر غالب آ گیا تو وہ ہم کو ان کا ساتھی سمجھ کر پیس ڈالے گا، لہٰذا ہم ان سے بگاڑ نہیں چاہتے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں کہ اُن کا یہ گمان غلط ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ جل شانہ، مسلمانوں کو ان پر غالب کرے گا اور یہ کم بخت منافق پچھتاتے رہ جائیں گے، چنانچہ فرماتے ہیں) پس وہ وقت قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی فتح اور غلبہ کو ظاہر فرمائے (اور جن سے یہ دوستی کر رہے ہیں وہ مقہور ومغلوب ہوں یا اس کے علاوہ اور کوئی امر پردۂ غیب سے ظاہر فرمائے، اُس وقت یہ لوگ اپنے گمان پر پشیمان ہوں گے اور جس وقت ان منافقین کا پردہ چاک ہوگا اُس وقت) اہل ایمان (آپس میں تعجب سے یہ) کہیں گے، کیا وہی لوگ ہیں جو تم سے اللہ تعالیٰ کی پکی قسمیں کھایا کرتے تھے کہ وہ بلاشبہ

تمہارے ساتھ ہیں (الغرض ان کی) ساری کارروائیاں غارت گئیں (ان منافقین کا ظاہری اسلام کچھ کام نہ آیا اور یہ ساری جدوجہد کہ دونوں طرف سے بھلے بنے رہیں بیکار گئی۔ کیونکہ کفار تو مغلوب ہوئے اس لئے اُن کا ساتھ دینا بیکار رہا اور مسلمانوں کے سامنے ان کی قلعی کھل گئی، پس دونوں طرف سے نقصان اور خسارہ میں رہ گئے نہ اُدھر کے رہے نہ اِدھر کے، اور اسلام کے غلبہ اور فتح سے ان کی تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا)۔

ربط: اوپر کی آیت میں جو ارتداد سے بچانے کے لئے مسلمانوں کو حکم ہوا تھا کہ کفار سے محبت نہ کریں، جو اُن سے محبت کرے گا وہ فی الحال یا فی المآل انہیں میں سے ہو جائے گا یعنی مرتد ہو جائے گا۔ لہذا اب اس آیت میں ارتداد کی سزا ارشاد فرماتے ہیں اور عنقریب پیش آنے والے فتنۂ ارتداد اور اسلام کے غلبہ اور اس کے ابدی بقاء اور حفاظت اور تائید غیبی کے متعلق ایک عظیم الشان پیشن گوئی فرماتے ہیں اور نزول آیت کے وقت جو مسلمان موجود تھے ان کو پہلے ہی سے یہ خبر دیتے ہیں کہ عنقریب فتنۂ ارتداد پیش آئے گا اور تم میں کے کچھ لوگ مرتد ہو جائے گے اور اس خبر کے ساتھ ہی یہ بشارت سناتے ہیں کہ اس فتنہ سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کے قلع قمع کرنے کے لئے عالم غیب سے یہ تدبیر مقرر کی ہے کہ خاصانِ خدا تعالیٰ کی ایک جماعت ان مرتدین کے قتل وقتال کے لئے :من جانب اللّٰہ: برانگیختہ کی جائے گی جو ان مرتدین کی ایسی سرکوبی کرے گی کہ کفر سر اٹھانے کے قابل نہ رہے گا۔

اور یہ حق تعالیٰ جل شانہ کی سنت ہے کہ جو شخص یا جو جماعت اسلام میں فتنہ اور رخنہ ڈالنے کیلئے کھڑی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کی سرکوبی کے لئے ایسے جانثار اور وفادار مسلمانوں کو کھڑا کر دیتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں کسی کی ملامت اور طعن وتشنیع کی پرواہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْامَنْ یَّرْتَدَّمِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ (الی قولہ)فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ: اے ایمان والو! (ایمان کا مقتضٰی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے دشمنوں یعنی کافروں کی محبت اور صحبت سے بچتے رہو کیونکہ اُن کی صحبت اور محبت سے مرتد ہو جانے کا اندیشہ ہے، خوب سُن لو) جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جائے گا (یعنی دین اسلام سے پھر جائے گا تو اس کے ارتداد سے دین اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اس لئے کہ) اللہ تعالیٰ (اس فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کیلئے) عنقریب ایسی جماعت اور گروہ کو اپنے ساتھ لائے گا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے محبت رکھے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے، ایمان داروں کے حق میں وہ نرم اور مہربان اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے، خدا تعالیٰ کی راہ میں دل کھول کر جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت (اور طعن وتشنیع) سے نہ ڈریں گے۔ (یہ صفاتِ مذکورہ فاضلہ) اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فضل ہیں جس کو چاہتا ہے یہ فضل عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ

بڑا وسعت والا اور دانا ہے۔

آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ جس گروہ کو اللہ تعالیٰ جل شانہ مقابلہ اور مقاتلہ کیلئے لے کر آئے گا اُن میں چار وصف ہوں گے اور وہ چار وصف یہ ہوں گے جن کا آئندہ ذکر فرماتے ہیں۔

1.....اللہ تعالیٰ جل شانہ اُن سے محبت رکھے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے گے (یعنی یہ جماعت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی محبّ اور عاشق بھی ہوگی اور محبوب بھی)۔

2.....ایمان داروں کے حق میں وہ نرم اور مہربان اور دشمنانِ خدا کے مقابلہ میں سخت ہوں گے (تاکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے مقابلہ میں سرکشی کرنے والوں کا غرور کافور ہو جائے)۔

3.....خدا تعالیٰ کی راہ میں دل کھول کر جہاد کریں گے (اُن کی گردنیں ماریں گے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے غلام بنائیں گے)۔

4.....اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت (اور طعن و تشنیع) سے نہ ڈریں گے (یعنی کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ جل شانہ کے باغیوں (مرتدین) کی سرکوبی میں کمی نہ کریں گے جیسا کہ اہل نفاق کا شیوہ ہے کہ وہ دائیں بائیں دیکھتے رہتے ہیں)۔

(یہ صفاتِ مذکورہ فاضلہ) اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں جس کو چاہتا ہے یہ فضل عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا وسعت والا اور دانا ہے (نہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے خزانہ میں کوئی کمی ہے اور نہ اس کے جود و کرم میں کوئی کمی ہے جس کو چاہے اپنے خزانہ رحمت سے یہ صفات فاضلہ عطا کرے اور وہ: علّام الغیوب: ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون اِن صفات کا اہل ہے اور کون نہیں)۔

ربط: گزشتہ آیات میں کافروں سے دوستی کی ممانعت فرمائی جس میں مرتد ہونے کا اندیشہ تھا اور مرتدین کی سزا بھی بیان فرمائی اب یہ فرماتے ہیں کہ دوستی کس سے کی جائے، یعنی اہل ایمان سے جو نہایت خشوع سے نماز پڑھتے ہیں اور نہایت خلوص سے زکوۃ دیتے ہیں، یہ جماعت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی خاص جماعت ہے اور: حزب اللّٰہ: کے نام سے موسوم ہے اور جن سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے غلبہ اور فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

جز این نیست تمہارا دوست خدا تعالیٰ ہے اور اس کا رسول ﷺ ہے اور وہ مؤمنین (مخلصین) جو دل و جان سے نماز کو قائم کرتے ہیں (منافقوں کی طرح دکھلاوے کی نماز نہیں پڑھتے) اور نہایت شوق و رغبت کے ساتھ زکوۃ دیتے ہیں درآنحالیکہ وہ لرزاں و ترساں ہوتے ہیں (کہ مبادا ہماری زکوۃ اور صدقہ اور خیرات قبول نہ ہو۔ منافقین کی طرح

حریص اور طامع نہیں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے پر دل آمادہ نہ ہو)۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! یہود اور نصاریٰ سے دوستی نہ کرو، تمہارے دوست اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کا رسول ﷺ اور یہ مؤمنین مخلصین ہیں۔

(پس غرض ان اوصاف کے ذکر سے یہ ہے کہ جو مؤمن صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں اُن سے دوستی رکھو اور جو ایسے نہیں اُن سے دوستی نہ رکھو، کیونکہ وہ حقیقت میں مؤمن نہیں بلکہ منافق ہیں اور جو شخص ہمارے حکم کے موافق) اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول ﷺ کو اور مومنین مخلصین کو اپنا دوست (اور رفیق) بنائے (تو اس کو کسی کے شر اور ضرر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے گروہ میں داخل ہوگیا، تو بے شک) جو اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے وہی غالب ہوگا۔ (وقتی طور پر اگر کافر غالب آجائیں تو انجام کار غلبہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ ہی کو ہوتا ہے: والعاقبة للمتقین: مطلب یہ ہے کہ کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی تعداد کی قلت اور بے سروسامانی کو دیکھ کر کافروں کی موالات کی طرف مائل نہ ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کی جماعت سب پر غالب آئے گی)۔

ربط: اس آیت میں دوسرے عنوان سے سابق حکم کا اعادہ ہے اور کفار کی محبت اور دوستی سے ممانعت کی جاتی ہے مگر عنوان دوسرا ہے۔ جس میں ان کی شرارتوں اور قباحتوں کو بیان کرتے ہیں مثلاً شعائر اسلام اذان وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں۔ رکوع کے اخیر تک اُن کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایسے لوگوں سے ہرگز ہرگز دوستی روا نہیں۔ تاکید کے لئے سابق حکم کا اعادہ فرمایا اور قدرے اُن کے شرارتوں اور قباحتوں کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے لعنت کی اور جن پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا غضب نازل ہوا، اور کچھ لوگ ان میں سے سور اور بندر کی شکل میں مسخ کئے گئے، اور یہ ایسے بُرے لوگ ہیں کہ کسی طرح دوستی کے لائق نہیں۔

گزشتہ آیات میں خاص یہود اور نصاریٰ سے موالات کی ممانعت تھی اور اس آیت میں عام کفار سے موالاۃ کی ممانعت ہے جس میں یہود اور نصاریٰ کے علاوہ مشرکین اور منافقین بھی داخل ہیں گویا کہ یہ حکم، حکمِ سابق کا تتمہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا (الی قوله) اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ: اے ایمان والو! (ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ دین کی عزت وحرمت کو پورا پورا ملحوظ رکھو اور اس کی پوری حفاظت کرو اور دشمنانِ دین کی جو دین کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اُن کی موالات اور دوستی کے ساتھ دین

محفوظ نہیں رہ سکتا، اس لئے حکم دیا جاتا ہے کہ اے ایمان والو!) جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے یعنی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی (یہود اور نصاری) اُن کو اور دوسرے کافروں کو دوست نہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان دار ہو (اس لئے کہ اندیشہ یہ ہے کہ اُن کی دوستی سے تمہاری اصلی دولت اور سعادتِ ابدیہ کا سرمایہ یعنی اسلام وایمان نہ ضائع ہو جائے ۔اور جب تم لوگوں کو اذان کے ذریعہ نماز جیسی افضل العبادات) کی طرف پکارتے ہو تو وہ اس عبادت کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں ۔یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں (نماز اور اذان کی حقیقت نہیں سمجھتے اور بے عقل آدمی لائق محبت نہیں)۔(معارف القرآن:ج2:ص517)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط آیات: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل کتاب کی مذمت بیان فرمائی ہے، اور ان کی خباثتوں کا ذکر کیا، دین کی تحریف، کتمانِ حق، نقضِ عہد اور تغیر احکام اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔منافقین کے متعلق بھی پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا، وہ اپنی زبانوں سے ایمان لانے کا دعوی کرتے ہیں مگر درپردہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ رابطہ ہے۔اب آج کی آیات میں یہود ونصاری کے ساتھ دوستی قائم کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ اِن کی واضح خباثتوں کے بعد یہ لوگ دوستانے کے قابل نہیں رہے۔اِسی طرح ان منافقین کے ساتھ بھی دوستانہ روابط سے منع فرمایا گیا ہے۔

اہل کتاب سے دوستی کی ممانعت:

ارشاد ہوتا ہے:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو:لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ: یہود ونصاری کو اپنا دوست نہ بناؤ۔:اولیاء:جمع ہے ولی کی اور اس کا معنی دوست، رفیق، ساتھی، قریبی رشتہ دار، معاون، مددگار، سرپرست اور آقا ہوتا ہے۔اس مقام پر ولایت سے مراد دوستی اور رفاقت ہے۔چنانچہ فرمایا یہود ونصاری سے دوستی نہ رکھو، یہ بڑے، خائن، بددیانت اور اسلام دشمن ہیں۔علاوہ ازیں جملہ کفار کی دوستی سے بھی منع کیا گیا ہے۔ سورۃ ہذا، ودیگر سورتوں میں اس قسم کے احکام موجود ہیں، خاص طور پر:من دون المؤمنین: کے الفاظ ہیں کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کی دوستی کسی صورت میں بھی درست نہیں ہے۔

اَخلاقی رواداری:

البتہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بعض حدود وقواعد کا ذکر فرما دیا ہے جن کے تحت، میل ملاپ، تجارت اور دیگر لین

دین جائز ہے۔ظاہری طور پر خوش اخلاقی اور اچھی روش اختیار کی جاسکتی ہے،مگر دلی دوستی نہ اہل کتاب سے ہوسکتی ہے، نہ منافقین سے اور نہ کفار سے۔ جو غیر مسلم اقوام مسلمانوں سے آمادہ بر جنگ ہو اُن سے ظاہری رواداری کی بھی اجازت نہیں۔اسی سورۃ میں پہلے گزر چکا ہے کہ انصاف کے معاملہ میں سب برابر ہیں،اپنا ہو یا غیر سب کے ساتھ انصاف کرو، کیونکہ ناانصافی دشمن کے ساتھ بھی روا نہیں،البتہ جو شخص اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا آخری پیغام سمجھتا ہے،اس کیلئے کفار کے ساتھ دلی دوستی کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔

البتہ ہر اپنے اور بیگانے کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کا پورا کرنا ضروری ہے۔اور جو لوگ مسلمانوں سے لڑائی نہیں کرتے،ان کے ساتھ حسن سلوک اور مروت سے پیش آنے کی اجازت ہے،ان کے ساتھ نیکی کا سلوک کرو گے تو اُس سے بھی اسلام کو فائدہ پہنچ سکتا ہے،ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں کے حسن سلوک کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔البتہ موالات یعنی پکی دوستی کسی بھی صورت میں روا نہیں ہے۔

کوئی یہودی ہو یا نصرانی یا دہریہ،ہندو ہو یا سکھ ہو اِس کا دوستانہ اہل ایمان کے ساتھ ممکن نہیں ہے کیونکہ دونوں فریقوں کی منزل جدا جدا ہے۔دوستی اور مصلحت کیلئے کوئی بنیاد ہونی چاہئے،مگر یہاں بنیاد موجود نہیں۔ایک فریق اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فرمانبردار ہے اور دوسرا غیر اللہ کا پجاری،دونوں کے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔لہٰذا دلی دوستی ممکن نہیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اپنا کاتب (سیکرٹری) کسی یہودی یا عیسائی کو رکھ لیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کو خبر ہوئی تو آپؓ نے سخت ڈانٹ پلائی اور کہا خدا تعالیٰ کے بندے! تمہیں کوئی مسلمان کاتب میسّر نہ آسکا۔کاتب تو رازداں ہوتے ہیں۔اس لئے غیر مسلم کو ایسی ذمہ داری نہیں سونپی جاسکتی۔

یہود و نصاریٰ کا گٹھ جوڑ:

فرمایا: اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ: بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ: ان میں سے بعض دوست ہیں بعض کے۔یہود،نصاریٰ کے دوست ہیں اور نصاریٰ،یہود کے دوست ہیں۔انہوں نے اسلام کے خلاف گٹھ جوڑ کر رکھا ہے۔یہ دونوں گروہ اہل اسلام کے خلاف اکٹھے ہیں،بلکہ: الکفر ملة واحدة: پوری دنیائے کفر ایک ہی ملت کے افراد ہیں۔

بہر حال مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ اِن لوگوں سے کبھی خیر خواہی کی اُمید نہیں رکھنی چاہئے۔یہ ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔لہٰذا ان سے بچنے کی کوشش کریں،نہ کہ دوستانہ قائم کرنے کی۔

اہل کتاب اور کفار اسلام کے ازلی دشمن ہیں، اُن پر بھروسہ کرنا بجائے خود دھوکہ ہے۔ یہ لوگ قرآن پاک کے پروگرام کی مخالفت میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، مسلمانوں کو کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

اسلامی اور غیر اسلامی فلسفہ:

فرمایا: وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّه مِنْهُمْ: جو اغیار سے دوستی کرے گا، وہ انہی میں سے ہوگا۔ جو شخص جس قوم کا فلسفہ اختیار کرے گا، جن کے نظریات اپنائے گا، انہی کے سانچے میں ڈھل جائے گا۔ آج پورے عالم اسلام کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ انہیں خلفاء راشدینؓ کا فلسفہ پسند نہیں، وہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا فلسفہ پڑھنے کیلئے تیار نہیں، نہ انہیں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے فلسفہ سے کچھ تعلق ہے بلکہ وہ تو کفار کا فلسفہ پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ جو قوم اپنے قومی نظریہ کو چھوڑ دیتی ہے وہ اپنے مرکز سے علیحدہ ہو جاتی ہے، پھر وہ جس قوم کے نظریات کا مطالعہ کرتی ہے، اُسی قوم میں مدغم ہو جاتی ہے۔ اور کفار مسلمانوں کو کمزور کرنے کے پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔ ان سے دوستانہ کرنے کا یہی نتیجہ ممکن ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ اِن کو دوست نہ بناؤ، جو ایسا کرے گا، انہی جیسا ہو جائے گا۔

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ: اللہ تعالیٰ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ نصاریٰ کافر اور مشرک ہونے کی وجہ سے ظالم ہیں، مگر مسلمان اُن کے ساتھ دوستانہ کر کے اپنی مرکزیت کو بھول چکے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی سازشوں کا سلسلہ اس سورۃ میں مزید بیان ہوگا۔

گردشِ زمانہ کا خوف:

فرمایا: فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ: اے مخاطب! تُو دیکھے گا ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے: يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ: وہ اغیار کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں اور ان سے دوستی کرتے ہیں۔ مدینہ کے منافقین کا شیوہ بھی یہی تھا: يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ: وہ کہتے تھے کہ ہم یہودیوں کے ساتھ میل ملاپ اس لئے رکھتے ہیں کہ کہیں ہم تک زمانہ کی گردش نہ پہنچ جائے۔ عبداللہ بن ابی منافق کہتا تھا: کہ میں زمانے کی گردش سے ڈرتے ہوئے اُن سے تعلق رکھتا ہوں کہ اگر کسی وقت مسلمان مغلوب ہو گئے، یا قحط پڑ گیا تو ہمیں تکلیف پہنچے گی۔ لہٰذا یہودیوں کے ساتھ بھی تعلقات قائم رہنے چاہئے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ: پس اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ مسلمانوں کیلئے فتح لائے گا اور یہود و کفار ذلیل ہو کر رہ جائیں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے

مکہ والوں کو مغلوب کر دیا، مدینے کے یہودی ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے، اُن کیلئے کوئی جائے پناہ نہ رہی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ یہ خواہ مخواہ خوف کھاتے ہیں، اُمید ہے کہ عنقریب فتح کی خوشخبری آئے گی: اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ یا اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی طرف سے کوئی اور معاملہ لائیں گے: فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ: پس منافقین اپنے دلوں میں پوشیدہ بات پر نادم ہو جائیں گے۔ یعنی اہل اسلام کی پے در پے کامیابیوں کو دیکھ کر اُن کے تمام منصوبے ناکام ہو جائیں گے اور وہ پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد اُن کی رہی سہی اُمید بھی ختم ہوگئی، مدینہ کے یہود مغلوب ہو گئے، کچھ جلاوطن کر دیئے گئے حتیٰ کہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانے تک پورا عرب یہودیوں سے پاک ہوگیا۔

منافقین کا انجام:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: کہ یہود و منافقین کا بُرا انجام دیکھ کر: وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا: اہل ایمان کہیں گے: اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ: کیا یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نام کی پختہ قسمیں اٹھاتے تھے: اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ: کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں، حالانکہ وہ دوسروں سے سازباز رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا: حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ: اُن کے اعمال ضائع ہو چکے ہیں، کفر، شرک اور نفاق، اعمال کو اس طرح کھا جاتا ہے، جس طرح گھن غلے کو کھا جاتا ہے۔ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ: پس ہو گئے وہ نقصان اٹھانے والوں میں۔ اس سے دنیا اور آخرت کے دونوں نقصان مراد ہیں۔

منافقین نے جن لوگوں سے اِس دنیا میں سازباز کیا، وہ مغلوب ہو گئے اور اُن کی دوستی کچھ کام نہ آئی بلکہ الٹا رسوائی کا باعث بنی۔ اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل ایمان کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور ان کی طاقت دنیا میں پھیل گئی۔ لہٰذا اِس دنیا میں بھی منافقین نقصان میں رہے اور آخرت میں نقصان تو بہر حال ہے۔ اُن کے نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دائمی عذاب مقرر کر دیا۔ اُن کی ظاہری طور پر ادا کردہ نمازیں، روزے، اور دوسری نیکیاں برباد ہو گئیں اور وہ سراسر نقصان میں رہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل ایمان کو یہ بات سمجھا دی کہ یہود و نصاریٰ یا کفار کے ساتھ تمہاری دوستی کچھ کام نہ آئے گی۔ اِن کے اعمال دنیا و آخرت دونوں جگہ برباد ہو جائیں گے۔

ربط آیات: گذشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ دوستانہ کرنے سے منع فرمایا، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین ایک دوسرے کے دوست تو ہو سکتے ہیں مگر اہل ایمان کے ساتھ مخلص نہیں

ہو سکتے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے واضح فرمایا کہ ان میں اسلام کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی ہے اور ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔لہذا ان کے ساتھ دوستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اب ان آیات میں اہل ایمان کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ دین حق کو ماننا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا انسان کیلئے باعث سعادت ہے،اور اس کی صلاحیت کا ثبوت ہے۔فرمایا:اگر بالفرض تم بھی دین اسلام کو چھوڑ دو،یعنی تم میں سے کوئی شخص اگر مرتد ہو جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے دین کو نقصان نہیں ہوگا بلکہ اس میں تمہارا اپنا نقصان ہے۔سابقہ آیت کے ساتھ اس آیت کا ربط اس طرح ہے کہ منافقین کی طرح تم بھی دل میں یہ خیال نہ لانا کہ اسلام کی مفروضہ مغلوبیت سے شاید تم گردشِ زمانہ کا شکار ہو جاؤ۔لہذا اہل کتاب اور مشرکین سے روابط قائم رکھنا چاہئے۔فرمایا:ایسی بات نہیں ہے۔اگر تم نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات پر توکل نہ کیا اور ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے تب بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے دین کی حفاظت کا کوئی بندوبست فرما دے گا۔

دین سے برگشتہ ہونا:

ارشاد ہوتا ہے:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا:اے ایمان والو!مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ:تم میں سے جو شخص برگشتہ ہو گیا اپنے دین سے۔یعنی اُس نے اپنا رُخ دین اسلام سے دوسری طرف پھیر لیا۔تو اس دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا،نہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کوئی نقصان ہوگا،بلکہ نقصان دین سے پھر جانے والے مرتد کا ہی ہوگا۔

بہر حال فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اسلام کو چھوڑ دے تو اس سے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے دین کی تائید و حفاظت اس طرح فرمائے گا:فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ:کہ وہ تمہاری جگہ ایسی قوم کو لے آئے گا۔جن کی پہلی صفت یہ ہوگی کہ:یُّحِبُّھُمْ:جن سے وہ محبت کرتا ہے:وَیُحِبُّوْنَہٗ:اور وہ لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں۔

اُن کی دوسری صفت یہ ہے:اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ:وہ ایمان والوں کے سامنے بڑے نرم ہیں اور اُن کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ہیں:اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ:کفر کرنے والوں پر غالب اور زبردست ہیں۔یعنی کفار پر اس طرح جھپٹتے ہیں جس طرح شاہین،شکار پر جھپٹتا ہے اور پھر اُن پر غالب آتے ہیں۔

فرمایا:ان لوگوں کی ایک صفت یہ بھی ہے:یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ:وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔اُن کا واحد مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے دین کی سربلندی ہوتا ہے۔اور اُن کی ایک صفت یہ بھی

ہے :وَلَایَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ:وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے ۔یعنی اگر کوئی شخص اُن کے دین پر طعن کرے تو وہ اُس کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ دین کا کام جاری رکھتے ہیں ۔الغرض فرمایا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کھاتے ۔

:ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے،وہ جسے چاہے عطا کردے ۔عقیدے کی پختگی،اللہ تعالیٰ سے محبت،ایمان والوں کیلئے نرمی،کفار کیلئے سختی،اللہ تعالیٰ جل شانہ کے راستے میں جہاد اور ملامت کرنے والوں سے لاپرواہی،یہ سب اللہ تعالیٰ جل شانہ کے فضل میں داخل ہیں:وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ:اور اللہ تعالیٰ جل شانہ وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۔وہ ہر شخص کی صلاحیت اور استعداد کو جانتا ہے ۔اِسی استعداد کے مطابق وہ عطا کرتا ہے ۔

سچے دوست:

فرمایا:اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ : بیشک تمہارا دوست اور رفیق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے:وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا:اور اہل ایمان بھی تمہارے دوست ہیں ۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوستی...اللہ تعالیٰ جل شانہ،اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان سے ہونی چاہئے ۔اگر تم اس معیار پر پورے اُترے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ غلبے کی صورت بھی پیدا کردے گا اور یہود و نصاریٰ اور مرتدین تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے ۔

آگے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن مومنین کی صفات بیان فرمائی ہیں جن کی دوستی کی ترغیب دی گئی ہے ۔فرمایا تمہارے دوست وہ ہونے چاہئے:اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ : جو نماز قائم کرتے ہیں ۔فرمایا تمہارے مومن دوست وہ ہوں:وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ: جو زکوٰۃ ادا کرتے ہوں ۔فرمایا اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے:وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ۔وہ رکوع کرنے والے ہیں ۔

حزب اللّٰہ:

فرمایا:وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ :جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ دوستانہ کرے :وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اور اُن اہل ایمان سے دوستی کرے گا،جن کی صفات بیان ہو چکی ہیں،فرمایا:فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ:تو یہی اللہ تعالیٰ کی پارٹی اور اُس کے گروہ کے ممبران ہیں،یہی غالب ہوں گے،آخری کامیابی انہی کے مقدر میں ہے ۔

ربط آیات: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہود ونصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا تھا اور اُس کے ساتھ منافقین کی مذمت بیان کی تھی۔اس کے بعد مرتدین کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ دین سے برگشتہ ہو جائیں تو اس میں اُن کا اپنا ہی نقصان ہوگا، اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اُس کے دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔پھر ایمان والوں کو تلقین کی گئی کہ انہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی کارسازی پر اعتماد ہونا چاہئے اور اُس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں سے حقیقی دوستانہ اور محبت ہونی چاہئے۔اہل ایمان کی صفات بھی بیان فرمائیں کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہیں، فرمایا: ایسے لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے گروہ میں شامل ہیں اور بالآخر انہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔

اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہود، نصاریٰ، کفار اور مشرکین کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔اور وہ وجہ بھی بیان فرمائی ہے جس کی بناء پر ایک حقیقی مومن ایسے لوگوں کے ساتھ دوستانہ روابط قائم نہیں کرسکتا۔

دین کی حفاظت:

ارشاد ہوتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اے ایمان والو! لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا: نہ بناؤ (دوست) اُن لوگوں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ٹھٹا اور کھیل بنا رکھا ہے۔یعنی جو لوگ تمہارے دین کا تمسخر اُراتے ہیں، شعائر اللہ کو کھیل کود سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے، اُن لوگوں کے ساتھ تمہارا دوستانہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر دین کے مخالفین سے گٹھ جوڑ قائم رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دراصل تمہارا دین کے ساتھ تعلق کمزور پڑ گیا ہے اور تمہارے دل میں دین کی وقعت باقی نہیں رہی۔حالانکہ دین کی حفاظت سب سے اہم معاملہ ہے، مومن، دین کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے، وہ دین کی حفاظت کیلئے تمام قوتیں بروئے کار لاتا ہے۔ایک مومن کیلئے دین کو ہر چیز پر فوقیت حاصل ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کافر ومشرک اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی نہ کرنے کی وجہ بیان فرمائی کہ وہ دین کے شعائر کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔اور وہ کون ہیں؟

فرمایا: مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ: وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی، اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں جنہیں عام اصطلاح میں اہل کتاب کہا جاتا ہے: وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ: اور کفار کو بھی اپنا دوست نہ بناؤ، وہ بھی اسلام دشمنی میں اہل کتاب کے ساتھ برابر کے شریک ہیں: وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ: اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔گویا ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ دین کے ساتھ ٹھٹا کرنے والوں کو ہرگز دوست نہ بنایا جائے۔

آگے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اذان کے ساتھ استہزاء کی خاص طور پر نشاندہی فرمائی ہے: وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ: جب تم نمازوں کے لئے پکارتے ہو، یعنی اذان دیتے ہو: اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا: تو یہ لوگ اسے ٹھٹھا اور کھیل بناتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مدینے کے ایک نصرانی کو اذان سے بہت چڑ تھی، جس وقت مؤذن کہتا: اشھد انّ محمّدرّسول اللّٰہ: تو وہ بدبخت بددُعا کرتے: احرق اللّٰہ الکاذب: (جھوٹا جل جائے) جھوٹا تو وہ خود ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس کی دُعا اس طرح قبول کی کہ ایک دن اس کی لونڈی گھر میں آگ لائی، اُس کی چنگاری کسی چیز پر گر گئی جس سے سارے مکان کو آگ لگ گئی اور وہ عیسائی وہیں جل کر راکھ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُسے گستاخی کی سزا دے دی۔

یہودیوں کا یہ خاص شیوہ ہے کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کی تضحیک کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ تو فرمایا جب تم نماز کی طرف بلاتے ہو، تو یہ اُس کو ٹھٹا اور کھیل بناتے ہیں: ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ غرض یہ کہ یہ لوگ اسلام اور اہل اسلام کی توہین، تمسخر اور ٹھٹا کرنے سے باز نہیں آتے۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج6: ص 267)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

آیاتِ مذکورہ میں تین اہم اصولی مضامین کا بیان ہے، جو مسلمانوں کی اجتماعی اور ملی وحدت وشیرازہ بندی کے بنیادی اصول ہیں:

اوّل یہ کہ مسلمان، غیر مسلموں سے رواداری، ہمدردی، خیر خواہی، عدل وانصاف، اور احسان وسلوک سب کچھ کرسکتے ہیں، اور ایسا کرنا چاہئے کہ ان کو اس کی تعلیم دی گئی ہے، لیکن ان سے ایسی گہری دوستی اور خلط ملط جس سے اسلام کے امتیازی نشانات گڈمڈ ہوجائیں اس کی اجازت نہیں ہے، یہی وہ مسئلہ ہے جو: ترکِ موالات: کے نام سے معروف ہے۔

دوسرا مضمون یہ ہے کہ اگر کسی وقت کسی خاص جگہ مسلمان اسی بنیادی اصول سے ہٹ کر غیر مسلموں سے ایسا خلط ملط کرلیں تو یہ نہ سمجھیں کہ اس سے اسلام کو کوئی گزند اور نقصان پہنچے گا۔ کیونکہ اسلام کی حفاظت اور بقاء کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ جل شانہ نے لی ہے، اس کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ اگر کوئی قوم حدودِ شرعیہ کو توڑ کر فرض کرلو اسلام ہی کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کسی دوسری قوم کو کھڑا کردیں گے جو اسلام کے اصول وقانون کو قائم کرے گی۔

تیسرا مضمون یہ ہے کہ جب ایک طرف منفی پہلو معلوم ہوگیا تو مسلمان کی گہری دوستی تو صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ اور ان پر ایمان لانے والوں ہی کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ یہ اجمال ہے ان مضامین کا۔ اب ان آیتوں کی مختصر تفسیر دیکھئے:

اے ایمان والو! تم (منافقوں کی طرح) یہود و نصاریٰ کو (اپنا) دوست مت بنانا وہ (خود ہی) ایک دوسرے کے دوست ہیں (یعنی یہودی یہودی باہم اور نصرانی نصرانی باہم، مطلب یہ ہے کہ دوستی ہوتی ہے مناسبت سے، سو ان میں باہم تو مناسبت ہے، مگر تم میں اور ان میں کیا مناسبت) اور (جب جملۂ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ دوستی ہوتی ہے تناسب سے تو) جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ (کسی خاص مناسبت کے اعتبار سے) ان ہی میں سے شمار ہوگا (اور گو یہ امر ظاہر ہے لیکن) یقیناً اللہ تعالیٰ (اس امر کی) سمجھ ہی نہیں دیتے ان لوگوں کو جو (کفار سے دوستی کر کر کے) اپنا نقصان کر رہے ہیں (یعنی دوستی میں منہمک ہونے کی وجہ سے یہ بات اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آتی، اور چونکہ ایسے لوگ اس امر کو نہیں سمجھتے) اسی لئے۔

(اے دیکھنے والے) تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں (نفاق کا) مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان (کفار) میں گھستے ہیں (اور کوئی ملامت کرے تو حیلہ بازی اور سخن سازی کیلئے یوں) کہتے ہیں کہ (ہمارا ملنا ان کے ساتھ دل سے نہیں، بلکہ دل سے تو تمہارے ساتھ ہیں صرف ایک مصلحت سے ان کے ساتھ ملتے ہیں۔ وہ یہ کہ) ہم کو اندیشہ ہے کہ (شاید انقلاب زمانہ سے) ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے (جیسے قحط ہے تنگی ہے، اور یہ یہودی ہمارے ساہوکار ہیں ان سے قرض ادھار مل جاتا ہے، اگر ظاہری میل جول قطع کر دیں گے تو وقت پر ہم کو تکلیف ہوگی۔ ظاہراً: نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ: کا یہ مطلب لیتے تھے، لیکن دل میں اور مطلب لیتے کہ شاید آخر میں مسلمانوں پر کفار کے غالب آجانے سے پھر ہم کو ان کی احتیاج پڑے اس لئے ان سے دوستی رکھنا چاہئے) سو قریب امید (یعنی وعدہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ (مسلمانوں کی کامل) فتح (ان کفار کے مقابلہ میں جن سے یہ دوستی کر رہے ہیں) فرما دے (جس میں مسلمانوں کی کوشش کا بھی دخل ہوگا) یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف سے (ظہور فرما دے، یعنی ان کے نفاق کا علی التعیین بذریعہ وحی کے عام اظہار فرما دیں جس میں مسلمانوں کی تدبیر کا اصلاً دخل نہیں۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں کی فتح اور ان کی پردہ دری دونوں امر قریب ہونے والے ہیں) پھر (اُس وقت) اپنے (سابق) پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے (کہ ہم کیا سمجھتے تھے کہ کفار غالب آویں گے اور یہ کیا برعکس ہوگیا۔ ایک ندامت تو اپنے خیال کی غلطی پر کہ امر طبعی ہے، دوسری ندامت اپنے نفاق پر جس کی بدولت آج رسوا ہوئے۔: مآ اَسَرُّوْا: میں یہ دونوں داخل ہیں، اور یہ تیسری ندامت کہ کفار

کے ساتھ دوستی کرنے پر رائیگاں ہی گئی، اور مسلمانوں سے بھی بُرے بنے۔ چونکہ دوستی: مـــآ اسـرّوا: پر مبنی تھی، لہذا ان دو ندامتوں کے ذکر سے یہ تیسری بلا ذکر صریح خود مفہوم ہوگئی)۔

اور (جب اُس زمانہ فتح میں ان لوگوں کا نفاق بھی کھل جائے گا تو آپس میں) مسلمان لوگ (تعجب سے) کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے (ہمارے سامنے) قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم (دل سے) تمہارے ساتھ ہیں (یہ تو کچھ اور ہی ثابت ہوا، اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں کہ) ان لوگوں کی ساری کاروائیاں (کہ دونوں فریق سے بھلا رہنا چاہتے تھے سب) غارت گئیں جس سے (دونوں طرف سے) ناکام رہے (کیونکہ کفار تو مغلوب ہو گئے، ان کا ساتھ دینا محض بیکار ہے، اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل گئی، ان سے اب بھلا بننا دشوار)۔

اے ایمان والو! (یعنی جو لوگ وقتِ نزول اس آیت کے ایمان والے ہیں) جو شخص تم میں سے اپنے (اس) دین سے پھر جائے تو (اسلام کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ اسلامی خدمات انجام دینے کے لئے) اللہ تعالیٰ بہت جلد (ان کی جگہ) ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر، تیز ہوں گے کافروں پر (کہ ان سے) جہاد کرتے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور (دین اور جہاد کے مقدمہ میں) وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے (جیسا منافقین کا حال ہے کہ دبے دبائے جہاد کے لئے جاتے تھے، مگر اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کفار جن سے دل میں دوستی ہے ملامت کریں گے، یا اتفاق سے جن کے مقابلہ میں جہاد ہے وہی اپنے دوست اور عزیز ہوں، تو سب دیکھتے سنتے طعن کریں گے کہ ایسوں کو مارنے گئے تھے) یہ (صفاتِ مذکورہ) اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہیں عطا فرما دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (کہ اگر چاہیں تو سب کو یہ صفات دے سکتے ہیں لیکن) بڑے علم والے (بھی) ہیں (ان کے علم میں جس کو دینا مصلحت ہوتا ہے اس کو دیتے ہیں)۔

تمہارے دوست تو (جن سے تم کو دوستی رکھنا چاہئے) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان دار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں کہ ان (کے دلوں) میں خشوع ہوتا ہے (یعنی عقائد، اخلاق و اعمالِ بدنی و مالی سب کے جامع ہیں) اور جو شخص (موافق مضمونِ مذکور) اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول ﷺ سے اور ایمان دار لوگوں سے سو (وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے گروہ میں داخل ہوگیا اور) اللہ تعالیٰ کا گروہ بیشک غالب ہے (اور کفار مغلوب ہیں، غالب سے مغلوب کی سازگاری اور دوستی کی فکر کرنا محض نازیبا ہے)۔

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (آسمانی یعنی توریت انجیل) مل چکی ہے (مراد، یہود

ونصاری) جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے (جو علامت ہے تکذیب کی) ان کو اور (اسی طرح) دوسرے کفار کو (بھی جیسے مشرکین وغیرہ) دوست مت بناؤ (کیونکہ اصل علّت کفر و تکذیب تو مشترک ہے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو (یعنی ایمان دار تو ہو ہی، پس جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اس کو مت کرو) اور (جیسے اصولِ دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں، اسی طرح فروع کے ساتھ بھی، چنانچہ) جب تم نماز کیلئے (اذان کے ذریعہ سے) اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ (تمہاری) اس (عبادت) کے ساتھ (جس میں اذان اور نماز دونوں آگئیں) ہنسی اور کھیل کرتے ہیں (اور) یہ (حرکت) اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے (ورنہ امرِ حق کو سمجھتے اور اس کے ساتھ ہنسی نہ کرتے)۔

معارف و مسائل:

پہلی آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یہود و نصاری سے موالات (یعنی گہری دوستی) نہ کریں جیسا کہ عام غیر مسلموں کا اور یہود و نصاری کا خود یہی دستور ہے کہ وہ گہری دوستی کو صرف اپنی قوم کے لئے مخصوص رکھتے ہیں، مسلمانوں سے یہ معاملہ نہیں کرتے۔

پھر اگر کسی مسلمان نے خلاف ورزی کر کے کسی یہودی یا نصرانی سے گہری دوستی کر لی تو وہ اسلام کی نظر میں بجائے مسلمان کے اسی قوم کا فرد شمار ہونے کے قابل ہے۔

شان نزول: امام تفسیر ابن جریرؒ نے بروایت حضرت عکرمہؓ بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ رسولِ کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہونے کے بعد ان اطراف کے یہود و نصاری سے ایک معاہدہ اس پر کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف نہ خود جنگ کریں گے، نہ کسی جنگ کرنے والی قوم کی امداد کریں گے، بلکہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ اسی طرح مسلمان نہ ان لوگوں سے جنگ کریں گے نہ اُن کے خلاف کسی قوم کی امداد کریں گے بلکہ مخالف کا مقابلہ کریں گے۔ کچھ عرصہ تک یہ معاہدہ جانبین سے قائم رہا، لیکن یہودی اپنی سازشی فطرت اور اسلام دشمن طبعیت کی وجہ سے اس معاہدہ پر زیادہ قائم نہ رہ سکی اور مسلمانوں کے خلاف مشرکینِ مکہ سے سازش کر کے ان کو اپنے قلعہ میں بُلانے کے لئے خط لکھ دیا۔ آنحضرت ﷺ پر جب اس سازش کا انکشاف ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے مقابلہ کے لئے ایک دستہ مجاہدین کا بھیج دیا۔

بنو قریظہ کے یہ یہودی ایک طرف تو مشرکینِ مکہ سے یہ سازش کر رہے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں میں گھسے ہوئے بہت سے مسلمانوں سے دوستی کے معاہدے کئے ہوئے تھے، اور اس طرح مسلمانوں کے خلاف مشرکین

کیلئے جاسوسی کا کام دیتے تھے۔اس لئے یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی جس نے مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کی گہری دوستی سے روک دیا، تاکہ مسلمانوں کی خاص خبریں معلوم نہ کرسکیں۔

اُس وقت بعض صحابہ کرامؓ حضرت عبادہ بن صامتؓ وغیرہ نے تو کھلے طور پر ان لوگوں سے اپنا معاہدہ ختم اور ترکِ موالات کا اعلان کردیا، اور بعض لوگ جو منافقانہ طور پر مسلمانوں سے ملے ہوئے تھے یا ابھی ایمان اُن کے دلوں میں رچا نہیں تھا ان لوگوں سے قطع تعلق کردینے میں یہ خطرات محسوس کرتے تھے کہ ممکن ہے کہ مشرکین ویہود کی سازش کامیاب ہوجائے اور مسلمان مغلوب ہوجائیں تو ہمیں اُن لوگوں سے بھی ایسا معاملہ رکھنا چاہئے کہ اُس وقت ہمارے لئے مصیبت نہ ہوجائے۔عبداللہ بن ابی بن سلول نے اسی بناء پر کہا کہ ان لوگوں سے قطع تعلق میں تو مجھے خطرہ ہے، اس لئے ایسا نہیں کرسکتا۔اس پر دوسری آیت نازل ہوئی۔

:فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ: یعنی ترکِ موالات کا حکمِ شرعی سن کر وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے اپنے کافر دوستوں کی طرف دوڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ان سے قطع تعلق کرنے میں تو ہمارے لئے خطرات ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کے جواب میں فرمایا:فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ:یعنی یہ لوگ تو اس خیال میں ہیں کہ مشرکین اور یہود مسلمانوں پر غالب آجائیں گے، مگر اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما چکے ہیں کہ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ قریب ہی مکہ فتح ہوجائے، یا فتح مکہ سے پہلے اللہ تعالیٰ، ان منافقین کے نفاق کا پردہ چاک کرکے ان کو رسوا کردے، تو اُس وقت یہ لوگ اپنے مخفی خیالات پر نادم ہوں گے۔

تیسری آیت میں اس کی مزید تشریح اس طرح بیان فرمائی کہ جب منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہوگا اور ان کی دوستی کے دعووں اور قسموں کی حقیقت کھلے گی تو مسلمان حیرت میں رہ جائیں گے اور کہیں گے کہ کیا یہ وہی ہیں جو ہم سے اللہ تعالیٰ کی مغلظ قسمیں کھا کر دوستی کا دعویٰ کرتے تھے اور آج ان کا یہ حشر ہوا کہ ان کے سب اسلامی اعمال جو محض دکھلاوے کیلئے کیا کرتے تھے ضائع ہوگئے۔اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان آیات میں جو فتح مکہ اور منافقین کی رسوائی کا ذکر فرمایا ہے وہ چند روز کے بعد سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔

چوتھی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ گہری دوستی اور خلط ملط کی جو ممانعت کی گئی ہے یہ خود مسلمانوں ہی کے مفاد کی خاطر ہے، ورنہ اسلام وہ دینِ حق ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے خود لیا ہے۔

کسی فرد یا جماعت کی کجروی یا نافرمانی تو بجائے خود ہے، اگر مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت سچ مچ اسلام ہی کو چھوڑ بیٹھے اور بالکل ہی مرتد ہو کر غیر مسلموں میں مل جائے اس سے بھی اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ قادرِ مطلق جو اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے فوراً کوئی دوسری قوم میدانِ عمل میں لے آئے گا جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین کی حفاظت اور اشاعت کے فرائض انجام دے گی۔ اس کے کام نہ کسی ذات پر موقوف ہیں نہ کسی بڑی جماعت یا ادارہ پر وہ جب چاہتے ہیں تو تنکوں سے شہتیر کا کام لے لیتے ہیں، ورنہ شہتیر پڑے کھاد ہوتے رہتے ہیں۔

اس آیت میں جہاں یہ ذکر فرمایا کہ مسلمان اگر مرتد ہو جائیں تو پروا نہیں، اللہ تعالیٰ جل شانہ ایک دوسری جماعت کھڑی کر دے گا، وہاں اُس پاکباز جماعت کے کچھ اوصاف بھی بیان فرماتے ہیں کہ یہ جماعت ایسے اوصاف کی حامل ہوگی۔

ان کی پہلی صفت قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اُن سے محبت رکھے گا اور وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے محبت رکھیں گے۔ دوسری صفت اس جماعت کی یہ بتلائی گئی: اذلّۃ علی المؤمنین: یعنی یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے نرم ہوں گے۔ حاصل اس لفظ کا یہ ہوا کہ یہ لوگ مسلمانوں سے اپنے حقوق اور معاملات میں کوئی جھگڑا نہ رکھیں گے۔ دوسرا لفظ: اعزّۃ علی الکٰفرین: آیا، مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے دین کے مخالفوں کے مقابلہ میں سخت اور قوی ہیں اور وہ ان پر قابو نہ پا سکیں گے۔

اور دونوں جملوں کو ملانے کا حاصل یہ نکلا کہ یہ ایک ایسی قوم ہوگی جس کی محبت و عداوت اور دوستی، دشمنی اپنی ذات اور ذاتی حقوق و معاملات کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کی خاطر ہوگی۔ اسی لئے ان کی لڑائی کا رُخ اللہ تعالیٰ جل شانہ و رسول ﷺ کے فرماں برداروں کی طرف نہیں بلکہ اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف ہوا۔ یہی مضمون ہے سورۂ فتح کی اس آیت کا: اشدّآء علی الکفّار رحمآء بینھم:

تیسری صفت اس جماعت کی یہ بیان فرمائی: یُجٰھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ: یعنی یہ لوگ دینِ حق کی اشاعت اور برتری کیلئے جہاد کرتے رہیں گے۔

چوتھی صفت یہ بتلائی گئی: وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ: یعنی اقامتِ دین اور کلمۂ حق کے سربلند کرنے کی کوشش میں یہ لوگ کسی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔

: ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ، وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ: آخرت آیت میں یہ بھی بتلا دیا کہ یہ صفات اور: خصائلِ حسنہ: اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کے انعام ہیں، وہی جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، انسان محض اپنے

سعی وعمل سے غیر فضلِ خداوندی کے ان کو حاصل نہیں کرسکتا۔

آیت کے الفاظ کی تشریح سے یہ واضح ہو چکا کہ اگر مسلمانوں میں کچھ لوگ مرتد بھی ہو جائیں تو دینِ اسلام کو کوئی گزند نہ پہنچے گا، بلکہ اس کی حفاظت وحمایت کے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ ایک اعلیٰ اخلاق واعمال کی جماعت کو کھڑا کردیں گے۔

سابقہ چار آیات میں مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ گہری دوستی رکھنے سے منع فرمایا گیا۔ پانچویں آیت میں مثبت طور پر یہ بتلایا گیا کہ مسلمانوں کو گہری دوستی اور رفاقتِ خاص کا تعلق جن سے ہوسکتا ہے وہ کون ہیں۔ ان میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ جل شانہ، پھر اس کے رسول ﷺ کا ذکر ہے، تیسرے نمبر میں مسلمانوں کے رفیق اور مخلص دوست ان مسلمانوں کو قرار دیا ہے جو صرف نام کے مسلمان نہیں، بلکہ سچے مسلمان ہیں۔ جن کی تین صفات اور علامات یہ بتلائی ہیں:

:اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ: **اوّل**..... یہ کہ وہ نماز کو اس کے پورے آداب وشرائط کے ساتھ پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ **دوسری**..... یہ کہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ **تیسرے**..... یہ کہ وہ لوگ متواضع اور فروتنی کرنے والے ہیں، اپنے اعمالِ خیر پر ناز اور تکبر نہیں کرتے۔ اس کا حاصل یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی گہری دوستی کے لائق نماز وزکوٰۃ کے پابند عام مسلمان ہیں۔

اس کے بعد دوسری آیت میں ان لوگوں کو فتح ونصرت اور دنیا پر غالب آنے کی بشارت دی گئی ہے، جو مذکورہ آیات قرآنی کے احکام کی تعمیل کرکے غیروں کی گہری دوستی سے باز آجائیں اور صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان والوں کو اپنا دوست بنائیں۔ ارشاد فرمایا: وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ: اس میں ارشاد فرمایا کہ ان احکامِ الٰہیہ کی تعمیل کرنے والے مسلمان اللہ تعالیٰ جل شانہ کا گروہ ہیں، پھر یہ خوشخبری سنادی کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا گروہ ہی انجامِ کار سب پر غالب آکر رہے گا۔

آنے والے واقعات نے اس کی ایسی تصدیق کردی کہ ہر آنکھوں والے نے دیکھ لیا کہ صحابہ کرامؓ سب پر غالب آکر رہے۔ جو طاقت ان سے ٹکرائی پاش پاش ہوگئی، خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبرؓ کے مقابلہ پر اندرونی فتنے اور بغاوتیں کھڑی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کو سب پر غالب فرمایا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کے مقابلہ پر دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں: قیصر وکسریٰ: کی آگئیں تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن کا نام ونشان مٹادیا، اور پھر ان کے بعد خلفاء اور مسلمانوں میں جب تک ان احکام کی پابندی رہی کہ مسلمانوں نے غیروں کے ساتھ خلط ملط اور گہری دوستی کے تعلقات قائم نہیں کئے وہ ہمیشہ مظفر ومنصور نظر آئے۔

چھٹی آیت میں بطور تاکید کے اس حکم کا اعادہ فرمایا گیا ہے جو شروع رکوع میں بیان ہوا تھا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کو اپنا رفیق یا گہرا دوست نہ بناؤ، جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل قرار دیتے ہیں۔

اسی شرارت پسندی کا ایک واقعہ وہ ہے جو ساتویں آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا: وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا: یعنی جب مسلمان نماز کے لئے اذان دیتے ہیں تو یہ لوگ اُن کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ: یعنی دین حق کے ساتھ اس تمسخر واستہزاء کی وجہ اس کے سوا نہیں ہوسکتی کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔ (معارف القرآن: ج3: ص184)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ: یہود اور نصاریٰ کی خباثتیں اور ان کی بداعمالیاں ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کو ان سے ترکِ موالات کا حکم دیا کہ ان سے دوستی نہ کرو اور نہ باہمی تعاون اور امداد کا ان سے کوئی معاہدہ کرو بلکہ آپس میں دوستی اور محبت بڑھاؤ۔

:بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ: وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، یہود آپس میں اور نصاریٰ آپس میں، لیکن تمہارے دشمن ہیں، اس لئے اُن سے خیر خواہی یا بھلائی کی توقع مت رکھو۔

:وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ: جو ان سے دوستی کرے گا وہ بھی انہی میں کا ہوگا، یہ بطور زجر وتوبیخ فرمایا۔

بعض مفسرینؒ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ سے موالات کی وجہ سے انہی جیسے کفار مجاہرین ہوجائیں گے۔

:مَرَضٌ: یعنی نفاق کی بیماری۔ اس سے مراد منافقین ہیں اور یہ منافقین پر شکوہ ہے۔

:دَآئِرَةٌ: یعنی کوئی حادثہ اور مصیبت۔ منافقین دوڑ دوڑ کر یہود ونصاریٰ کی طرف جاتے ہیں اور انہوں نے در پردہ ان سے دوستی گانٹھ رکھی ہے اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ ان سے موالات نہ کریں تو وہ ان کو مالی مشکلات اور دیگر دنیوی مصائب سے دوچار ہونے کا خطرہ ہے۔ کیونکہ یہود ونصاریٰ کی طرف سے ان کو مالی امداد ملتی تھی۔

:عَسٰى: کی نسبت جب اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف ہو تو وہ حتمی وعدے کے لئے ہوتا ہے یعنی ایسا ضرور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے رسول ﷺ کو اس کے دشمنوں (یہود ونصاریٰ) پر فتح دے گا یا اپنے رسول ﷺ کو منافقین کے نفاق اور ان کے پوشیدہ اسرار ظاہر کرنے کا حکم دے دے گا تو منافقین، کافروں سے اپنی پوشیدہ دوستی پر سخت نادم اور

پشیمان ہوں گے۔کیونکہ ایک تو کافروں کے مغلوب ومفتوح ہونے کی وجہ سے وہ ان کی امداد اور پشت پناہی سے محروم ہو جائیں گے، دوم ظہور نفاق کی وجہ سے شرمسار ہوں گے۔(یعنی منافق، کافروں سے دوستی لگائے جاتے ہیں کہ ہم پر گردش نہ آجائے ،یعنی مسلمان مغلوب ہو جاویں تو ان کی دوستی ہمارے کام آوے۔سو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ اب قریب ہے کہ کافر ہلاک ہوں گے یعنی مسلمانوں کی ان پر فتح ہو یا کچھ اور حکم آوے یعنی کافر ملک سے ویران ہوں۔آخر یہود کو حکم فرمایا جلاوطن کرنے کا)۔

:وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ :یہ مسلمانوں کی طرف سے منافقین کے: حالِ بد :اور ان کے :عذر: پر تعجب کا اظہار ہے۔ان منافقین نے پختہ قسمیں کھا کھا کر آنحضرت ﷺ کو یقین دلایا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے دین پر ہیں اور آپ کے ساتھی ہیں اور وقت آنے پر یہود کے مقابلے میں آپ ﷺ کی مدد کریں گے لیکن وقت آنے پر انہوں نے مسلمانوں کے بجائے یہود کی امداد کی اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔اس پر مسلمانوں نے تعجب سے کہا کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے نام کی قسمیں دے دے کر عہد کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے مگر ان کے کرتوتوں سے ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔

:حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ :ان کے تمام اعمال ضائع اور بے نتیجہ ہو گئے اور ان پر آخرت کا کوئی اجر مرتب نہیں ہوگا، کیونکہ اعمال کے مفید اور موجب ثواب ہونے کے لئے ایمان خالص شرط ہے اور وہ اس سے محروم ہیں۔

:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ (الی قولہ) وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ: یہ خطاب مسلمانوں سے ہے اور ان پر زجر ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ سے دوستی اور ان کی حمایت کر کے ارتداد کی راہ اختیار نہ کریں۔ لیکن اگر انہوں نے منافقین کی طرح ان سے موالات کر لی تو اس سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے دین کی خدمت کے لئے ایسے لوگوں کو میدان میں لے آئے گا جو اس سے بجان ودل محبت کریں گے اور ظاہر وباطن میں اس کے مطیع وفرمان بردار رہوں گے اور ان کی خوبیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جل شانہ بھی ان کو محبوب رکھے گا اور دین ودنیا میں ان کی مدد کرے گا اور ان کو اپنے انعامات سے نوازے گا۔وہ اپنے مؤمن بھائیوں کے سامنے عاجز اور ان پر مہربان ہوں گے لیکن کافروں کے حق میں سخت ہوں گے اور ان کے سامنے کبھی نہیں جھکیں گے وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں محض اللہ تعالیٰ جل شانہ کی خوشنودی کے لئے اور اس کے دین کی سربلندی کی خاطر جہاد کریں گے اور کسی کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔

:اِنَّمَاوَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه(الی قوله) وَهُمْ رَاكِعُوْنَ: یہود ونصاریٰ کی دوستی سے منع کرنے کے بعد فرمایا کہ تمہاری دوستی تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان والوں سے ہونی چاہئے، یعنی انہی سے دوستی اور موالات کرو یہی تمہارے دوست ہیں۔ یہود ونصاریٰ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ تمہارے کبھی دوست نہیں بن سکتے۔

اور یہ ان ایمان والوں کی صفتیں ہیں جن سے دوستی رکھنی چاہئے یعنی وہ نماز زکوۃ اور دوسرے تمام اعمال پورے اخلاص اور خشوع وتواضع سے بجالاتے ہوں اور ان کے اعمال نفاق کے شائبہ سے پاک ہوں۔ مؤمنین کی یہ صفات بیان کر کے منافقین سے احتراز کرنے کی تعلیم دینا مقصود ہے کیونکہ وہ بھی مؤمن ہونے کے مدعی تھے۔

:وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه(الی قوله) الْغٰلِبُوْنَ: جو لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مؤمنین سے دوستی اور محبت کا رشتہ قائم کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی پوری پوری اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں اور ایمان والوں کے خلاف بغض وعداوت نہیں رکھتے بلکہ ان سے اتحاد واتفاق کے ساتھ رہتے ہیں تو یہ لوگ: حِزْبَ اللّٰهِ: یعنی اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے اور اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی انجام کار غالب اور کامران ہوتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان والوں سے محبت وموالات کرنے کی ترغیب ہے۔

:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: پہلے یہود ونصاریٰ کی موالات سے منع فرمایا اب یہاں منافقین اہل کتاب اور مشرکین سے دوستی اور محبت کرنے سے منع فرمایا۔

:وَاِذَا نَادَيْتُمْ ،الخ: یہ ان کے استہزاء کا بیان ہے۔ یعنی وہ نماز میں تمہارے ساتھ محض استہزاء وتمسخر کے لئے شریک ہوتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد تمہیں دھوکہ دینا ہے تاکہ تم ان کو صحیح مؤمن سمجھو۔

(جواہر القرآن: ج1: ص283)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہود ونصاریٰ سے موالات کی ممانعت:

:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو: لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ نہ بناؤ تم یہودیوں کو اور نصرانیوں کو دوست: بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ: بعض ان کے دوست ہیں بعض کے۔ یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا یہ حکم بالکل واضح اور صاف ہے کہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی جائز

نہیں ہے۔

:وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّه مِنْهُمْ: اور جس نے ان کے ساتھ دوستی کی تم میں سے، پس بے شک وہ انہی میں سے ہوگا۔ یعنی وہ پختہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ بیشک نام اس کا مسلمانوں والا ہو، لیکن ہوگا وہ یہودی اور عیسائی ہی۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے والا کس طرح مسلمان ہوسکتا ہے۔

:اِنَّ اللّٰه لَايَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ: بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو۔ لہٰذا تم ظلم نہ کرنا اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی نہ لگانا۔

ربـــــط: گزشتہ آیات میں ایمان والوں کو خطاب تھا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو ان کے ساتھ دوستی لگائے گا اس کا شمار انہی میں سے ہوگا۔ اور آج کی آیات میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:

منافقین کا رویہ:

:فَتَرَى الَّذِيْنَ: پس (اے نبی کریم ﷺ!) آپ دیکھیں گے اُن لوگوں کو: فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ: جن کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے: يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ: دوڑتے ہیں ان کے اندر جا کر ملنے کے لئے۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں جو منافق تھے وہ کلمہ بھی پڑھتے تھے اور آپ ﷺ کی مجالس میں باقاعدہ حاضری بھی دیتے تھے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان کی دوستی بھی تھی اور کہتے کیا ہیں، فرمایا:

:يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى: کہتے ہیں، ہم ڈرتے ہیں: اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ: یہ کہ ہمیں پہنچے کوئی گردش۔ یعنی ہم یہودیوں کے ساتھ دوستی اور ملاپ اس لئے رکھتے ہیں کہ اگر قحط پڑ گیا یا کوئی مجبوری بن گئی یا قرض لینے کی ضرورت پیش آگئی تو اُن سے اپنی ضرورت پوری کریں گے۔ یہود و نصاریٰ سے تعلق قائم رکھنے کا جواز پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

:فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ: پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لائے فتح۔ ان کی امداد کے بغیر۔

:اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ: یا اور کوئی معاملہ اپنی طرف سے پیدا فرمادے کہ تم ان کے محتاج نہ رہو۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ جل شانہ کے احکام بڑے صاف اور واضح ہیں، اور یہ حکم بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے صاف اور صریح الفاظ میں بیان فرمادیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی مت لگاؤ اور اُن کے ساتھ تعلق جوڑنے میں کسی بہانے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ تمہارے کبھی خیر خواہ نہیں ہوسکتے۔ اور دنیا کے احکام و حالات اللہ تعالیٰ جل شانہ کے احکام پر

شاہدِ عدل ہیں۔کبھی بھی مسلمانوں کو کافروں سے فائدہ نہیں ہوا اور یہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔لہذا کافروں سے کسی قسم کی توقع رکھنا عبث اور غلط ہے۔

کیا فائدہ کافروں کے ساتھ معاہدوں کا۔رب تعالیٰ جل شانہ نے جو کچھ فرمایا ہے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ کافروں سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اللہ تعالیٰ خود ہی مسلمانوں کی نصرت فرمائیں۔اور مسلمانوں کی کامیابیوں کو دیکھ کر..... فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ: پس ہو جائیں وہ منافق اُس چیز پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں مخفی رکھی ہوئی ہے شرمندہ کہ انہوں نے تمہارا کسی قسم کا کوئی ساتھ نہیں دیا۔اور اس پر تاریخ شاہد ہے کہ کافروں پر جب بھی اعتماد کیا ہے وہ اعتماد پر پورے نہیں اُترے، بلکہ اُلٹا انہوں نے نقصان پہنچایا ہے۔

منافقین، یہود مدینہ کو بڑا مضبوط سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے اندرونی طور پر اُن کے ساتھ تعلق رکھتے تھے مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہود مدینہ کو مغلوب کر دیا، کچھ مارے گئے اور کچھ جلاوطن کر دیئے گئے۔اور منافقین کی اُمیدیں ختم ہو گئیں۔اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:

:وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا: اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے: اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ: کیا یہ لوگ ہیں جنہوں نے قسمیں کھائیں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا نام لے کر: جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ: مضبوط قسمیں: اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ: کہ وہ البتہ تمہارے ساتھ ہیں۔کہ ہم بھی مومن ہیں۔یہود کے ساتھ تو تعلق صرف اس لئے رکھا ہوا ہے کہ کوئی ضرورت پیش آجائے تو وہ کام آجائیں۔

:حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ: ضائع ہو گئے اعمال اُن کے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔دنیا میں اُن کو یہود کے ساتھ تعلقات کام نہ آئے اور آخرت میں بھی اُن کے اعمال کام نہیں آئیں گے اور دوزخ کے نچلے طبقے میں سزا پائیں گے: فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ: پس ہو گئے وہ نقصان اُٹھانے والے۔

مومنین کی صفات:

:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ: اے ایمان والو! جو مرتد ہو گیا تم میں سے دین سے۔وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا: فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ: پس عنقریب اللہ تعالیٰ جل شانہ لائے گا ایسی قوم: يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ: اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کے ساتھ محبت کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے محبت کریں گے: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ: نرم ہوں گے ایمان والوں پر: اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ: زبردست ہوں گے کافروں کیلئے، چاہے تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔اور اگر منافقت اختیار کرو گے اور کافروں کا سہارا تلاش کرو گے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ

دوستی رکھو گے تو اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے، البتہ تمہارا نقصان ہوگا۔

فرمایا: یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ: جہاد کریں گے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے راستے میں: وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ: اور نہ خوف کریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا: ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ: یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فضل ہے، دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جل شانہ وسعت والا جاننے والا ہے۔ اس سے زیادہ جاننے والا اور کوئی نہیں ہے۔

ربط آیات: پچھلے رکوع کی ابتداء میں اس کا ذکر تھا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ تو پھر کن کو دوست بنائیں؟ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:

مومن کا حقیقی دوست کون؟

:اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ: پختہ بات ہے دوست تمہارا، تمہارا آقا، تمہارا مالک، اللہ تعالیٰ جل شانہ ہے اور اس کا رسول ﷺ ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ راضی ہے۔ اور ان کی نصرت کا وعدہ فرما چکا ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اور وہ لوگ تمہارے دوست ہیں جو ایمان لائے۔ یعنی تمہاری دوستی اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان والوں کے ساتھ ہونی چاہئے۔ مومنوں کی کیا پہچان ہے؟ کیونکہ منہ سے بہت سارے لوگ اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ مومنوں کے اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ جن کی یہ صفتیں ہوں وہ مومن ہیں۔

مومنین کی صفات کا ذکر:

:الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ: مومن وہ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں: وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ: اور وہ زکوۃ دیتے ہیں: وَهُمْ رَاکِعُوْنَ: اور وہ عاجزی کرتے ہیں۔

:وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: اور جو دوستی کرتا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اور اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں جن کی صفات بیان ہوئی ہیں: فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ: پس بے شک گروہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا وہی غالب آئے گا، یہی گروہ غالب آئے گا۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ حق والے تھوڑے ہونے کے باوجود غالب ہوتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا وعدہ ہے: وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین:

مطلب یہ ہے جب تم مومن ہوں گے تو تمہارا تعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ قائم ہوگا وہ تمہاری کامیابی کے اسباب پیدا فرمائے گا بلکہ وہ اسباب کا بھی محتاج نہیں ہے۔ بغیر اسباب کے بھی مدد فرمائے گا، اور اگر اللہ تعالیٰ جل

شانہ کے ساتھ تعلق قائم نہیں ہوگا تو نصرت نہیں آئے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی سے منع فرماتے ہیں۔

غلبہ مومنین کے لئے شرط کفار سے قلبی دوستی کی ممانعت:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْادِیْنَکُمْ ھُزُوًاوَّلَعِبًا: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ بناؤ اُن لوگوں کو جنہوں نے بنایا ہے تمہارے دین کو تمسخر اور کھیل: مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوْاالْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ: اُن لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے: وَالْکُفَّارَاَوْلِیَآءَ اور دوسرے کافروں کو دوست۔

ربط رکوع: پہلے رکوع میں جو حکم بیان ہوا تھا کہ یہود ونصاریٰ سے دوستی نہیں کرنی اور ان کے علاوہ دوسرے کافروں سے دوستی کرلیں تو کوئی ڈر نہیں ہے۔

یہاں وضاحت فرمادی کہ نہ یہود ونصاریٰ سے دوستی جائز ہے اور نہ دوسرے کافروں سے دوستی جائز ہے۔ اور وجہ بھی بیان فرمادی کہ انہوں نے تمہارے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔

دیکھو! تمہارے باپ کا کوئی مذاق اُڑائے یا تمہاری ماں کا کوئی مذاق اُڑائے تو کتنا غصہ آتا ہے اور دین تو ماں باپ سے بھی زیادہ قیمتی سرمایہ ہے اس کا کوئی مذاق اُڑائے تو زیادہ غصہ آنا چاہئے۔ مگر آئے گا اُسے جو مومن ہوگا۔

:وَاتَّقُوااللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ: اور ڈرو اللہ تعالیٰ جل شانہ سے اگر تم مومن ہو۔

:وَاِذَانَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ: اور جب تم اذان دیتے ہو، نماز کے لئے بلاتے ہو: اتَّخَذُوْھَاھُزُوًا وَّلَعِبًا: بناتے ہیں اس کو مسخرہ اور کھیل۔ لہٰذا اے مسلمانو! تمہاری غیرت کا تقاضا ہے کہ اُن کو دوست نہ بناؤ۔

اور یہ لوگ دین کا مذاق کیوں اُڑاتے ہیں۔ فرمایا: ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّایَعْقِلُوْنَ: یہ اس لئے کہ بے شک وہ ایسی قوم ہے جو عقل نہیں رکھتی، سمجھتی نہیں ہے۔ بے وقوف لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہمیں اصول بتائے ہیں کہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی نہیں کرنی اور جو لوگ دین کا مذاق اُڑائیں اُن کے ساتھ بھی دوستی نہیں ہونی چاہئے۔ (ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن: ج5: ص185)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتَتَّخِذُوْاالْیَھُوْدَوَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ(الیٰ قولہ)حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ: اے ایمان والو! تم یہودی کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا، تو

دیکھے گا جن کے دل میں بیماری ہے دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے ، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر بے طرح نادم ہونے لگیں گے، اور ایماندار کہنے لگیں گے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے۔

دشمنانِ اسلام سے دوستی منع ہے:

دشمنانِ اسلام یہود و نصاریٰ سے دوستیاں کرنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ ممانعت فرما رہا ہے اور فرماتے ہیں کہ وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ تمہارے دین سے انہیں بغض وعداوت ہے ،ہاں اپنے والوں سے ان کی دوستیاں اور محبتیں ہیں ۔میرے نزدیک تو جو بھی ان سے دلی محبت رکھے وہ ان ہی میں سے ہے ۔حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کو اس بات پر پوری تنبیہ کی اور یہ آیت پڑھ سنائی ۔حضرت عبداللہ بن عتبہؓ نے فرمایا: لوگو! تمہیں اس سے بچنا چاہئے کہ تمہیں خود تو معلوم نہ ہو اور تم اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک یہود و نصاریٰ بن جاؤ ہم سمجھ گئے کہ آپ کی مراد اسی آیت کے مضمون سے ہے ۔حضرت ابن عباسؓ سے عرب نصرانیوں کے ذبیحہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔

جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ تو لپک لپک کر پوشیدہ طور پر ان سے ساز باز اور محبت ومودت کرتے ہیں اور بہانہ بناتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے اگر مسلمانوں پر یہ لوگ غالب آ گئے تو پھر ہماری تباہی کر دیں گے، اس لئے ہم ان سے بھی میل ملاپ رکھتے ہیں، ہم کیوں کسی سے بگاڑیں؟ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صاف طور پر غالب کر دے، مکہ بھی ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے ، فیصلے اور حکم ان ہی کے چلنے لگیں ،حکومت ان کے قدموں میں سر ڈال دے، یا اللہ تعالیٰ اور کوئی چیز اپنے پاس سے لائے یعنی یہود و نصاریٰ کو مغلوب کر کے انہیں ذلیل کر کے ان سے جزیہ لینے کا حکم مسلمانوں کے دے دے پھر تو یہ منافقین جو آج لپک لپک کر ان سے گہری دوستی کرتے پھرتے ہیں، بڑے بنانے لگیں گے اور اپنی اس چالاکی پر خون کے آنسو جمانے لگیں گے ۔ان کے پردے کھل جائیں گے اور یہ جیسے اندر تھے ویسے ہی باہر سے نظر آئیں گے ۔اس وقت مسلمان ان کی مکاریوں پر تعجب کریں گے اور کہیں گے یہ تو وہی لوگ ہیں جو بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں ۔انہوں نے جو پایا تھا وہ کھو دیا تھا اور برباد ہو گئے۔

:و یقول: تو جمہور کی قرات ہے ۔ایک قرات بغیر واؤ کے بھی ہے اہل مدینہ کی یہی قرات ہے ۔:یقول: تو

مبتداء ہے اور دوسری قرات اس کی: یقول: ہے تو یہ: فعسیٰ: پر عطف ہوگا گویا: وان یقول: ہے۔

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ احد کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس یہودی سے دوستی کرتا ہوں تا کہ موقع پر مجھے نفع پہنچے، دوسرے نے کہا کہ میں فلاں نصرانی کے پاس جاتا ہوں، اس سے دوستی کر کے اس کی مدد کروں گا۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں لبابہ بن عبدالمنذر کے بارے میں یہ آیتیں اتریں جبکہ حضور ﷺ نے انہیں بنو قریضہ کی طرف بھیجا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور ﷺ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ تو آپ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کرا دیں گے، ایک روایت میں ہے کہ یہ آیتیں عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں اتری ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے حضور ﷺ سے کہا کہ بہت سارے یہودیوں سے میری دوستی ہے مگر میں ان سب کی دوستیاں توڑتا ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ جل شانہ و رسول ﷺ کی دوستی کافی ہے۔ اس پر اس منافق نے کہا کہ میں دور اندیش ہوں، دور کی سوچنے کا عادی ہوں مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا، نہ جانے کس وقت کہ موقعہ پڑ جائے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ تو عبادہؓ کے مقابلے میں بہت ہی گھاٹے میں رہا، اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض مسلمانوں نے اپنے ملنے والے یہودیوں سے کہا کہ یہی تمہاری حالت ہو اس سے پہلے ہی تم اس دین برحق کو قبول کر لو انہوں نے جواب دیا کہ چند قریشیوں پر جو لڑائی کے خون سے بے بہرہ ہیں، فتح مندی حاصل کر کے کہیں تم مغرور نہ ہو جانا ہم سے اگر پالا پڑا تو ہم تو تمہیں بتا دیں گے کہ لڑائی اسے کہتے ہیں۔ اس پر حضرت عبادہؓ اور عبداللہ بن ابی کا وہ مکالمہ ہوا جو اوپر بیان ہو چکا ہے جب یہودیوں کے اس قبیلہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور بفضل رب تعالیٰ یہ غالب آ گئے تو اب عبداللہ بن ابی آپ سے کہنے لگا حضور ﷺ میرے دوستوں کے معاملے میں مجھ پر احسان کیجئے، یہ لوگ خزرج کے ساتھی تھے، حضور ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا اس نے پھر کہا، آپ ﷺ نے منہ موڑ لیا، یہ آپ ﷺ کے دامن سے چپک گیا آپ نے غصہ سے فرمایا کہ چھوڑ دے، اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ میں نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ ان کے بارے میں احسان کریں، ان کی بڑی پوری جماعت ہے اور آج تک یہ لوگ میرے طرفدار رہے اور ایک ہی دن میں یہ سب فناء کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ مجھے تو آنے والی مصیبتوں کا کھٹکا ہے، آخر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جا وہ سب تیرے لئے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب بنو قینقاع کے یہودیوں نے حضور ﷺ سے جنگ کی اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے انہیں نیچا دکھایا تھا عبداللہ بن ابی ان کی حمایت حضور اکرم ﷺ کے سامنے کرنے لگا اور حضرت عبادہ بن صامتؓ نے باوجودیکہ یہ بھی ان کے حلیف تھے لیکن انہوں نے ان سے صاف براءت ظاہر کی اس پر یہ آیتیں: هم الغالبون : تک

اتریں ۔مسند احمد میں ہے کہ اس منافق عبداللہ بن ابی کی عیادت کیلئے حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا میں نے تو تجھے بارہا ان یہودیوں کی محبت سے روکا تو اس نے کہا سعد بن ذرارہ تو ان سے دشمنی رکھتا تھا وہ بھی مر گیا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ (الیٰ قولہ) فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ:

اے ایمان والوں تم سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت ہی جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ تعالیٰ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتی ہوگی اور نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت دل ہوں گے کفار پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔ مسلمانو! تمہارا دوست خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول ﷺ ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے رہتے ہیں اور وہ خشوع وخضوع کرنے والے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔

قوت اسلام اور مرتدین:

اللہ رب العزت جو قادر و غالب ہے خبر دیتا ہے کہ اگر کوئی اس پاک دین سے مرتد ہو جائے تو وہ اسلام کی قوت گھٹا نہیں دے گا، اللہ تعالیٰ جل شانہ ایسے لوگوں کے بدلے ان لوگوں کو اس سچے دین کی خدمت پر مامور کرے گا، جو ان سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے: وان تتلوا: اور آیت میں ہے: ان یشأ یذھبکم ایھا النّاس ویأت باخرین: اور جگہ فرمایا: ویأت بخلق جدید، الخ: مطلب ان سب آیتوں کا وہی ہے جو بیان ہوا۔ ارتداد کہتے ہیں، حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھر جانے کو۔

محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں یہ آیت سرداران قریش کے بارے میں اتری ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں خلافت صدیق اکبرؓ میں جو لوگ اسلام سے پھر گئے تھے، ان کا حکم اس آیت میں ہے۔ جس قوم کو ان کے بدلے لانے کا وعدہ دے رہا ہے وہ اہل قادسیہ ہیں یا قوم سبا ہے یا اہل یمن ہیں جو کندہ اور سکون قبیلہ کے ہیں، ۔ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ پچھلی بات بیان ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ اس کی قوم ہے۔

اب ان کامل ایمان والوں کی صفت بیان ہو رہی ہے کہ یہ اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کے سامنے تو بچھ جانے والے، جھک جانے والے ہوتے ہیں اور کفار کے مقابلے میں تن جانے والے، ان پر بھاری پڑنے والے اور ان پر تیز

ہونے والے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا: اشدّاء علی الکفّار رحماء بینھم: حضورﷺ کی صفتوں میں ہے کہ آپ ﷺ خندہ مزاج بھی تھے اور قتال بھی یعنی دوستوں کے سامنے ہنس مکھ خندہ رو اور دشمنان دین کے مقابلے میں سخت اور جنگجو۔ سچے مسلمان راہ حق کے جہاد سے نہ منہ موڑتے ہیں، نہ پیٹھ دکھاتے ہیں، نہ تھکتے ہیں، نہ بزدلی اور آرام طلبی کرتے ہیں، نہ کسی کی مروت میں آتے ہیں، نہ کسی کی ملامت کا خوف کرتے ہیں، وہ برابر اطاعت الٰہی میں اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں بھلائی کا حکم کرنے میں اور برائیوں سے روکنے میں مشغول رہتے ہیں۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں، مجھے میرے خلیل ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا ہے۔ مسکینوں سے محبت رکھنے صلہ رحمی کرتے رہنے، گو دوسرے نہ کرتے ہوں اور کسی سے کچھ بھی نہ مانگنے، حق بات بیان کرنے کا گو وہ سب کو کڑوی لگے اور دین کے معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا اور بکثرت: لاحول ولاقوّۃ الّا باللّٰہ: پڑھنے کا، کیونکہ یہ کلمہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے۔ (مسند احمد)

ایک روایت میں ہے، میں نے حضورﷺ سے پانچ مرتبہ بیعت کی ہے اور سات باتوں کی آپﷺ نے مجھے یاددہانی کی ہے اور سات مرتبہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ جل شانہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین کے بارے میں کسی بدگو کی بدگوئی کی مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ مجھے بلا کر حضورﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے جنت کے بدلے میں بیعت کرے گا؟ میں نے منظور کر کے ہاتھ بڑھایا تو آپﷺ نے شرط کی کہ کسی سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ میں نے کہا بہت اچھا، فرمایا اگرچہ کوڑا بھی ہو۔ یعنی اگر وہ بھی گر پڑے تو خود سواری سے اتر کر لے لینا (مسند احمد)۔ حضور اکرمﷺ فرماتے ہیں لوگوں کی ہیبت میں آ کر حق گوئی سے نہ رکنا، یاد رکھو! نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے، نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔

فرماتے ہیں خلاف شرع امر دیکھ کر، سن کر اپنے تئیں کمزور جان کر، خاموش نہ ہو جانا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں اس کی باز پرس ہوگی، اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے چپکا ہو گیا تو جناب باری تعالیٰ جل شانہ فرمائے گا، میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا۔ (مسند احمد)

فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قیامت کے دن ایک سوال یہ بھی کرے گا کہ تو نے لوگوں کو خلاف شرع کام کرتے دیکھ کر اُس سے روکا کیوں نہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ خود ہی اسے جواب سمجھائے گا اور یہ کہے گا پروردگار میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرا۔ (ابن ماجہ)

ایک اور صحیح حدیث میں ہے، مومن کو نہ چاہئے کہ اپنے تئیں ذلت میں ڈالے صحابہ کرامؓ نے پوچھا، یہ کس طرح؟ فرمایا ان بلاؤں کو اپنے اوپر لے لے، جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔یعنی کمال ایمان کی یہ صفتیں خاص اللہ تعالیٰ جل شانہ کا عطیہ ہیں، اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے، اس کا فضل بہت ہی وسیع ہے اور وہ کامل علم والا ہے، خوب جانتا ہے کہ اس بہت بڑی نعمت کا مستحق کون ہے؟

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے دوست کفار نہیں بلکہ حقیقتاً تمہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ سے اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے دوستیاں رکھنی چاہئیں۔مومن بھی وہ جن میں یہ صفتیں ہوں کہ وہ نماز کے پورے پابند ہوں، جو اسلام کا اعلیٰ اور بہترین رکن ہے اور صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کا حق ہے، اور زکوۃ ادا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ضعیف مسکین بندوں کا حق ہے، اور آخری جملہ جو ہے اس کی نسبت بعض لوگوں کو وہم سا ہو گیا ہے کہ یہ: یوتون الزکوۃ: سے حال واقع ہے یعنی رکوع کی حالت میں زکوۃ ادا کرتے ہیں۔یہ بالکل غلط ہے۔

اگر اسے مان لیا جائے تو یہ تو نمایاں طور پر ثابت ہو جائے گا کہ رکوع کی حالت میں زکوۃ دینا افضل ہے حالانکہ کوئی عالم اس کا قائل ہی نہیں، ان وہمیوں نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نماز کے رکوع میں تھے جو ایک سائل آ گیا تو آپؓ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی: والذین امنوا: سے مراد بقول عتبہ جملہ مسلمان اور حضرت علیؓ ہیں۔اس پر یہ آیت اتری ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی انگوٹھی کا قصہ ہے اور بعض دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے لیکن سند ایک کی بھی صحیح نہیں، رجال ایک کے بھی ثقہ اور ثابت نہیں، پس یہ واقعہ غیر ثابت شدہ ہے اور صحیح نہیں۔ٹھیک وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب آیتیں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں جب کہ انہوں نے کھلے لفظوں میں یہود کی دوستی توڑی اور اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ اور باایمان لوگوں کی دوستی پر راضی ہو گئے، اسی لئے ان تمام آیتوں کے آخر میں فرمان ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے دوستی رکھے وہ اللہ تعالیٰ کے لشکر میں داخل ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا لشکر غالب ہے۔جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے: کتب اللّٰہ لاغلبنّ انا ورسلی ،الخ :یعنی اللہ تعالیٰ یہ دیکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ﷺ ہی غالب رہیں گے، اللہ تعالیٰ جل شانہ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی پسند نہ آئے گا چاہے وہ باپ بیٹے بھائی کنبے قبیلے کے لوگوں میں سے ہی کیوں نہ ہو۔یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنے روح سے ان کی تائید کی ہے، انہیں اللہ تعالیٰ اُن جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، رب تعالیٰ ان سے راضی ہے، یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے خوش ہیں، یہی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے لشکر ہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔پس جو اللہ تعالیٰ

جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کی دوستیوں پر راضی اور رضامند ہو جائے، وہ دنیا میں فاتح ہے اور آخرت میں فلاح پانے والا ہے۔ اسی لئے اس آیت کو بھی اس جملے پر ختم کیا۔

:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا (الیٰ قولہ) ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ: مسلمانو! اُن لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ اُن میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے خواہ کفار ہوں اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں، یہ اس واسطے کہ یہ بے عقل ہیں۔

آذان اور دشمنانِ دین:

اللہ تعالیٰ جل شانہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محبت سے نفرت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا تم اُن سے دوستیاں کرو گے جو تمہارے طاہر مطہر دین کی ہنسی اڑاتے ہیں اور اسے ایک بازیچہ اطفال بنائے ہوئے ہیں۔: مـــن: بیان جنس کیلئے جیسے: من الاوثان: میں۔ بعض نے: والکفّار: پڑھا ہے اور عطف ڈالا ہے۔ اور بعض نے: والکفار: پڑھا ہے اور: لاتتخذوا: کا نیا معمول بنایا ہے تو تقدیر عبارت: ولا الکفار اولیا: ہوگی، کفار سے مراد مشرکین ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی قرات میں: مـن الّذین اشرکوا: ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اُن سے دوستیاں نہ کرو اگر تم سچے مومن ہو یہ تو تمہارے دین کے، اللہ تعالیٰ کی شریعت کے دشمن ہیں۔ جیسے فرمایا: لایتخذالمومنون، الخ: مومن مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں نہ کرے اور جو ایسا کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی بھلائی میں نہیں، ہاں ان سے بچاؤ مقصود ہو تو اور بات ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

اسی طرح یہ کفار اہل کتاب اور مشرک اُس وقت بھی مذاق اڑاتے ہیں جب تم نمازوں کیلئے لوگوں کو پکارتے ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پیاری عبادت ہے، لیکن یہ بے وقوف اتنا بھی نہیں جانتے، اس لئے کہ یہ تبع شیطان ہیں، اس کی یہ حالت ہے کہ آذان سنتے ہی بدبو چھوڑ کر دم دبائے بھاگتا ہے اور وہاں جا کر ٹھہرتا ہے، جہاں آذان کی آواز نہ سن پائے۔ اس کے بعد آجاتا ہے پھر تکبیر سن کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی آکر اپنے بہکاوے میں لگ جاتا ہے، انسان کو اِدھر اُدھر کی بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ اسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ نماز کی کتنی رکعت پڑھیں؟ (متفق علیہ)۔

ایک نصرانی مدینہ میں تھا، اذان میں جب: اشھد انّ محمّدًا رّسول اللّٰہ: سنتا تو کہتا کذاب جل جائے۔ ایک مرتبہ رات کو اس کی خادمہ گھر میں آگ لائی، کوئی پتنگا اُڑا جس سے گھر میں آگ لگ گئی، وہ شخص اور اس کا

گھربار سب جل کر ختم ہوگیا۔

فتح مکہ والے سال حضور ﷺ نے حضرت بلالؓ کو کعبہ میں اذان کہنے کا حکم دیا، قریب ہی ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید، حارث بن ہشام بیٹھے ہوئے تھے عتاب نے تو اذان سن کر کہا میرے باپ پر تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ وہ اس غصہ دلانے والی آواز کے سننے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسا۔ حارث کہنے لگا اگر میں اسے سچا جانتا تو مان ہی نہ لیتا۔ ابوسفیان نے کہا بھائی میں تو کچھ بھی زبان سے نہیں نکالتا، ڈر ہے کہ کہیں یہ کنکریاں اسے خبر نہ کردیں۔ انہوں نے باتیں ختم کی ہی تھیں کہ حضور ﷺ آگئے اور فرمانے لگے اس وقت تم نے یہ یہ باتیں کہیں ہیں، یہ سنتے ہی عتاب اور حارث تو بول پڑے کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، یہاں تو کوئی چوتھا تھا ہی نہیں ورنہ گمان کرسکتے تھے کہ اس نے جا کر آپ ﷺ سے کہہ دیا ہوگا۔ (سیرۃ محمد بن اسحاق)

حضرت عبداللہ بن جبیر جب شام کے سفر کو جانے لگے تو حضرت محذورہؓ سے جن کی گود میں انہوں نے ایام یتیمی بسر کئے تھے، کہا آپ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے تو آپ اپنے واقعات مجھے بتا دیجئے۔ فرمایا ہاں سنو جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آرہے تھے، راستے میں ہم لوگ ایک جگہ رُکے، تو نماز کے وقت حضور اکرم ﷺ کے مؤذن نے اذان کہی ہم نے اس کا مذاق اڑانا شروع کیا، کہیں آپ کی کان میں بھی آوازیں پڑ گئیں۔ سپاہی آیا اور ہمیں آپ ﷺ کے پاس لے گیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اُونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا تو آپ ﷺ نے اور سب کو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا، اُٹھو اذان کہو، واللہ! اُس وقت حضور ﷺ کی ذات سے اور آپ ﷺ کی فرمانبرداری سے زیادہ بُری چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بے بس تھا، کھڑا ہوگیا، اب خود آپ ﷺ نے مجھے اذان سکھائی اور جو سکھاتے رہے میں کہتا رہا، پھر اذان پوری بیان کی، جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے ایک تھیلی دی، جس میں چاندی تھی، پھر اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پیٹھ تک لائے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھ میں اور تجھ پر اپنی برکت نازل کرے۔ اب تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی قسم میرے دل سے رسول اللہ ﷺ کی عداوت بالکل جاتی رہی، ایسی محبت حضور ﷺ کی دل میں پیدا ہوگئی، میں نے آرزو کی کہ مکے کا مؤذن حضور ﷺ مجھے بنا دیں، آپ ﷺ نے میری یہ درخواست منظور فرمالی اور میں مکے چلا گیا اور وہاں کے گورنر حضرت عتاب بن اسیدؓ سے مل کر اذان پر مامور ہوگیا۔ حضرت ابومحذورہؓ کا نام سمرہ بن مغیرہ بن لوذان تھا، حضور اکرم ﷺ کے چار مؤذنوں میں سے ایک آپؓ تھے اور لمبی مدت تک آپ اہل مکہ کے مؤذن رہے۔ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ وارضاہ۔ (تفسیر ابن کثیر: ج1: ص777)

سورة المآئدہ

:تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا،لَبِئْسَ مَاقَدَّمَتْ لَھُمْ اَنْفُسُھُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَفِی الْعَذَابِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ:(المائدہ:آیت:80)

ترجمہ: تو دیکھتا ہے ان میں کہ بہت سے لوگ دوستی کرتے ہیں کافروں سے،کیا ہی بُرا سامان بھیجا انہوں نے اپنے واسطے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا اُن پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں۔

:وَلَوْکَانُوْایُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ وَمَااُنْزِلَ اِلَیْہِ مَااتَّخَذُوْھُمْ اَوْلِیَآءَ وَلٰکِنَّ کَثِیْرًامِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ:(المائدہ:آیت: 81)

ترجمہ: اور اگر وہ یقین رکھتے اللہ تعالیٰ پر اور نبی پر اور جو نبی پر اُترا تو کافروں کو دوست نہ بناتے،لیکن ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔

:لَتَجِدَنَّ اَشَدَّالنَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوااالْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ، وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْاالَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّانَصٰرٰی،ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْھُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُھْبَانًاوَّاَنَّھُمْ لَایَسْتَکْبِرُوْنَ:(المائدہ:آیت:82)

ترجمہ: تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور تو پاوے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ(الی قولہ) وَلٰکِنَّ کَثِیْرًامِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ: آپ ﷺ ان (یہود) میں بہت سے آدمی دیکھیں گے کہ (مشرک) کافروں سے دوستی کرتے ہیں (چنانچہ یہود مدینہ اور مشرکین مکہ میں مسلمانوں کی عداوت کے علاقہ سے جس کا منشاء :اتحادفی الکفر: تھا باہم خوب سازگاری تھی) جو کام انہوں نے آگے (بھگتنے) کے لئے کیا ہے (یعنی کفر جو سبب تھا دوستی کفار اور عداوتِ مؤمنین کا) وہ بیشک بُرا ہے کہ (اس کے سبب) اللہ تعالیٰ ان پر

(ہمیشہ کیلئے) ناخوش ہوا اور (اس ناخوشی دائمی کا ثمرہ یہ ہوگا کہ) یہ لوگ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، اور اگر یہ (یہودی) لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر (یعنی موسیٰ علیہ السلام) پر (ایمان رکھتے جس کا اُن کو دعویٰ ہے) اور اس کتاب پر (ایمان رکھتے) جو ان (پیغمبر) کے پاس بھیجی گئی تھی (یعنی تورات) تو ان (مشرکین) کو (اس طرح) کبھی دوست نہ بناتے۔ (کہ ایک نبی ثابت النبوۃ یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کر کے اس کفر اور اُس کے آثار یعنی عداوتِ اہل اسلام کی مناسبت سے مشرکین سے تعلق رکھیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب ایک نبی کا بھی انکار کیا تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام اور کتب الٰہیہ کے ساتھ کفر ہو گیا) لیکن ان میں زیادہ لوگ (دائرۂ) ایمان سے خارج ہیں (اس لئے اتخاذ ولایت کفار بالمعنی المذکور ان سے سرزد ہو رہا ہے)۔

ربط: اوپر یہود کا مشرکین سے دوستی رکھنا مذکور تھا۔ آگے اُن کا مع مشرکین کے مسلمانوں سے عداوت رکھنا کہ وہی اصل میں سبب ہے اُس دوستی کا۔

:لَتَجِدَنَّ اَشَدَّالنَّاسِ (الی قولہ) اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ: (غیر مؤمنین میں) تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ﷺ ان یہود اور مشرکین کو پاویں گے اور ان (غیر مؤمن آدمیوں) میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر (بہ نسبت اوروں کے) ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں (قریب تر کا یہ مطلب ہے کہ دوست تو وہ بھی نہیں، مگر دوسرے کفار مذکورین سے غنیمت ہیں) یہ (دوستی سے قریب تر ہونا اور عداوت میں کم ہونا) اس سبب سے ہے کہ ان (نصاریٰ) میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارکِ دنیا و درویش ہیں۔ (اور جب کسی قوم میں ایسے لوگ بکثرت ہوتے ہیں تو عوام میں بھی حق کے ساتھ زیادہ عناد نہیں رہتا اگرچہ خواص و عوام حق کو قبول بھی نہ کریں) اور اس سبب سے ہے کہ یہ (نصاریٰ) لوگ متکبر نہیں ہیں (قسیسین و رھبان سے جلدی متاثر ہوتے ہیں۔ اور نیز تواضع کا خاصہ ہی امرِ حق کے سامنے نرم ہو جانا اس لئے ان کو عداوت زیادہ نہیں۔ اور گو یہود میں بھی بعض علماء حقانی تھے جو مسلمان ہو گئے تھے، لیکن بوجہ اُن کی قلت کے عوام میں ان کا اثر نہیں پہنچتا تھا، اس لئے ان میں عناد ہے، جو سبب ہو جاتا ہے شدتِ عداوت کا۔ اسی لئے یہود تو مؤمن ہی کم ہوئے اور مشرکین میں سے جب عناد نکل گیا تب مؤمن ہونا شروع ہوئے)۔ (بیان القرآن: ج 1: ص 251)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

: تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ: آپ ان (یہودیوں میں سے) بہتوں کو دیکھ رہے ہیں، جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی: يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ کافروں سے مراد ہیں مکہ کے مشرک، یہ یہودی

مکہ کے مشرکوں کے پاس اس غرض سے گئے تھے کہ اس کے لشکر کو رسول اللہ ﷺ پر چڑھا لائیں۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہد اور حسنؒ کا قول ہے کہ: منھم: کی ضمیر منافقوں کی طرف راجع ہے کیونکہ منافق، یہودیوں کے دوست تھے۔

:لَبِئْسَ مَاقَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ: جو کام انہوں نے آگے کیلئے کیا ہے وہ بیشک بُرا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناخوش ہوا اور عذاب میں یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

:وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ: اور اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر پر اور اس کتاب پر جو پیغمبر کے پاس بھیجی گئی تھی تو ان کو (کبھی) دوست نہ بناتے۔ یعنی اگر یہودی یا منافق ایماندار ہوتے تو مکہ کے کافروں سے (مسلمانوں کے مقابلہ میں) دوستی نہ کرتے۔ یا یہ مطلب کہ اگر منافق ایماندار ہوتے تو یہودیوں سے دوستی نہ کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور آسمانی کتابوں پر ایمان اس سے روکتا ہے (تقاضائے ایمان کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دشمنوں سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دوستوں کے مقابلہ میں دوستی کی جائے)۔

:وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ: لیکن ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے احکام کی پابندی سے باہر ہیں۔

:لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا: آپ اہل ایمان کا سب سے سخت دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے۔ ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت ابی کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: یہودی جب بھی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ مسلمان کو قتل کردوں۔

:وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى: اور جو لوگ اپنے نصاریٰ ہونے کے قائل ہیں ان کو آپ اہل ایمان کی دوستی کے سب سے زیادہ قریب پائیں گے۔ علامہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ اس جگہ تمام نصاریٰ مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی دشمنی میں تو عام نصاریٰ بھی ویسے ہی شدید ہیں جیسے مسلمانوں کو قتل کرنے، تباہ کرنے، قید کرنے، مسلمانوں کی بستیوں کو برباد کرنے، مسجدوں کو ڈھانے اور قرآن مجید کو جلانے میں یہودی سخت ہیں۔ دونوں فرقوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ آیت میں صرف وہ عیسائی مراد ہیں جو مسلمان ہوگئے جیسے نجاشی اور ان کے ساتھی۔

:ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا: یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں۔ یعنی اہل ایمان سے نصاریٰ کے: اقرب المودت: ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں علماء اور مشائخ ہیں۔

:وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ: اور یہ وجہ بھی ہے کہ وہ غرور نہیں کرتے ۔یعنی جب ان کو قبولِ حق کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ یہودیوں کی طرح دعوت کو پائے حقارت سے نہیں ٹھکراتے ۔(تفسیر مظہری اردو:ج 3:ص 365)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

اوپر کی آیت میں یہود کے اسلاف کا ذکر تھا اب آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے یہود کا ذکر فرماتے ہیں ۔(اے نبی ﷺ!) آپ ان یہود میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے (کہ آپ کی عداوت میں اس درجہ غلو کر چکے ہیں کہ آپ کی دشمنی میں) کافروں سے (یعنی بت پرستوں سے) دوستی کرتے ہیں (اور آپ کے مقابلہ میں اہل مکہ کی مدد کرتے ہیں حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ حق پر ہے اور وہ باطل پر ہیں) بیشک بُرا ہے وہ کام جو انہوں نے (مرنے سے پہلے آخرت کا عذاب بھگتنے کے لئے) آگے بھیج دیا ہے (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے (یعنی اُن کے اعمال اللہ تعالیٰ جل شانہ کے غضب اور دائمی عذاب کا باعث بنے) اور اگر یہ لوگ ایمان لاتے خدائے (واحد لاشریک لہ پر اور ایمان لاتے اُس نبی پر جس کی بشارت تورت اور انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں اور ایمان لاتے) اُس کتاب پر جو اس نبی (آخرالزمان) کی طرف اتاری گئی تو ان بت پرست کافروں کو دوست نہ بناتے (اور خدا پرستوں کے مقابلہ میں بت پرستوں کو ترجیح نہ دیتے) لیکن اکثر ان میں سے بدکار ہیں (اور حد سے تجاوز کر چکے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں غرق ہیں ۔اے نبی ﷺ!) البتہ آپ مسلمانوں کی دشمنی میں سب لوگوں سے زیادہ سخت یہود کو پاؤں گے اور ان کو کہ جو مشرک ہیں (اور غیر مسلم قوموں میں سے) مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریب اُن لوگوں کو پائیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں (مطلب یہ ہے کہ دوست تو یہ بھی نہیں مگر یہود اور مشرکین کے لحاظ سے غنیمت ہیں کہ دوستی کا دَم تو بھرتے ہیں ۔یہ دوستی میں ان کا قریب ہونا) اس سبب سے ہے کہ ان میں کچھ لوگ عالم ہیں (اور کچھ لوگ) درویش (یعنی گوشہ نشین اور تارک الدنیا) ہیں اور اس سبب سے کہ یہ تکبر نہیں کرتے ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت میں نصاریٰ کی جو مدح کی گئی وہ علی الاطلاق نہیں بلکہ وہ بمقابلۂ یہود اور مشرکین ہے کہ اُن سے غنیمت ہیں ۔اور یہ مطلب نہیں کہ نصاریٰ تمہارے محبّ اور خیر خواہ ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بنسبت یہود اور ہنود کے غنیمت ہیں اور پھر نصاریٰ سے وہ نصاریٰ مراد ہیں جو فی الحقیقت نصرانی ہوں اور کسی درجہ میں اوصاف مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں عابد و زاہد اور گوشہ نشین ہوں اور مغرور اور متکبر نہ ہوں اور نرم دل ہوں اور سنگ دل نہ ہوں ۔اور وہ نصاریٰ مراد نہیں جو محض نام کے نصرانی ہیں اور در پردہ دہری اور لامذہب ہیں جیسے آج کل کے مغربی اقوام جو اسلام اور

مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں۔آج کل کے نصاریٰ اُن صفات کے ساتھ موصوف نہیں جن کا ذکر آیت میں ہے۔ لہٰذا موجودہ زمانہ کے نصاریٰ کا وہ حکم نہ ہوگا جو اُن نصاریٰ کا ہے جن میں: قسیس: اور: رہبان: ہوں یعنی جن نصاریٰ میں خدا ترس اور راہب (تارک الدنیا) ہوں۔(معارف القرآن:ج2:ص571)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

کفار سے دوستی:

فرمایا آج بھی اہل کتاب کا حال یہ ہے کہ: تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا: آپ اُن میں سے بہتوں کو دیکھیں گے وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، آنحضرت ﷺ اور اہل ایمان سے دشمنی رکھتے ہیں۔حالانکہ یہ اپنے آپ کو اہل کتاب کہلاتے ہیں، ان کی کفار مکہ سے تو دوستی ہے مگر پاک دین والوں کے ساتھ نفرت ہے۔

مدینے کے یہودیوں میں سے کعب بن اشرف اسلام کے سخت دشمن تھے، واقعۂ بدر کے بعد مکے گیا اور مشرکوں کو مسلمانوں کے خلاف حمایت کا یقین دلایا، مشرکوں کی حوصلہ افزائی کی کہ اِن مٹھی بھر مسلمانوں کا ایک ہی حملے میں صفایا کر دیا جائے گا۔اس آیت میں اِسی بات کی طرف اشارہ ہے۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق منافقینِ مدینہ ہیں جو کافروں کے ساتھ دوستانہ رکھتے تھے اور اُن تک مسلمانوں کے راز پہنچاتے تھے۔

فرمایا: لَبِئْسَ مَاقَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ: بہت بُرا ہے جو اُن کے نفسوں نے آگے بھیجا ہے۔اور وہ بُری چیز کیا ہے؟ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ: یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہوگیا۔انہوں نے حق کو ترک کر کے باطل کی حمایت کی تو اُن پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اُس کا غضب نازل ہوا: وَفِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ: اور وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔یہ اُن کی کاگزاری کی سزا ہے کہ وہ ہمیشہ جہنمی بن گئے۔

ایمان کا تقاضا:

فرمایا: وَلَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ: اور اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر صحیح طریقے سے ایمان لاتے۔یعنی بظاہر تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تورات اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں، مگر فرمایا یہ صحیح ایماندار نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے عقیدے خراب کر دیئے ہیں، دین میں کفر و شرک کی رسومات داخل کر دی ہیں۔فرمایا اگر یہ صحیح طریقے سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے: وَالنَّبِیِّ: اور نبی آخر الزمان پر بھی ایمان لاتے کیونکہ اس کے بعد کوئی نبی اور کوئی نیا پروگرام نہیں آئے گا۔اور پھر اُس چیز پر بھی ایمان لاتے: وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ: جو اُس نبی ﷺ

کی طرف نازل کی گئی ہے: مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ تو اُن کافروں کو دوست نہ بناتے۔ ایک سچا مومن، ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کے ساتھ دوستانہ نہیں کرسکتا۔

فرمایا: وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ: حقیقت یہ ہے کہ اہل کتاب کی اکثریت فاسق ہیں۔ ان میں بہت کم لوگ باصلاحیت ہیں جو ایمان کو قبول کرتے ہیں وگرنہ اکثریت نافرمانوں کی ہے۔

یہود کی اسلام دشمنی:

اس آیت میں یہود کی پھر سخت مذمت بیان کی گئی ہے۔ البتہ نصاریٰ کے حق میں کلماتِ خیر بھی کہے گئے ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں بعض مفسرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسلام دشمنی میں یہودی، نصاریٰ کی نسبت زیادہ شدید ہیں اور عیسائی اسلام سے قریب تر ہیں۔ برخلاف اس کے مفسّر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت قتادہؒ وغیرہم فرماتے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تمام عیسائیوں کی مدح نہیں فرمائی بلکہ یہاں ایک خاص گروہ کی طرف اشارہ کرکے ان کی تعریف کی گئی ہے وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح یہودی اسلام کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اسی طرح نصاریٰ نے بھی ہر دور میں اسلام دشمنی میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔

چنانچہ یہود کی دشمنی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ: مومنوں کے حق میں شدید ترین دشمنی رکھنے والے تم یہود کو پاؤ گے، ان کی اسلام دشمنی کا حال تاریخ میں محفوظ ہے، انہوں نے آنحضرت ﷺ اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ جب اعلانیہ اسلام کے ساتھ ٹکر لینے میں ناکام ہوئے تو اندرونی سازشیں شروع کردیں، کچھ براہِ راست مشرکین سے مل گئے، بعض دوسروں نے زبان سے کلمہ پڑھ لیا مگر درپردہ منافقین کا کردار ادا کرتے رہے۔

مشرکین کی اسلام دشمنی:

ایک تو یہود اسلام دشمنی میں شدید ہیں، دوسرے نمبر پر فرمایا: وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا: اور مشرکین بھی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں پیش پیش ہیں۔

نصاریٰ کا کردار:

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ اس آیت میں نصاریٰ کے جس گروہ کی تعریف کی گئی ہے وہ حبشہ کا وفد تھا جو حضور

ﷺ کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا، اس وفد میں ستر آدمی تھے جن میں درویش اور عالم بھی تھے، حضور ﷺ نے اُن کے سامنے سورۃ یٰسٓ کی تلاوت فرمائی، ایمان تو پہلے ہی قبول کر چکے تھے، قرآن پاک کی آیات سُن کر انہوں نے حقانیت کو پہچان لیا اور وہ خوب روئے، انہی لوگوں کے متعلق یہاں فرمایا: وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى: اور البتہ پائیں گے آپ اہل ایمان سے دوستی میں زیادہ قریب اُن لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ وفدِ حبشہ کا یہی خاص گروہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تعریف بیان کی ہے۔ آگے اُس کی وجہ بھی بیان فرمائی:

:ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا: یہ اس وجہ سے کہ اس وفد میں کچھ عالم لوگ اور کچھ تارک الدنیا لوگ بھی تھے، ان میں یہودیوں کی نسبت فروتنی تھی۔ کسی قوم میں صاحبِ علم لوگوں کا ہونا نیک فال ہے اور عجز و انکساری و درویشی بھی ایک اچھی صفت ہے۔ اور ان لوگوں کی تعریف کی دوسری وجہ یہ تھی: وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ: کہ وہ تکبر نہیں کرتے تھے۔ (معالم العرفان فی دُروس القرآن: ج6: ص366)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

:تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ (الی قوله) وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ: آپ ﷺ ان (یہود) میں بہت سے آدمی دیکھیں گے کہ (مشرک) کافروں سے دوستی کرتے ہیں (چنانچہ یہود مدینہ اور مشرکین مکہ میں مسلمانوں کی عداوت کے علاقہ سے جس کا منشاء التحاد فی الکفر: تھا باہم خوب سازگاری تھی) جو کام انہوں نے آگے (بھگتنے) کے لئے کیا ہے (یعنی کفر جو سبب تھا دوستی کفار اور عداوتِ مؤمنین کا) وہ بیشک بُرا ہے کہ (اس کے سبب) اللہ تعالیٰ ان پر (ہمیشہ کیلئے) ناخوش ہوا اور (اس ناخوشی دائمی کا ثمرہ یہ ہوگا کہ) یہ لوگ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اگر یہ (یہودی) لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر (یعنی موسیٰ علیہ السلام) پر (ایمان رکھتے جس کا اُن کو دعویٰ ہے) اور اس کتاب پر (ایمان رکھتے) جو ان (پیغمبر) کے پاس بھیجی گئی تھی (یعنی تورات) تو ان (مشرکین) کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں زیادہ لوگ (دائرۂ) ایمان سے خارج ہیں (اس لئے کافروں کے ساتھ ان کا اتحاد و دوستی ہوگئی)۔

معارف و مسائل:

ان دو آیتوں میں کفار کے ساتھ گہری دوستی اور موالات کی ممانعت اور اس کے تباہ کن نتائج کا بیان فرمایا گیا، جس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ بنی اسرائیل کی یہ ساری کجروی اور گمراہی نتیجہ تھی اُن کے غلط قسم کے ماحول اور کفار کے ساتھ دلی دوستی کرنے کا جس نے ان کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیا تھا۔

ربط: اُوپر یہود کا مشرکین سے دوستی رکھنا مذکور تھا۔ آگے اُن کا مع مشرکین کے مسلمانوں سے عداوت رکھنا مذکور ہے، جو اس دوستی کا اصلی سبب تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

:لَتَجِدَنَّ اَشَدَّالنَّاسِ(الی قولہ)اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ: (غیر مؤمنین میں) تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ﷺ ان یہود اور مشرکین کو پاویں گے اور ان (غیر مؤمن آدمیوں) میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر (بہ نسبت اُوروں کے) ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاری کہتے ہیں (قریب تر کا یہ مطلب ہے کہ دوست تو وہ بھی نہیں، مگر دوسرے کفار مذکورین سے غنیمت ہیں) یہ (دوستی سے قریب تر ہونا اور عداوت میں کم ہونا) اس سبب سے ہے کہ ان (نصاری) میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارکِ دنیا و درویش ہیں۔ (اور جب کسی قوم میں ایسے لوگ بکثرت ہوتے ہیں تو عوام میں بھی حق کے ساتھ زیادہ عناد نہیں رہتا اگر چہ خواص و عوام حق کو قبول بھی نہ کریں) اور اس سبب سے ہے کہ یہ (نصاری) لوگ متکبر نہیں ہیں: قسیسین و رھبان: سے جلدی متاثر ہوتے ہیں۔ اور نیز تواضع کا خاصہ ہی امرِ حق کے سامنے نرم ہو جانا اس لئے ان کو عداوت زیادہ نہیں۔ اور گو یہود میں بھی بعض علماء حقانی تھے جو مسلمان ہو گئے تھے، لیکن بوجہ اُن کی قلت کے عوام میں ان کا اثر نہیں پہنچتا تھا، اس لئے ان میں عناد ہے، جو سبب ہو جاتا ہے شدتِ عداوت کا۔ اسی لئے یہود تو مؤمن ہی کم ہوئے اور مشرکین میں سے جب عناد نکل گیا تب مؤمن ہونا شروع ہوئے)۔

معارف و مسائل:

بعض اہل کتاب کی حق پرستی:

ان آیات میں مسلمانوں کے ساتھ عداوت یا مودّت کے معیار سے اُن اہل کتاب کا ذکر فرمایا گیا ہے جو اپنی حق پرستی اور خدا ترسی کی وجہ سے مسلمانوں سے بغض و عداوت نہیں رکھتے تھے، مگر ان اوصاف کے لوگ یہود میں بہت کم، کالعدم تھے، جیسے حضرت عبداللہ ابن سلامؓ وغیرہ۔ نصاری میں نسبتاً ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی، خصوصاً حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں ملک حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور وہاں کے حکام و عوام میں ایسے لوگوں کی بڑی تعداد تھی۔ اور اسی سبب سے جب مکہ مکرمہ کے مسلمان قریش کے مظالم سے تنگ آ گئے تو رسول کریم ﷺ نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا، اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ حبشہ کا بادشاہ نہ خود ظلم کرتا ہے، نہ کسی کو ظلم کرنے دیتا ہے، اس لئے مسلمان کچھ عرصہ کے لئے وہاں چلے گئے۔

اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے پہلی مرتبہ گیارہ حضرات حبشہ کی طرف نکلے، جن میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ اوران کی زوجۂ محترمہ رسول کریم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔اس کے بعد حضرت جعفر طیارؓ کی سرگردگی میں مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ جو عورتوں کے علاوہ بیاسی مردوں پر مشتمل تھا، حبشہ پہنچ گیا۔ شاہ حبشہ اور وہاں کے باشندوں نے ان کا شریفانہ استقبال کیا، اور یہ لوگ امن وعافیت سے وہاں رہنے لگے۔

قریشِ مکہ کے غیظ وغضب نے ان کو اس پر بھی نہ رہنے دیا کہ یہ لوگ کسی دوسرے ملک میں اپنی زندگی عافیت سے گزار لیں۔انہوں نے اپنا ایک وفد بہت سے تحفے دے کر شاہِ حبشہ کے پاس روانہ کیا، اور یہ درخواست کی کہ ان مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دیں، مگر شاہِ حبشہ نے حالات کی تحقیق کی اور حضرت جعفر طیارؓ اور ان کے رفقاء سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے حالات معلوم کئے، ان حالات اور اسلام کی تعلیمات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی پیشن گوئی کے عین مطابق پایا، جس میں حضرت خاتم الانبیا ﷺ کی بعثت کا ذکر اور ان کی تعلیمات کا مختصر خاکہ، اور ان کے صحابہ کرامؓ کا حلیہ وغیرہ مذکور تھا، اس سے متاثر ہو کر شاہِ حبشہ نے قریشی وفد کے ہدیئے، تحفے واپس کر دیئے اور ان کو صاف جواب دے دیا کہ میں ایسے لوگوں کو اپنے ملک سے نکلنے کا حکم نہیں دے سکتا۔

یہود میں بھی اگرچہ چند حضرات اسی شان کے موجود تھے جو عہد موسوی میں تورات پر عامل رہے، پھر اسلام آنے کے بعد اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، لیکن یہ اتنی کم تعداد تھی کہ امتوں اور قوموں کے ذکر کے وقت اس کو ذکر نہیں کیا جا سکتا ہے۔باقی یہود کا حال کھلا ہوا تھا، کہ وہ مسلمانوں کی عداوت اور بیخ کنی میں سب سے آگے تھے۔اسی لئے آیت کے شروع میں یہود کا یہ حال ذکر فرمایا: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ: یعنی مسلمانوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اس آیت میں نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کی مدح فرمائی گئی ہے، جو خدا ترسی اور حق پرستی کی حامل تھی۔اس میں نجاشی اور اس کے اعوان وانصار بھی داخل ہیں، اور دوسرے نصاریٰ بھی جو ان صفات کے حامل تھے، یا آئندہ زمانہ میں داخل ہوں لیکن اس کے یہ معنی، نہ آیات سے نکلتے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کہ نصاریٰ خواہ کیسے بھی گمراہ ہو جائیں اور اسلام دشمنی میں کتنے ہی سخت اقدام کریں ان کو بہر حال مسلمانوں کا دوست سمجھا جائے، اور مسلمان ان کی دوستی کی طرف ہاتھ بڑھائیں، کیونکہ یہ بداہۃً غلط اور واقعات کے قطعاً خلاف ہے۔

(معارف القرآن:ج3:ص209)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ (الی قوله) وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ: یہ منافقین اہل کتاب کے لئے زجر

ہے۔ یہ لوگ در پردہ کافروں سے دوستی رکھتے تھے اور ظاہر میں مسلمان ہونے کے مدعی تھے۔: اَنْ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ: یعنی انہوں نے کافروں سے دوستی کر کے بہت بُرا توشہ آگے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب خرید لیا اور عذاب جہنم میں خلود کے مستحق ہوئے۔

:وَلَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ (الی قولہ) وَلٰکِنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ: یہ ان کے دعوائے ایمان کی تکذیب ہے۔ یعنی اگر وہ واقعی دل و جان سے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکے ہوتے تو کافروں سے دوستانہ تعلقات ہرگز نہ رکھتے۔ اس لئے ان کا دعوائے ایمان سراسر جھوٹا اور محض منافقانہ ہے۔

:لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً (الی قولہ) وَّاَنَّھُمْ لَایَسْتَکْبِرُوْنَ: نزول قرآن کے وقت تین جماعتیں اسلام کی مخالف تھیں یہود و نصاریٰ و مشرکین۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایمان الوں کے خلاف شدتِ عداوت کے اعتبار سے ان کی درجہ بندی فرمادی۔ شدتِ عداوت میں یہودی سب سے پہلے درجہ پر ہیں اور وہ دنیا میں مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ دوسرے درجے پر مشرکین ہیں۔ دو جماعتوں کا صراحت سے ذکر فرمایا اور تیسری جماعت یعنی نصاریٰ کا حال خود بخود معلوم ہو گیا کہ تیسرے درجہ پر نصاریٰ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

مسلمانوں کے دشمنوں کی درجہ بندی کرنے کے بعد مسلمانوں سے محبت اور دوستی کرنے والوں کا ذکر فرمایا۔ یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جو لوگ موجود تھے ان میں سے مسلمانوں کی محبت سب سے زیادہ عیسائیوں کے دلوں میں تھی، جنہوں نے مہاجرینؓ حبشہ سے قرآن اور آنحضرت ﷺ کی تعلیمات سن کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس آیت میں نصاریٰ سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور دوسرے وہ عیسائی مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس سے تمام عیسائی مراد نہیں ہیں کیونکہ باقی عیسائی بھی مسلمانوں کے اسی طرح دشمن تھے جس طرح یہود اور مشرکین۔

(جواھر القرآن: ج1: ص 291)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ: دیکھیں گے آپ ان میں سے بہتوں کو: یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا: دوست بناتے ہیں اُن لوگوں کو جو کافر ہیں۔ یہودی کافروں مشرکوں کے ساتھ دوستی رکھتے تھے اور منافقین بھی کافروں کے ساتھ دوستی رکھتے تھے۔

یہود کی سرگرمیاں اور اظہارِ تأسف:

:لَبِئْسَ مَاقَدَّمَتْ لَھُمْ اَنْفُسُھُمْ: البتہ بُری چیز ہے وہ جو اُن کے لئے آگے بھیجی ہے اُن کے نفسوں نے،

وہ کیا ہے؟:اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ : یہ کہ اُن پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ناراضگی تو دنیا میں ہے:وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ: اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ کچھ یہودی برائے نام مسلمان ہوئے تھے اور ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:

کفار سے رفاقت کی ممانعت:

:وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ:اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ تعالیٰ جل شانہ پر اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نبی ﷺ پر اور اُس چیز پر جو اس کی طرف نازل کی گئی:مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ: نہ بناتے کافروں کو اپنا دوست۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ نبی سے مراد اُن کے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں تو پھر مفہوم یہ بنے گا کہ اگر یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے تو بھی کافروں کو دوست نہ بناتے، بلکہ آخری پیغمبر ﷺ پر ایمان لاتے اور ان کو دوست بناتے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کی بشارت سنائی ہے اور جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے توراۃ میں اس پر ایمان لاتے تو بھی کافروں کے ساتھ دوستی نہ رکھتے۔ کیونکہ توراۃ میں کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے کہ کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

:وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ:اور لیکن اکثریت ان میں سے نافرمانوں کی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ:البتہ ضرور پائیں گے آپ (ﷺ) لوگوں میں زیادہ سخت دشمنی میں اُن لوگوں کے جو ایمان لائے یہود کو۔ یعنی مسلمانوں کا شدید ترین دشمن یہودی ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے، بھلا اس میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

یہود کے بعد: مشرک: اسلام کے دشمن ہیں:

:وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا :اور اُن لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا، مسلمانوں کی دشمنی میں سخت پاؤ گے۔ یہود کے بعد مشرکین بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔

:وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً: اور البتہ آپ ضرور پائیں گے ان میں سے زیادہ قریب دوستی میں:لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا:ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے:الَّذِيْنَ قَالُوْٓا:وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا: اِنَّا نَصٰرٰى: بے شک ہم نصرانی ہیں۔

یاد رکھنا! یہ آیات عام نصاریٰ کے متعلق نہیں ہے بلکہ حبشہ کے ملک سے نصاریٰ کا ستر آدمیوں پر مشتمل ایک قافلہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا اور وہ سارے مسلمان ہوگئے تھے، آگے آئے گا کہ انہوں نے

جب قرآن سنا تو رونے لگ گئے تھے، یہ اُن کے متعلق ہیں، یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے اور حبشے کا بادشاہ جو کہ عیسائی تھا وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں: ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْھُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُھْبَانًا وَّاَنَّھُمْ لَایَسْتَکْبِرُوْنَ: یہ اس لئے کہ بیشک ان میں سے عالم ہیں اور پادری اور درویش ہیں اور بے شک وہ تکبر نہیں کرتے۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج5: ص258)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

:تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (الیٰ قولہ) وَلٰکِنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ: ان میں سے اکثر لوگوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں، جو کچھ انہوں نے اپنے لئے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی پر جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے لیکن ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

امر بالمعروف سے گریز کا انجام:

پھر فرماتا ہے کہ اکثر منافقوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں ان کے اس فعل کی وجہ سے یعنی مسلمانوں سے دوستیاں چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لئے بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ اس کی پاداش میں ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے۔ اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور قیامت کے دن کے لئے دائمی عذاب بھی ان کے لئے آگے آ رہے ہیں۔

پھر فرماتا ہے اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ پر اس کے رسول ﷺ پر اور قرآن پر پورا ایمان رکھتے تو ہرگز کافروں سے دوستیاں نہ کرتے اور چھپ چھپا کر ان سے میل ملاپ جاری نہ رکھتے۔ نہ سچے مسلمانوں سے دشمنیاں رکھتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے خارج ہو چکے ہیں اس کی وحی اور اس کے پاک کلام کی آیتوں کے مخالف بن بیٹھے ہیں۔

:لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ (الی قولہ) ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْھُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُھْبَانًا وَّاَنَّھُمْ لَایَسْتَکْبِرُوْنَ: یقیناً تو ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب تُو یقیناً انہیں پائے گا جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں دانشمند اور گوشہ نشین ہیں اور اسی وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

یہودیوں کا تاریخی کردار:

یہ آیت اور اس کے بعد کی چار آیتیں نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اُتری ہیں ۔جب ان کے سامنے حبشہ کے ملک میں حضرت جعفرؓ بن ابو طالب نے قرآن کریم پڑھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں ۔یہ خیال رہے کہ یہ آیتیں مدینے میں اتریں ہیں اور حضرت جعفرؓ کا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے ۔یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیتیں اس وفد کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں جسے نجاشی نے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ آپ سے ملیں ،حاضر خدمت ہو کر آپ ﷺ کے حالات وصفات دیکھیں اور آپ ﷺ کا کلام سنیں ۔جب یہ آئے آپ ﷺ سے ملے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سنا تو ان کے دل نرم ہو گئے بہت روئے دھوئے اور اسلام قبول کیا اور واپس جا کر نجاشی سے سب حال کہا ،نجاشی اپنی سلطنت چھوڑ کر حضور ﷺ کی طرف ہجرت کر کے آنے لگے لیکن راستے میں ہی انتقال ہو گیا ۔یہاں بھی یہ خیال رہے کہ یہ بیان صرف سدی کا ہے اور صحیح روایات سے یہ ثابت ہے کہ وہ حبشہ میں ہی سلطنت کرتے ہوئے فوت ہوئے ان کے انتقال والے دن ہی حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ان کے انتقال کی خبر دی اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی ۔بعض تو کہتے ہیں اس وفد میں سات تو علماء تھے اور پانچ زاہد تھے یا پانچ علماء اور سات زاہد تھے ۔بعض کہتے ہیں یہ کل پچاس آدمی تھے اور کہا گیا ہے کہ ساٹھ سے کچھ اوپر تھے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ستر تھے ۔فاللّٰہ اعلم ۔

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں جن کے اوصاف آیت میں بیان کئے گئے ہیں یہ اہل حبشہ ہیں ۔مسلمان مہاجرین حبشہ جب ان کے پاس پہنچے تو یہ مسلمان ہو گئے تھے ۔حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں پہلے یہ دین عیسوی پر قائم تھے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کریم کو سنا تو فوراً سب مسلمان ہو گئے ۔امام ابن جریرؒ کا فیصلہ ان سب اقوال کو ٹھیک کر دیتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جن میں یہ اوصاف ہوں خواہ وہ حبشہ کے ہوں یا کہیں کے ۔

یہودیوں کو جو مسلمانوں سے جو سخت دشمنی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سرکشی اور انکار کا مادہ زیادہ ہے اور جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں اور ضد سے ناحق پر اڑتے ہیں ،حق کے مقابلے میں بگڑ بیٹھتے ہیں ،حق والوں پر حقارت کی نظریں ڈالتے ہیں ان سے بعض دبیر رکھتے ہیں ۔علم سے کورے ہیں ،علماء کی تعداد ان میں بہت ہی کم ہے اور علم اور ذی علم لوگوں کی کوئی وقعت ان کے دل میں نہیں ،یہی تھے جنہوں نے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا خود حضور اکرم ﷺ کے قتل کا ارادہ بھی کیا اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار ۔آپ ﷺ کو زہر دیا ،آپ ﷺ پر جادو کیا اور اپنے جیسے بد باطن لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضور ﷺ پر حملے کئے لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہر مرتبہ انہیں نامراد اور ناکام کیا ۔

ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب کبھی کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے اس کے دل میں اس کے قتل کا قصد پیدا ہوتا ہے، ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن ہے بہت ہی غریب، ہاں مسلمانوں سے دوستی میں زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے تابعدار ہیں، انجیل کے اصلی اور صحیح طریقے پر قائم ہیں، ان میں ایک حد تک فی الجملہ مسلمانوں اور اسلام کی محبت ہے، یہ اس لئے کہ ان میں نرم دلی ہے جیسے ارشاد باری ہے: وجعلنا فی قلوب الّذین اتّبعوہ رافۃ ورحمۃ، الخ: یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم ڈال دیا ہے۔ ان کی کتاب میں حکم ہے کہ جو تیرے داہنے کلے پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے بایاں کلہ بھی پیش کر دے۔ ان کی شریعت میں لڑائی ہے ہی نہیں۔

یہاں ان کی اس دوستی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان میں خطیب اور واعظ ہیں: قسّیسین: اور: قس: کی جمع: قسّیسین: ہے: قسوس: بھی اس کی جمع آتی ہے۔: رھبان: جمع ہے: راھب: کی، راہب کہتے ہیں عابد کو۔ یہ لفظ مشتق ہے: رھب: سے اور: رھبت: کے معنی ہیں خوف اور ڈر کے۔ جیسے: راکب: کی جمع: رکبان: ہے اور: فرسان: ہے، امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کبھی: رھبان: واحد کیلئے بھی آتا ہے اور اس کی جمع: رھابین: آتی ہے جیسے: قربان: اور: قرابین: اور: جوزان: اور: جوازین: اور کبھی اس کی جمع: رھابنہ: بھی آتی ہے۔ عرب کے اشعار میں بھی لفظ: رھبان: واحد کے لئے آیا۔ حضرت سلمانؓ سے ایک شخص: قسیسین ورھبانا: پڑھ کر اس کے معنی دریافت کرتا ہے تو آپؓ فرماتے ہیں: قسیسین: کو خانقاہوں اور غیر آباد جگہوں میں چھوڑ مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے: صدیقین ورھبانا: پڑھایا ہے (بزار ابن مردویہ)۔

الغرض ان کے تین اوصاف یہاں بیان ہوئے ہیں ان میں عالموں کا ہونا۔ ان میں عابدوں کا ہونا۔ ان میں تواضع فروتنی اور عاجزی کا ہونا۔ (تفسیر ابن کثیر: ج1: ص793)

سورة الانعام

:وَاِذَارَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَافَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْافِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ،وَاِمَّایُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَاتَقْعُدْبَعْدَالذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ:(الانعام:آیت 68)

ترجمہ: اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو جو جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر یہاں تک کہ مشغول ہو جاویں کسی اور بات میں اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ۔

:وَمَاعَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ:(الانعام:آیت 69)

ترجمہ: اور پرہیزگاروں پر نہیں ہیں جھگڑنے والوں کے حساب میں سے کوئی چیز لیکن اُن کے ذمہ نصیحت کرنی ہے تا کہ وہ ڈریں۔

:وَذَرِالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْادِیْنَهُمْ لَعِبًاوَّلَهْوًاوَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَذَکِّرْبِهٖ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا کَسَبَتْ،لَیْسَ لَهَامِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ،وَاِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ لَّایُؤْخَذْ مِنْهَا، اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْابِمَا کَسَبُوْا،لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ:(الانعام:آیت 70)

ترجمہ: اور چھوڑ دیں ان کو جنہوں نے بنا رکھا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ اور دھوکہ دیا ان کو دنیا کی زندگی نے اور نصیحت کر ان کو قرآن سے تا کہ گرفتار نہ ہو جاوے کوئی اپنے کئے میں، کہ نہ ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے والا، اور اگر بدلے میں دے سارے بدلے تو قبول نہ ہوں اس سے، وہی لوگ ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کئے میں اُن کو پینا ہے گرم پانی اور عذاب ہے دردناک بدلے میں کفر کے۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: اوپر کفار کی تکذیب کا ذکر اور ان کو آیات کی تبلیغ کا امر تھا آگے بطور تفریع کے ان کی مجالسِ تکذیب میں

بدون ضرورت تبلیغ کے جانے اور بیٹھنے سے نہی ہے۔

نہی ازمجالستِ طاعنین فی الدین بجزضرورتِ تبلیغ:

:وَاِذَارَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا(الی قولہ)لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ: اور(اے مخاطب)جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات (اور احکام) میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں (کے پاس بیٹھنے) سے کنارہ کش ہو جا، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جاویں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے (یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت یاد نہ رہے) تو (جب یاد آجاوے) یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھ (بلکہ فوراً اُٹھ کھڑا ہو) اور (اگر کوئی واقعی دنیوی یا دینی ضرورت ایسی مجلس میں جانے کی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ) جو لوگ (ممنوعاتِ شرعیہ سے جن میں بلاضرورت ایسی مجالس میں جانا بھی ہے) احتیاط رکھتے ہیں، اور ان پر ان (طاعنین ومکذبین) کی باز پرس (اور گناہِ طعن) کا کوئی اثر نہ پہنچے گا (یعنی بضرورت وہاں جانے والے گنہگار نہ ہوں گے) ولیکن اُن کے ذمہ (بشرطِ قدرت) نصیحت کر دینا ہے شاید وہ (طعنے دینے والے) بھی (ان خرافات سے) احتیاط کرنے لگیں (خواہ قبول اسلام سے خواہ ان کے لحاظ سے) اور (کچھ مجلسِ تکذیب کی تخصیص نہیں، بلکہ) ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے (اس) دین کو (جس کا ماننا ان کے ذمہ فرض تھا یعنی اسلام کو) لہو ولعب بنا رکھا ہے (کہ اس کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں) اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے (کہ اس کی لذات میں مشغول ہیں، اور آخرت کے منکر ہیں، اس لئے اس تمسخر کا انجام منظر نہیں آتا) اور (کنارہ کشی وترکِ تعلقات کے ساتھ ایسے لوگوں کو) اس قرآن کے ذریعہ سے (جس سے یہ تمسخر کر رہے ہیں) نصیحت بھی کرتا رہ، تاکہ کوئی شخص اپنے کردار (بد) کے سبب (عذاب میں) اس طرح نہ پھنس جاوے کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا مددگار ہو اور نہ سفارشی ہو اور یہ کیفیت ہو کہ اگر (بالفرض) دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے (کہ اس کو خرچ کر کے عذاب سے بچ جاوے) تب بھی اس سے نہ لیا جاوے (تو نصیحت سے یہ فائدہ ہے کہ اعمالِ بد کے انجام پر تنبہ ہو جاتا ہے، آگے ماننا نہ ماننا دوسرا جانے، چنانچہ) یہ (تمسخر کرنے والے) ایسے ہی ہیں کہ (نصیحت نہ مانی اور) اپنے کردار (بد) کے سبب (عذاب میں) پھنس گئے) جس کا آخرت میں اس طرح ظہور ہوگا کہ) ان کے لئے نہایت تیز (کھولتا ہوا پانی) پینے کے لئے ہوگا اور (اس کے علاوہ اور اس طرح بھی) دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب (کہ کردارِ بد، یہی ہے، جس کا ایک شعبہ تمسخر تھا)۔

(بیان القرآن:ج1:ص283)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ: (اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہوں تو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ) یعنی ان کے پاس سے اٹھ جاؤ ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ اس آیت کی غرض کفار کے دین اور ان کی ہم نشینی سے الگ رکھنا ہے۔ ترکِ جہاد مقصود نہیں ہے کہ اس کو (آیت قتال سے) منسوخ قرار دینا پڑے (یعنی اگر اعراض اور تعلق نہ رکھنے کا مفہوم یہ مانا جائے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو ان سے کچھ تعرض نہ کرو تو لامحالہ ترکِ قتال کا حکم اس سے مستفاد ہوگا اور پھر آیتِ قتال سے اس کو منسوخ ماننا پڑے گا)۔

:حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ: اُس وقت تک کہ وہ (آیات میں عیب جوئی کو چھوڑ کر) کسی اور بات میں لگ جائیں۔

قریش اپنی مجالس میں بیٹھ کر آیاتِ قرآنی کی تکذیب کرتے ان میں نکتہ چینی کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت اس آیت میں کی گئی۔

:وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ: اور اگر (یہ حکم ممانعت) شیطان تم کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

:وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی: اور جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں (یعنی رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ) ان پر ان (مشرکوں) کی باز پرس کا کوئی اثر نہیں پہنچے گا، ہاں ان میں (مسلمانوں) کے ذمہ نصیحت کر دینا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں سے ان کے گناہوں کا جو محاسبہ و مواخذہ ہوگا اس کا کوئی حصہ مسلمانوں کو نہیں چمٹ جائے گا۔

:لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ: شاید وہ بھی احتیاط کرنے لگیں (یعنی مسلمانوں کے نصیحت کرنے سے شاید کافر، نصیحت پذیر ہو جائیں)۔

:وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا: اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا رکھا ہے۔

:وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا: اور دنیوی زندگی نے ان کو فریب دے رکھا ہے (یہاں تک کہ وہ حشر و نشر کے منکر ہو گئے)۔

:وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ، لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ: اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت کرتے رہو تا کہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا

مددگار ہو نہ سفارشی۔

:وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّايُؤْخَذْ مِنْهَا: اور (یہ کیفیت ہو کہ) اگر دنیا بھر کا بھی معاوضہ دے ڈالے تب بھی اس سے قبول نہ ہو۔

:اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا، لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ: یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے۔ان کے لئے نہایت تیز پانی پینے کو ہوگا اور دردناک عذاب ہوگا اپنے کفر کے سبب۔(تفسیر مظہری اردو:ج 4:ص 110)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

اور اے نبی ﷺ جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں بکواس کرتے ہیں (یعنی ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور ان میں عیب نکالتے ہیں) تو آپ ایسے لوگوں سے کنارہ کش ہو جایئے یہاں تک کہ وہ (اس طعن واستہزاء کو چھوڑ کر) دوسری بات میں لگ جائیں (مشرکین عرب اپنی مجالس میں بیٹھ کر قرآن کا استہزاء کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ ایسے وقت میں اُن سے کنارہ کرو اور اُن کے پاس نہ بیٹھا کرو تا کہ تم اُن کے زمرہ میں داخل ہو کر اُن کی طرح عذاب کا مستحق نہ بن جاؤ کما قال اللّٰہ تعالیٰ:وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم ایات اللّٰہ یکفر بھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم :اس آیت میں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مگر مراد سب مسلمان ہیں کیونکہ سب مسلمان نبی کے تابع ہیں) اور اگر شیطان تجھ کو بھلا دے (یعنی اس مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت تجھے یاد نہ رہے اور بھولے سے ان کی مجلس میں بیٹھ جائے) تو یاد آنے کے بعد ان ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھ (یعنی اگر بھولے سے بیٹھ گیا ہے تو یاد آنے کے بعد فوراً اُٹھ کھڑا ہو) اور جو لوگ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں (اور آیات اللہ پر طعن اور استہزاء اور نکتہ چینی کو بُرا جانتے ہیں اور ایسی مجالس میں شرکت سے حتی الوسع بچتے ہیں تو) ایسے لوگوں پر ان مشرکین کے طعن اور استہزاء کے حساب میں سے کوئی مواخذہ اور دارو گیر نہیں (یعنی مسلمانوں سے اُن کے اعمالِ قبیحہ کا کوئی مواخذہ نہیں، وہ جانیں اور ان کا کام لیکن مسلمانوں کے ذمہ بشرطِ قدرت اور بقدرِ ضرورت) نصیحت کرنا اور ان کو سمجھانا فرض ہے شاید (وہ تمہاری نصیحت کرنے سے ان باتوں سے) باز آجائیں (اور عجب نہیں کہ تمہارا ان کی مجلس سے اُٹھ کھڑا ہونا اور اُن کے اس فعلِ قبیح پر اپنی ناگواری کا اظہار کسی وقت اُن کی ہدایت کا سبب بن جائے اور وہ اس ناشائستہ حرکت پر نادم ہو کر تائب ہو جائیں)۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مسلمانوں کو کافروں کی خاص اس مجلس سے کنارہ کشی کا حکم دیا جہاں اللہ

تعالیٰ جل شانہ کی آیات پر طعن اور استہزاء کیا جاتا ہو۔اب آئندہ آیت میں ایسے لوگوں کی عام مجالست اور مصاحبت ترک کرنے کا ارشاد ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں۔

(اور ایسے ظالموں کی مجالست اور مصاحبت میں مجلس استہزاء اور تکذیب کی تخصیص نہیں بلکہ غیرت ایمانی کا تقاضا یہ ہے کہ) ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکہ میں ڈال دیا (اور دنیا کے نشہ میں مست ہو کر یہ سمجھ بیٹھے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیا ہے۔ایسے لوگوں کو چھوڑ دو اور ان سے قطع تعلق کردو جسے اپنے انجام اور مرنے کے بعد کی فکر نہ ہو وہ بے عقل ہیں)اور اس قرآن کے ذریعہ (اُن کو آخرت کا بھولا ہوا سبق)یاد دلایئے تاکہ کوئی نفس اپنی بداعمالی کی وجہ سے گرفتار مصیبت نہ ہو جائے (یعنی نصیحت سے فائدہ یہ ہے کہ شاید یہ لوگ اپنے بُرے اعمال کو ترک کردیں اور دوزخ میں جانے سے بچ جائیں اس لئے کہ قیامت کے دن) اُس نفس کے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مددگار نہیں اور نہ کوئی سفارشی ہے اور اگر کوئی نفس (اُس دن اپنی خلاصی کیلئے)ہر قسم کا بدلہ بھی دیوے تو وہ اُس سے قبول نہ کیا جائے گا (غرض یہ کہ کسی صورت پیچھا نہیں چھوٹے گا، کیونکہ)یہی لوگ (جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے) گرفتارِ عذاب ہوئے ہیں اپنے بُرے اعمال کی بناء پر،ان کے پینے کو سخت کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے (اور آخرت کے اور اس کے عذاب کے منکر تھے)۔

(معارف القرآن:ج2:ص671)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

آیاتِ الٰہی سے تمسخر:

آج کی آیات میں آیاتِ الٰہی سے تمسخر کرنے اور ان کو مشغلہ بنانے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے،اور اُن سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔البتہ تبلیغِ دین کا کام جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے،اور پھر ایسے لوگوں کو ملنے والے عذاب کا تذکرہ بھی ہے۔تو ارشاد ہوتا ہے:

:وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا: اور جب آپ دیکھیں اُن لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔اُن کو مشغلہ بناتے ہیں،اُن کی عیب جوئی کرتے ہیں یا اُن پر طعن کرتے ہیں،گویا جو لوگ آیاتِ الٰہی کو تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں،وہ باطل کے ساتھ مل جاتے ہیں۔مشرکین اور اہل کتاب کلامِ الٰہی سے مذاق کرتے تھے، قرآنی احکام کا تمسخر اُڑاتے تھے۔

یہاں پر خطاب تو آنحضرت ﷺ سے ہے مگر مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم امت کے ہر فرد کیلئے یکساں

قابلِ عمل ہے۔تو فرمایا: جب لوگ قرآن کی آیات سے استہزاء کرنے لگیں تو پھر آپ کے لئے یہ حکم ہے: فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ: آپ ان لوگوں سے اعراض کریں، یعنی اُن سے کنارہ کشی اختیار کرلیں، اُن کی مجالس میں شریک نہ ہوں: حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ: یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔مقصد یہ کہ اگر ان کی موضوعِ گفتگو: خوض فی الایات: نہ ہو بلکہ کوئی اور بات چیت ہو تو پھر آپ کو اُن کی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت ہے۔یہ حکم نزولِ قرآن کے زمانہ میں بھی تھا اور آج بھی ہر مسلمان کے لئے نافذ العمل ہے۔اس کا خلاف، احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی تصور ہوگی۔

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ جس مجلس میں آیاتِ الٰہی کی توہین ہو رہی ہو، حدیث مبارک کے ساتھ مذاق ہوتا ہو یا احکامِ دین کا تمسخر اُڑایا جاتا ہو۔وہاں کسی مسلمان کو بیٹھنا روا نہیں بلکہ وہاں سے فوراً علیحدہ ہو جانا چاہئے۔مبتدعین کی مجالس کا بھی یہی حکم ہے۔جہاں بدعات کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو، آیاتِ الٰہی کے معانی توڑ موڑ کر پیش کیا جاتا ہو، وہاں کسی راسخ العقیدہ مسلمان کا ٹھہرنا درست نہیں بلکہ ایسی مجالس سے کنارہ کشی کرنا بہتر ہے۔

منافقین کا رویہ بھی اسی قسم کا ہوتا ہے وہ بھی نجی مجلسوں میں آیاتِ الٰہی کے خلاف باتیں کرتے ہیں، پیغمبر ﷺ پر تنقید کرتے ہیں مگر جب اُن کا تعاقب کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو محض دل لگی کر رہے تھے۔

بہر حال اہل ایمان کو ہر اُس مجلس سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس میں قرآن پاک، حضور ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ اور شریعت حقہ کی کسی بات سے ٹھٹھا تمسخر کیا جاتا ہو یا کسی قسم کی نکتہ چینی کی جاتی ہو۔

دوسری جگہ بھی موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب یہ لوگ باطل باتوں میں مشغول، شعائرِ دین پر نکتہ چینی اور عیب جوئی کر رہے ہوں تو ایسی صورت میں اگر آپ اُن کی مجلس میں شامل ہوں گے: انکم اذا مثلھم تو آپ بھی انہی جیسے ہو جائیں گے۔

اسی لئے تمام بزرگانِ دین ایسے واعظین کی مجلس میں بیٹھنے سے منع کرتے ہیں جو موضوع حدیثیں بیان کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نبی ﷺ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہوں۔بزرگان فرماتے ہیں کہ تم تو اسے نیکی کا کام سمجھ کر شامل ہوں گے مگر حقیقت میں اس سے نقصان ہوگا، کیونکہ وہاں سے جو چیز اخذ ہوگی وہ دین کی بات نہیں ہوگی بلکہ شرک و بدعت ہوگی اور یہی چیز سمِ قاتل ہے۔اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تمام افرادِ اُمت کو ایسی مجالس میں جانے سے منع فرمایا ہے۔

شیطان کا بھلاوا:

آگے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایک اور امکانی صورتِ حال کا تذکرہ فرمایا ہے: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ : اگر تمہیں شیطان بھلا دے، یعنی اگر آپ بھول کر دین پر طعن و تشنیع کرنے والی مجلس میں شامل ہو جائیں یا کسی لاعلمی کی بناء پر وہاں جا بیٹھیں تو فرمایا: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ: تو یاد آجانے کے بعد اُس ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھیں بلکہ ایسی مجلس سے فوراً علیحدگی اختیار کرلیں۔

تبلیغ کا فریضہ:

بعض مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ: ذکـــــریٰ: سے مراد نصیحت ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ایسی مجلس میں موجود ہوں تو وہاں اُن کو نصیحت کرنے کی حد تک ٹھہر سکتے ہیں۔ جب آپ اس فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں تو پھر وہاں بالکل نہ رُکیں بلکہ علیحدگی اختیار کرلیں۔ اور جب آپ ایسی مجلس سے اُٹھ کر چلے جائیں گے۔

: وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ: تو کفار و مشرکین کے حساب میں سے متقین پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اُن کی بُرائی کا حساب آپ سے تو نہیں لیا جائے گا، وہ اپنی کارکردگی کے خود ذمہ دار ہیں۔ آپ کا فرض یہی ہے کہ اُن کو نصیحت کریں اور بُرائی سے روکنے کی کوشش کریں۔ آپ کے لئے یہی بہتر ہے: وَّلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ: اُن کو نصیحت کریں تا کہ وہ بچ جائیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کی تبلیغ سے کوئی سعادت مند آدمی بُرائی سے باز آجائیں۔

دین اور کھیل تماشہ:

پھر فرمایا: وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا: آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنالیا ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سچے دین سے ٹھٹھا کرتے ہیں، فرشتوں سے تمسخر کرتے ہیں، معجزات کے منکر ہیں، احکامِ الٰہی کا مذاق اڑاتے ہیں، آپ اُن سے علیحدہ ہو جائیں۔ یہ ایسے ناہنجار لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عذاب سے بے خوف ہو چکے ہیں، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں، یہ خود ہی اپنی کرتوتوں کا مزہ چکھ لیں گے۔

دھوکے کی زندگی:

پھر فرمایا کہ ان کا حال یہ ہے: وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا : ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، لہٰذا وہ اسی دھوکے میں مبتلاء ہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہی سیدھا راستہ ہے۔ فرمایا: وَذَکِّرْ بِهٖٓ : آپ اس قرآن پاک کے ذریعے اُن کو نصیحت کرتے رہیں: اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا کَسَبَتْ: تا کہ کوئی نفس اپنی غلط کارکردگی کی وجہ سے

گرفتار نہ ہو۔اور جو نفس اپنے جرائم کی سزا میں گرفتار ہو جائے گا:لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ: اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز نہ ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔

فرمایا:وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ:اگر کوئی گرفتارِ مصیبت شخص اپنی رہائی کے لئے فدیہ دینا چاہے،ہر قسم کا فدیہ :لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا: تو اُس سے قبول نہیں کیا جائے گا:اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا: یہی وہ لوگ ہیں جنہیں گرفتار کیا گیا ہے اُن کی کمائی کے بدلے:لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ: ان کے لئے کھولتا ہوا پانی ہوگا۔:وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ: اور طرح طرح کا دردناک عذاب دیا جائے گا:بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔اس وجہ سے کہ یہ لوگ دنیا میں کفر کرتے تھے۔(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن:ج7:ص202)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور (اے مخاطب) جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات (اور احکام) میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں (کے پاس بیٹھنے) سے کنارہ کش ہو جا، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جاویں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے (یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت یاد نہ رہے) تو (جب یاد آوے) یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھ (بلکہ فوراً اُٹھ کھڑا ہو) اور (اگر کوئی واقعی دنیوی یا دینی ضرورت ایسی مجلس میں جانے کی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ) جو لوگ (ممنوعاتِ شرعیہ سے جن میں بلاضرورت ایسی مجالس میں جانا بھی داخل ہے) احتیاط رکھتے ہیں، اور ان پر ان (طاعنین و مکذبین) کی بازپرس (اور گناہِ طعن) کا کوئی اثر نہ پہنچے گا (یعنی بضرورت وہاں جانے والے گنہگار نہ ہوں گے) ولیکن اُن کے ذمہ (بشرطِ قدرت) نصیحت کر دینا ہے شاید وہ (طعنے دینے والے) بھی (ان خرافات سے) احتیاط کرنے لگیں (خواہ قبول اسلام کر کے خواہ ان کے لحاظ سے) اور (کچھ مجلسِ تکذیب کی تخصیص نہیں، بلکہ) ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے (اس) دین کو (جس کا ماننا ان کے ذمہ فرض تھا یعنی اسلام کو) لہو ولعب بنا رکھا ہے (کہ اس کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں) اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے (کہ اس کی لذات میں مشغول ہیں، اور آخرت کے منکر ہیں، اس لئے اس تمسخر کا انجام نظر نہیں آتا) اور (کنارہ کشی و ترکِ تعلقات کے ساتھ ایسے لوگوں کو) اس قرآن کے ذریعہ سے (جس سے یہ تمسخر کر رہے ہیں) نصیحت بھی کرتا رہ، تاکہ کوئی شخص اپنے کردار (بد) کے سبب (عذاب میں) اس طرح نہ پھنس جاوے کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا مددگار ہو اور نہ سفارشی ہو اور یہ کیفیت ہو کہ اگر (بالفرض) دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے (کہ اس کو خرچ کر کے عذاب سے بچ جاوے) تب بھی اس سے نہ لیا جاوے (تو نصیحت سے یہ فائدہ ہے کہ اعمالِ بد کے انجام پر متنبہ ہو جاتا ہے، آگے ماننا نہ ماننا دوسرا جانے، چنانچہ) یہ

(تمسخر کرنے والے) ایسے ہی ہیں کہ (نصیحت نہ مانی اور) اپنے کردار (بد) کے سبب (عذاب میں پھنس گئے) جس کا آخرت میں اس طرح ظہور ہوگا کہ) ان کیلئے نہایت تیز (کھولتا ہوا پانی) پینے کے لئے ہوگا اور (اس کے علاوہ اور اس طرح بھی) دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب (کہ کردار بد... یہی ہے، جس کا ایک شعبہ تمسخر تھا)۔

معارف و مسائل:

اہل باطل کی مجلسوں سے پرہیز کا حکم:

آیات مذکورہ میں مسلمانوں کو ایک اہم اصولی ہدایت دی گئی ہے کہ جس کام کا خود کرنا گناہ ہے اس کے کرنے والوں کی مجلس میں شریک رہنا بھی گناہ ہے۔ اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

یعنی جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی آیات میں محض لہو ولعب اور استہزاء و تمسخر کیلئے دخل دیتے ہیں اور عیب جوئی کرتے ہیں تو آپ ﷺ اُن سے اپنا رخ پھیر لیں۔

اس آیت کا خطاب عام ہر مخاطب کو ہے، جس میں نبی کریم ﷺ بھی داخل ہیں، اور امت کے افراد بھی، اور درحقیقت رسول اللہ ﷺ کو خطاب بھی عام مسلمانوں کو سنانے کیلئے ہے ورنہ آپ ﷺ تو بچپن میں بھی کبھی ایسی مجالس میں شریک نہیں ہوئے، اس لئے کسی ممانعت کی آپ ﷺ کو ضرورت نہ تھی۔

پھر اہل باطل کی مجلس سے رخ پھیرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اُس مجلس سے اٹھ جائیں۔ دوسرے یہ کہ وہاں رہتے ہوئے کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں اُن کی طرف التفات نہ کریں، لیکن آخر آیت میں بتلا دیا گیا کہ مراد پہلی ہی صورت ہے کہ اُن کی مجلس میں بیٹھے نہ رہیں، وہاں سے اُٹھ جائیں۔

آخر آیت میں فرمایا کہ اگر تم کو شیطان بھلا دے، یعنی بھول کر ان کی مجلس میں شریک ہو گئے خواہ اس طرح کہ ایسی مجلس میں شریک ہونے کی ممانعت یاد نہ رہی، یا اس طرح کہ یہ یاد نہ رہا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف تذکرے اپنی مجلس میں کیا کرتے ہیں تو اس صورت میں جس وقت بھی یاد آجائے اسی وقت اُس مجلس سے اُٹھ جانا چاہئے۔ یاد آجانے کے بعد وہاں بیٹھا رہنا گناہ ہے۔ دوسری ایک آیت میں بھی یہی مضمون ارشاد ہوا ہے، اور اس کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ اگر تم وہاں بیٹھے رہے تو تم بھی انہی جیسے ہو۔

امام رازیؒ نے فرمایا کہ اس آیت کا اصل منشاء گناہ کی مجلس اور مجلس والوں سے اعراض اور کنارہ کشی ہے۔ جس کی بہتر صورت تو یہی ہے کہ وہاں سے اٹھ جائے لیکن اگر وہاں سے اٹھنے میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا خطرہ ہو تو عوام کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ کنارہ کشی کی کوئی دوسری صورت اختیار کرلیں، مثلاً کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں، اور ان لوگوں

کی طرف التفات نہ کریں۔مگر خواص جن کی دین میں اقتداء کی جاتی ہے ان کے لئے وہاں سے بہر حال اُٹھ جانا ہی مناسب ہے۔

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر ایسی مجلس سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہئے جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ یا اس کے رسول ﷺ یا شریعتِ اسلام کے خلاف باتیں ہو رہی ہوں اور اس کو بند کرنا یا بند کرانا یا کم از کم حق بات کا اظہار کرنا اس کے قبضہ واختیار میں نہ ہو، ہاں اگر ایسی مجلس میں بہ نیتِ اصلاح شریک ہو اور ان لوگوں کو حق بات کی تلقین کرے تو مضائقہ نہیں۔

اور آخر آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھو، اس سے امام جصاصؒ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ایسے ظالم، بے دین اور دیدہ دہن لوگوں کی مجلس میں شرکت کرنا مطلقاً گناہ ہے، خواہ وہ اس وقت کسی ناجائز گفتگو میں مشغول ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو ایسی بیہودہ گفتگو شروع کرتے ہوئے دیر کیا لگتی ہے۔ وجہ استدلال اس کی یہ ہے کہ اس میں مطلقاً ظالموں کے ساتھ بیٹھنے کو منع فرمایا گیا ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ اس وقت بھی ظلم کرنے میں مشغول ہوں۔

قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں بھی یہی مضمون واضح طور پر بیان ہوا ہے، فرمایا: ولا ترکنوا الی الّذین ظلموا فتمسّکم النّار: یعنی ظالم لوگوں کے ساتھ میل جول اور مَیلان نہ رکھو، ورنہ تمہیں جہنم کی آگ سے پالا پڑے گا۔

تیسری آیت میں بھی تقریباً اسی مضمون کی مزید تاکید اس طرح ارشاد فرمائی گئی ہے: وَذَرِالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًاوَّلَھْوًا: معنی آیت کے یہ ہیں کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب یعنی مشغلہ اور کھیل بنا رکھا ہے۔

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو دینِ حق یعنی اسلام ان کیلئے بھیجا گیا ہے، اس کو لہو ولعب بنا رکھا ہے، اس کا استہزاء وتمسخر کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے اصلی دین کو چھوڑ کر اپنا دین ومذہب ہی لعو ولعب کو بنا لیا ہے۔

اس آیت میں رسول کریم ﷺ اور عام مسلمانوں کو دو حکم دیئے گئے ہیں۔ اوّل یہ کہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کریں جس کا بیان مذکورہ جملہ میں آچکا ہے۔ دوسرے یہ کہ صرف ان لوگوں سے کنارہ کشی اور اعراض بھی کافی نہیں، بلکہ ایجابی طور پر یہ بھی ضروری ہے کہ قرآن کے ذریعہ ان کو نصیحت بھی کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عذاب سے ڈراتے بھی رہیں۔

آخر آیت میں اس عذاب کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ اگر ان کی یہی حالت رہی تو یہ اپنے کردارِ بد کے جال میں خود پھنس جائے گے۔فرمایا:اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا کَسَبُوْا،لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ: یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمالِ بد کی سزا میں پکڑ لئے گئے ہیں،ان کو پینے کے لئے جہنم کا کھولتا ہوا پانی ملے گا،جس کے متعلق دوسری آیت میں ہے کہ وہ ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دے گا،اور اس پانی کے علاوہ دوسرے بھی دردناک قسم کے عذاب ہوں گے اُن کے کفر وانکار کے بدلے میں۔

اس آخری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ آخرت سے غافل صرف دنیا کی زندگی پر مگن ہیں،ان کی صحبت ومجالست بھی.....انسان کے لئے مہلک ہے۔اس کا انجام یہ ہے کہ ان کی صحبت میں رہنے والا بھی اس عذاب کا شکار ہوگا، جس میں وہ مبتلاء ہیں۔

ان تین آیتوں کا حاصل مسلمانوں کو بُرے ماحول اور بُری صحبت سے بچانا ہے جو انسان کیلئے سمِ قاتل ہے۔ قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص کے علاوہ مشاہدہ اور تجربہ اس کا گواہ ہے کہ انسان کو تمام بُرائیوں اور جرائم میں مبتلاء کرنے والی چیز اس کی بُری سوسائٹی اور بُرا ماحول ہے جس میں پھنسنے کے بعد انسان اوّل تو خلافِ ضمیر اور خلافِ طبع بُرائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے،اور پھر جب عادت پڑ جاتی ہے تو یہ بُرائی کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے، بلکہ بُرائی کو بھلائی اور بھلائی کو بُرائی سمجھنے لگتا ہے۔

اور جہاں تک غور کیا جائے انسان کو اس حالت پر پہنچانے والی چیز اکثر اس کا غلط ماحول اور بُری صحبت ہوتی ہے۔(معارف القرآن:ج3:ص402)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا(الی قوله)وَّلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ: یہ زجر ہے۔جب مشرکین آیتوں سے تمسخر کرنے لگے تو آپ ان کے پاس مت بیٹھیں ہاں اگر وہ کوئی اور موضوع چھیڑ دیں تو پھر آپ تبلیغ کے لئے ان کی مجلس میں بیٹھ سکتے ہیں:بَعْدَ الذِّکْرٰی:یعنی نصیحت کرنے کے بعد یا امرِ خداوندی یاد آجانے کے بعد۔مطلب یہ کہ اگر آپ کو ان سے اعراض کرنے کا حکم یاد نہ رہے اور آپ ان کے پاس بیٹھے رہیں تو جب آپ کو یاد آجائے اسی وقت وہاں سے اٹھ کھڑے ہوں اور اس کے بعد وہاں نہ بیٹھیں یا مطلب یہ ہے کہ ان کو نصیحت کرنے کے بعد وہاں نہ بیٹھیں۔

فائدہ: یعنی جب جاہل دین پر عیب پکڑیں اس مجلس سے سرک جائے اور اگر خطرہ ہو کہ باتوں میں مشغول

ہوکر سر کنا بھول جاوے تو سوا نصیحت کے وقت ان میں بیٹھنا ہی موقوف کرے۔

فائدہ: یعنی کوئی چاہے کہ ایسے جاہلوں کے پاس نصیحت کو بھی نہ بیٹھے۔فرمایا کہ اگر نہ بیٹھے تو اپنے اوپر گناہ نہیں ان کے گمراہ رہنے کا لیکن نصیحت بہتر ہے کہ شاید ان کو ڈر ہو تو نصیحت والا ثواب پاوے۔

:وَ ذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا (الی قوله) بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ: یہ زجر ہے۔یعنی ان لوگوں کو چھوڑ دیئے جنہوں نے لہو ولعب کو اپنا دین بنا رکھا ہے۔ایسے لوگوں سے آپ تعلقات منقطع کرلیں،البتہ تبلیغ وتذکیر کرتے رہیں۔

یہ تخویف اُخروی ہے۔یعنی آپ ایسے لوگوں سے تعلقاتِ معاشرت قطع کرلیں لیکن ان کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عذاب سے ڈراتے رہیں شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ثواب سے محروم ہوکر ہلاک نہ ہوجائیں۔کیونکہ جس نے دنیا میں حق کو قبول نہ کیا آخرت میں اس کیلئے جہنم کے سوا کچھ نہیں،وہاں کوئی مددگار اور سفارشی نہیں ہوگا۔اگر بالفرض کوئی مجرم شخص قیامت کے دن فدیہ دے کر عذاب سے بچنا چاہے گا تو اس سے فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔یہ وہی لوگ ہوں گے جو اپنی بدعملی اور کفر وشرک کی وجہ سے ثواب اور اجر سے محروم ہوں گے،اس لئے انہیں کفر وانکار کی وجہ سے آخرت میں شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

فائدہ: چھوڑ دے،یعنی صحبت نہ رکھ ان سے مگر نصیحت کردے کہ کوئی بے خبر نہ پکڑا جائے۔

(جواہر القرآن:ج1:ص323)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:وَ اِذَا رَاَیْتَ:اے مخاطب!جب تُو دیکھے۔:مخاطب:سننے والے کو کہتے ہیں اور قیامت تک آنے والا ہر آدمی اس آیت کریمہ کا مخاطب ہے:الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ:ان لوگوں کو جو عیب جوئی کرتے ہیں شغل،اور مسخرہ کرتے ہیں:فِیْٓ اٰیٰتِنَا: ہماری آیتوں میں،ہماری آیتوں کے ساتھ:فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ: پس آپ ان سے اعراض کریں۔مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دین کی باتوں کا مذاق اُڑائیں ان کے پاس بالکل نہ بیٹھو۔

مسئلہ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کہیں قرآن کریم کے خلاف بات ہورہی ہو یا حدیث کے خلاف بات ہورہی ہو یا اسلام کے خلاف بات ہورہی ہو تو ایسی مجلس میں بیٹھنا گناہ ہے،یہ حکم ہے۔اور مذاق اُڑانے کا گناہ انکار کرنے سے بھی بڑا ہے۔

تو یہ حکم خداوندی ہے کہ جہاں قرآن وحدیث اور اسلام کا مذاق اُڑایا جارہا ہوں وہاں نہ بیٹھو وہاں سے اُٹھ کر

چلے جاؤ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ: یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی اور بات میں: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ: اور اگر آپ کو بھلا دیں شیطان: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ: پس آپ (ﷺ) نہ بیٹھیں یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ۔ اور اگر ان کے ساتھ بیٹھے گا تو اس کا حکم پانچویں پارے میں آتا ہے: فَاِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ: تو اس وقت تُو بھی ان کی طرح مجرم ہوگا۔

یہ جو باطل فرقوں کے جلسے ہوتے ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ ان میں شرکت کرنا گناہ ہے، ایسے جلسوں میں صرف وہ جا سکتا ہے جو شخص راسخ العقیدہ مضبوط عمل والا ہو اور دین کے متعلق پختہ ذہن رکھتا ہو اور اُن کے نظریات سننے کے لئے جائے کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ تا کہ ان کا جواب دیا جا سکے۔

وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ: اور نہیں ہے اُن لوگوں پر: یَتَّقُوْنَ: جو بچتے ہیں اُن چیزوں سے کہ وہ قرآن وحدیث کا مذاق نہیں اُڑاتے اور حق کو سمجھتے اور مانتے ہیں: مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ: ان کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے: وَلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ: اور لیکن نصیحت کرنا تو ہے تا کہ وہ بچ جائیں۔

وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًا وَّلَھْوًا: اور آپ چھوڑ دیں ان لوگوں کو جنہوں نے بنایا اپنے دین کو کھیل اور تماشا: وَّغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا: اور دھوکے میں ڈالا اُن کو دنیا کی زندگی نے: وَذَکِّرْ بِہٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا کَسَبَتْ: اور آپ نصیحت کریں اس قرآن پاک کے ذریعے کہ گرفتار نہ کیا جائے کوئی نفس اپنی کمائی کے ساتھ کہ اس نے جو بدی کی ہے اس میں گرفتار نہ ہو جائے: لَیْسَ لَھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ: نہیں ہوگا اس نفس کیلئے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکتا: وَاِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْھَا: اور اگر وہ فدیہ دے، پورا فدیہ، تو نہیں لیا جائے گا اس سے۔ دنیا میں تو ایسا ہوتا ہے کہ لوگ بعض جرائم کا جرمانہ دے کر رہا ہو جاتے ہیں مگر وہاں آخرت میں ایسا نہیں ہوگا: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا کَسَبُوْا: یہ وہی لوگ ہیں جو گرفتار کئے جائیں گے اس کے بدلے میں جو انہوں نے کمایا: لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ: ان کیلئے پینا ہوگا کھولتے ہوئے پانی سے اور عذاب ہوگا دردناک، اس لئے کہ وہ انکار کرتے تھے، اور کفر کا بدلہ ضرور ملے گا۔ (ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن: ج6: ص157)

ان آیات کے تحت حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا (الی قولہ) وَلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ: تُو جب انہیں دیکھ جو ہماری آیتوں کا مذاق اڑاتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لیا کر یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور بحث کو شروع

کریں،اوراگر کبھی شیطان تجھے بھلا دے تو خبردار یاد آجانے کے بعد ہرگز ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔ان کے حساب میں سے کوئی چیز پرہیز گاری کرنے والوں پر نہیں،ہاں ان کے ذمہ نصیحت کرنا ہے تا کہ وہ لوگ پرہیز گاری اختیار کرلیں۔

فرمایا جب تو انہیں دیکھے جو میری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اوران کا مذاق اڑاتے ہیں تو تُو ان سے منہ پھیر لے اور جب تک وہ اپنی شیطانیت سے باز نہ آجائیں تو ان کے ساتھ نہ اُٹھو نہ بیٹھو۔اس آیت میں گو فرمان حضرت رسالت مآب ﷺ کو ہے لیکن حکم عام ہے۔آپ ﷺ کی امت کے ہر شخص پر حرام ہے کہ وہ ایسی مجلس میں یا ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھے جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہوں،ان کی معنی اُلٹ پلٹ کرتے ہوں اوران کی بے جا تاویلیں کرتے ہو۔اگر بالفرض کوئی شخص بھولے سے ان میں بیٹھ بھی جائے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالموں کے پاس بیٹھنا ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کو خطا اور بھول سے درگزر فرمالیا ہے اوران کے کاموں سے بھی جو ان سے زبردستی مجبور کر کے کرائے جائیں۔

اس آیت کے اسی حکم کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے:وقد نزّل علیکم فی الکتٰب ان اذا سمعتم ،الخ: یعنی تم پر اس کتاب میں یہ فرمان نازل ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر اور مذاق ہوتا ہوا سنو تو ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور اگر تم نے ایسا کیا تو تم بھی اس صورت میں ان جیسے ہی ہو جاؤ گے،ہاں جب وہ اور باتوں میں مشغول ہو تو خیر۔مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کے ساتھ بیٹھے اوران کی باتوں کو برداشت کرلیا تو تم بھی ان کی طرح ہی ہو۔

پھر فرمان ہے کہ جو لوگ ان سے دوری کریں ان کے ساتھ شریک نہ ہوں ان کی ایسی مجلسوں سے الگ رہیں وہ بری الذمہ ہیں ان پر ان کا کوئی گناہ نہیں۔ان کی اس بدکرداری کا کوئی بوجھ ان کے سر نہیں۔

دیگر مفسرینؒ کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر چہ ان کے ساتھ بیٹھیں لیکن جبکہ ان کے کام میں اوران کے خیال میں ان کی شرکت نہیں تو یہ بے گناہ ہیں لیکن یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حکم سورۂ نساء مدنی کی آیت: انکم اذامثلھم: سے منسوخ ہے۔

ان مفسرین کی اس تفسیر کے مطابق آیت کے آخری جملے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے تمہیں ان سے الگ رہنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ انہیں عبرت حاصل ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گناہ سے باز آجائیں اور ایسا نہ کریں۔

:وَذَرِالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْادِيْنَهُمْ لَعِبًاوَّلَهْوًا(الی قوله)لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْايَكْفُرُوْنَ: انہیں چھوڑ دے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں زندگانی دنیا نے مغرور

کر دیا ہے، اس قرآن کے ساتھ نصیحت کر دے تا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک نہ کیا جائے، سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا نہ کوئی دوست ہے نہ سفارشی، کوکوئی سب کچھ بدلے میں دینا چاہے لیکن اس سے لیا نہ جائے گا، یہی ہیں جو اپنے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے، انہیں گرم گرم پانی پینے کو ملے گا اور ان کے کفر کی وجہ سے دردناک عذاب ہوں گے۔

یعنی بے دینوں سے منہ پھیر لو، ان کا انجام نہایت بُرا ہے، اس قرآن کو پڑھ کر سنا کر لوگوں کو ہوشیار کرو۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ناراضگی سے اور اس کے عذابوں سے انہیں ڈرا دو تا کہ کوئی شخص اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک نہ ہو، پکڑا نہ جائے، رسوا نہ کیا جائے، اپنے مطلوب سے محروم نہ رہ جائے۔ جیسے فرمان ہے: کلّ نفس بما کسبت رھینۃ۔الخ: ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہوا ہے مگر داہنے ہاتھ والے۔ یاد رکھو! کسی کا کوئی والی اور سفارشی نہیں، جیسے ارشاد فرمایا: من قبل ان یاتی یوم لّا بیع فیہ ولا خلّۃ وّلا شفاعۃ۔ الخ: اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہے نہ دوستی اور محبت نہ سفارش اور شفاعت۔

کافر پورے ظالم ہیں اگر یہ لوگ قیامت کے دن تمام دنیا کی چیزیں فدیئے یا بدلے میں دے دینا چاہیں تو بھی ان سے نہ فدیہ لیا جائے گا نہ بدلہ۔ کسی چیز کے بدلے وہ عذابوں سے نجات نہیں پا سکتے۔ جیسے فرمان ہے: انّ الّذین کفروا وماتوا وھم کفّار۔الخ: جو لوگ کفر پر جئے اور کفر پر ہی مرے یہ اگر زمین بھر کر سونا بھی دے تو ناممکن ہے کہ قبول کیا جائے اور انہیں چھوڑا جائے۔

پس فرما دیا گیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے رسوا کر دیئے گئے، انہیں گرم کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور انہیں سخت المناک عذاب ہوں گے کیونکہ یہ کافر تھے۔ (تفسیر ابن کثیر: ج2: ص72)

سورة التوبه

:یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتَتَّخِذُوْااٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَاِنِ اسْتَحَبُّوالْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ،وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ:(توبہ:آیت:23)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے عزیز رکھیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔

:قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُکُمْ وَاَبْنَآءُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَاوَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَاوَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَااَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْاحَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ،وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ:(توبہ:آیت:24)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والے لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتَتَّخِذُوْااٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ(الی قولہ)وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ:اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو (اپنا) رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے (ایسا) عزیز رکھیں (کہ ان کے ایمان لانے کی اُمید نہ رہے) اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں (مطلب یہ کہ بڑا مانع ہجرت سے ان لوگوں کا تعلق ہے اور خود وہی جائز نہیں پھر ہجرت میں کیا دشواری ہے۔ آگے اسی مضمون کی زیادہ تفصیل ہے کہ اے محمد ﷺ!) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں

نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن میں (رہنے) کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ چیزیں) تم کو اللہ تعالیٰ جل شانہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (سزائے ترکِ ہجرت کا) بھیج دیں، اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والے لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا (یعنی ان کا مقصود تھا ان چیزوں سے تمتع وہ بہت جلد خلاف ان کی توقع کے موت سے منقطع ہو جاتا ہے)۔

مسائل السلوک:

:یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتَتَّخِذُوْاآبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ:اس میں حق تعالیٰ جل جلالہ نے بیان فرمادیا کہ تعلق مع اللہ بمقابلہ تعلق مع الخلق کے زیادہ رعایت کے قابل ہے۔(بیان القرآن:ج 1:ص 392)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتَتَّخِذُوْاآبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَاِنِ اسْتَحَبُّوالْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ:اے ایمان والو! اپنے باپ (دادا) اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کرتے ہوں۔

وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ:اور تم میں سے جو بھی ان سے (دلی) دوستی کریں گے پس ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔یعنی جو شخص ان سے دلی دوستی کرے گا اور مسلمانوں کے چھپے راز بتائے گا اور ہجرت و جہاد چھوڑ کر ان کے ساتھ رہنے کو پسند کرے گا وہ ظالم (ناحق کوش) ہوگا (لغت میں ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو بے جا رکھنا) کیونکہ دوستی کو اس کے مقام پر نہیں رکھے گا۔مسلمان کی رفاقت کا مرکز تو مسلمان ہونا چاہئے (اور یہ کافر سے رفاقت کر رہا ہے مسلمان کو چھوڑ رہا ہے، لہذا ظلم ہوگا)۔

:قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُکُمْ وَاَبْنَآءُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَاوَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَاوَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَااَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْاحَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ:(اے محمد ﷺ! ہجرت ترک کرنے والوں سے) آپ کہہ دیجئے، کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارے کنبہ اور وہ مال جو تم کماتے ہو اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو رُکے رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (یعنی ہجرت ترک کرنے والوں کو سزا کا فیصلہ) بھیج دے۔

:وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ:اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والے لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں

پہنچاتا:وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ: کامطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی معرفت کا راستہ فاسقوں کونہیں بتاتا۔(تفسیر مظہری اردو:ج5:ص165)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: شروع سورت میں کفار سے براءت اور بیزاری کا ذکر تھا پھر گذشتہ آیات میں ایمان اور ہجرت اور جہاد کو افضل الاعمال قرار دیا جو براءت کا تتمہ ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ جل شانہ اور رسول ﷺ کے لئے خویش و اقارب اور اصول وفروع سے براءت و بیزاری اور اُن سے قطع تعلق کوئی آسان کام نہیں مگر بسا اوقات ان اعمالِ فاضلہ میں خویش و اقارب کے تعلقات اور وطن عزیز کی محبت خلل انداز ہوتی ہے، اس لئے اِن آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اُخروی تعلقات کے مقابلہ میں دنیوی محبت کو ترجیح نہ دو، دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینا ظلم اور فسق ہے۔لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ایمان اور اسلام کو دولتِ عظمیٰ سمجھیں اور اپنے اصول وفروع کو اپنے اعزاء و اقارب اور احباب حتیٰ کہ اپنے باپ اور بھائیوں کو جنہوں نے کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے ہرگز دوست نہ بنائیں، اگر اس کے خلاف کریں گے تو ظالم ہوں گے، چنانچہ فرماتے ہیں:

:یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْا اٰبَآءَ کُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ(الی قولہ)وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ:اے ایمان والو!(ایمان کا مقتضٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے تعلق کو مستحکم اور مضبوط کرو اور جو اللہ تعالیٰ جل شانہ سے تعلق قطع کر چکا ہے اُس سے تم بھی قطع تعلق کردو، اگر چہ وہ تمہارا کُل) باپ ہو یا تمہارا جزء بیٹا ہو یا تمہارے باپ کا جزء ہو یعنی تمہارا بھائی ہو، اس لئے تم اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ پسند کریں (یعنی جو لوگ کفر سے محبت رکھتے ہیں تم اُن سے محبت نہ اختیار کرو) اور تم میں سے جو انہیں دوست رکھیں گا (تو خوب سمجھ لو کہ) کافروں کو دوست بنانے والے لوگ بڑے ہی ظالم ہیں (کہ محبت اور دوستی کو بے محل رکھ دیا مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنالیا) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارے قرابت دار اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت اور سوداگری جس کے بند ہو جانے کا تم کو ڈر ہے اور وہ عمدہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، یہ تمام چیزیں تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں صرف کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (اپنے قہر کا) حکم نازل کرے اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو توفیق نہیں دیتا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر اِن چیزوں کی محبت میں اپنے جانوں اور مالوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں صرف کرنا

نہیں چاہتے تو کافروں کے ساتھ تم بھی عذاب کے منتظر رہو، اس صورت میں جو حال اُن کا ہوگا وہی تمہارا ہوگا۔ اور خوب سمجھ لو کہ دنیوی مصالح کو اُخروی مصالح پر ترجیح دینے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی توفیق اور عنایت سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہ آیتیں اُن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جن کو ہجرت کے بارے میں تردّد تھا اور یہ خیال کرتے تھے کہ اگر مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں گے تو اہل وعیال اور خویش واقارب اور یہ مکانات جن میں آرام سے بسیرا کرتے ہیں یہ سب چھوٹ جائیں گے اور تجارت کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا، اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ایمان باللہ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے مقابلہ میں سب چیزیں ہیچ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کو سامنے رکھو فانّھم عدوّلی الّا ربّ العٰلمین یعنی اللہ کے سوا سب میرے دشمن ہیں۔

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند ، فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی ، دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

(معارف القرآن:ج3:ص401)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط آیات: پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جہاد کو افضل الاعمال سے تعبیر کیا۔ ایمان لانا، ہجرت کرنا، اور جہاد کرنا اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مومنین، مہاجرین، اور مجاہدین کیلئے اپنی رحمت، خوشنودی اور جنت کی بشارت سنائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں ان لوگوں کے لئے اجرِ عظیم ہے۔ چونکہ یہ جہاد کا موضوع چل رہا ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مجاہدین کے بلند مرتبت ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ابتدائی دور کے مسلمانوں کے اکثر اعزہ واقارب کفر کی حالت پر تھے، جب جہاد کا حکم ہوا تو باپ بیٹا، بھائی بھائی، چچا بھتیجا وغیرہ کے آمنے سامنے آنے کا احتمال پیدا ہو گیا۔ قرابت داری ایک ایسی چیز ہے جو جہاد کے راستے میں رکاوٹ بن سکتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آج کے درس میں قرابت داری کے مقابلہ میں ایمان کی حقیقت کو واضح فرمایا ہے اور اہل ایمان کو متنبہ کیا ہے کہ یہ رشتہ داری مانع جہاد نہیں ہونی چاہئے، بلکہ یہ تعلقات اُسی صورت میں قائم رہ سکتے ہیں جبکہ دونوں طرف ایمان موجود ہو۔ لہٰذا ایک مومن..... رشتہ داری کے مقابلے میں ایمان کو مقدم رکھے گا اور ضرورت پڑنے پر عزیز ترین قرابت دار کے ساتھ ٹکرا جانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

:یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَ کُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ: اے ایمان والو! اپنے باپوں اور بھائیوں

کواپنا رفیق نہ بناؤ:اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ: اگر وہ کفر کو پسند کرتے ہیں ایمان کے مقابلہ میں۔مطلب یہ کہ کافر باپ اور بھائی کے ساتھ تمہاری دلی دوستی اور ہمدردی نہیں ہوسکتی، کیونکہ تمہارے ادیان مختلف ہیں تم اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین کی بلندی چاہتے ہو اور وہ کفر کے پروگرام کو غالب بنانا چاہتے ہیں، اور یہ ایسا بنیادی اختلاف ہے جس پر سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا۔اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی امتِ محمدیہ کے لئے مشعلِ راہ ہے۔:سورۃ الممتحنہ :میں ہے:

:قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والّذین معہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی مگر وہ کفر اور شرک سے باز نہ آیا۔

:فلمّاتبیّن لہ انّہ عدوّ للّٰہ تبرّامنہ: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہوگیا کہ آپ کا باپ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا دشمن ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس سے برأت کردیا۔باپ اور بیٹے کا قریب ترین رشتہ ہونے کے باوجود جب ایمان کا رشتہ قائم نہ رہ سکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قطع تعلق کرلیا۔

:سورۃ الزخرف: میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور پوری قوم سے کہہ دیا :اِنّنی برآء مّمّاتعبدون: میں تمہارے معبودانِ باطلہ سے بیزار ہوں، میرے اور تمہارے درمیان عداوت اور دشمنی کی دیوار حائل ہے:وبدابیننا وبینکم العداوۃ والبغضآء ابداحتّٰی تؤمنوباللّٰہ واحدہ: جب تک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان نہیں لاؤ گے، یہ دیوار نہیں ہٹ سکتی۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہی بات بیان فرمائی کہ ایمان کے مقابلے میں باپ بیٹے جیسا قریب ترین رشتہ بھی کچھ مفید نہیں ہوگا۔اگر باپ کفر کے پروگرام کو پسند کرتا ہے تو بیٹا اس کے ساتھ دوستانہ نہیں کرسکتا۔والدین کی اطاعت کے متعلق:سورۂ لقمان:میں ہے کہ اگر والدین شرک کی طرف مائل کرنا چاہیں:فلاتطعھماوصاحبھما فی الدّنیا معروفا:تو اُن کا کہنا نہ مانو البتہ دنیا میں اُن کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔

فرمایا:وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ: تم میں سے جو کوئی اُن کے ساتھ دوستی کرے گا تو یہی ظالم لوگ ہیں۔اگر کوئی مومن اپنے کافر بھائی کے ساتھ دوستانہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں ظالم تصور ہوگا۔

آگے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کی محبت کی وجہ سے اکثر لوگ جہاد سے گریز کرتے

ہیں۔ان میں سے پہلی چیز قرابت داری ہے۔ارشاد ہوتا ہے:قُلْ :اے پیغمبر! آپ کہہ دیں:اِنْ کَانَ اٰبَآءُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ:اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں اور خاندان، یہی وہ قریب ترین رشتہ داریاں ہیں جن کے ساتھ انسان کو محبت ہوتی ہے،اور انہی کی وجہ سے لوگ ایمان، جہاد اور ہجرت سے رُک جاتے ہیں۔فرمایا اگر تم ان عزیز و اقارب کو ایمان پر ترجیح دو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جانب سے تم پر ذلت مسلط ہو جائے گی،انہی کی وجہ سے اکثر لوگ آخرت سے محروم ہو جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہاں پر ان قرابت داروں کا نام لے کر فرمایا ہے کہ اگر تمہیں یہ عزیز....اللہ تعالیٰ جل شانہ،اس کے رسول ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے فیصلے کا انتظار کرو۔

جہاد سے روکنے والی دوسری چیز کے متعلق فرمایا:وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا:اور وہ مال جو تم کماتے ہو، انسان کا مال بھی اس کے لئے آزمائش کا باعث ہوتا ہے،اسی کی وجہ سے انسان آخرت اور دین کی باتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

مال کے علاوہ فرمایا:وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا:اور وہ تجارت بھی تمہارے لئے مانع جہاد ہے جس کے مندے سے تم خوف زدہ رہتے ہو کہ کہیں نقصان نہ ہو جائے،کاروبار میں گھاٹا نہ پڑ جائے،کاروبار کو برقرار رکھنے کیلئے تم بڑی محنت کرتے ہو،لہذا یہ بھی تمہیں بڑا عزیز ہے۔فرمایا:کہیں تجارت بھی تمہیں جہاد،ہجرت اور آخرت سے غافل نہ کردے۔مانعاتِ جہاد میں تیسری چیز:وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا:وہ مکانات ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو۔

فرمایا:اے پیغمبر ﷺ! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر رشتہ داری،مال و تجارت اور خوبصورت مکانات:اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ : تمہیں زیادہ محبوب ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے،یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی وحدانیت اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے اور ان کے حکم کی تعمیل کرنے کی بہ نسبت دنیا کی چیزیں زیادہ پسند ہیں اور تم ان چیزوں کو جہاد فی سبیل اللہ پر ترجیح دیتے ہو:فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ:تو پھر انتظار کرو،یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنا کوئی حکم لے آئے اور ظاہر ہے کہ اگر دنیا کو دین پر ترجیح دی گئی تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے سزا کا حکم ہی آسکتا ہے۔

فرمایا:یاد رکھو!وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ:اللہ تعالیٰ جل شانہ نافرمانوں کی راہنمائی نہیں کرتا۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن:ج9:ص285)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو (اپنا) رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے (ایسا) عزیز رکھیں (کہ ان کے ایمان لانے کی اُمید نہ رہے) اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں (مطلب یہ کہ بڑا مانع ہجرت سے ان لوگوں کا تعلق ہے اور خود وہی جائز نہیں پھر ہجرت میں کیا دشواری ہے)۔

معارف ومسائل:

آیاتِ مذکورہ میں ہجرت اور جہاد کے فضائل کا بیان آیا ہے جن میں وطن عزیز اور اعزّ اوا قارب اور احباب و اصحاب اور اموال واملاک سب کو چھوڑنا پڑتا ہے، اور ظاہر ہے کہ انسان کی طبعیت پر یہ کام سب سے زیادہ شاق اور دشوار ہیں۔ اس لئے اگلی آیات میں ان چیزوں کے ساتھ حد سے زیادہ تعلق اور محبت کی مذمت فرما کر مسلمانوں کے ذہنوں کو ہجرت وجہاد کے لئے آمادہ کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

:یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْا اٰبَآءَ کُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ ،وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ: یعنی اے ایمان والو! تم اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو رفیق مت بناؤ، اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے عزیز رکھیں، اور تم میں سے جو شخص ان کے ساتھ باوجود اُن کے کفر کے رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔

ماں باپ، بھائی بہن اور تمام رشتہ داروں سے تعلق کو مضبوط رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایات سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے، مگر اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ ہر تعلق کی ایک حد ہے، ان میں سے ہر تعلق خواہ ماں باپ اور اولاد کا ہو، یا حقیقی بھائی بہن کا، اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے تعلق کے مقابلہ میں نظر انداز کرنے کے قابل ہے، جس موقع پر یہ دونوں رشتے ٹکرا جائیں تو پھر رشتہ وتعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ و رسول ﷺ کا ہی قائم رکھنا ہے، اس کے مقابلہ میں سارے تعلقات سے قطع نظر کرنا ہے۔

اصل رشتہ اسلام وایمان کا رشتہ ہے، نسبی ووطنی تعلقات سب اس پر قربان کرنے کے ہیں:

پانچواں مسئلہ ایک بنیادی مسئلہ ہے کہ رشتہ داری اور دوستی کے سارے تعلقات پر اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کا تعلق مقدم ہے، جو تعلق اس سے ٹکرائے وہ توڑنے کے قابل ہے، صحابہ کرامؓ کا وہ عمل جس کی وجہ سے وہ ساری اُمت سے افضل واعلیٰ قرار پائے یہی چیز تھی کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ پر اپنی جان ومال اور ہر رشتہ وتعلق کو قربان کر کے زبانِ حال سے کہا:

تو نخلِ خوش ثمر کیستی که سرو و سمن ، ہمه زخویش بریدند و با تو پیوسند

ترجمہ: تم کیسا اچھے پھلدار درخت ہو کہ سرو اور چنبیلی جیسے درخت بھی اپنوں سے ہٹ کٹ کر تجھ سے وابستہ ہو گئے ہیں۔

حضرت بلالؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت سلمان فارسیؓ اور قریشِ مکہ انصارِ مدینہ تو سب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور بدر و اُحد کے میدانوں میں باپ بیٹے، بھائی بھائی کی تلواریں آپس میں ٹکرا کر اس کی شہادت دی کہ ان کا مسلک یہ تھا کہ:

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد ، فدائے یک تنِ بیگانہ کاشنا باشد

ترجمہ: ہزار قریب رشتہ دار جو خدا تعالیٰ جل شانہ سے بے گانہ ہوں، اس ایک شخص پر فدا ہیں جو آشنائے حق ہو۔

(آگے اسی مضمون کی زیادہ تفصیل ہے کہ اے محمد ﷺ) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن میں (رہنے) کو تم پسند کرتے ہو (اگر چہ یہ چیزیں) تم کو اللہ تعالیٰ جل شانہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنا حکم (سزائے ترکِ ہجرت کا) بھیج دیں۔

:قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآءُ كُمْ وَاَبْنَآءُ كُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ن اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ:

معارف و مسائل:

:سورۃ التوبہ: کی یہ آیت دراصل ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ سے ہجرت فرض ہونے کے وقت ہجرت نہیں کی، ماں، باپ، بہن، بھائی، اولاد اور بیوی اور مال و جائیداد کی محبت نے ان کو فریضۂ ہجرت ادا کرنے سے رُوک دیا، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضور اکرم ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ اُن لوگوں سے کہہ دیں کہ:

اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے

ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں، اور اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ: منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنا حکم بھیج دیں: امام تفسیر مجاہدؒ نے فرمایا کہ حکم سے مراد جہاد اور قتال اور فتح مکہ کا حکم ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس وقت دنیاوی تعلقات پر اللہ تعالیٰ جل شانہ و رسول ﷺ کے تعلقات قربان کرنے والوں کا انجام بد عنقریب سامنے آنے والا ہے، جبکہ مکہ فتح ہوگا، اور نافرمانی کرنے والے ذلیل و خوار ہوں گے، اور ان کے یہ تعلقات اس وقت ان کے کام نہ آئیں گے۔

اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس جگہ حکم سے مراد حکمِ عذاب ہے کہ دنیوی تعلقات پر اُخروی تعلقات کو قربان کر کے ہجرت نہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا حکمِ عذاب عنقریب آنے والا ہے یا تو دنیا ہی میں اُن پر عذاب آئے گا ورنہ آخرت کا عذاب تو یقینی ہے۔

آیت میں اس جگہ مقصود تو ترکِ ہجرت پر وعید ہے، مگر ذکر بجائے ہجرت کے جہاد کا کیا گیا ہے، جو ہجرت کے بعد کا اگلا قدم ہے، اس میں اشارہ کر دیا گیا کہ ابھی تو صرف ہجرت اور ترکِ وطن ہی کا حکم ہوا ہے، اس میں کچھ لوگ ہمت ہار بیٹھے، آگے جہاد کا حکم آنے والا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول ﷺ کی محبت پر ساری محبتوں کو اور خود اپنی جان کو قربان کرنا پڑتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ ہجرت ہی کو جہاد سے تعبیر کر دیا ہو، کیونکہ وہ بھی حقیقت میں جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے۔

اور آخر آیت میں: وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: فرما کر یہ بھی بتلا دیا کہ جو لوگ حکمِ ہجرت کے باوجود اپنے دنیوی تعلقات کو ترجیح دے کر اپنے خویش و عزیز اور مال و مکان سے چمٹے رہے، ان کا یہ عمل دنیا میں بھی اُن کیلئے مفید نہیں ہوگا، اور اُن کا یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا کہ ہمیشہ اپنے اہل و عیال اور مال و مکان میں امن و چین سے بیٹھیں رہیں، بلکہ حکمِ جہاد شروع ہوتے ہی یہ سب چیزیں اُن کیلئے وبالِ جان بن جائیں گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نافرمانی کرنے والوں کو اُن کے مقصود تک نہیں پہنچاتے۔ (معارف القرآن: ج4: ص366)

اس آیت کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ:

یہ مانع ثالث کا جواب ہے۔یعنی مشرکین سے جہاد کرنے میں یہ خیال ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ ان میں تمہارے قریبی اور عزیز ترین رشتہ دار موجود ہیں۔یاد رکھو! اگر تمہارے ماں باپ اور تمہارے بھائی اور دیگر اعزہ ایمان کے مقابلے میں کفر وشرک کو ترجیح دیتے اور پسند کرتے ہیں تو تم ان سے ہرگز دوستی نہ رکھو۔ان سے محبت وشفقت کا رشتہ توڑ لو اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین کو سربلند کرنے کے لئے ان سے جہاد کرو۔

:قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآءُكُمْ وَاَبْنَآءُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ:

یہ زجر ہے،یعنی اگر ماں باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں اور دیگر رشتہ دار، مال و دولت، کاروبار اور مکانات تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عذاب کے لئے تیار ہو جاؤ۔یہ پہلے حکم: لَا تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ: کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے تہدید وتخویف ہے۔(جواہر القرآن: ج1: ص 431)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہاں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو حق کو سمجھتے ہوئے ہجرت نہ کر سکے، کیونکہ ماں باپ اور کاروبار چھوڑنا آسان کام نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:

:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو: لَا تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ نہ بناؤ تم اپنے باپ دادا کو اور اپنے بھائیوں کو دوست، ان کے ساتھ دوستی نہ کرو، مگر کب؟: اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ: اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان کے مقابلے میں۔کیونکہ تمہاری دوستی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کیلئے ہونی چاہئے۔اگر تمہارے باپ دادا، بھائی، عزیز رشتہ دار کفر کو پسند کرتے ہیں تو اے ایمان والو! ان کے ساتھ بالکل دوستی نہ کرو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول ﷺ کے مقابلے میں ان کی بات ماننی ہے، چاہے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں: سورۃ لقمان: میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا حکم ہے: فلا تطعهما: پس تم ان کی بات نہ مانو اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہیں: لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق: اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ہاں اگر ماں باپ نیکی کا حکم دیں انکار کرے گا تو ڈبل گنہگار ہوگا، ایک رب تعالیٰ جل شانہ کی نافرمانی ہے اور ایک والدین کی نافرمانی۔

:وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ: اور جو کوئی دوستی کرے گا ان کے ساتھ تم میں سے کہ وہ کفر کو پسند کرتے ہیں، کفر کو ترجیح دیتے ہیں اور تم ان کے ساتھ دوستی کرتے ہو:فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ:پس یہی لوگ ہیں ظلم کرنے والے، کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم کے مخالف ہیں۔تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم کے مقابلے میں نہ ماں باپ کی پرواکرو اور نہ بھائی اور دیگر عزیز رشتہ داروں کی پرواہ کرو۔

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کی محبت کی وجہ سے لوگ جہاد سے گریز کرتے ہے، ارشاد ربانی ہیں:

:قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا: آپ کہہ دیں، اگر ہوں تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور وہ مال جو تم نے مشقت کے ساتھ کمایا ہے:وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا:اور وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو کہ اگر میں دوکان پر نہ گیا تو کام ٹھنڈا ہو جائے گا، گاہک رُخ دوسری طرف کرلیں گے اور میری تجارت پر زد پڑے گی:وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ:اور تمہارے مکانات، بلڈنگیں، کوٹھیاں جو تمہیں پسندیدہ اور محبوب ہوں :اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ:اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے سے:فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ:تو پھر تم انتظار کرو یہاں تک کہ لائے اللہ تعالیٰ اپنا حکم۔

:وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو زبردستی، اگرچہ زبردستی بھی ہدایت دے سکتا ہے مگر اس نے قانون بنایا ہے:فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر:پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن:ج8:ص56)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

اے مسلمانو! دوست نہ بناؤ اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ کفر کو اسلام سے زیادہ عزیز رکھیں، تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے وہ پورا گنہگار ظالم ہے۔کہدے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارا بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال ااور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے عذاب کے آنے کا انتظار کرو، اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

ترکِ موالات ومودّت کا حکم:

اللہ تعالیٰ کافروں سے ترک موالات کا حکم دیتا ہے، ان کی دوستیوں سے روکتا ہے، گو وہ ماں باپ ہوں بہن بھائی ہوں۔ بشرطیکہ وہ کفر کو اسلام پر ترجیح دیں، اور آیت میں ہیں: لاتجدقومایؤمنون باللّٰہ،الخ: اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لانے والوں کو تُو ہرگز اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں سے دوستی کرنے والا نہیں پائے گا گو وہ ان کے باپ ہوں بیٹے یا بھائی ہوں یا رشتے دار ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان لکھ دیا گیا ہے اور اپنی خاص روح سے ان کی تائید فرمائی ہے، انہیں نہروں والی جنت میں پہنچائے گا۔

بیہقی میں ہے کہ حضرت ابوعبید بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ نے بدر والے دن ان کے سامنے اپنے بتوں کی تعریفیں شروع کیں آپؓ نے اسے ہر چند روکنا چاہا لیکن وہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ باپ بیٹوں میں جنگ شروع ہوگئی آپؓ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ اس پر آیت: لاتجدقومایؤمنون باللّٰہ،الخ: نازل ہوئی۔

پھر ایسا کرنے والوں کو ڈراتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر یہ رشتے اور اپنے حاصل کئے ہوئے مال اور مندے ہو جانے کی دہشت کی تجارتیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے اور جہاد سے بھی زیادہ مرغوب ہیں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برداشت کے لیے تیار رہنا چاہئے۔ ایسے بدکاروں کو اللہ تعالیٰ بھی راستہ نہیں دکھاتا۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ جا رہے تھے حضرت عمرؓ کا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں بجز میری اپنی جان کے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ رکھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل شانہ کی قسم اب آپ ﷺ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرؓ (تو مومن ہوگیا) (بخاری شریف)۔

صحیح حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ثابت ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایماندار نہ ہوگا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ سے اولاد سے اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں جب تم عین کی خرید وفروخت کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دُمیں تھام لو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کرے گا وہ اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ۔ (تفسیر ابن کثیر: ج2: ص332)

سورة التوبه

:اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ، سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ،وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ:(توبہ:آیت 79)

ترجمہ: وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں ان مسلمانوں پر جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور اُن پر جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت کا، پھر اُن پر ٹھٹھے کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے، اور ان کیلئے عذاب دردناک ہے۔

:اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ،اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ،ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ،وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ:(توبہ:آیت 80)

ترجمہ: تُو ان کے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ، اگر تو ان کے لئے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے گا ان کو اللہ تعالیٰ، یہ اس واسطے کہ وہ منکر ہوئے اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ تعالیٰ راستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: اوپر بعض احوال مخصہ کا بیان تھا آگے پھر بعض احوال مشترکہ کا بیان ہے جیسا پہلے سے اسی طرح سلسلہ چلا آتا ہے۔

بعض دیگر احوال مشترکہ منافقین:

اس کے قصہ متعلقہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار آپ ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دی تو ایک صحابیؓ بہت سا مال لے آئے، منافقین نے کہا کہ یہ ریاکار ہے۔ دوسرے صحابیؓ غریب تھے بہت قلیل (کم) لائے، منافقین نے کہا کہ یہ میاں اس واسطے لائے ہیں کہ میرا بھی نام ہو جاوے اس پر آیت نازل ہوئی۔

:اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ (الی قوله)وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: یہ(منافقین)ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور(خصوص)ان لوگوں پر(اورزیادہ)جن کو بجز محنت مزدوری(کی آمدنی)کے اور کچھ میسّر نہیں ہوتا(اور وہ بے چارے اس میں سے ہمت کر کے حاضر کر دیتے ہیں، ان پر زیادہ طعن کرتے ہیں)یعنی اُن سے تمسخر کرتے ہیں(یعنی مطلق طعن تو سب پر کرتے ہیں اور ان غریبوں سے تمسخر بھی کرتے ہیں)اللہ تعالیٰ ان کو اس تمسخر کا(تو خاص)بدلہ دے گا اور(ویسے مطلق طعن کا یہ بدلہ ملے گا کہ)ان کے لئے(آخرت میں)دردناک سزا ہوگی۔

ربط: اوپر منافقین کیلئے عذاب الیم کا اثبات ہے آگے اس اثبات کی تاکید ہے کہ یہ عذاب نبی ﷺ کی دعا واستغفار سے بھی باوجود اس کے اعظم وسائل ہونے کے نہیں ٹل سکتا بوجہ فقدان اصل شرط یعنی ایمان کے۔

:اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ(الی قوله)وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: آپ خواہ ان(منافقین)کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں(عدمِ نفع میں دونوں برابر ہیں یعنی)اگر آپ ان کے لئے ستر بار(یعنی بکثرت)بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا(اور)یہ(نہ بخشنا)اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو(جو کبھی ایمان اور حق کی طلب ہی نہ کریں)ہدایت نہیں(کیا)کرتا(اس وجہ سے یہ عمر بھر کفر ہی پر قائم رہے،اسی پر ختم ہو گئے)۔

(بیان القرآن:ج1:ص409)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: آیتِ صدقہ نازل ہوئی تو اُس زمانہ میں ہم اپنی پشت پر مزدوری کا بوجھ اُٹھایا کرتے تھے(یعنی باربرداری کی مزدوری کرتے تھے،مگر آیتِ صدقہ نازل ہونے کا یہ اثر پڑا کہ)فوراً بعض آدمیوں نے بہت سامال لاکر خیرات کیا اور بعض نے صرف ایک صاع دیا۔اس پر منافق(لوگ) زیادہ خیرات کرنے والے کے متعلق کہنے لگے کہ:اس نے دکھاوٹ کے لئے دیا ہے۔اور ایک صاع دینے والے کے متعلق کہا:اس کے دینے کی اللہ تعالیٰ جل شانہ کو ضرورت نہیں(اس حقیر مال کا کیا ثواب)اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

:اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ، سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ،وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ:یہ(منافق)ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور(خصوصاً)ان لوگوں پر(اورزیادہ)جن کو بجز محنت

مزدوری کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا، یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کو اس تمسخر کا خاص بدلہ تو دے گا اور ان کو (آخرت میں) دردناک سزا ملے گی۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق تھا لیکن اس کا بیٹا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پکا مؤمن تھا۔ جب عبداللہ بن ابی منافق مرض موت میں مبتلاء تھا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی حضور ﷺ سے درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے دعا کردی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

:اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ،اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ:

ان (منافقوں) کیلئے آپ دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں، دونوں برابر ہیں اگر ان کے لئے ستر بار آپ ﷺ دعائے مغفرت کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔

:استغفر: امر کا صیغہ ہے لیکن مراد (مفہوم امر نہیں بلکہ) استغفار اور عدمِ استغفار، دونوں صورتوں میں برابری کی خبر دینا ہے، یعنی دونوں صورتیں ان کے لئے برابر ہیں، کوئی بھی ان کے واسطے مفید نہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں ان کے لئے ستر مرتبہ سے زیادہ دعائے مغفرت کروں گا۔ اس کے بعد آیت: سوآء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم: نازل ہوئی۔

:ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: یہ (مغفرت سے مایوسی کا فیصلہ) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا۔ یعنی مغفرت سے مایوسی کا فیصلہ اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بخل کیا یا آپ ﷺ کے اندر کوئی کوتاہی ہے بلکہ اس کی وجہ صرف منافقوں کی عدمِ قابلیت ہے، کفر نے ان کو مغفرت کی قابل ہی نہیں رکھا۔

:وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ یعنی جو لوگ کفر پر اڑ جائیں اور کفر میں سرکش بن جائیں اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کو ہدایت نہیں کرتا۔

یہ کلام گویا گزشتہ کلام کی دلیل ہے۔ کافر کی مغفرت کا صرف ایک راستہ ہے وہ یہ کہ کفر سے اس کو روک دیا جائے اس کے کفر کی جڑ اُکھاڑ دی جائے اور حق کا راستہ دکھا دیا جائے لیکن جو شخص کفر میں منہمک ہو، جس کی سرشت کفر ہو جائے، وہ کفر سے باز نہیں آسکتا اور راہِ حق پر نہیں چل سکتا۔ (تفسیر مظہری اردو: ج 5: ص 289)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو صدقہ اور خیرات کی ترغیب دی تو بعض صحابہ کرامؓ تو بہت

سامال لے کر حاضر ہوئے تو منافقین نے کہا کہ یہ تو ریا کار ہے اپنے نام اور شہرت کی خاطر لے کر آیا ہے اور بعض غریب اور نادار مسلمان جو محنت ومزدوری کیا کرتے تھے وہ بہت تھوڑا لے کر حاضر ہوئے۔ایک صحابیؓ ایک صاع کھجور کا لے کر حاضر ہوئے اس پر منافقین نے یہ طعن کیا کہ بھلا خدا اور رسول کو ایک صاع کی کیا ضرورت ہے۔غرض یہ کہ ان کی زبانِ طعن سے نہ تھوڑا لانے والا بچا اور نہ زیادہ لانے والا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

:اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ (الی قولہ)وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ: اوران منافقوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ان مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر صدقات وخیرات کرتے ہیں اوران غریب مسلمانوں پر بھی طعن کرتے جو سوائے اپنی محنت اور مشقت کے کچھ نہیں پاتے (پھر ایسے غریبوں اور ناداروں کا خاص طور پر)مذاق اڑاتے ہیں (وہ ان غریب مسلمانوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں،اللہ تعالیٰ جل شانہ قیامت کے دن)ان سے ٹھٹھا کرے گا (تمسخر کا بدلہ تمسخر سے ملے گا)اور (اس کے)علاوہ ان (کے لئے آخرت میں)دردناک عذاب ہے (جو ان کے لئے قطعی طور پر تجویز ہو چکا ہے)۔

لہذا آپ ﷺ (ان مسخرہ پن کرنے والے منافقین کیلئے)دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں (ان کے حق میں بالکل بے کار اور بے فائدہ ہے)آپ ﷺ اگر ان کے لئے 70 مرتبہ بھی خدا تعالیٰ سے مغفرت مانگیں گے تب بھی ہرگز اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا (ستر کا عدد تحدید اور تعیین کیلئے نہیں بلکہ محض مبالغہ اور کثرت کے لئے ہے۔مطلب یہ ہے کہ ان کیلئے معافی مانگنا فضول ہے،مانگو یا نہ مانگو کسی طرح نہیں بخشے جائیں گے،خواہ تم ان کیلئے کتنی ہی بار معافی مانگو۔وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے)اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایسا کفر کیا (کہ تمسخر کی حد تک پہنچ گئے جس سے مغفرت کی صلاحیت اور اہلیت ہی ختم ہوگئی۔اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تمسخر،دلیل اس امر کی ہے کہ دل پر مہر لگ چکی ہے)اور اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا (ایسے)فاسقوں کو (جو اپنے کفر میں متمرد اور سرکش ہو گئے ہوں)۔

خلاصۂ کلام..... یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے منافقین کی ازلی شقاوت کی خبر دی اور یہ بتلایا تھا کہ ان لوگوں کیلئے استغفار بے کار ہے،یہ ازلی بد بخت ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی مغفرت کی جائے۔اب آئندہ آیت میں صراحۃً ان کی نماز جنازہ پڑھنے کی اوران کے لئے مغفرت کی ممانعت فرماتے ہیں۔اور آنحضرت ﷺ نے جو عبداللہ بن ابی منافق کی نماز جنازہ پڑھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ پر بدرجۂ کمال شفقت ورحمت کا غلبہ تھا جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان ہے۔چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے متعلق یہ فرمایا:وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ:

اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ جان کر کہ ان کے حق میں استغفار بے سود ہے ہدایتِ خلق کی حرص اور طمع میں شفقت و رحمت کی بنا پر استغفار کی جانب کو ترجیح دی کہ شاید آپ ﷺ کی یہ استغفار دوسروں کے حق میں ہدایت کا ذریعہ بن جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا یہ تلطف دیکھ کر اور بہت سے یہودی مسلمان ہو گئے۔

بہر حال آنحضرت ﷺ پر شفقت و رحمت کا غلبہ تھا اس کے ظاہری اسلام کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے اس منافق کی نماز جنازہ پڑھا دی اور پیراہن مبارک بھی عطا کر دیا۔ اس پر آئندہ آیت، یعنی: ولا تصل علی احد منھم، الخ: نازل ہوئی جس میں صراحتہً ممانعت ہوگئی اور بتلا دیا گیا کہ نبی کی نماز جنازہ اور نبی کا قمیص مبارک بغیر ایمان کے نجات کا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ (معارف القرآن: ج3: ص494)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط آیات: منافقین کی مذمت کے سلسلے میں گذشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ بعض منافقین عہد کرتے ہیں مگر اُس کو پورا نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم صدقہ خیرات کریں گے مگر جب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے عطا کر دیا تو انہوں نے بخل کیا۔ ان کی وعدہ خلافی اور کذب بیانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کے دلوں میں نفاق کو پختہ کر دیا۔ اب یہ نفاق، مرتے دم تک اُن کے دلوں سے نہیں نکل سکے گا۔ اب آج کے درس میں منافقین کی ایک اور قباحت کا ذکر ہے۔ غزوۂ تبوک کے سلسلے میں جب حضور ﷺ نے مالی تعاون کی اپیل کی تو ہر پکے سچے مسلمان نے اپنی حیثیت کے مطابق اس کارِ خیر میں حصہ لیا مگر جن کے دلوں میں نفاق تھا انہوں نے صدقہ کرنے والوں کو مختلف قسم کی طعن کا نشانہ بنایا۔ اس کے علاوہ منافقین کی مغفرت کے لئے دعا کا مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے اعلان فرمانے کے بعد بعض آسودہ حال مسلمانوں نے بہت زیادہ مال آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ بعض کمزور صحابہ کرامؓ محنت مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے، انہوں نے اپنی حیثیت کے مطابق مالی تعاون کیا۔

منافقین کا طعن:

اب منافقین نے اپنی خباثت کا اظہار شروع کیا۔ جن لوگوں نے بڑھ چڑھ کر مال پیش کیا، اُن کے متعلق کہنے لگے کہ یہ لوگ ریاکاری کر رہے ہیں اور اپنا نام پیدا کرنا چاہتے ہیں، اور جس غریب صحابیؓ نے صرف نصف صاع کھجوریں پیش کیں ان کے متعلق کہنے لگے کہ یہ لہو لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانا چاہتا ہے۔ بہر حال حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں نہ تو

ریا کاری تھی اور نہ ان کی نیت میں کوئی خرابی تھی بلکہ وہ تو محض اللہ تعالیٰ جل شانہ کی خوشنودی کیلئے حسب توفیق خرچ کرتے تھے مگر منافقین ان پر طرح طرح سے طعن کرتے تھے۔لہذا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کی مذمت بیان فرمائی۔

ارشاد ہوتا ہے:اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ:وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں،خوشی خاطر سے صدقہ وخیرات کرنے والے مومنوں پر:وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ : منافق لوگ اُن اہلِ ایمان پر بھی طعن کرتے ہیں جو نہیں پاتے مگر محنت ومشقت کے۔یعنی جس شخص نے ساری رات پانی کھینچ کر تھوڑی سی مزدوری حاصل کی اور اس میں سے بھی آدھا حصہ صدقہ کردیا،منافقین کے اعتراض سے وہ بھی بچ نہیں سکا۔جو سخت محنت کرکے کماتے ہیں،منافق ان پر بھی طعن کرتے ہیں:فَیَسْخَرُوْنَ مِنْھُمْ: ان کے ساتھ ٹھٹا کرتے ہیں کہ دیکھو!نصف صاع کھجوریں دے کر بڑا تیر مار رہے ہیں۔فرمایا: سَخِرَ اللّٰہُ مِنْھُمْ: اللہ تعالیٰ بھی اُن کے ٹھٹے کا بدلہ دے گا۔اللہ تعالیٰ کے ٹھٹا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ٹھٹا کا جواب دے گا۔بہرحال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اِن بدطینت،بدخصلت اور بداخلاق منافقوں کو ضرور ان کے مذاق کا بدلہ دے گا جو خوشی خاطر سے صدقہ کرنے والوں کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں:وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ:اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

منافقین کے لئے دعائے مغفرت:

آگے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:اِسْتَغْفِرْ لَھُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ: آپ منافقین کیلئے بخشش طلب کریں یا نہ کریں:اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ: اگر آپ ستر مرتبہ بھی اُن کیلئے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔عربی اصطلاح میں ساٹھ،ستر یا سات سو تکثیر کیلئے آتا ہے۔یعنی جب کسی چیز کا کثیر تعداد میں ذکر مطلوب ہو تو اس قسم کے عدد استعمال کئے جاتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ...آپ ﷺ کتنی زیادہ دفعہ بھی ان منافقوں کے لئے بخشش کی دعا کریں،اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی جب مرگیا تو اُس کے مسلمان بیٹے نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرا باپ فوت ہوگیا ہے،اُس نے ظاہری طور پر کلمہ بھی پڑھا تھا اور بعض اوقات جہاد میں بھی شامل ہوجاتا تھا۔آپ مہربانی فرما کر اُس کا جنازہ پڑھیں۔اس کی مکمل تفصیل تو اگلے رکوع میں آرہی ہے۔تاہم اُس کے بیٹے کی سفارش پر حضور ﷺ نے اپنی قمیص عبداللہ بن ابی کے کفن کے لئے دے دی۔اس کے منہ میں لعاب دہن بھی ڈالا،اس کا جنازہ بھی پڑھایا اور اس کی بخشش کیلئے دعا کی۔سیدنا فاروق اعظمؓ نے اس موقع پر حضور ﷺ کو روکنے کی کوشش کی اور عرض کیا کہ آپ ایسے شخص کیلئے دعائے مغفرت فرما رہے ہیں جس نے فلاں فلاں موقع پر فلاں شرارت کی تھی۔آپ ﷺ نے

فرمایا: عمر! ہٹ جاؤ، مجھے دعا کرنے دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مجھے دعا کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اختیار دیا ہے کہ آپ بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔

امام ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضور ﷺ کو دعا کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا اس لئے مصلحت اسی میں تھی کہ آپ ﷺ اُس کیلئے دعائے مغفرت کرتے۔ منافقوں کے حق میں دعا کی قطعی ممانعت بعد میں آئی تھی جس کا ذکر اگلے رکوع میں آرہا ہے، لہٰذا اُس موقع پر حضور ﷺ کے جنازہ پڑھنے اور دعا کرنے کا یہ اثر ہوا کہ عبداللہ بن ابی کے قبیلہ کے ایک ہزار افراد مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے جان لیا کہ اتنے کریمان اَخلاق کے مالک ایک نبی ہی ہوسکتا ہے جس نے اپنے ایسے دشمن پر مہربانی فرمائی جو ہمیشہ آپ ﷺ کی عیب جوئی کرتا تھا اور دین کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

عدمِ معافی کا اعلان:

بہر حال اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ منافقین کیلئے ستر مرتبہ بھی بخشش کی دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ کیوں؟ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ: یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا ہے، انہوں نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کیا، اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لائے، بخشش کا مدار تو ایمان پر ہے، اگر ایمان ہی مفقود ہے تو بخشش کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟ جو شخص اللہ تعالیٰ جل شانہ کے فرشتوں، اس کی نازل کردہ کتابوں، اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا، وہ نجات کا حقدار کیسے ہوسکتا ہے؟ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا۔

فرمایا: وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ: اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو راہ نہیں دکھاتا، جو فسق پر اڑے ہوئے ہیں، انہیں راہِ راست نصیب نہیں ہوسکتا، جب یہ دنیا سے جاتے ہیں تو کفر کی حالت میں جاتے ہیں اور بالآخر جہنم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ (معالم العرفان فی دُروس القرآن: ج9: ص471)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: یہ (منافقین) ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں (تھوڑا ہونے پر) طعن کرتے ہیں اور (بالخصوص) ان لوگوں پر (اور زیادہ) جن کو بجز محنت مزدوری (کی آمدنی) کے اور کچھ میسّر نہیں ہوتا (اور وہ بے چارے اسی مزدوری میں سے ہمت کر کے کچھ صدقہ نکال دیتے ہیں) یعنی اُن سے تمسخر کرتے ہیں (یعنی

مطلق طعن تو سب ہی پر کرتے ہیں کہ کیا تھوڑی سی چیز صدقہ میں لائے ،اور اُن محنت کش غریبوں سے تمسخر بھی کرتے ہیں کہ لو یہ بھی صدقہ دینے کے قابل ہو گئے)اللہ تعالیٰ اُن کو تمسخر کا (تو خاص)بدلہ دے گا اور (ویسے مطلق طعن کا یہ بدلہ ملے گا کہ)ان کے لئے (آخرت میں)دردناک سزا ہوگی۔

آپ خواہ ان کیلئے استغفار کریں ،یا ان کے لئے استغفار نہ کریں (دونوں حال برابر ہیں کہ اُن کو اس سے کوئی نفع نہیں ہوگا ،ان کی مغفرت نہیں کی جائے گی)اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ (یعنی بکثرت)بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا۔یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو (جو کبھی ایمان اور حق کی طلب ہی نہ کریں)ہدایت نہیں کرتا (اس وجہ سے یہ عمر بھر کفر ہی پر قائم رہے ،اسی پر مر گئے)۔

معارف و مسائل:

پہلی آیت میں نفلی صدقات دینے والے مسلمانوں پر منافقین کے طعن و تشنیع کا ذکر ہے۔صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابومسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے ہمیں صدقہ کا حکم دیا گیا ،اور ہمارا حال یہ تھا کہ ہم محنت مزدوری کرتے تھے (کوئی مال ہمارے پاس نہ تھا ،اسی مزدوری سے جو کچھ ہمیں ملتا تھا اسی میں سے صدقہ بھی نکالتے تھے)چنانچہ ابوعقیلؓ نے آدھا صاع (تقریباً پونے دو سیر)صدقہ پیش کیا۔دوسرا آدمی آیا اُس نے اس سے کچھ زیادہ صدقہ کیا۔منافقین ان پر طعن و تشنیع کرنے لگے کہ کیا حقیر اور ذرا سی چیز صدقہ میں لائے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ کو اس چیز کی ضرورت نہیں ،اور جس نے کچھ زیادہ صدقہ کیا اس پر یہ الزام لگایا کہ اس نے ریاءً لوگوں کو دکھلانے کے لئے صدقہ کیا ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسری آیت میں جو منافقین کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو یہ فرمایا گیا کہ آپ ﷺ ان کیلئے استغفار کریں یا نہ کریں برابر ہے ،اور کتنا ہی استغفار کریں ان کی مغفرت نہیں ہوگی۔اس کا پورا بیان آنے والی آیت :ولا تصل علی احد منھم ،الخ: کے تحت آئے گا۔(معارف القرآن :ج 4:ص 470)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ (الی قولہ)وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْم: اس میں ان منافقین کا ذکر ہے جو خوشی خوشی صدقہ و خیرات کرنے والے مسلمانوں کو طعنہ دیتے تھے۔جو مسلمان بہت سا مال صدقہ کرتے ،منافقین ان پر ریاکاری کا الزام لگاتے اور جو غریب تھے اور دن بھر محنت و مشقت سے تھوڑا بہت کما کر صدقات میں حصہ لیتے ،ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے

کہ بھلا، اللہ تعالیٰ کو اس کی کیا ضرورت ہے۔

:اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَاتَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (الی قولہ) وَاللّٰهُ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: یہ تمام منافقین کا انجام ہے کہ ان کی ہرگز بخشش نہیں ہوگی، اگر چہ اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ ستر بار بھی ان کے لئے معافی مانگیں کیونکہ ان کے دلوں میں کفر و نفاق ہے اگر چہ بظاہر وہ ایمان کے دعویدار ہیں۔

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین جب مرض الموت میں مبتلاء ہوا تو اس کا بیٹا جو مخلص مؤمن تھا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کے لئے استغفار کی درخواست کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں آنحضرت ﷺ کو ان کے لئے استغفار سے منع کر دیا گیا۔ (جواہر القرآن: ج 1: ص 447)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

مسلمانوں پر طعن تشنیع منافقوں کا طریقہ ہے:

یہاں پر ایک واقعہ کا ذکر ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک موقع پر چندے کی اپیل کی کسی محاذ پر دشمنوں کے مقابلہ کے لئے جانا تھا، اسلحہ اور دیگر جنگی سامان کی ضرورت تھی، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دل کھول کر چندہ دو، بڑی ضرورت ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے چار ہزار درہم اور ایک روایت میں آٹھ ہزار درہم کا ذکر بھی آتا ہے لا کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے۔ منافقوں نے کہا کہ یہ ریا کاری ہے، زیادہ چندہ اس لئے دیا کہ اس کا نام مشہور ہو، اچھے نمبر ملے۔ اور حضرت ابو عقیلؓ انصاری صحابی ہے جب حضور اکرم ﷺ نے چندے کی اپیل کی یہ گھر تشریف لے گئے بیوی سے کہا: تیرے پاس کوئی شی ہے؟ کھجوریں یا نقد یا آٹا یا ستو جو میں حضور اکرم ﷺ کو چندے میں دے سکوں۔ بیوی نے کہا: کوئی شے نہیں ہے۔ بڑے پریشان ہوئے کہ میں اس موقع پر چندہ دینے سے محروم رہا۔ یہ ایک یہودی کے پاس گئے کہ میں عشاء سے لے کر صبح تک تیرے باغ کو پانی پلاؤں گا تو مجھے کیا دے گا؟ اس نے کہا دو صاع کھجوریں دوں گا۔ انہوں نے دیانت داری کے ساتھ مزدوری کی جس طرح کرنی چاہئے تھی، انہوں نے ساری رات باغ کو پانی پلایا، دو صاع کھجوروں کے ملے ایک صاع بیوی کو لا کر دیا کہ گھر کے لئے استعمال کرو اور ایک صاع کھجوروں کا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور ساری کہانی بھی سنادی کہ یہ میں کس طرح مزدوری کر کے لایا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ کھجوریں دوسرے چندے کے اوپر رکھ دیئے کہ اس آدمی نے جو محنت کی ہے بڑی قابل قدر ہے۔ منافقوں نے ان کو بھی معاف نہیں کیا، کہنے لگے کہ کیا مصیبت پڑی کہ ساری رات کھڑے ہو کر باغ کو پانی پلانے کی، یہ لہو لگا کر شہیدوں میں اپنا نام لکھوانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:

:اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ: منافق وہ ہیں جو عیب لگاتے ہیں خوشی سے صدقہ کرنے والوں پر مومنوں میں سے صدقہ خیرات، دل کھول کر صدقہ خیرات کرنے والوں پر بھی عیب لگاتے ہیں جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر عیب لگایا کہ یہ ریا کاری ہے، نمبر لینے کے لئے یہ کام کیا ہے۔

:وَالَّذِیْنَ لَایَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ: اور ان لوگوں پر جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت، جیسے حضرت ابوعقیلؓ کہ مشقت کر کے لائے ان کو بھی معاف نہیں کیا۔

:فَیَسْخَرُوْنَ مِنْھُمْ: پس وہ مسخرہ کرتے ہیں ان کے ساتھ کہ دیکھو ساری رات یہودی کے باغ کو پانی پلاتا رہا اور ایک صاع کھجوروں کا لا کر پیش کیا اگر نہ لاتا تو کیا ہو جاتا، اب تیرے صاع کے ساتھ کون سی فتح ہو جاتی ہے۔

:سَخِرَاللّٰہُ مِنْھُمْ: اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مسخرہ کرے گا یعنی ان کو مسخرے کا بدلہ دے گا: وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ: اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے کہ یہ منافق کسی کو معاف نہیں کرتے۔

ایسے منافق بھی تھے جن کے نفاق کا آخر تک پتہ نہ چلا:

مدینہ منورہ میں منافقوں کی کافی تعداد تھی، ان میں سے بعض ایسے گہرے منافق تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات کے بغیر کوئی نہیں جانتا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے: وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ: اور بعض اہل مدینہ میں وہ ہیں جو اڑے ہوئے ہیں نفاق پر: لَا تَعْلَمُھُمْ: آپ ان کو نہیں جانتے: نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ: ہم ان کو جانتے ہیں۔

اور کچھ منافق ایسے تھے کہ ان کی حرکات وسکنات بطور طریقے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ منافق ہیں۔ انہی میں سے عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین بھی تھا۔ یہ بڑا قد آور، خوبصورت، صحت مند اور مالدار آدمی تھا، گفتگو بڑے سلیقہ اور طریقہ سے کرتا تھا، جب بات شروع کرتا تھا تو آدمی کی خواہش ہوتی کہ اس کی باتیں سنتا رہے، اتنا باتونی آدمی تھا کہ آنحضرت ﷺ جیسی ذہین وفطین شخصیت کو بھی دھوکہ دے جاتا تھا۔ اس انداز اور ڈھنگ سے بات کرتا تھا کہ آپ ﷺ بھی سمجھتے تھے کہ بڑا مخلص ہے اور جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔ اس رئیس المنافقین کا ایک بیٹا تھا اس کا نام بھی عبداللہ تھا۔

عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین تھا اور بیٹا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مخلص صحابی تھا، جب رئیس المنافقین فوت ہو گیا تو بیٹا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا کہنے لگا: حضرت! میں یہ نہیں کہتا کہ میرا باپ مخلص تھا بلکہ میں بھی اس کو منافق سمجھتا ہوں لیکن کوئی حیلہ کر کے دیکھ لو کہ رب تعالیٰ جل شانہ اس کی بخشش

کردے۔آنحضرت ﷺ نے اس کی دلجوئی کے لئے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے۔حضور اکرم ﷺ نے اُس وقت دو کُرتے پہنے ہوئے تھے، وہ کُرتا جو بدن مبارک کے ساتھ لگا ہوا تھا اُتار کر اس کو دے دیا کہ یہ کفن کے طور پر اس کو پہناؤ اور یہ بھی فرمایا کہ جنازہ بھی میں پڑھاؤں گا۔

سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے کہا: حضرت ﷺ! اس منافق کا جنازہ آپ ﷺ نے پڑھانا ہے جس نے فلاں دن یہ حرکت کی اور فلاں موقع پر یہ حرکت کی اور فلاں دن یہ حرکت کی۔

آنحضرت ﷺ تشریف لائے اس کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور اس کا جنازہ بھی پڑھایا۔ظاہر بات ہے کہ جب آپ ﷺ نے جنازہ پڑھایا تو صحابہ کرامؓ نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے جنازہ پڑھا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے حکم نازل ہوا:

:اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ،اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَاللّٰهُ لَهُمْ: آپ ﷺ ان کے لئے بخشش طلب کریں یا ان کے لئے بخشش طلب نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کریں پس اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کرو گے تو میں نہیں بخشوں گا۔اسی سورۃ میں آگے آئے گا کہ آپ ﷺ نے اپنے سچے چچا ابو طالب کیلئے اس کی موت کے وقت کلمہ پڑھانے کی کوشش کی، اس نے اس بات کا اقرار بھی کیا کہ تیرا دین سچا ہے لیکن میں اپنا دھڑا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے معافی کی دعا مانگوں گا۔آپ ﷺ ابو طالب کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے مگر اس کیلئے دعا مانگی، آپ ﷺ کو دیکھ کر اور لوگوں نے بھی دعا مانگی۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن پاک میں حکم نازل فرمایا:

:مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْكَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى: نہیں لائق نبی اور ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ بخشش طلب کریں شرک کرنے والوں کے لئے اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں:مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ:بعد اس کے کہ واضح ہو چکا ہے ان کیلئے کہ بیشک وہ دوزخ والے ہیں۔لہذا یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ جل شانہ کے پکڑے ہوئے کو کوئی نہیں چھڑا سکتا۔

:ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: یہ اس لئے کہ انہوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکموں کا اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں کا۔نہ دل سے انہوں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کو مانا، نہ قرآن کریم کو مانا اور نہ حضور اکرم ﷺ کو مانا اور زبان سے ماننے کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور ظاہری اعمال کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے اگر دل میں ایمان نہیں

ہے۔ظاہری اعمال میں تو منافقین بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے،نماز کا وقت ہوتا تو مخلصین سے پہلے آ کر پہلی صف میں بیٹھ جاتے تھے، ناواقف آدمی سمجھتا کہ بڑے اللہ تعالیٰ کے ولی ہے جو پہلے آ گئے ہیں۔چندہ دینے کے موقع پر پہلے چندہ پیش کرتے تھے اور بڑھ چڑھ کر پیش کرتے تھے۔اور اگر اسلام کی تائید کی بات ہوتی تو ایسے انداز سے کرتے تھے کہ لوگ یہ سمجھتے کہ بڑے مخلص ہیں۔کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے کہ اعتماد اُٹھنے کا خطرہ ہو مگر دل سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکموں کا بھی انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ﷺ کے حکموں کا بھی انکار کرتے تھے۔:وَاللّٰهُ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ:اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن:ج8:ص182)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

:اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَايَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ، سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیراتیں کرتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی جنہیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان سے تمسخر کرتا ہے انہی کے لئے دُکھ کی مار ہے۔

منافقوں کا مومنوں کی حوصلہ شکنی کا ایک انداز:

منافقوں کی ایک بدخصلت یہ بھی ہے کہ ان کی زبانوں سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا نہ سخی نہ بخیل۔یہ عیب جو، بدگو لوگ بہت بُرے ہیں اگر کوئی شخص بڑی رقم اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے تو یہ اسے ریاکار کہنے لگتے ہیں اور اگر کوئی مسکین اپنی مالی کمزوری کی بنا پر تھوڑا بہت دے تو یہ ناک بھوں چڑھا کر کہتے ہیں لو ان کی اس حقیر چیز کا بھی اللہ تعالیٰ بھوکا تھا۔چنانچہ جب صدقات دینے کی آیت اُترتی ہے تو صحابہ کرامؓ اپنے اپنے صدقات لئے ہوئے حاضر ہوتے ہیں۔ایک صاحب نے دل کھول کر بہت بڑی رقم دی تو اسے ان منافقوں نے ریاکار کا حکم دیا، بیچارے ایک صاحب مسکین آدمی تھے صرف ایک صاع اناج لائے تھے انہیں کہا کہ اس کے اس صدقہ کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پڑی تھی؟ اس کا بیان اس آیت میں ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے بقیع میں فرمایا کہ جو صدقہ دے گا میں اس کی بابت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دونگا اُس وقت ایک صحابی نے اپنے عمامے میں سے کچھ دینا چاہا لیکن پھر لپیٹ لیا اتنے میں ایک صاحب جو سیاہ رنگ اور چھوٹے قد کے تھے ایک اُونٹنی لے کر آگے بڑھے جن سے زیادہ اچھی اُونٹنی بقیع بھر میں نہ تھی کہنے لگے یا

رسول اللہ ﷺ! یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نام پر خیرات ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا، اُس نے کہا لیجئے سنبھال لیجئے۔اس پر کسی نے کہا اس سے تو اُونٹنی ہی اچھی ہے۔آپ ﷺ نے سن لیا اور فرمایا: تو جھوٹا ہے یہ تجھ سے اور اس سے تین گنا ہ اچھا ہے۔آفسوس سینکڑوں اُونٹ رکھنے والے تجھ جیسوں پر آفسوس، تین مرتبہ یہی فرمایا اور پھر فرمایا مگر وہ جو اپنے مال کو اس طرح اس طرح کرے اور ہاتھ بھر بھر کر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے دائیں بائیں اشارہ کیا۔یعنی راہ اللہ ہر نیک کام میں خرچ کرے۔

پھر فرمایا اُنہوں نے فلاح پالی جو کم مال والے اور زیادہ عبادت والے ہوں۔حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ چالیس اوقیہ چاندی لائے اور ایک غریب انصاریؓ ایک صاع اناج لائے منافقوں نے ایک کو ریا کار بتایا دوسرے کے صدقے کو حقیر کہہ دیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ کے حکم سے لوگوں نے مال خیرات دینا اور جمع کرنا شروع کیا۔ایک صاحب ایک صاع کھجور لے آئے اور کہنے لگے حضور ﷺ میرے پاس کھجوروں کے دو صاع تھے ایک میں نے اپنے اور اپنے بچوں کے لیے روک لیا اور ایک لے آیا آپ ﷺ نے اسے جمع شدہ مال میں ڈال دینے کو فرمایا اس پر منافق بکواس کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ اس سے بے نیاز ہے۔حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا میرے پاس ایک سو اوقیہ سونا ہے میں یہ سب صدقہ کرتا ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا ہوش میں بھی ہے؟ آپؓ نے جواب دیا ہاں ہوش میں ہوں فرمایا پھر کیا کر رہا ہے؟ آپؓ نے فرمایا: سنو میرے پاس آٹھ ہزار ہیں جن میں سے چار ہزار تو میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کو قرض دے رہا ہوں اور چار ہزار اپنے لئے رکھ لیتا ہوں۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے جو تو نے رکھ لیا ہے اور جو تو نے خرچ کر دیا ہے۔منافق ان پر باتیں بنانے لگے کہ لوگوں کو اپنی سخاوت دکھانے کیلئے اتنی بڑی رقم دے دی۔

پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت اُتار کر بڑی رقم اور چھوٹی رقم والوں کی سچائی اور ان منافقوں کا موذی پن ظاہر کر دیا۔

بنو عجلان کے عاصم بن عدیؓ نے بھی اس وقت بڑی رقم خیرات میں دی تھی جو ایک سو وسق پر مشتمل تھی۔ منافقوں نے اسے ریا کاری پر محمول کیا تھا۔اپنی محنت مزدوری کی تھوڑی سی خیرات دینے والے ابو عقیلؓ تھے یہ قبیلہ بنو انیف کے شخص تھے ان کے ایک صاع خیرات پر منافقوں نے ہنسی اور ہجوم کی تھی۔

اور روایت میں ہے کہ یہ چندہ حضور اکرم ﷺ نے مجاہدین کی ایک جماعت کو جہاد پر روانہ کرنے کیلئے کیا تھا۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن نے دو ہزار رکھے تھے دوسرے بزرگ نے رات بھر کی محنت میں دو صاع

کھجوریں حاصل کر کے ایک صاع رکھ لیں اور ایک صاع دے دیں ۔ یہ حضرت ابو عقیلؓ تھے رات بھر اپنی پیٹ پر بوجھ ڈھوتے رہے تھے ۔ان کا نام حباب تھا ۔اور قول ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بن ثعلبہ تھا ۔

پس منافقوں کے اس تمسخر کی سزا میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بھی ان سے یہی بدلہ لیا ۔ان منافقوں کے لئے آخرت میں المناک عذاب ہیں ۔اور ان کے اعمال کا ان عملوں جیسا ہی بُرا بدلہ ہے ۔

:اِسْتَغْفِرْلَهُمْ اَوْ لَاتَسْتَغْفِرْلَهُمْ ،اِنْ تَسْتَغْفِرْلَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَاللّٰهُ لَهُمْ ،ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْابِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ،وَاللّٰهُ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: ان کے لیے تو استغفار کر یا نہ کر اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کیلئے استغفار کرے تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا، یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے، ایسے فاسق لوگوں کو رب کریم ہدایت نہیں دیتا ۔

منافق کے لئے استغفار کی ممانعت:

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہے کہ یہ منافق اس قابل نہیں کہ اے نبی تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے، ایک بار نہیں اگر تم ستر مرتبہ بھی بخشش ان کے لئے چاہے تو اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا ۔

یہ جو ستر کا ذکر ہے اس سے مراد صرف زیادتی ہے وہ ستر سے کم ہو یا بہت زیادہ ہو ۔بعض نے کہا ہے کہ مراد اس سے ستر کا ہی عدد ہے ۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں تو ان کیلئے ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کروں گا تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے ۔پس اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایک اور آیت میں فرمادیا کہ ان کے لئے تیرا استغفار کرنا نہ کرنے کے برابر ہے ۔

عبداللہ بن ابی منافق کا بیٹا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ میرا باپ نزع کی حالت میں ہے میری خواہش ہے کہ آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے چلیں، اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں آپ ﷺ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا حباب ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا نام عبداللہ ہے، حباب تو شیطان کا نام ہے ۔اب آپ ﷺ ان کے ساتھ ہوئے ان کے باپ کو اپنا مبارک کرتہ اپنے پسینے والا پہنایا اس کی جنازے کی نماز پڑھائی ۔آپ ﷺ سے کہا بھی گیا کہ آپ ﷺ اس کے جنازے پر نماز پڑھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستر مرتبہ کے استغفار سے بھی نہ بخشنے کو فرمایا ہے تو میں ستر بار پھر ستر بار اور پھر ستر بار استغفار کروں گا ۔

(تفسیر ابن کثیر: ج2: ص376)

سورة التوبه

:وَلَاتُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍمِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًاوَّلَاتَقُمْ عَلٰی قَبْرِه،اِنَّهُمْ كَفَرُوْبِااللّٰهِ وَرَسُوْلِه وَمَاتُوْاوَهُمْ فٰسِقُوْنَ:(توبه:آیت 84)

ترجمه: اورنماز نہ پڑھان میں سے کسی پر جومر جائے کبھی اور نہ کبھی کھڑا ہواس کی قبر پر،وہ منکر ہوئے اللہ تعالیٰ سے اوراس کے رسول سے اوروہ مر گئے نافرمان۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: اُوپر منافقین کے ساتھ ان کی حالتِ زندگی میں برتاؤ کا ذکر تھا،اب ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ برتاؤ کا بیان ہے۔

:وَلَاتُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍمِّنْهُمْ(الی قوله)وَمَاتُوْاوَهُمْ فٰسِقُوْنَ: اوران میں سے کوئی مرجائے تو اس (کے جنازہ)پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ(دفن وغیرہ کے واسطے)اس کی قبر پر کھڑے ہوجائے(کیونکہ)انہوں نے (یعنی جوکہ مر گئے ہیں)اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا ہے،اوروہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔ (اور جوکافر ہوکر مرے اس کے لئے دعاواستغفار یا اس کے کفن دفن میں شرکت جائز نہیں)۔

مسائل السلوک:

:قوله تعالیٰ:ولاتقم علیٰ قبره: قیام علی القبر بغرض زیارت ودعا کو:صلوة علی المیت: کے ساتھ مقرون کرنا دلیل ظاہر ہے اس پر کہ نماز جنازہ کی طرح یہ قیام مذکور بھی میت کے لئے نافع ہے،اوراسی لئے ایسے شخص کی قبر پر جوکہ اس نفع کا اہل نہیں قیام کرنے کو منع فرمایا گیا۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کافر کے جنازہ کی نماز اور اس کیلئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز و اکرام کیلئے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کیلئے جانا حرام ہے۔عبرت حاصل کرنے کیلئے ہو یا کسی مجبوری کیلئے تو وہ اس کے منافی نہیں، جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا، کافر رشتہ دار مر جائے اور اس کا کوئی ولی وارث نہیں تو مسلمان رشتہ دار اس کو اسی طرح مسنون طریقے کا لحاظ کئے بغیر دفن کر دے تو اس طرح قیام علی القبر درست ہے لیکن اگر زیارت بغرض عبرت میں کوئی مفسدہ دیدیہ ہو تو جائز نہیں۔(بیان القرآن:ج1:ص410)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

شیخینؒ نے صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی کا جب انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر باپ کے کفن کیلئے ایک کرتہ عطا فرمانے کی رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی، حضور اکرم ﷺ نے عطا فرمایا، پھر حضور اکرم ﷺ سے نماز جنازہ پڑھا دینے کی خواہش کی، حضور اکرم ﷺ نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے۔سیدنا فاروق اعظمؓ نے حضور اکرم ﷺ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ جل شانہ نے منافقوں کی نماز پڑھانے سے تو آپ کو منع فرما دیا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مجھے اختیار دے دیا ہے اور فرمایا ہے: سوآء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم: اور میں ستر بار سے زیادہ اس کے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔سیدنا فاروق اعظمؓ نے عرض کیا: یہ تو منافق تھا۔مگر حضور اکرم ﷺ نے جنازہ کی نماز پڑھا دی، اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

:وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا: اور ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کے لئے کبھی دعا نہ کرو۔

:صلوٰۃ: سے مراد اس جگہ میت کے لئے دعا و استغفار ہے۔نماز جنازہ میں بھی دعا و استغفار ہی ہوتی ہے، اس لئے نماز جنازہ بھی اس میں داخل ہے۔ابداً (کبھی) یعنی کبھی ان کے مردہ کے لئے دعا نہ کرو۔

:وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ: اور اس کی قبر پر (بھی) نہ کھڑے ہو۔نہ دفن کے لئے نہ زیارت کیلئے۔روایت میں آیا ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ قبر پر دعا کرنے کے لئے توقف فرماتے تھے۔اسی لئے قبر پر کھڑا ہونے کی ممانعت فرما دی۔

:اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ: کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا انکار کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عبداللہ بن اُبی سے (اس کے مرنے کے بعد) جو سلوک کیا (یعنی قمیص مبارک ان کو پہنائی اور اس کے جنازے کی نماز پڑھی) اس کے متعلق صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے کچھ کلام کیا (یعنی مؤدبانہ شکایت کی) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میرا کرتہ اور میری نماز اللہ تعالیٰ جل شانہ (کے عذاب) سے اس کو نہیں بچائے گی۔ خدا کی قسم میری خواہش تو یہ تھی کہ اس کی وجہ اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں۔ راوی کا بیان ہے کہ ابن اُبی کی قوم والوں نے جب دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کی قمیص سے اس نے تبرک حاصل کیا تو ایک ہزار آدمی مسلمان ہو گئے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور وفات مبارک کے وقت تک کسی منافق کی قبر پر دعا کرنے نہیں کھڑے ہوئے۔ (تفسیر مظہری اردو: ج5: ص295)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: اوپر کی آیت میں منافقین کیلئے استغفار کرنے کی ممانعت کی گئی تھی اب اس آیت میں ان کے جنازے کی نماز پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کو منع کیا گیا۔

:وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (الی قوله) وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق مر گیا تو آنحضرت ﷺ اس کے مسلمان بیٹے کی خاطر اس کے جنازے کی نماز پڑھنے کیلئے تشریف لے گئے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ نے اس کی زندگی میں اس کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے مسلمان بیٹے کے اصرار پر آنحضرت ﷺ نے اس کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کیلئے تشریف لے گئے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ منافق تھا، آپ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھئے، اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے: استغفر لهم او لا تستغفر لهم، الخ: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مجھے اختیار دیا ہے، یعنی ممانعت نہیں کی، میں ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔ بعد ازاں آنحضرت ﷺ نے اس کے ظاہری اسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی نماز جنازہ پڑھی کیونکہ منافقین ظاہر میں کلمہ اسلام کا پڑھتے تھے اور نماز روزہ بھی کرتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ ظاہراً معاملہ مسلمانوں کا سا کرتے تھے۔ اور جن آیتوں میں مشرکین کیلئے استغفار کی ممانعت آئی ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو صریح کافر اور مشرک تھے۔ ان کیلئے استغفار کی ممانعت سے یہ لازم نہیں آتا کہ منافقین کیلئے بھی استغفار ممنوع ہو۔ اس لئے کہ منافقین بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور بظاہر شعائر اسلام بجا لاتے تھے۔ اس لئے وہ اس

ممانعت کے مفہوم میں داخل نہیں۔غرض یہ کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے ظاہری اسلام کی بنا پر اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس پر سیدنا فاروق اعظمؓ کی تائید اور موافقت میں یہ آیت نازل ہوئی: و لا تصلّ علی احدٍ منهم مّات، الخ: اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔

اس آیت کے ذریعے یہ بتلا دیا گیا کہ اب ان کا حکم مسلمانوں جیسا نہیں رہا اس لئے ان میں جو کوئی مر جائے آپ ﷺ کبھی اس کی نماز نہ پڑھیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

اور ان منافقین میں سے جو مر جائے آپ ﷺ ان میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں (یعنی یہ حکم ابدی ہے کبھی منسوخ نہ ہوگا۔اس لئے کہ نماز جنازہ ایک قسم کی شفاعت ہے اور کافر اور منافق کے لئے شفاعت نہیں اور نماز تو درکنار) کسی کافر اور منافق کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہوں (یعنی اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت نہ کریں کیونکہ اس میں کافر کا اکرام ہے) تحقیق یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے منکر ہوئے اور نافرمانی اور سرکشی کی حالت میں مرے (ان کی قبر اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کا محل ہے۔اس لئے مؤمن کے لئے جائز نہیں کہ ایسی جگہ ایک منٹ کو بھی کھڑا ہو جہاں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا غضب اور قہر نازل ہو رہا ہو)۔

اس آیت کے نزول کے بعد منافق کا جنازہ پڑھانا قطعاً ممنوع ہو گیا۔اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔(معارف القرآن:ج3:ص497)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے نبی علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ان منافقین کیلئے استغفار کریں یا نہ کریں، اُن کے لئے یہ ہرگز مفید نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایسے بدطینت لوگوں کو نہ بخشنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔

منافقین کا جنازہ اور استغفار:

منافقوں کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو یہ بھی ارشاد فرمایا: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا: جب ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔نماز جنازہ کیلئے اس کے بیٹے نے حضور ﷺ سے درخواست کی جسے آپ ﷺ نے قبول فرما لیا۔حضرت عمرؓ نے ہر چند روکنا چاہا کہ یہ اسلام کا دشمن منافق تھا، آپ ﷺ اس کا جنازہ نہ پڑھیں مگر حضور ﷺ نے یہ کہہ کر جنازہ پڑھا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مجھے ایسا کرنے سے روکا نہیں بلکہ اختیار دیا ہے کہ اس کیلئے استغفار کروں یا نہ

کروں۔ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضورﷺ جنازہ پڑھانے کیلئے آگے بڑھے تو اس موقع پر یہ حکم نازل ہوا جس میں آپﷺ کو جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا۔تاہم بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورﷺ نے عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھا اور اس کا کفن دفن ہوا البتہ یہ آیت کسی بعد کے موقع پر نازل ہوئی جس کے ذریعے حضورﷺ کو جنازہ پڑھنے اور قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع کر دیا گیا۔

فرمایا: اگر ان میں کوئی مرجائے تو نہ اس کا جنازہ پڑھیں: وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ: اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ظاہر ہے کہ قبر پر کھڑا ہونے کا مقصد دفن کرنا، اس کیلئے دعا کرنا یا عبرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کسی بھی مقصد کے لئے منافق کی قبر پر کھڑا ہونے سے منع فرمادیا۔جس کا مطلب یہ ہے کہ منافق کی بخشش کے لئے دعا بھی نہیں کی جاسکتی۔

فقہاء کرامؒ اور محدثینؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کا، کافر عزیز یا رشتہ دار فوت ہو جائے تو سنت کے مطابق اس کا کفن دفن اور جنازہ پڑھنے کی بجائے اُسے ویسے ہی گڑھے میں دفن کر دو۔

فرمایا: یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے: اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا۔منافق نہ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ نبیﷺ کو سچا سمجھتے ہیں: وَمَاتُوْا: اور وہ اسی حالت میں مر گئے: وَهُمْ فٰسِقُوْنَ: اور وہ نافرمان ہیں۔

جو شخص کفر، شرک یا نفاق کی حالت میں مر گیا وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو گیا۔اس کیلئے صدقہ خیرات بھی مفید نہیں ہوگا۔اس کا جنازہ پڑھنے اور دعا استغفار کرنے کی بھی اجازت نہیں، کیونکہ ان چیزوں سے اُسے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔پہلے بھی گذر چکا ہے اور آگے پھر آرہا ہے کہ مشرکین کے لئے استغفار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج9: ص479)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس (کے جنازہ) پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ (دفن وغیرہ کے واسطے) اس کی قبر پر کھڑے ہو جائے (کیونکہ) انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ کے ساتھ کفر کیا ہے، اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔

معارف و مسائل:

احادیث صحیحہ سے باتفاقِ امت ثابت ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی منافق کی موت اور اس پر نماز جنازہ کے

متعلق نازل ہوئی۔اور صحیحین کی روایت سے ثابت ہے کہ اس کے جنازہ پر رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پڑھنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی، اور اس کے بعد آپ ﷺ نے کبھی کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت سے واقعۂ نزول کی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول مرگیا تو اس کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ جو مخلص مسلمان اور صحابیٔ رسول تھے۔وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور درخواست کی کہ آپ ﷺ اپنا قمیص عطا فرمائیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہناؤں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا قمیص مبارک عطا فرمادیا۔پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی درخواست کی کہ آپ ﷺ اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں۔آنحضرت ﷺ نے قبول فرمالیا۔اور نمازِ جنازہ کے لئے کھڑے ہوگئے تو سیدنا فاروق اعظمؓ نے آنحضرت ﷺ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ آپ ﷺ اس منافق کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ ﷺ کو ان کی نمازِ جنازہ سے منع فرمادیا ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اختیار دیا ہے کہ میں دعائے مغفرت کروں یا نہ کروں۔اور آیت میں جو 70 مرتبہ استغفار پر بھی مغفرت نہ ہونے کا ذکر ہے تو میں 70 مرتبہ سے زیادہ استغفار کرسکتا ہوں۔آیت سے مراد سورۂ توبہ کی وہی آیت ہے جو ابھی گذر چکی ہے، یعنی :اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ،اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ،ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ،وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: پھر آنحضرت ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، نماز کے بعد ہی یہ آیت نازل ہوئی:وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ الخ :(چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی منافق کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی)۔

واقعۂ مذکورہ پر چند اشکالات اور اُن کے جواب:

یہاں ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبداللہ بن ابی ایک ایسا منافق تھا جس کا نفاق مختلف اوقات میں ظاہر بھی ہو چکا تھا، اور سب منافقوں کا سردار مانا جاتا تھا۔اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہ امتیازی سلوک کیسے ہوا کہ اس کے کفن کے لئے اپنا قمیص مبارک عطا فرمادیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے دو سبب ہوسکتے ہیں۔اوّل اس کے بیٹے جو مخلص صحابیٔ رسول ﷺ تھے، ان کی درخواست کو محض ان کی دلجوئی کے لئے ایسا کیا گیا۔دوسرا سبب ایک اور بھی ہوسکتا ہے، جو بخاری شریف کی حدیث میں بروایت حضرت جابرؓ منقول ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب قریشی سردار گرفتار کئے گئے، تو ان میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے۔آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ان کے بدن پر کُرتہ نہیں، تو صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو

قمیص پہنادیا جائے۔حضرت عباسؓ دراز قد تھے،عبداللہ بن ابی کے سوا کسی کا قمیص ان کے بدن پر درست نہ آیا تو عبداللہ بن ابی کا قمیص لے کر آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو پہنا دیا تھا۔اس کے اسی احسان کا بدلہ ادا کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنا قمیص اُن کو عطا فرما دیا۔

دوسرا سوال یہاں یہ ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے جو آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ ﷺ کو منافق کے جنازہ کی نماز سے منع فرمایا ہے۔یہ کس بناء پر کہا؟ کیونکہ اس سے پہلے کسی آیت میں صراحۃً آپ ﷺ کو منافق کے نمازِ جنازہ سے منع نہیں فرمایا گیا۔اس سے ظاہر یہی ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے ممانعت کا مضمون اسی سورۂ توبہ کی سابقہ آیت:استغفر لھم ،الایۃ: سے سمجھا ہوگا۔تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ آیتِ ممانعت نمازِ جنازہ پر دلالت کرتی ہے تو آنحضرت ﷺ نے اس سے ممانعت کیوں نہ قرار دی؟ بلکہ یہ فرمایا کہ اس آیت میں مجھے اختیار دیا گیا ہے۔جواب یہ ہے کہ درحقیقت الفاظِ آیت کا ظاہری مفہوم اختیار ہی دینا ہے۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ 70 مرتبہ کا ذکر بھی اس جگہ تحدید کے لئے نہیں بلکہ کثرت بیان کرنے کیلئے ہے۔تو اس آیت کا حاصل اس کے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے یہ ہوگیا کہ منافق کی مغفرت تو نہ ہوگی،خواہ آپ کتنی ہی مرتبہ استغفار کرلیں،لیکن اس میں صراحۃً آپ ﷺ کو استغفار کرنے سے روکا بھی نہیں گیا۔اور قرآن کریم کی ایک دوسری آیت:سورۂ یٰسین: کی اس کی نظیر ہے،جس میں فرمایا گیا ہے :سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ: جیسا اس آیت نے آپ ﷺ کو انذار و تبلیغ سے منع نہیں کیا بلکہ دوسری آیات سے تبلیغ و دعوت کا سلسلہ ان کے لئے بھی جاری رکھنا ثابت ہے:بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ:اور:اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ: وغیرہ۔

حاصل یہ ہے کہ آیت:اَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ :سے تو آپ ﷺ کو اختیار ہی دینا ثابت ہوا تھا،پھر مستقل دلیل سے انذار کو جاری رکھنا.....ثابت ہوگیا۔آنحضرت ﷺ نے آیت مذکورہ سے بھی یہ تو سمجھ لیا تھا کہ اس کی مغفرت نہیں ہوگی،مگر کسی دوسری آیت کے ذریعہ اب تک آنحضرت ﷺ کو استغفار کرنے سے روکا بھی نہیں گیا تھا۔

اور آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ میرے قمیص سے یا نماز پڑھانے سے اس کی تو مغفرت نہیں ہوگی،مگر اس سے دوسرے مصالحِ اسلامیہ حاصل ہونے کی توقع تھی کہ اس کے خاندان کے لوگ اور دوسرے کفار جب آنحضرت ﷺ کا یہ معاملہ اس کے ساتھ دیکھیں گے تو وہ اسلام کے قریب آجائیں گے،اور مسلمان ہوجائیں گے۔اور ممانعت صریح نماز پڑھنے کی اُس وقت تک موجود نہ تھی،اس لئے آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھ لی۔

اس کا جواب شاید ایک تو وہ جملہ ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے منقول ہے کہ اگر

مجھے یہ معلوم ہوتا کہ 70 مرتبہ سے زیادہ دعائے مغفرت کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں یہ بھی کرتا۔

دوسرا شاید وہ حدیث ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا اگر تہ اس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، مگر میں نے یہ کام اس لئے کیا کہ مجھے اُمید ہے کہ اس عمل سے اس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ مغازی اور بعض کتب تفسیر میں ہے کہ اس واقعہ کو دیکھ کر خزرج قبیلہ کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو گئے۔

خلاصہ..... یہ ہے کہ آیتِ سابقہ سے خود آنحضرت ﷺ کو بھی یہ تو یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے کسی عمل سے اس منافق کی مغفرت نہیں ہوگی، مگر چونکہ ظاہر الفاظِ آیت میں اختیار دیا گیا تھا، اور کسی دوسری آیت سے بھی اس کی ممانعت اب تک نہیں آئی تھی۔ دوسری طرف ایک کافر کے احسان سے دنیا میں نجات حاصل کرنے کا فائدہ بھی تھا، اور اس معاملہ میں دوسرے کافروں کے مسلمان ہونے کی توقع بھی۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھنے کو ترجیح دی اور سیدنا فاروق اعظمؓ نے یہ سمجھا کہ جب اس آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ مغفرت نہیں ہوگی تو اس کیلئے نماز جنازہ پڑھ کر دعائے مغفرت کرنا ایک فعلِ عبث اور بے کار ہے، جو شانِ نبوت ﷺ کے خلاف ہے۔ اسی کو انہوں نے ممانعت سے تعبیر فرمایا، اور آنحضرت ﷺ اگرچہ اس فعل کو: فی نفسہ: مفید نہ سمجھتے تھے مگر دوسروں کے اسلام لانے کا فائدہ پیش نظر تھا، اس لئے فعلِ عبث نہ رہا۔ اس طرح نہ آنحضرت ﷺ کے عمل پر کوئی اشکال رہتا ہے نہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے قول پر۔

البتہ جب صراحۃً یہ آیت نازل ہوگئی: ولا تصلّ علی احد الخ: تو معلوم ہوا کہ اگرچہ نماز پڑھنے میں ایک دینی مصلحت آنحضرت ﷺ کے پیش نظر تھی، مگر اس میں ایک خرابی اور مفسدہ بھی تھا، جس کی طرف آنحضرت ﷺ کا دھیان نہیں ہوا۔ وہ یہ کہ خود مخلص مسلمانوں میں اس عمل سے ایک بے دلی پیدا ہونے کا خطرہ تھا کہ ان کے یہاں مخلص مسلمان اور منافق سب ایک پلّے میں تولے جاتے ہیں۔ اس خطرہ کے پیش نظر قرآن میں یہ ممانعت نازل ہوگئی، اور پھر کبھی آنحضرت ﷺ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کافر کے جنازہ کی نماز اور اس کیلئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز و اکرام کیلئے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کیلئے جانا حرام ہے۔ عبرت حاصل کرنے کیلئے ہو یا کسی مجبوری کیلئے تو وہ اس کے منافی نہیں، جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا، کافر رشتہ دار مر جائے اور اس کا کوئی ولی وارث نہیں تو مسلمان رشتہ دار اس کو اسی طرح مسنون طریقے کا لحاظ کئے بغیر گھڑے میں دبا سکتا ہے۔ (معارف القرآن: ج 4: ص 476)

اس آیت کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَلَاتُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍمِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًاوَّلَاتَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ،اِنَّهُمْ كَفَرُوْابِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْاوَهُمْ فٰسِقُوْنَ:اگران منافقین میں سے کوئی مرجائے تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوکر اس کے لئے دعائے مغفرت کریں، کیونکہ وہ اگر چہ بظاہر مسلمان ہیں لیکن دل سے پکے کافر ہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ جل شانہ پر ان کا ایمان ہے نہ رسول ﷺ پر اور وہ اسی کفر پر مر رہے ہیں۔(جواھرالقرآن:ج1:ص449)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَلَاتُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍمِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًاوَّلَاتَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ: اور نہ آپ جنازہ پڑھائیں ان میں سے کسی کا جو مر گیا ہو کبھی بھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر۔ کل تم پڑھ چکے ہو عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا جنازہ، آپ ﷺ نے پڑھا اس کے بیٹے کی دلجوئی کیلئے جو کہ بڑا مخلص تھا، بلکہ آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک بھی اس کے جسم پر ملا اور کرتا مبارک بھی اس کے جسم پر ڈالا، صحابہ کرامؓ نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا:ان تستغفرلهم سبعين مرّة فلن يّغفر اللّٰه لهم:اگر آپ ﷺ ستر مرتبہ بھی اس کے لئے بخشش طلب کریں اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

جب آپ ﷺ نے جنازہ پڑھایا اُس وقت تک ممانعت نہیں ہوئی تھی لیکن آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے پابندی لگادی کہ نہ تو منافق کا جنازہ پڑھانا ہے، نہ ہی کسی منافق کی قبر پر کھڑا ہونا ہے۔

منافق کے لئے دعا کرنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے منع فرمادیا ہے، کیونکہ :اِنَّهُمْ كَفَرُوْابِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْاوَهُمْ فٰسِقُوْنَ: انہوں نے انکار کیا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کا اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا اور وہ مرے اس حال میں کہ وہ نافرمان ہیں۔ لہذا نہ ان کا جنازہ پڑھو نہ ان کی قبر پر کھڑے ہو اور نہ ان کے لئے دعا کرو۔

(ذخيرة الجنان فی فهم القرآن:ج8:ص194)

اس آیت کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ان میں سے کوئی مرجائے تو تُو اس کی جنازے کی نماز ہرگز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے منکر ہو گئے اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے۔

منافقوں کا جنازہ:

حکم ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ! تم منافقوں سے بالکل بھی بے تعلق ہو جاؤ۔ ان میں سے کوئی مر جائے تو تم نہ اس کے جنازے کی نماز پڑھو نہ اس کی قبر پر جا کر اس کیلئے دعائے استغفار کرو، اس لئے کہ یہ کفر و فسق پر زندہ رہے اور اسی پر مرے۔

یہ حکم تو عام ہے کو اس کا شان نزول خاص عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں ہے جو منافقوں کا رئیس اور امام تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اس کے مرنے پر اس کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ میرے باپ کے کفن کیلئے آپ ﷺ خاص اپنا پہنا ہوا کرتا عنایت فرمائیے۔ حضور اکرم ﷺ نے دے دیا۔ پھر کہا کہ آپ ﷺ خود اس کے جنازے کی نماز پڑھائیے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ درخواست بھی منظور فرمالی اور نماز پڑھانے کے ارادے سے اُٹھے لیکن حضرت عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ کا دامن تھام لیا اور عرض کی کہ حضور ﷺ! آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس سے منع فرمایا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: سنو! اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ تو ان کیلئے استغفار کرے یا نہ کرے اگر تو ان کیلئے ستر مرتبہ بھی استغفار کرے گا تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔ تو میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمرؓ فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ! یہ منافق تھا، لیکن تاہم حضور اکرم ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اس پر یہ آیت اُتری۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس نماز میں صحابہ کرامؓ بھی حضور اکرم ﷺ کی اقتدا میں تھے۔ ایک روایت میں ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہے کہ جب آپ ﷺ اس کی نماز کیلئے کھڑے ہو گئے تو میں صف میں سے نکل کر آپ ﷺ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ کیا آپ ﷺ اس اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عبداللہ بن ابی کے جنازے کے نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ فلاں دن اس نے یوں کہا اور فلاں دن یوں کہا۔ اس کی وہ تمام باتیں دوہرائیں۔ حضور ﷺ مسکراتے ہوئے سب سنتے رہے آخر میں فرمایا: عمرؓ! مجھے چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ نے استغفار کا مجھے اختیار دیا ہے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار ان کے گناہ معاف کرا سکتا ہے تو میں یقیناً ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے نماز بھی پڑھائی جنازے کے ساتھ بھی چلے دفن کے وقت بھی موجود رہے۔ اس کے بعد مجھے اپنی اس گستاخی پر بہت ہی افسوس ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور حضور اکرم ﷺ خوب علم والے ہیں، میں نے ایسی اور اس قدر جرأت کیوں کی؟ کچھ ہی دیر ہوگی جو یہ دونوں آیاتیں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد آخر دم تک حضور اکرم ﷺ نے کسی منافق کے جنازے کی نماز پڑھی نہ اس کی قبر پر آ کر دعا کی۔

اور روایت میں ہے کہ اس کے صاحبزادےؓ نے حضور اکرم ﷺ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپ ﷺ تشریف نہ لائے تو ہمیشہ کیلئے یہ بات ہم پر رہ جائے گی۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو اسے قبر میں اُتار دیا گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اس سے پہلے آپ مجھے کیوں نہ لائے؟ چنانچہ وہ قبر سے نکالا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے سارے جسم پر تھتکار کر دم کیا اور اسے اپنا کرتہ پہنایا۔

اور روایت میں ہے کہ وہ یہ وصیت کر کے مرا تھا کہ اس کے جنازے کی نماز خود حضور اکرم ﷺ پڑھائیں۔ اس کے لڑکے نے آ کر حضور اکرم ﷺ کو اس کی آرزو اور اس کی آخری وصیت کی بھی خبر کی اور یہ بھی کہا کہ اس کی وصیت یہ بھی ہے کہ اسے آپ کے پیراہن میں کفنایا جائے۔ حضور اکرم ﷺ اس کے جنازے کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیتیں لے کر اُترے۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کا دامن تان کر نماز کے ارادے کے وقت یہ آیت سُنائی لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

اور روایت میں ہے اس نے اپنی بیماری کے زمانے میں حضور ﷺ کو بلایا، آپ ﷺ تشریف لے گئے اور جا کر فرمایا کہ یہودیوں کی محبت نے تجھے تباہ کر دیا اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ وقت ڈانٹ ڈپٹ کا نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے لئے دعا استغفار کریں، میں مر جاؤں تو مجھے اپنے پیراہن میں کفنائیں۔

بعض سلف سے مروی ہے کہ کرتا دینے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت عباسؓ آئے تو ان کے جسم پر کسی کا کپڑا ٹھیک نہیں آیا آخر اس کا کرتا لیا وہ ٹھیک آ گیا یہ بھی لمبا چھوڑا چوڑی چکلی ہڈی کا آدمی تھا۔ پس اس کے بدلے میں حضور اکرم ﷺ نے اس کے کفن کے لئے اپنا کرتا عطا فرمایا۔

اس آیت کے اترنے کے بعد نہ تو کسی منافق کے جنازے کی نماز حضور اکرم ﷺ نے پڑھی نہ کسی کیلئے استغفار کیا۔ مسند احمد میں ہے کہ جب آپ ﷺ کو کسی جنازے کی طرف بلایا جاتا تو آپ ﷺ پوچھ لیتے، اگر لوگوں سے بھلائیاں معلوم ہوتیں تو آپ ﷺ جا کر اس کے جنازے کی نماز پڑھاتے اور اگر کوئی ایسی ویسی بات کان میں پڑتی تو صاف انکار کر دیتے۔

حضرت عمرؓ کا طریقہ حضور اکرم ﷺ کے بعد یہ رہا کہ جس کے جنازے کی نماز حضرت حذیفہؓ پڑھتے اس کے جنازے کی نماز آپؓ بھی پڑھتے، جس کی حضرت حذیفہؓ نہ پڑھتے آپؓ بھی نہ پڑھتے، اس لئے کہ حضرت حذیفہؓ کو حضور اکرم ﷺ نے منافقوں کے نام گنوا دیئے تھے اور حضرت حذیفہؓ کو یہ نام معلوم تھے، اسی بنا پر انہیں رازدارِ رسول

ﷺ کہا جاتا ہے۔ بلکہ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت عمرؓ ایک شخص کے جنازے کی نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے تو حضرت حذیفہؓ نے چٹکی لے کر انہیں روک دیا۔

جنازے کی نماز اور استغفار ان دونوں چیزوں سے منافقوں کے بارے میں مسلمان کو روک دینا، یہ دلیل ہے اس امر کی کہ مسلمانوں کے بارے ان دونوں چیزوں کی پوری تاکید ہے۔ ان میں مُردوں کے لئے بھی پورا نفع ہے اور زندوں کیلئے بھی کامل اجر و ثواب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہے جو جنازے میں جائے اور نماز پڑھے جانے تک ساتھ رہے اسے ایک قیرات ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک ساتھ رہے اسے دو قیراط ملتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ قیراط کیا ہے؟ فرمایا سب سے چھوٹا قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی حضور اکرم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ میت کے دفن سے فارغ ہو کر وہیں اس کی قبر کے پاس ٹھہر کر حکم فرماتے کہ اپنے ساتھی کے لئے استغفار کرو اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو اس سے اس وقت سوال جواب ہو رہا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج 2: ص 380)

سورة التوبه

:مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓااَنْ يَّسْتَغْفِرُوْالِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ:(توبه:آيت:113)

ترجمه: لائق نہیں نبی کواور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی اگر چہ وہ ہوں قرابت والے جبکہ کھل چکا اُن پر کہ وہ ہیں دوزخ والے۔

:وَمَاكَانَ اسْتِغْفَارُاِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّاعَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّلِّلّٰهِ تَبَرَّاَمِنْهُ،اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ:(توبه:آيت:114)

ترجمه: اور بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے سو نہ تھا مگر وعدہ کے سبب کہ وعدہ کر چکا تھا اس سے، پھر جب کھل گیا ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو اس سے بیزار ہو گیا، بیشک ابراہیم بڑا نرم دل تھا تحمل کرنے والا۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: زیادہ تر حصہ سورت کا: تبرّی عن الکفار: میں ہے، چنانچہ آغاز کیا گیا: براءة من اللّٰه ورسوله ،الخ: سے اور جہاد کا حکم ہوا، یہ سب معاملات حیات (زندگی) کے تھے۔ آگے اس تبری کی تاکید کیلئے کفار کے واسطے استغفار کرنے سے نہی ہے جو کہ متعلق: مابعد الموت: کے ہے کہ اس میں بالکل ہی قطع ہے تعلقات غیر ضروریہ کا جیسا کہ اوپر منافقین کے جنازہ پر نماز کی ممانعت تھی۔ اور وجہ اس نہی کی یہ ہوئی کہ ابو طالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک مجھ کو ممانعت نہ ہوگی ان کیلئے استغفار کروں گا اس پر، اور مسلمانوں نے بھی اپنے مشرک اموات کیلئے استغفار شروع کیا تو آیت: مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ الخ : میں اس کی ممانعت آئی۔ بعض کو شبہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے بھی تو اپنے باپ کے لئے استغفار فرمایا تھا اس پر آیت: و ما کان استغفار ابراھیم الخ: میں اس کا جواب نازل ہوا۔

نہی از استغفار برائے مشرکین:

پیغمبر (ﷺ) کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں (اس وجہ سے کہ کافر ہو کر مرے ہیں) اور (اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے شبہ ہو کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کیلئے دعائے مغفرت مانگنا (وہ اس کے قبل تھا کہ اس کا دوزخی ہونا ظاہر ہو جاوے اور) وہ (بھی) وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ خدا تعالیٰ کا دشمن (یعنی کافر ہو کر مرا) ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے (کہ استغفار بھی چھوڑ دیا، کیونکہ اس وقت دعائے مغفرت کرنا بے معنی ہے۔ کیونکہ کافر میں مغفرت کا احتمال ہے ہی نہیں، بخلاف حالتِ حیات کے کہ دعائے مغفرت کے معنی اس وقت طلب توفیق ہدایت ہو سکتے ہیں کہ توفیق ہدایت کے لئے مغفرت لازم ہے، اور رہا یہ کہ وعدہ کیوں کر لیا تھا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ) واقعی حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے رحیم المزاج حلیم الطبع تھے (کہ باوجودیکہ باپ نے ان کو کیسی کیسی سخت باتیں کہیں، مگر حلم سے کام لیا، اور مزید براں یہ کہ شفقت کے جوش سے وعدہ کر لیا اور احتمال نفع تک اس وعدہ کو پورا فرمایا، جب ناامید ہو گیا ہار کر چھوڑ دیا، بخلاف تمہارے استغفار کے کہ مشرکین کے مرنے.... کے بعد ہو رہا ہے۔ جن کا حالتِ شرک پر مرنا ظاہر مشاہد سے معلوم ہے اور احکامِ شرعیہ میں ایسا ظاہر کافی ہے، پھر قیاس کب صحیح ہے، اور اس قیاس پر شبہ کب مبنی ہو سکتا ہے)۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا آئی ہے: و اغفر لابی: اس کے معنی یہ ہے: و اھدابی: اور: انہ کان من الضالین: اس کے بہت ہی مناسب ہے۔ اور ایک آیت میں جو والدین کیلئے مغفرت کی دعا میں: یوم یقوم الحساب: فرمایا ہے وہاں یہ مطلب ہے: اھدھما لیغفر لھما یوم یقوم الحساب: اور حدیث شریف جو بخاری میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت میں عرض کریں گے: انک وعدتنی ان لاتخزینی یوم یبعثون فای خزی اخزی من ابی الابعد: اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہوگا: انی حرمت الجنۃ علی الکافرین: اور پھر ارشاد ہوگا: ماتحت رجلیک: اور ان کو وہ بشکل کفتار نظر آوے گا پھر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

سواس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس وقت اس کی مغفرت چاہیں گے بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم کو قیامت کی رسوائی سے بچاؤں گا اور اس میں بھی ایک کو نہ رسوائی ہے کہ میرا باپ اس حالت میں ہو تو اس سے مجھ کو بچایئے۔ اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ارشاد کا حاصل یہ ہوگا کہ رسوائی سے بچانے کا ایک طریق تو ہو نہیں سکتا کہ اس کی مغفرت کر دی جاوے ہم دوسری صورت تجویز کرتے ہیں کہ اس کو مسخ کرتے ہیں کہ کوئی اس کو پہچانے نہیں اور تم کو شرمندگی نہ ہو۔ (بیان القرآن: ج 1: ص 419)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

شیخین نے صحیحین میں سعید بن مسیّب کے باپ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابو طالب کے مرنے کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ کو وہاں موجود پایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو طالب سے فرمایا کہ چچا! لا الٰہ الا اللّٰہ: ایک بار کہہ دیجئے تا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے میں آپ کی طرف سے اس کو دلیل کے طور پر پیش کر سکوں، ابو جہل اور عبد اللہ بولے، ابو طالب! کیا تم عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ ﷺ (بار بار) کلمۂ توحید پیش کرتے رہے اور ابو جہل اور عبد اللہ اپنی بات برابر کہتے رہے۔ آخر ابو طالب نے کہا کہ میں عبد المطلب کے مذہب پر ہوں۔ ایک روایت میں اتنا اور بھی آیا ہے کہ ابو طالب نے: لا الٰہ الا اللّٰہ: کہنے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واللہ جب تک مجھے ممانعت نہیں کر دی جائے گی میں آپ کی مغفرت کیلئے دعا کرتا رہوں گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

:مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ: پیغمبر اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہونے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

:وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ: اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنا صرف اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے باپ سے اس کا وعدہ کر لیا تھا۔

:فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ: (باپ کے کفر کی حالت پر مرنے سے یا اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے اطلاع ملنے کی وجہ سے کہ وہ کافر مرے گا) جب ابراہیم پر کھل گیا کہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو انہوں نے باپ سے بیزار ہو جانے کا اظہار کر دیا اور دعائے مغفرت قطع کر دی: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ: واقعی (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) رحیم المزاج حلیم الطبع تھے۔ (تفسیر مظہری اردو: ج 5: ص 329)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

مشرکین اور کفار کے لئے دعائے مغفرت کی ممانعت:

ربط: شروع سورت میں کفار اور مشرکین سے براءت اور بیزاری کا ذکر تھا، بعد ازاں منافقین کے ذمائم اور مجاہدین کے فضائل بیان کئے۔ اب اسی تبری اور بیزاری کی تاکید کے لئے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جس طرح زندگی میں کفار اور مشرکین سے براءت اور بیزاری ایمان کے لوازم میں سے ہے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد بھی ان سے تبری اور بیزاری ایمان کے لوازم میں سے ہے کہ مرنے کے بعد نہ کافر کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا جائز ہے اور نہ اس کے لئے دعائے مغفرت جائز ہے اگر چہ وہ مسلمانوں کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں زندہ کافروں سے براءت اور بیزاری کا حکم تھا اب ان آیات میں مُردہ کافروں سے براءت اور بیزاری کا حکم ہے۔ اہل ایمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں اور کافروں کیلئے ان کے مرنے کے بعد دعائے مغفرت کریں اگر چہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

گزشتہ آیت میں مؤمنین کو بشارت دینے کا حکم تھا اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین بشارت کے تو کیا مستحق ہوتے ان کے لئے تو مرنے کے بعد دعائے مغفرت بھی جائز نہیں۔ مسلمان اگر چہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو مرنے کے بعد اس کے لئے استغفار جائز ہے مگر کافر اور مشرک کے لئے مرنے کے بعد استغفار جائز نہیں۔ کفر اور شرک کسی حال میں مغفرت کے قابل نہیں، کافر اور مشرک کیلئے استغفار جائز ہونے کے معنی یہ ہے کہ کفر اور شرک کی مغفرت کردی جائے اور یہ ناممکن اور محال ہے: کما قال اللّٰہ تعالیٰ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ چنانچہ فرماتے ہیں:

: مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا (الی قولہ) اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ لَاَوَّاہٌ حَلِیْمٌ: نبی کے لئے اور اہل ایمان کیلئے یہ لائق نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت طلب کریں اگر چہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر یہ ظاہر ہوگیا کہ یہ (مشرک) دوزخ والے ہیں (کفر کا ٹھکانہ ہی دوزخ ہے)۔

مشہور قول یہ ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارہ میں نازل ہوئی جب وہ کفر اور شرک پر مر گئے۔

اور اگر کسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے شبہ ہو کہ انہوں نے اپنے مشرک باپ کیلئے دعائے مغفرت کی تھی سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت) ابراہیم (علیہ السلام کا اپنے مشرک) باپ کیلئے دعائے مغفرت کرنا محض ایک

وعدہ کی بنا پر تھا جو انہوں نے اپنے باپ سے کرلیا تھا (جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حال میں بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا: سلام علیک ساستغفرلک ربی: اے باپ تم پر سلام ہو میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگوں گا۔ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ دعا مانگنا باپ کی زندگی میں تھا اور ایک وعدہ کی بنا پر تھا۔ کیونکہ ان کو یہ طمع تھی کہ شاید میرا باپ اسلام لے آئے۔ زندہ مشرک کیلئے دعائے مغفرت کے معنی دعائے ہدایت کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو ہدایت دے۔ اس امید اور طمع پر باپ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا۔ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ظاہر ہوگیا کہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا دشمن ہے یعنی کفر پر مرا اور ایمان کی توفیق نہ پائی یا بذریعہ وحی کے معلوم ہوگیا کہ اس کا باپ ایمان نہ لائے گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہوئے اور دعائے مغفرت موقوف کردی۔ کیونکہ مرنے سے ایمان اور ہدایت کا وقت ختم ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مشرک باپ کیلئے دعائے مغفرت کرنا اس وعدہ کے پورا کرنے کیلئے تھا جو وہ کر چکے تھے پھر ان کو بذریعہ وحی کے یا ان کے کفر کے حالات پر مرنے سے ان کا دوزخی ہونا معلوم ہوگیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لئے دعا کرنی چھوڑ دی اور فوراً ان سے بیزا ہو گئے)۔

تحقیق حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور بردبار تھے (باپ نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی دی کہ میں تجھے ضرور سنگسار کروں گا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تیرے واسطے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا۔ غرض یہ کہ بعض مسلمانوں نے جب اپنے مشرک اموات کے لئے استغفار شروع کی تو اس کی ممانعت کے لئے یہ آیت یعنی: ماکان للنبی والذین امنوا: نازل ہوئی۔ (معارف القرآن: ج3: ص527)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

مشرکین کے لئے استغفار کا مسئلہ:

آج کی آیات میں حدود اللہ ہی سے متعلق ایک یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى: اللہ تعالیٰ کے نبی اور اہل ایمان کیلئے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ شرک کرنے والوں کے لئے بخشش کی دعا مانگیں اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ گویا یہ چیز بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مقرر کردہ حدود میں شامل ہے کہ کسی مشرک کے لئے استغفار کرنا جائز نہیں۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے چچا ابوطالب جو حضرت علیؓ کے والد تھے۔ جب اُن کا آخری وقت آیا تو حضور ﷺ اپنے چچا کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں دعوت دی کہ تم اپنی زبان سے: لاالٰہ الااللہ: کہہ دو

تا کہ قیامت کے دن میں تمہارے حق میں گواہی دے سکوں۔اُس وقت ابو طالب کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ جیسے اکابر مشرکین بھی موجود تھے۔ابوجہل نے ابو طالب سے مخاطب ہو کر کہا: کیا تُو آخری وقت میں اپنے آباؤ واجداد کا دین چھوڑ دے گا؟ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اس پر ابو طالب نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو اپنے باپ عبدالمطلب کے دین پر ہو۔ابو طالب کا انکار سُن کر حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔پھر تھوڑی دیر بعد حضرت علیؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آپ کے چچا بوڑھے گمراہ فوت ہو گئے ہیں۔جب حضور ﷺ کو ابو طالب کی فوتگی کی خبر ملی تو حضرت علیؓ سے فرمایا: جاؤ جا کر اُسے زمین میں داب دو، کسی سے گفتگو نہ کرنا اور دفن کرنے کے بعد میرے پاس آجانا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور ﷺ، ابو طالب کے کفن دفن میں شریک نہیں ہوئے۔

پھر جب باپ کو دفن کرنے کے بعد حضرت علیؓ، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے حق میں دعا فرمائی۔ابو طالب چونکہ حضور ﷺ کا پرورش کنندہ تھا، اُس نے آپ ﷺ پر احسانات کئے تھے، اس لئے حضور ﷺ کو اُس کے ایمان نہ لانے کا بڑا صدمہ ہوا، تاہم حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے بخشش کی دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے روک نہ دیا جائے۔مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو چاہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔اس طرح گویا حضور ﷺ کو ابو طالب کے حق میں دعا کرنے سے رُوک دیا گیا۔لہٰذا حضور اکرم ﷺ نے اس کے لئے دعائے مغفرت نہ فرمائی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ بات سمجھا دی ہے کہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا مانگنا حرام ہے، چاہے باپ ہو یا بیٹا، بھائی ہو یا کوئی دوسرا رشتہ دار۔کافر اور مشرک جب تک دنیا میں موجود رہے اس کیلئے ہدایت کی دعا مانگنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اُسے ایمان کی توفیق بخش کر اُسے مغفرت کا اہل بنا دے مگر مرنے کے بعد اُن کے لئے بخشش کی دعا مانگنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس سے منع فرما دیا ہے اور مشرکوں کے متعلق قطعی فیصلہ کر دیا: اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُاَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُمَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ: اللہ تعالیٰ مشرک کو ہرگز نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے معاف کر دے۔مغفرت کی دعا صرف ایمان والوں کے لئے ہے۔

چنانچہ ملت ابراہیمی کا یہ مسلّمہ اُصول ہے کہ: الدعآء لامواتِ المؤمنین: بخشش کی دعا مرنے والے مومنوں کیلئے ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اُن کی غلطیوں کو معاف فرمائے اور اُن کو جنت الفردوس اور اعلیٰ مرتبہ عطا فرمائے۔ اور دوسری مسلّمہ بات یہ ہے کہ صدقہ خیرات کر کے مومن کو ایصالِ ثواب کرنے سے مرنے والے کو فائدہ پہنچتا ہے تاہم

مشرک کے لئے دعائے مغفرت ہرگز جائز نہیں۔

مشرک کا معلوم ہونا یا تو وحی الٰہی سے ہوگا یا پھر مشرک وہ ہوگا جو اعلانیہ طور پر کفر وشرک کے کام کرتا ہو اور اسی پر اُسے موت آئی ہو۔ مرنے سے پہلے اُس نے معافی بھی نہیں مانگی تو ظاہری قرینہ یہی ہے کہ ایسا شخص مشرک ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ اور مومنوں کیلئے لائق نہیں کہ وہ کسی مشرک کے حق میں بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں: مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ: بعد اس کے کہ ان پر واضح ہو چکا ہو کہ یہ لوگ جہنم والے ہیں۔

مطلب یہ کہ جب قرائن سے واضح ہو جائے کہ فلاں شخص شرک کا ارتکاب کر رہا ہے اور وہ بغیر معافی مانگے مر جائے تو اس کے لئے بخشش کی دعا کرنا حرام ہوگا۔

باپ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

اِس فیصلہ کے بعد کہ کسی مشرک کیلئے دعائے مغفرت کی اجازت نہیں، ذہن فوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جاتا ہے کہ انہوں نے بھی تو اپنے مشرک باپ کیلئے بخشش کی دعا کی تھی۔ بلکہ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کی بناء پر بعض مسلمان بھی اپنے مشرک قرابتداروں کیلئے دعائے مغفرت کرتے تھے۔

اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو بتوں کی پرستش سے روکنے کی بہت کوشش کی، اسے سمجھایا کہ تم ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اس کے جواب میں باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم تو میری بات نہیں مانتے مگر: سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۔اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا: میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے بخشش کی دعا کروں گا کیونکہ میرا پروردگار میرے ساتھ بڑا ہی مہربان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے حق میں دعا اُسی وعدے کے مطابق تھی جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہاں بیان فرمایا ہے: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ: یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت ایک وعدے کی بناء پر تھی: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ: مگر جب انہیں واضح ہو گیا کہ اُن کا باپ دشمنِ خدا تعالیٰ ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے یا استغفار کرنے سے بَری ہو گئے۔ پھر اس کے بعد باپ کے لئے دعا نہیں کی۔

آگے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف بیان کی ہے کہ انہوں نے باپ کے حق میں دعا کرنے کا عہد اپنی نرم دلی اور رقیق القلبی کی بناء پر کیا تھا: اِنَّ اِبْـرَاهِيْـمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ: بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام نرم دل اور تحمل والے تھے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ بات سمجھادی ہے کہ یہ بات حدود اللہ میں سے ہے کہ کسی مشرک کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں خواہ وہ کسی کا باپ ہو یا بیٹا، بھائی ہو یا کوئی دوسرا عزیز ہو۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج9: ص562)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

پیغمبر (ﷺ) کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں (اس وجہ سے کہ کافر ہو کر مرے ہیں) اور (اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے شبہ ہو کہ انہوں نے اپنے باپ کیلئے دعائے مغفرت کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا (وہ اس کے قبل تھا کہ اس کا دوزخی ہونا ظاہر ہو جاوے اور) وہ (بھی) وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ خدا تعالیٰ کا دشمن (یعنی کافر ہو کر مرا) ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے (کہ استغفار بھی چھوڑ دیا، کیونکہ اس وقت دعائے مغفرت کرنا بے معنی ہے۔ کیونکہ کافر میں مغفرت کا احتمال ہے ہی نہیں، بخلاف حالتِ حیات کے کہ دعائے مغفرت کے معنی اس وقت طلبِ توفیق ہدایت ہو سکتے ہیں کہ توفیق ہدایت کیلئے مغفرت لازم ہے، اور رہا یہ کہ وعدہ کیوں کرلیا تھا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ) واقعی حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے رحیم المزاج حلیم الطبع تھے (کہ باوجودیکہ باپ نے ان کو کیسی کیسی سخت باتیں کہیں، مگر حلم سے کام لیا۔ اور مزید براں یہ کہ شفقت کے جوش سے وعدہ کرلیا اور احتمالِ نفع تک اس وعدہ کو پورا فرمایا، جب ناامید ہو گیا ہار کر چھوڑ دیا، بخلاف تمہارے استغفار کے کہ مشرکین کے مرنے.... کے بعد ہو رہا ہے۔ جن کا حالتِ شرک پر مرنا ظاہر مشاہد سے معلوم ہے اور احکامِ شرعیہ میں ایسا ظاہر کافی ہے، پھر قیاس کب صحیح ہے، اور اس قیاس پر شبہ کب مبنی ہو سکتا ہے)۔

معارف و مسائل:

پوری سورۃ توبہ کفار و مشرکین سے تبرّی و علیحدگی کے احکام پر مشتمل ہے، سورۃ کا شروع ہی: بَـرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ: سے ہوا ہے، اور اسی لئے اس سورۃ کا ایک نام سورۂ براءت بھی معروف ہے۔

اوپر جس قدر احکام آئے وہ دنیوی زندگی میں کفار و کشرکین سے براءت اور قطع تعلق کے متعلق ہیں۔اس آیت میں یہی حکم براءت اور قطع تعلق تھا اُخروی زندگی کے لئے آیا ہے، کہ مرنے کے بعد کافر و مشرک کے لئے دعائے مغفرت کرنا بھی جائز نہیں، جیسا کہ اس سے پہلے ایک آیت میں منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ کو منع کیا گیا ہے۔

واقعۂ نزول اس آیت کا صحیح بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب اگر چہ مسلمان نہ ہوئے تھے مگر عمر بھر آنحضرت ﷺ کی حمایت و حفاظت کرتے رہے، اور اس معاملہ میں برادری کے کسی فرد کا کہنا نہیں مانا، آنحضرت ﷺ کو بھی اس کا بڑا اہتمام تھا کہ کسی طرح یہ اسلام کا کلمہ پڑھ لیں اور ایمان لے آئیں تو شفاعت کا موقع مل جائے گا اور یہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں گے۔مرضِ وفات میں جب ان کا آخری وقت ہوا تو آنحضرت ﷺ کو بڑی فکر تھی کہ اس وقت بھی کلمہ شریف پڑھ لیں تو کام ہو جائے۔چنانچہ اس حالت میں آنحضرت ﷺ ان کے پاس پہنچ گئے، مگر ابو جہل، عبداللہ بن امیہ پہلے سے وہاں موجود تھے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے چچا! کلمہ: لاالٰہ الا اللّٰہ: پڑھ لیں تو میں آپ کی بخشش کے لئے کوشش کروں گا، مگر ابو جہل بول اٹھا کہ کیا آپ عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ دیں گے؟ آنحضرت ﷺ نے کئی مرتبہ پھر اپنا کلام دُہرایا، مگر ہر مرتبہ ابو جہل یہی بات کہہ دیتا، یہاں تک کہ آخری کلام میں ابو طالب نے یہی کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں، اسی حالت میں وفات ہوگئی، تو آنحضرت ﷺ نے قسم کھائی کہ میں آپ کیلئے برابر استغفار کرتا رہوں گا، جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے، اس پر یہ آیت ممانعت کی نازل ہوئی، جس میں آنحضرت ﷺ اور سب مسلمانوں کو کفار و مشرکین کیلئے دعائے مغفرت کرنے سے منع فرما دیا، اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں۔

اس پر بعض مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے کافر باپ کیلئے دعا کی تھی۔اس کے جواب میں دوسری آیت نازل ہوئی: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ: جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے والد کے لئے دعا کی تھی اس کا معاملہ یہ ہے کہ شروع میں جب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم نہ تھا کہ آخر تک کفر ہی پر قائم رہے گا، اسی پر مرے گا، تو اس کا دوزخی ہونا یقینی نہیں تھا، اس وقت انہوں نے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ میں آپ کیلئے دعائے مغفرت کروں گا۔پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے یعنی کفر ہی پر اس کا خاتمہ ہوا ہے تو اس سے بے تعلقی اختیار کر لی اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

قرآن مجید کے مختلف مواقع میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کیلئے دعائے مغفرت کرنا منقول ہے

وہ سب اسی پر محمول ہونا چاہئے۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کو ایمان واسلام کی توفیق دے تا کہ ان کی مغفرت ہو سکے۔

غزوۂ اُحد میں جب رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک کو کفار نے زخمی کر دیا تو آپ ﷺ چہرہ مبارک سے خون صاف کرتے ہوئے یہ دعا فرما رہے تھے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِقَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ: یعنی یا اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما دے وہ نادان ہیں۔کفار کیلئے اس دعائے مغفرت کا حاصل بھی یہی ہے کہ ان کو ایمان واسلام کی توفیق عطا فرما دے کہ یہ مغفرت کے قابل ہو جائیں۔(معارف القرآن:ج4:ص517)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ ،الخ: یعنی اگر آنحضرت ﷺ اور مؤمنوں کے بعض رشتہ دار بھی بحالت شرک مر چکے ہوں یا زندہ ہوں لیکن ان کے دلوں پر مہر جباریت لگ چکی ہو تو ان کیلئے دعا و استغفار کرنا بھی ممنوع ہے۔اور مہر جباریت لگ جانے سے پہلے ان کیلئے ہدایت کی دعا کرنے کی اجازت ہے۔مہر جباریت کا علم انبیاء کرام علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ ہو جاتا تھا لیکن انقطاع وحی کے بعد یہ حکم ہے کہ مشرک جب تک زندہ رہے اس کے لئے ہدایت کی دعا کرنا چاہئے۔اور اگر شرک کی حالت میں مر جائے تو اس کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔

:وَمَاکَانَ اسْتِغْفَارُاِبْرَاھِیْمَ،الخ: یہ سوالِ مقدر کا جواب ہے جو ماقبل سے ناشی ہے۔سوال یہ ہے کہ جب پیغمبر کیلئے اور مؤمنوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے حق میں استغفار کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے کیوں استغفار کیا تھا؟ تو اس کا جواب فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استغفار اس وعدے کی بنا پر تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بوقت رخصت باپ سے کیا تھا۔لیکن جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس کے دل پر مہر جباریت ثبت ہو چکی ہے اور اب وہ کبھی ایمان نہیں لائے گا تو اس کے لئے استغفار ترک کر دیا اور اس سے براءت اور بیزاری کا اعلان فرما دیا۔یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبل العلم :تھی جب ان کو اصل حقیقت معلوم ہوگئی تو پھر اس کے لئے دعا نہیں مانگی۔یا مطلب یہ ہے کہ جب وہ زندہ تھا تو اس کی ہدایت کی دعا کرتے تھے اور جب وہ شرک پر مر گیا تو ان پر واضح ہوگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اس لئے پھر اس کے لئے مغفرت کی دعا نہیں کی۔(جواھر القرآن:ج1:ص456)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

حضور اکرم ﷺ کے مہربان چچا ابو طالب عبد ابن مناف نے حضور اکرم ﷺ کی بڑی خدمت کی ہے اور اس خدمت کا اس کو صلہ بھی ملا کہ جہنم کا سب سے ہلکا عذاب اس کو ہوگا کہ اس کو آگ کا جوتا پہنایا جائے گا جس سے اس کا

دماغ اس طرح اُبلے گا جس طرح تیز آگ پر ہانڈی اُبلتی ہے۔ سمجھ دار ہونے کے باوجود اس نے اپنا دھڑا نہیں چھوڑا۔ حضور اکرم ﷺ اس کی وفات کے وقت اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ: چچا جان! کلمہ پڑھ لو، تاکہ میں آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے کچھ کہہ سکوں۔ تو وہ کہنے لگا کہ البتہ تحقیق میں جانتا ہوں کہ تمہارا دین دنیا کے تمام دینوں سے سچا اور کھرا ہے مگر میں اپنا دھڑا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

جب وہ اسی کفر کی حالت میں فوت ہوگیا تو حضور اکرم ﷺ اس کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے لیکن مغفرت کی دعا کی کہ: اے پروردگار! اس نے میری بڑی خدمت کی ہے، تیرے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے، اس کو بخش دے۔ حضور اکرم ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے بڑوں کے لئے جو شرک پر مرے تھے دعائیں شروع کر دیئے۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حکم نازل فرمایا:

:مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى: نہیں تھا لائق نبی (کریم ﷺ) کے اور نہ اُن کیلئے جو ایمان لائے کہ بخشش طلب کریں مشرکوں کیلئے اور اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں: مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ: بعد اس کے کہ ان کے سامنے واضح ہو چکا کہ بیشک وہ دوزخ والے ہیں۔ کہ انہوں نے کلمے کا انکار کر دیا اور کفر پر مرے تو ان کے لئے مغفرت کی نہ نبی دعا کر سکتے ہیں اور نہ مومن کر سکتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد جن کا نام آذر تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو بڑا سمجھایا مگر اس نے نہ مانا اور آخر دم تک شرک پر ڈٹا رہا تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کیوں مانگی؟

اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کا جواب دیتے ہیں: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ: اور نہیں تھا بخشش مانگنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے مگر ایک وعدے کی بنا پر جو انہوں نے اپنے والد سے کر رکھا تھا۔ جس کا ذکر: سورۃ المریم: میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو سمجھایا جب وہ نہ مانا تو کہا: سأستغفر لک ربی انہ کان بی حفیا: میں بخشش طلب کروں گا تیرے لئے اپنے پروردگار سے بیشک وہ میرے ساتھ بہت مہربان ہے۔ اور اُمید تھی کہ یہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے گا اور بخشش ہو جائے گا۔

:فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ: پس جب واضح ہوگیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے کہ بیشک ان کا باپ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا دشمن ہے تو اُس سے بیزار ہو گئے، بیزاری کا اعلان کر دیا پھر ان کیلئے مغفرت کی دعا نہیں مانگی۔ اور مشرک کافر کے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا پیغمبر بھی دعا مانگے تو قبول نہیں ہوتی۔

آپ حضرات پہلے تفصیلاً پڑھ چکے ہو کہ حضور اکرم ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کو اپنا کرتہ بطور کفن کے پہنایا، اپنا لعاب مبارک اس کے بدن پر ملا اور اس کا جنازہ پڑھایا، یہ کوئی معمولی باتیں نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو: لن یغفر اللّٰہ لھم: ان کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا۔

فرمایا: انَّ ابْرَاھِیْمَ لَاَوَّاہ حَلِیْم: بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام زاری کرنے والے، تحمل والے تھے۔

(ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن: ج8: ص 261)

اس آیت کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

نبی کو اور ایمان داروں کو یہ لائق ہی نہیں کہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں گو وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہو؟ اس کے بعد کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں۔ ابراہیم کا اپنے والد کیلئے استغفار تو صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو وہ اس سے کر چکا تھا پھر جب اس پر کھل گیا کہ وہ دشمنِ رب تعالیٰ ہے تو وہ اسی وقت اس سے بیزار ہو گیا، ابراہیم تو بڑا ہی نرم دل بردبار تھا۔

مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کی نبی کریم ﷺ کو ممانعت:

مسند احمد میں ہے کہ ابو طالب کی موت کے وقت اس کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے۔ وہاں اس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چچا: لاالٰہ الّا اللّٰہ: کہہ لے اس کلمے کی وجہ سے اللہ عزوجل کے ہاں میں تیری سفارش تو کر سکوں۔ یہ سُن کر ان دونوں نے کہا کہ اے ابو طالب کیا تو عبدالمطلب کے دین سے پھر جائے گا؟ اس پر اس نے کہا کہ میں تو عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خیر میں جب تک منع نہ کر دیا جاؤں تیرے لئے بخشش مانگتا رہوں گا لیکن آیت: ما کان للنبیّ: اُتری۔ یعنی نبی کو اور مومنوں کو لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کیلئے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں۔ ان پر تو یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ مشرک جہنمی ہیں۔ اسی بارے میں آیت: انّک لا تھدی، الخ: بھی اُتری ہے۔ یعنی تو جسے محبت کرے اسے راہ نہیں دکھا سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے راہ دکھاتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کی زبانی اپنے مشرک ماں باپ کیلئے استغفار سُن کر اس سے کہا کہ تو مشرکوں کیلئے استغفار کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کیلئے استغفار نہیں کیا؟ فرماتے ہے میں نے جا کر یہ ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ کہا جب کہ وہ مر گیا پھر میں نہیں جانتا

یہ قول مجاہد کا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ اپنی ماں کے لئے استغفار کریں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔تو آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو پیش کیا۔اس کا جواب آیت: ما کان استغفار ،الخ: میں مل گیا۔فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے مشرکین کے لئے استغفار کیا جاتا تھا اب ممنوع ہوگیا۔ہاں زندوں کیلئے جائز رہا۔لوگوں نے آکر حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ ہمارے بڑوں میں ایسے بھی تھے جو پڑوس کا اکرام کرتے تھے ،صلہ رحمی کرتے تھے،غلام آزاد کرتے تھے،ذمہ داری کا خیال رکھتے تھے۔تو کیا ہم ان کیلئے استغفار نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، میں بھی اپنے والد کیلئے استغفار کرتا ہوں جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے لئے کرتے تھے۔اس پر آیت: ما کان للنبیّ: سے :الجحیم: تک نازل ہوئی۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عذر بیان ہوا اور فرمایا: و ما کان استغفار ،الخ: مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے چند باتیں وحی کی ہیں جو میرے کانوں میں گونج رہی ہیں اور میرے دل میں جگہ پکڑے ہوئے ہیں۔مجھے حکم فرمایا گیا کہ میں کسی اس شخص کے لئے استغفار نہ کروں جو شرک پر مرا ہو اور یہ کہ جو اپنا فالتو مال دے دے اس کیلئے یہی افضل ہے اور جو روک رکھے اس کیلئے برائی ہے۔ہاں برابر سرابر حسب ضرورت پر اللہ تعالیٰ کے ہاں ملامت نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک یہودی مرگیا جس کا ایک لڑکا تھا لیکن وہ مسلمان تھا اس لئے اپنے باپ کے جنازے میں وہ شریک نہ ہوا۔جب عبداللہ بن عباسؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمانے لگے اسے جنازے میں جانا چاہئے تھا اور دفن میں بھی موجود رہنا چاہئے تھے اور باپ کی زندگی تک اس کیلئے ہدایت کی دعا کرنی چاہئے تھی۔ہاں موت کے بعد اسے اس کی حالت پر چوڑ دیتا۔پھر آپ نے آیت: و ما کان استغفار ،الخ: تلاوت فرمائی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ طریقہ نہیں چھوڑا۔اس کے صحت گواہ ابوداؤد وغیرہ کی یہ روایت بھی ہوسکتی ہے کہ ابوطالب کی موت پر حضرت علیؓ آکر کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے بوڑھے چچا گمراہ مر گئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ انہیں دفنا کر سیدھے میرے پاس آؤ،الخ۔مروی ہے کہ جب ابوطالب کا جنازہ حضور اکرم ﷺ کے پاس سے گذرا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تو تجھ سے صلہ رحمی کا رشتہ نبھا چکا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے ایک شخص نے سُنا کہ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جو ابوہریرہ اور اس کے ماں کے لئے استغفار کرے۔تو اس نے کہا باپ کیلئے بھی۔آپ نے فرمایا نہیں اس لئے کہ میرا باپ شرک پر مرا ہے۔

آیت میں فرمان الٰہی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اپنے باپ کا اللہ تعالیٰ کا دُشمن ہونا کھل گیا، یعنی وہ کفر پر ہی مر گیا۔

مروی ہے کہ قیامت کے دن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کا باپ ملے گا۔ نہایت سراسیمگی پریشانی کی حالت میں چہرہ غبار آلود اور کالا پڑا ہوا ہوگا کہے گا کہ ابراہیم! آج میں تیری نافرمانی نہ کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جناب باری تعالیٰ میں عرض کریں گے کہ میرے رب تو نے مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اور میرا باپ تیری رحمت سے دُور ہو کر عذاب میں مبتلا ہو یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ اس پر فرمایا جائے گا کہ اپنی پیٹھ پیچھے دیکھو۔ دیکھیں گے کہ ایک بجو کیچڑ میں لتھڑا ہوا کھڑا ہے۔ یعنی آپ کے والد کے صورت مسخ ہوگئی ہوگی اور اس کے پاؤں پکڑ کر گھسیٹ کر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑی ہی دعا کرنے والا تھا۔ حضور اکرم ﷺ سے: اوّاہ: کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا رونے دھونے والا، اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کرنے والا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں بہت ہی رحم کرنے والا مخلوق رب کے ساتھ نرمی اور سلوک اور مہربانی کرنے والا۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے پورے یقین والا، سچے ایمان والا، توبہ کرنے والا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اواہ: یعنی فقیہ، امام بن جریر کا فیصلہ یہ ہے کہ سب سے بہتر قول ان تمام اقوال میں یہ ہے کہ مراد اس لفظ سے بکثرت دعا کرنے والا ہے الفاظ کے مناسب بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہاں ذکر یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے لئے استغفار کیا کرتے تھے اور تھے بھی بکثرت دعا مانگنے والے۔ بردبار بھی تھے، جو آپ سے بُرا پیش آئے آپ تحمل کر جایا کرتے تھے، باپ نے آپ کو ایذا دی صاف کہہ دیا تھا کہ تو میرے معبودوں سے منہ پھیر رہا ہے تو اگر اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کر مار ڈالوں گا وغیرہ.... لیکن پھر بھی آپ علیہ السلام نے اس کے لئے استغفار کرنے کا وعدہ کرلیا، پس اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہم السلام: اوّاہ: اور حلیم تھے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج 2: ص 402)

سورة الهود

:وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ:(ھود:آیت:45)

ترجمہ: اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہا اے رب العالمین! میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تُو سب سے بڑا حاکم ہے۔

:قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ،اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ،فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ،اِنِّیْٓ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ:(ھود:آیت:46)

ترجمہ: فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں اس کے کام ہیں خراب، سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں، میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جائے تُو جاہلوں میں۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ(الی قولہ)اِنِّیْٓ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ: اور (جب) نوح (علیہ السلام نے کنعان کو ایمان لانے کیلئے فرمایا اور اس نے نہ مانا تو اس کے غرق ہونے کے قبل انہوں) نے (اس امید پر کہ شاید اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی قدرت سے اس کے دل میں ایمان القاء فرما دے اور یہ ایمان لے آوے) اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور آپ کا (یہ) وعدہ بالکل سچا ہے (کہ گھر والوں میں جو ایمان والے ہیں ان کو بچا لوں گا) اور (گو یہ سر دست ایمان والا اور مستحقِ نجات نہیں ہے لیکن) آپ احکم الحاکمین (اور بڑی قدرت والے) ہیں (اگر آپ چاہیں تو اس کو مؤمن بنا دیں تا کہ یہ بھی اس وعدۂ حقہ کا محل بن جائے،

خلاصہ معروض کا دعا تھی اس کے مؤمن ہو جانے کیلئے) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نوح یہ شخص (ہمارے علمِ ازلی میں) تمہارے (ان) گھر والوں میں نہیں (جو ایمان لاکر نجات پاویں گے یعنی اس کی قسمت میں ایمان نہیں بلکہ) یہ (خاتمہ تک) تباہ کار (یعنی کافر رہنے والا) ہے۔ سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں (یعنی ایسے امر محتمل کی دعا مت کرو) میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ) نادان نہ بن جاؤ (یعنی ایسی دعا نادانی کی بات ہے)۔ (بیان القرآن: ج 1: ص 458)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ: اور نوح نے پکارا اپنے رب کو اور کہا اے میرے رب! یہ واقعہ ہے کہ میرا بیٹا (کنعان) میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ بلاشبہ سچا ہے۔ جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں اور تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کرلیا ہے (اس لئے میرے بیٹے کو ڈوبنے سے بچالے) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ڈوبنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے یہ عرض کیا ہو کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا اور تُو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کرلیا تھا، پھر میرے لڑکے کو کیوں نہیں بچایا: وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ: اور تُو سب سے بڑا حاکم ہے۔

:قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ: اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا نوح! حقیقت یہ ہے کہ وہ تیرے اہل میں سے ہی نہیں (مؤمن کا، کافر سے کوئی رشتہ ولایت نہیں) کیونکہ اس کے عمل درست نہیں۔

:فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ: پس تو ایسی بات کا مجھ سے سوال نہ کر جس (کے صحیح یا غلط ہونے) کا تجھے علم نہیں۔

:اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ: میں تجھے قطعی نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جائے۔

:لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ: کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کا ہم مذہب نہیں، آپ کے دین والوں میں سے نہیں یعنی کافر ہیں۔ (تفسیر مظہری اردو: ج 6: ص 36)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

:وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ (الی قوله) اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ: اور حضرت نوح علیہ

السلام نے بیٹے کے غرق ہونے سے پہلے حسرت ولجاجت کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارا کہ شاید اس کی شان ربوبیت سے بیٹے کی نجات کی کوئی صورت نکل آئے پس عرض کیا کہ اے میرے رب تحقیق یہ میرا بیٹا ہے جو ہلاکت کے کنارے پر کھڑا ہے میرے اہل وعیال اور گھر والوں میں سے ہے جن کی نجات کا تو نے وعدہ کیا ہے اور بلاشبہ تیرا وعدہ حق اور صدق ہے۔پس آپ میرے بیٹے کو غرق ہونے سے بچا لیجئے اور آپ تو سب سے بڑے حاکم ہیں۔آپ کے حکم کو کون توڑ سکتا ہے یا ٹلا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: اے نوح! بیشک ہمارا وعدہ حق ہے مگر تیرا بیٹا حقیقت میں تیرے اہل میں سے نہیں ہے جن کے بچانے کا ہم نے وعدہ کیا ہے کیونکہ تحقیق وہ ناشائستہ اور سرتاپا ناکارہ ہے، یعنی کافر ہے۔اور ہمارے ہاں اہلیت کا دارومدار قرابت دین پر ہے نہ کہ قرابت نسبی پر، اور ہم نے شروع ہی میں تم سے کہا تھا: وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ: وہ اشارہ اسی کی طرف تھا۔حکم چونکہ مجمل اور عام تھا لیکن بمقتضائے شفقتِ پدری تم کو اس کے عموم سے ذھول اور نسیان ہوا اس لئے تم بھولے سے یہ سوال کر بیٹھے۔پس آئندہ سے تم مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کرنا جس کا تم کو علم نہ ہو۔تحقیق میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جانا، ایسی دعا مانگنا نادانی کی بات ہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مرضی اور منشاء کو دیکھ کر سوال کرنا چاہئے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ظاہری اور نسبی قرابت کی بناء پر یہ خیال کیا کہ میرا بیٹا بھی میرے اہل میں سے ہے اس لئے دعا فرمائی۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مطلع فرمادیا کہ وہ آپ کے اہل سے نہیں۔نبی کے اصل اہل وہ لوگ ہیں جو نبی پر ایمان لائے اور ایمان لاکر اس کی پیروی کی۔اس بارگاہ میں جسمانی نسب کا اعتبار نہیں بلکہ ایمانی نسبت کا اعتبار ہے۔(معارف القرآن:ج4:ص37)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

بیٹے کے لئے دعا:

پچھلے درس میں گزر چکا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے نافرمان بیٹے کنعان کو بھی کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی مگر اُس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں غرق ہونے سے بچنے کیلئے کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔مگر اسی دوران میں پانی کی ایک زبردست لہر آئی جو کنعان کو بہا کر لے گئی۔اس موقع پر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے اس بیٹے کے حق میں دعا بھی کی تھی جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے۔

:وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ: اور نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا: فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ: اور

کہا، اے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے: وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ : اور تیرا وعدہ بھی برحق ہے: وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ: اور تو سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا وعدہ یہ تھا کہ کشتی میں اپنے گھر والوں کو سوار کرو سوائے ان کے جن کے متعلق بات ہو چکی ہے۔ اس کے ساتھ اہل ایمان کو اور ہر جانور کا جوڑا جوڑا بھی لا دلو، اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کو محفوظ رکھے گا اور باقی سب کو ہلاک کر دے گا۔

وَعْدَكَ الْحَقُّ : سے یہی مراد ہے۔ کہ مولا کریم! تو نے خود فرمایا تھا کہ اپنے اہل کو سوار کر لے مگر یہ نافرمان بیٹا خود انکار کر رہا ہے، تیرا وعدہ بھی برحق ہے اور یہ سوار بھی نہیں ہوتا، آخر اس میں تیری کیا حکمت ہے؟

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا سخت جواب:

حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا کا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بڑی سختی کے ساتھ جواب دیا: قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ: فرمایا: اے نوح! یہ بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ: اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ: یہ سرتاپا بے عمل ہے، ایسا شخص تیرے اہل میں سے کیسے ہو سکتا ہے؟ تیرے اہل میں سے تو ایمان دار ہی ہو سکتے ہیں مگر یہ تو کلیۃً بے عمل ہی بے عمل ہے بہر حال اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا یہ تیرے اہل میں سے نہیں کیونکہ اس کے اعمال بہتر نہیں: فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ: پس نہ سوال کر مجھ سے اس چیز کے بارے میں جس کا تجھے علم نہیں: اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ: میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو نادانوں میں سے ہو جائے گا۔ جس چیز کے متعلق تجھے علم نہیں اُس کا کیوں سوال کرتے ہو؟ (معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج 10: ص 414)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور (جب) نوح (علیہ السلام نے کنعان کو ایمان لانے کیلئے فرمایا اور اس نے نہ مانا تو اس کے غرق ہونے کے قبل انہوں) نے (اس امید پر کہ شاید اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی قدرت سے اس کے دل میں ایمان القاء فرما دے اور ایمان لے آوے) اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور آپ کا (یہ) وعدہ بالکل سچا ہے (کہ گھر والوں میں جو ایمان والے ہیں ان کو بچا لوں گا) اور (گو یہ سر دست ایمان والا اور مستحق نجات نہیں ہے لیکن) آپ احکم الحاکمین (اور بڑی قدرت والے) ہیں (اگر آپ چاہیں تو اس کو مؤمن بنا دیں تا کہ یہ بھی اس وعدۂ حقہ کا محل بن جائے، خلاصہ معروض کا دعاء تھی اس کے مؤمن ہو جانے کیلئے) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے

نوح یہ شخص (ہمارے علمِ ازلی میں) تمہارے (ان) گھر والوں میں نہیں (جو ایمان لاکر نجات پاویں گے یعنی اس کی قسمت میں ایمان نہیں بلکہ) یہ (خاتمہ تک) تباہ کار (یعنی کافر رہنے والا) ہے۔ سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں (یعنی ایسے امر محتمل کی دعا مت کرو) میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں میں داخل نہ ہو جاؤ۔

معارف و مسائل:

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا: کنعان: جب والدِ بزرگوار کی نصیحت اور دعوت کے باوجود کشتی میں سوار نہ ہوا تو اس کو موجِ طوفان میں دیکھ کر شفقتِ پدری نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کیا کہ آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے گھر والوں کو طوفان سے بچائیں گے اور بلاشبہ آپ کا وعدہ حق و صحیح ہے، مگر صورتِ حال یہ ہے کہ میرا بیٹا جو میرے گھر والوں میں داخل ہے وہ طوفان کی نذر ہو رہا ہے اور آپ تو: احکم الحاکمین: ہیں ہر چیز آپ کی قدرت میں ہے، اب بھی اس کو طوفان سے بچا سکتے ہیں۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام کو تنبیہ کی گئی کہ یہ لڑکا آپ کے اہل و عیال میں داخل نہیں رہا کیونکہ اُس کا عمل اچھا نہیں بلکہ تباہ کار ہے، اس لئے آپ کو نہیں چاہئے کہ اس حقیقتِ حال سے بے خبر رہ کر مجھ سے کوئی سوال کریں، ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ نادانوں میں داخل نہ ہو جاؤ۔

کافر اور ظالم کے لئے دعا جائز نہیں:

اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ دعا کرنے والا پہلے یہ معلوم کر لے کہ جس کام کی دعا کر رہے ہیں وہ جائز و حلال ہے یا نہیں۔ مشتبہ حالت میں دعا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ جب اس آیت سے مشتبہ الحال کیلئے دعا کرنے کی ممانعت معلوم ہوئی تو جس معاملہ کا ناجائز و حرام ہونا معلوم ہو اُس کے لئے دُعا کا ناجائز ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا۔

مؤمن و کافر میں رشتۂ اخوت نہیں ہو سکتا:

دوسرا مسئلہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مؤمن اور کافر کے درمیان اگرچہ رشتہ قرابت کا ہو، مگر دینی اور اجتماعی معاملات میں اس رشتہ داری کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ کوئی شخص کتنا ہی عالی نسب ہو، کتنے ہی بڑے بزرگ کی اولاد ہو، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی اولاد میں داخل ہونے کا شرف رکھتا ہو، اگر وہ مؤمن نہیں ہے تو دینی معاملات میں اُس کے اس نسب عالی اور قرابت نبوی ﷺ کا بھی کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا۔ تمام دینی معاملات میں تو: مدارِ کار: ایمان اور صلاح و تقویٰ پر ہے، جو صالح و متقی ہے وہ اپنا ہے جو ایسا نہیں وہ بیگانہ ہے۔

اگر دینی معاملات میں بھی ان رشتہ داریوں کی رعایت ہوتی تو بدر و اُحد کے میدانوں میں بھائی کی تلوار بھائی پر نہ چلتی، بیٹے کی تلوار والد پر اور والد کی تلوار بیٹے پر نہ چلتی، بدر و اُحد اور احزاب کے معرکے تو سب کے سب ایک ہی خاندانوں کے افراد کے درمیان پیش آئے ہیں۔ جس نے واضح کر دیا کہ اسلامی قومیت اور برادری کسی تعلقات یا وطنی اور لسانی وحدتوں پر دائر نہیں ہوتی بلکہ ایمان و عمل پر دائر ہے۔ ایمان والے خواہ کسی ملک کے باشندے اور کسی خاندان کے افراد اور کوئی زبان بولنے والے ہوں سب ایک قوم اور ایک برادری ہیں۔ اور جو ایمان و عملِ صالح سے محروم ہیں وہ اسلامی برادری کے فرد نہیں۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی اس حقیقت کو بہت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: یعنی ہم تم سے بھی بَری ہیں اور تمہارے معبودوں سے بھی۔ (معارف القرآن: ج4: ص705)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ: حضرت نوح علیہ السلام کی یہ ندا طوفان تھم جانے کے بعد تھی یا جس وقت انہوں نے بیٹے کو غرق ہوتے دیکھا اسی وقت یہ ندا کی۔ یعنی اے اللہ! میرا بیٹا تو میرے اہل بیت سے تھا جن کو طوفان سے بچانے کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا اور تیرا وعدہ بھی برحق ہے اس میں تخلف ناممکن ہے اور تُو احکم الحاکمین اور مالک الملک ہے تیرے سامنے کسی کو دم مارنے کی کیا مجال؟ حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو مؤمن سمجھتے تھے اسی لئے یہ سوال کیا ورنہ یہ ناممکن ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام دوسرے کافروں کی ہلاکت چاہیں مگر اپنے کافر بیٹے کی سلامتی کے متمنی ہوں۔

:قَالَ يٰنُوْحُ: فرمایا اے نوح! یہ تیرے ان اہل بیت سے نہیں جن کو نجات دینے کا میں نے وعدہ کیا تھا، کیونکہ اس کے اعمال نیک نہیں بلکہ وہ مشرک ہے اس لئے جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے بارے میں مجھ سے مت سوال کرو۔ دلوں کے بھید تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کے نفاق سے بے خبر تھے اس لئے اس بارے میں سوال کیا۔

(جواہر القرآن: ج2: ص504)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ: اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کو۔ یہ غرق ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی پر سوار ہونے لگے اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس کا چلنا بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نام کے ساتھ ہے اور اس کا لنگر انداز ہونا بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نام کے ساتھ ہے۔ ساتھی سوار

ہو گئے تو بیٹے کو کہا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو۔ وہ نہ مانا۔ جب بچے کی طرف سے نا اُمید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے آگے درخواست کی: فَقَالَ رَبِّ: پس کہا: اے میرے رب! اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ: بیشک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بیشک وعدہ تیرا سچا ہے۔ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر مذکور ہے کہ ہم تجھے بھی بچائیں گے اور تیرے اہل کو بھی۔ اُس وعدے کو حضرت نوح علیہ السلام یاد کروا رہے تھے کہ اے پروردگار! آپ نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں اور تمہاری اہل کو نجات دوں گا۔ اے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے، وہ نافرمان ہے مگر آپ قادر مطلق ہیں، دلوں کو پھیرنے پر قادر ہیں، آپ ہی اس کے دل کو پھیر دیں کہ کلمہ پڑھ کر کشتی میں سوار ہو جائے: وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ: اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے: وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ: اور تُو سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے۔ جتنے فیصلہ کرنے والے ہیں اُن سب میں بڑا فیصلہ کرنے والا تُو ہے، اس کے دل کو پھیر دے۔

جواب میں اللہ نے فرمایا: قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ: اے نوح! بیشک یہ بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ بیٹا تو ہے لیکن اہل میں سے نہیں ہے۔ کیوں نہیں؟: اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ: بیشک اس کے عمل اچھے نہیں ہیں۔ یہ کام اچھے نہیں کرتا یہ کفر پر چلتا ہے۔

: فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ: پس نہ سوال کر مجھ سے اس چیز کا جس کا آپ کو علم نہیں ہے: اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ: بیشک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں اس بات کی کہ نہ ہو جائیں آپ جاہلوں میں سے۔ (ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج9: ص295)

ان آیات کے تحت حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہنے لگا کہ میرے رب! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! یقیناً وہ تیرے گھرانے کے لوگوں میں نہیں ہے، اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہے تجھے ہرگز اس چیز کو نہ مانگنا چاہئے جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں اپنا شمار کرانے سے باز رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے لئے نجات کی دعا اور جواب:

یاد رہے کہ یہ دعا حضرت نوح علیہ السلام کی محض اس غرض سے تھی کہ آپ کو صحیح طور پر اپنے ڈوبے ہوئے لڑکے کا حال معلوم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ پروردگار! یہ بھی ظاہر ہے کہ میرا لڑکا میرے اہل میں سے تھا، اور میرے اہل کو بچانے کا تیرا وعدہ تھا اور یہ بھی ناممکن کہ تیرا وعدہ غلط ہو۔ پھر یہ میرا بچہ کفار کے ساتھ کیسے غرق کر دیا گیا؟ جواب ملا کہ تیری

جس اہل کو نجات دینے کا میرا وعدہ تھا اُن میں تیرا یہ بچہ داخل نہ تھا، میرا یہ وعدہ ایمانداروں کی نجات کا تھا۔ میں کہہ چکا تھا کہ: واھلک الا من سبق علیه القول: یعنی تیری اہل کو بھی تُو کشتی میں چڑھا لے مگر جس پر میری بات چڑھ چکی ہے، یہ بوجہ اپنے کفر کے انہی میں سے تھا جو میرے سابق علم میں کفر والے اور ڈوبنے والے مقرر ہو چکے تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ دراصل حضرت نوح علیہ السلام کا لڑکا تھا ہی نہیں کیونکہ آپ علیہ السلام کے بطن سے نہ تھا، بلکہ بدکاری سے تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آپ کی بیوی کا اگلے گھر کا لڑکا تھا۔ یہ دونوں قول غلط ہیں۔ بہت سے بزرگوں نے صاف لفظوں میں اسے غلط کہا ہے بلکہ حضرت ابن عباسؓ اور بہت سے سلف سے منقول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا کاری نہیں کی۔ پس یہاں اس فرمان سے کہ وہ تیری اہل میں سے ہی نہیں یہی مطلب ہے کہ تیرے جس اہل کی نجات کا میرا وعدہ ہے یہ اُن میں سے نہیں۔ یہی بات سچ ہے اور یہی قول اصلی ہے۔ اس کے سوا کسی اور طرف جانا محض غلطی ہے اور ظاہر خطا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس بات کو قبول نہیں کر سکتی کہ اپنے کسی نبی کے گھر میں زانیہ عورت دے۔ خیال فرمائیے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نسبت جنہوں نے بُہتان بازی کی تھی اُن پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کس قدر غضبناک ہوا؟ اس لڑکے کے اہل میں سے نکل جانے کی وجہ خود قرآن نے بیان فرما دی ہے کہ اس کے عمل نیک نہ تھے۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں ایک قرات: انّه عمل عملا غير صالح: ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے حضرت اسماء بنت یزیدؓ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو: انّـه عمل غير صالح: پڑھتے سُنا ہے اور: يا عبادی الّذين اسرفوا علىٰ انفسهم، الخ: پڑھتے سُنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوا کہ: فخانتا هما: کا کیا مطلب ہے؟ آپؓ نے فرمایا اس سے مُراد زنا نہیں بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت تو یہ تھی کہ لوگوں سے کہتی تھی یہ مجنون ہے۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جو مہمان آپ کے ہاں آتے اپنی قوم کو خبر کر دیتی۔ پھر آپ نے آیت: انه عمل غير صالح: پڑھی۔ حضرت سعید بن جبیرؒ سے جب حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جل شانہ سچا ہے اس نے اسے حضرت نوح علیہ السلام کا لڑکا فرمایا ہے پس وہ یقیناً حضرت نوح علیہ السلام کا ثابت النسب لڑکا ہی تھا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے: ونادا نوح ابنه: اور یہ بھی یاد رہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا کاری نہیں کی ایسا ہی حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے اور یہی ابن جریر کا پسندیدہ ہے۔ اور رفع الواقع ٹھیک اور صحیح بات بھی یہی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج2: ص482)

سورة الهود

:وَلَاتَرْكَنُوْآاِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْافَتَمَسَّكُمُ النَّارُ،وَمَالَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَاتُنْصَرُوْنَ:(هود:113)

ترجمہ: اورمت جھکواُن کی طرف جوظالم ہیں پھرتم کو لگے گی آگ اورکوئی نہیں تمہارااللہ تعالیٰ کے سوا مددگار پھرکہیں مدد نہ پاؤ گے۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

(اے مسلمانو!ان)ظالموں کی (یا جوان کی مثل ہوں ان کی)طرف (باعتبار دوستی یا شرکت اعمال واحوال کے)مت جھکو،کبھی تم کودوزخ کی آگ لگ جاوے اور(اس وقت)خدا تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی رفاقت کرنے والا نہ ہو پھرتمہاری حمایت کسی طرف سے بھی نہ ہو(کیونکہ رفاقت تو حمایت سے سہل ہے، جب رفاقت کرنے والا بھی کوئی نہیں تو حمایت کرنے والا کون ہوتا ہے)۔

مسائل السلوک:

:وَلَاتَرْكَنُوْآاِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْافَتَمَسَّكُمُ النَّارُ:اس میں مداہنت اورباوجودقدرت کے نکیر نہ کرنا اوران کی وضع اختیار کرنا اوران کی تعظیم بدون ضرورت شرعیہ کے ان کی مجالست سب اسی نہی میں داخل ہوگیا۔

(بیان القرآن:ج1:ص472)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناءاللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَلَاتَرْكَنُوْآاِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْافَتَمَسَّكُمُ النَّارُ: اورظالموں کی طرف نہ جھکو کہ اس میلان کی وجہ سے تم کوبھی آگ لگ جائے گی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: رکـــون: سے مراد ہے محبت اور دل کا جھکاؤ، یعنی دل سے مائل نہ ہو۔ حضرت ابو العالیہ نے کہا: ظالموں کے اعمال پسند نہ کرو۔ حضرت سدی نے کہا: ظالموں کے معاملہ میں چشم پوشی اور مداہنت نہ کرو۔ حضرت عکرمہ نے کہا: ظالموں کا کہا نہ مانو۔ بیضاوی نے لکھا ہے: ادنیٰ جھکاؤ بھی ظالموں کی طرف نہ کرو۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھ مؤمنوں کو اس آیت میں خطاب کی غرض یہ ہے کہ استقامت یعنی عدل پر ثابت قدم رہیں (افراط وتفریط کی طرف مائل نہ ہوں) افراط وتفریط کی طرف جھکاؤ سے اپنے اوپر ظلم ہو یا دوسرے پر، وہ تو: فی نفسہ: ظلم ہے (خواہ اس کی زد کسی پر پڑے یا نہ پڑے)۔

:وَ مَالَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَاتُنْصَرُوْنَ: اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا، پھر تمہاری مدد (کہیں سے بھی) نہیں کی جائے گی۔

:اَوْلِيَآءَ: یعنی مددگار جو عذاب کو دفع کرسکیں۔ :ثُمَّ لَاتُنْصَرُوْنَ: یعنی پھر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نہیں کرے گا، تم کو عذاب دینے کا محکم ازلی فیصلہ ہے۔

:ثُمَّ: استبعاد کے لئے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے تمہاری مدد ہونا بہت بعید (ناممکن) ہے، یا کسی طرف سے بھی تمہاری مدد ممکن نہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ عذاب دینا طے کرلے اس کی مدد کون کرسکتا ہے۔

(تفسیر مظہری اردو: ج6: ص 72)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

اور ظالموں یعنی حد سے نکلنے والوں کی طرف جھکو بھی مت، تو عصیان وطغیان تو بڑی چیز ہے، ظالموں اور فاسقوں کی طرف تو تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی بہت بُرا اور خطرناک ہے، کیونکہ اندیشہ ہے کہ ظالموں اور نافرمانوں کی طرف میلان اور رغبت کی بناء پر تم کو دوزخ کی آگ نہ لگ جائے اور ان کے ساتھ تم بھی آگ کی لپیٹ میں نہ آجاؤ۔

ظالموں کی طرف میلان کے معنی یہ ہیں کہ ان کے طور وطریق اور ان کے حال اور وضع کو پسند کرنے لگو جیسے کوئی انگریزی یا ہندوانی وضع قطع اختیار کرلے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو کافروں کی وضع پسند ہے۔ اور جب ظالموں کی طرف جھکنے والوں کا یہ حال ہے تو سمجھ لو کہ خود ظالم کا کیا حال ہوگا۔

اس آیت میں اہل طغیان اور اہل عصیان کی طرف میلان کی ممانعت فرمائی، اور بتایا کہ کسی ظالم اور نافرمان کی طرف جھکو بھی نہیں، اندیشہ ہے کہ وہ تم کو کھینچتے کھینچتے دین کے دائرہ سے باہر نہ نکال دیں اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہیں، پھر اگر تم ان ظالموں کی طرف مائل ہوئے تو سمجھ لو کہ تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ ان لوگوں کی مدد نہیں کرتا جو اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف مائل اور راغب ہوں اور اے بندے! تو ان ظالموں کو چھوڑ اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جا۔

:وَلَاتَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا: میں اشارہ اس طرف ہے کہ بے دینوں کی شان وشوکت دیکھ کر ان کی طرف مائل نہ ہو جانا اور ان کی رسوم اور ان کے طور وطریق اور معاشرۃ کو اختیار نہ کرنا۔ اور اس میں اہل دنیا اور فساق وفجار سے علیحدہ رہنا مراد ہے۔ (معارف القرآن:ج4:ص83)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ارشاد ہوتا ہے:وَلَاتَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا: اور آپ نہ جھکیں یعنی نہ مائل ہوں اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا۔ اگر ایسا کرو گے:فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ:تو تم کو بھی جہنم کی آگ چھوئے گی۔ مطلب یہ ہے کہ ظالموں کے ساتھ میلان رکھنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالم کی حمایت کرنے سے بھی منع فرمادیا ہے۔

فرمایا: آگے جب جزائے عمل کی منزل آئے گی:وَمَالَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ :تو اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہوگا۔ تم سمجھتے ہو کہ اگر دنیا میں کسی کی حمایت کریں گے تو وہ اگلے جہاں میں چھڑا لے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دربار میں کسی کو لب کشائی کی بھی ہمت نہیں ہوگی:ثُمَّ لَاتُنْصَرُوْنَ: پھر ان کی مدد بھی نہیں کی جائے گی اور ایسے لوگ بے یار ومددگار رہ جائیں گے۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن:ج10:ص554)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

(اے مسلمانو! ان) ظالموں کی طرف (یا جو ان کی مثل ہوں ان کی طرف دلی دوستی سے یا اعمال واحوال میں مشارکت ومشابہت سے) مت جھکو، کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے اور (اس وقت) خدا تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی رفاقت کرنے والا نہ ہو پھر تمہاری حمایت کسی طرف سے بھی نہ ہو (کیونکہ رفاقت تو حمایت سے سہل ہے، جب رفاقت کرنے والا بھی کوئی نہیں تو حمایت کرنے والا کون ہوتا ہے)۔

معارف ومسائل:

اس آیت میں انسان کو خرابی اور بربادی سے بچانے کیلئے ایک اہم ہدایت نامہ دیا گیا ہے۔

:وَلَاتَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ: یعنی ظالموں کی طرف ادنیٰ میلان بھی نہ رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے ساتھ تمہیں بھی جہنم کی آگ لگ جائے۔

آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ظلم و جور میں خود مبتلا ہونے کو تو دین و دنیا کی تباہی سبھی جانتے ہیں مگر ظالموں کی طرف ادنیٰ سا جھکاؤ اور میلان، اُن سے راضی ہونا، اُن پر اعتماد کرنا بھی انسان کو اُسی بربادی کے کنارے لگا دیتا ہے۔

اس جھکاؤ اور میلان سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کے چند اقوال منقول ہیں، جن میں کوئی تعارض و اختلاف نہیں، سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

حضرت قتادہؒ نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ ظالموں سے دوستی نہ کرو اور ان کا کہنا نہ مانو۔ ابن جریجؒ نے فرمایا: کہ ظالموں کی طرف کسی طرح کا بھی میلان نہ رکھو۔ ابوالعالیہؒ نے فرمایا: کہ ان کے اعمال و افعال کو پسند نہ کرو۔ سدیؒ نے فرمایا: کہ ظالموں سے مداہنت نہ کرو۔ یعنی ان کے بُرے اعمال پر سکوت یا رضا کا اظہار نہ کرو۔ عکرمہؒ نے فرمایا کہ: ظالموں کی صُحبت میں نہ بیٹھو۔ قاضی بیضاویؒ نے فرمایا کہ شکل و صورت اور فیشن اور رہن سہن کے طریقوں میں ان کا اتباع کرنا یہ سب اسی ممانعت میں داخل ہیں۔

قاضی بیضاویؒ نے فرمایا کہ ظلم و جور کی ممانعت اور حرمت کے لئے اس آیت میں وہ انتہائی شدت ہے جو زیادہ سے زیادہ تصور میں لائی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ظالموں کے ساتھ دوستی اور گہرے تعلق ہی کو نہیں بلکہ ان کی طرف ادنیٰ درجہ کے میلان اور جھکاؤ اور ان کے پاس بیٹھنے کو بھی اس میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل کفر اور اہل معصیت اور اہل بدعت کی صحبت سے اجتناب اور پرہیز واجب ہے۔ بجز اس کے کہ کسی مجبوری سے اُن سے ملنا پڑے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ انسان کی صلاح و فساد میں سب سے بڑا دخل صحبت اور ماحول کا ہوتا ہے۔ (معارف القرآن: ج 4: ص 754)

اس آیت کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا: اللہ تعالیٰ کی حدود توڑنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے باغیوں کی طرف تمہارے دلوں میں ادنیٰ سا میلان بھی نہ پایا جائے ورنہ تم بھی ان کے ساتھ شریک عذاب ہو جاؤ گے۔

:فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ: یعنی ظالموں کی طرف ادنیٰ میلان کی وجہ سے تم بھی عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے، حالانکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوگا۔ (جواہر القرآن: ج 2: ص 515)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا: اور نہ جھکو اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا، یعنی جو پارٹی شریعت

کے خلاف ہو اُن کی طرف مائل نہ ہو: فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ: پس چھوئے گی تم کو آگ۔ کیونکہ ظالموں کی طرف مائل ہونے کا مطلب یہ کہ تمہارا قارورہ اُن کے ساتھ ملتا ہے۔

بڑی حیرانگی کی بات ہے کہ آج لوگوں نے مفت ومفت دوزخ خریدی ہوئی ہے کہ ظالموں کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ وہ ظلم کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور یہ ظلم کے ساتھ تعاون اور اُن کے ساتھ میل جول رکھنے کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔

وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ اور نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے کوئی سازگار، مددگار کوئی نہیں ہوگا، اور یہ بھی یاد رکھو! ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ: پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ جل شانہ پکڑے گا تو کوئی مددگار نہیں ہوگا، لہٰذا حق کا ساتھ دو اور جو ذہنی طور پر ظالم ہیں ان کا ساتھ نہ دو۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج9: ص397)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

دیکھو! ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی آگ کا لوگ جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا مددگار نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ تم مدد دیئے جاؤ گے۔

شرک کی طرف نہ جھکو، مشرکین کے اعمال پر رضامندی کا اظہار نہ کرو، ظالموں کی طرف نہ جھکو، ورنہ آگ تمہیں پکڑے گی۔ ظالموں کی طرف داری اُن کے ظلم پر مدد ہے، یہ ہرگز نہ کرو۔ اگر ایسا کیا تو کون ہے جو تم سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عذاب کو ہٹائے؟ اور کون ہے جو تمہیں اس سے بچائے۔ (تفسیر ابن کثیر: ج2: ص501)

سورة النّور

:اَلزَّانِیُ لَایَنْکِحُ اِلَّازَانِیَۃً اَوْمُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَایَنْکِحُھَااِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِکٌ،وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ:(نور آیت:3)

ترجمہ: بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر عورت بدکار سے یا شرک والی سے اور بدکار عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

(زنا ایسی گندی چیز ہے کہ اس سے طبعیت میں ایک ایسا بُرا مادہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسے شخص کی بُری چیز کی طرف رغبت ہوتی ہے، اسی طرح ایسے شخص کی طرف بُرے آدمی کی رغبت ہوتی ہے، چنانچہ)زانی (من حیث الزانی رغبت الی الزنا کے اعتبار سے)نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے (جس سے یہ ثابت ہوئی کہ ایسے شخص کی بُری چیز کی طرف رغبت ہوتی ہے)اور (اسی طرح)زانیہ (من حیث الزانیہ)کے ساتھ بھی (رغبت الی الزنا کے اعتبار سے)اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے (جس سے یہ ثابت ہوئی کہ ایسے شخص کی طرف بُرے آدمی کی رغبت ہوتی ہے)اور یہ (ایسا نکاح جو زانیہ من حیث الزانیہ کے ساتھ جس کے لوازم میں سے اس عورت کا زانیہ رہنا، یا مشرکہ کے ساتھ ہو)مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ)کیا گیا ہے (گو صحت وعدم صحت میں دونوں متفاوت ہوں کہ زانیہ سے تو صحیح ہو جاوے گا اور مشرکہ سے باطل ہی رہے گا)۔

مسائل السلوک:

:الزانی لا ینکح:روح میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ:اخیار:کو:اشرار:سے میل جول نہ رکھنا چاہئے۔

(بیان القرآن:ج2:ص687)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناءاللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:اَلزَّانِیْ لَایَنْکِحُ اِلَّازَانِیَۃً اَوْمُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَایَنْکِحُھَااِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِکٌ: زنا کرنے والا نکاح نہیں کرتا مگر زنا کرنے والی سے یا شرک کرنے والی سے اور زانیہ سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک۔

ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے بروایت عمرو بن شعیب از شعیب از جد عمرو بیان کیا ہے کہ مرثد نام کا ایک آدمی تھا جو مکہ سے قیدیوں کو سوار کر کے لا رہا تھا تا کہ ان کو مدینہ پہنچا دے، مکہ میں اس کی ایک عورت دوست تھی جس کا نام عناق تھا، مرثد نے حضور اکرم ﷺ سے عناق کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضور اکرم ﷺ نے اُس وقت کچھ جواب نہیں دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ نزولِ آیت کے بعد حضور اکرم ﷺ نے مرثد کے سامنے یہ آیت :وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ: تلاوت فرمائی اور فرمایا: تم اس سے نکاح مت کرو۔

:وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ: اور یہ فعل مسلمانوں کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔

(تفسیر مظہری اردو: ج8: ص204)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ایک مؤمن، مؤمن رہتے ہوئے یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ جان بوجھ کر ایک بدکار عورت یا کافرہ عورت سے جو اپنی بدکاری اور کفر پر مصر اور قائم ہو، ازدواجی تعلق قائم کرے۔

امام نسفیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا مقصود بدکار اور زنا کار عورتوں سے نکاح کرنے سے نفرت دلانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اور اہل اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ سوائے مسلمان پاکدامن عورتوں کے کسی عورت سے نکاح کی طرف راغب نہ ہوں، اس لئے کہ زانی اور بدکار مرد کا میلان اور رغبت اسی عورت کی طرف ہوتا ہے کہ جو زنا اور بدکاری میں اس کے مذہب پر ہو یا اس عورت کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے جو سرے سے ایمان ہی کی قائل نہ ہو، چہ جائیکہ وہ عفت اور پاک دامنی میں کچھ غور و فکر کرے اور: عَلٰی ھٰذَا لقیاس: زانیہ اور بدکار عورت کا میلان دو شخصوں میں سے کسی ایک کی طرف ہوتا ہے یا تو زانی مرد کی طرف یا کسی کافر اور مشرک مرد کی طرف جو زانی سے بھی بدتر ہے اور کسی حلال و حرام کا قائل نہیں۔ (معارف القرآن: ج5: ص397)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

زانی (اپنے زانی اور راغب الی الزنا ہونے کی حیثیت سے) نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ

عورت کے اور (اسی طرح) زانیہ کے ساتھ بھی (اس کے زانیہ اور راغب الی الزنا ہونے کی حیثیت سے) اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ (ایسا نکاح جو زانیہ کے زانیہ ہونے کی حیثیت کے ساتھ ہو جس کا نتیجہ آئندہ بھی اس کا مبتلائے زنا رہنا ہے یا کسی مشرک عورت کے ساتھ ہو) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے (گو صحت وعدم صحت میں دونوں میں فرق ہو کہ زانیہ بحیثیت زانیہ سے کوئی نکاح کر ہی لے تو نکاح ہونے کے باوجود نکاح منعقد اور صحیح ہو جائے گا اور مشرک سے نکاح کیا تو ناجائز و گناہ ہونے کے علاوہ وہ نکاح ہی نہیں ہوگا بلکہ باطل ہوگا۔

مشرک سے مسلمان مرد کا نکاح اور مشرک سے مسلمان عورت کا نکاح حرام ہونا تو دوسری نصوص قرآن سے بھی ثابت ہے اور تمام امت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے۔(معارف القرآن:ج6:ص 441)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً: زانی مرد نہیں نکاح کرتا مگر زانیہ عورت کے ساتھ یا مشرک عورت کے ساتھ۔ کیونکہ اس کا طبعی رجحان بُرائی کی طرف ہوتا ہے:وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ: اور جو زانیہ عورت ہے نہیں نکاح کرتا اس سے مگر زانی مرد یا مشرک مرد:وَحُرِّمَ ذٰلِکَ:اور یہ زنا حرام کر دیا گیا:عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ:مومنوں پر۔(ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن:ج 14:ص 27)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

زانی مرد بجز زانیہ یا مشرک عورت کے اور سے زنا کاری نہیں کر سکتا اور زنا کار عورت بھی بجز زانی یا مشرک مرد کے اور سے بدکاری نہیں کرتی، ایمان والوں پر یہ حرام ہے۔(تفسیر ابن کثیر:ج3:ص 515)

سورة الفرقان

:وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا:

(فرقان:آیت:27)

ترجمہ: اور جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا گنہگار اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش کہ میں نے پکڑا ہوتا رسول کے ساتھ راستہ۔

:يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا:(فرقان:آیت:28)

ترجمہ: اے خرابی میری کاش کہ نہ پکڑا ہوتا میں نے فلانے کو دوست۔

:لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ،وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا:

(فرقان:آیت:29)

ترجمہ: اس نے تو بہکا دیا مجھ کو نصیحت سے مجھ تک پہنچ چکنے کے بعد، اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور جس روز ظالم (یعنی کافر آدمی غلبۂ حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کاوے گا (اور) کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسول کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ لیتا، ہائے میری شامت (کہ ایسا نہ کیا اور) کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اُس (کم بخت) نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے اس سے بہکا دیا (اور ہٹا دیا) اور شیطان تو انسان کو (عین وقت پر) امداد کرنے سے جواب دے دیتا ہے (چنانچہ اُس کافر کی اُس حسرت کے وقت اُس نے کوئی ہمدردی نہ کی کو کرنے سے بھی کچھ نہ ہوتا صرف دنیا ہی میں بہکانے کو تھا)۔

فائدہ: آیت:یوم یعض الظّالم: میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے جو درمنثور میں بالفاظ مختلفہ مروی ہے۔حاصل مجموع کا یہ ہے کہ عقبہ بن ابی محیط نے ایک بار ایک مجلس دعوت میں جناب رسول کریم ﷺ کو بلایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تُو اسلام نہ لاوے گا میں دعوت نہ مانوں گا، اُس نے کلمہ پڑھ لیا، آپ ﷺ دعوت میں شریک ہو گئے۔یہ خبر ابی بن خلف کو جو کہ اُس کا دوست تھا پہنچی اُس نے ملامت کی۔عقبہ نے جواب دیا کہ میں نے بمصلحت اُن کی خاطر سے ظاہراً کلمہ پڑھ لیا تھا، دل سے اسلام نہیں لایا تھا، غرض وہ کافر کا کافر ہی رہا تو قیامت میں اُس کو اس کی حسرت ہوگی اور گو اوّل بھی اس نے کلمہ دل سے نہ پڑھا تھا مگر اُس کی دوستی کو یہ دخل ہے کہ اُس کا کلمہ پڑھنا اس کے نرم مزاجی پر دال ہے، اگر ابی بن خلف سے دوستی نہ ہوتی تو شاید اس ظاہری تاثر سے باطنی تاثر بھی ہو جاتا مگر دوستی کی بدولت بُعد زائد اور حرمان دائم ہو گیا۔

مسائل السلوک:

آیت میں اشرار کی صحبت سے بچنے کی تعلیم ہے اور شریر اسے کہتے ہیں جو ذکرِ الٰہی سے بعید ہونے کا سبب بن جائے۔(بیان القرآن:ج2:ص715)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجدّدی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ: اور جس روز کہ ظالم (افسوس سے) اپنے دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹے گا (اور) کہے گا کاش میں رسول کے ساتھ (ان کی) راہ پکڑ لیتا۔

ضحاک نے کہا جب عقبہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر تھوک پھینکا تو اس کا تھوک لوٹ کر اسی کے رخساروں پر آپڑا، جس سے دونوں رخسار جل گئے اور مرتے دم تک جلنے کا نشان نہیں گیا۔

: يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا: یعنی کاش میں محمد (ﷺ) کا اتباع کر لیتا اور ان کی معیت میں ہدایت کا راستہ اختیار کر لیتا جو ایک ہی ہے اور مجھے گمراہی کی طرف نہیں لے جاتا۔

:يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا: ہائے افسوس کاش میں فلاں (یعنی ابی بن خلف) کو دوست نہ بناتا۔

:لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ: اس نے قطعاً مجھے ذکر (خداوندی) کی طرف سے گمراہ کر دیا بعد اس کے کہ ذکر میرے پاس آچکا تھا۔

:وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا: اور شیطان انسان کو بے مدد چھوڑنے والا ہے۔

ان آیات کا مورد اگر چہ خاص ہے لیکن عموم عبارت کے زیر اثر حکم عام ہے۔ جو دوست گناہ پر دوستی کو قائم رکھے ہوں ان کو آیت کا حکم شامل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: (عام طور پر) آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے، اس لئے اس کو (پہلے سے) دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: آدمی اسی کے ساتھ ہوگا (یا ہوتا ہے) جس سے اس کو محبت ہوگی (یا محبت ہے)۔ (تفسیر مظہری اردو: ج8: ص348)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

اور جس دن ظالم (کو اپنی بدکاری یاد آوے گی اور حسرت وندامت سے) اپنے دونوں ہاتھوں پر دانت مارے گا (کہ ان کو چبا جائے جیسے حسرت کرنے والا کیا کرتا ہے اور بار بار کہے گا کہ) کاش میں دنیا میں رسول کے ساتھ راہ بنالیتا، ہائے میری ہلاکت اور بربادی، کاش میں (دنیا میں) فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا، بیشک اسی فلانے دوست نے مجھ کو نصیحت (اور ہدایت سے) بہکایا جب کہ وہ نصیحت اور ہدایت میرے پاس آچکی تھی اور شیطان تو انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔ (معارف القرآن: ج5: ص498)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اُس دن حالت یہ ہوگی: وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ: کہ ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے: يَقُوْلُ: اور نہایت افسوس کے ساتھ کہیں گے: يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا: کاش کہ میں نے دنیا میں رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ وہاں تو میں اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی تکذیب کرتا رہا، ان کی رسالت پر بے ہودہ اعتراض کرتا رہا، اُن کو تکلیفیں پہنچاتا رہا، کاش کہ میں ان کے راستہ پر چلتا تو آج ذلیل وخوار نہ ہوتا۔

ایک تو انبیاء کرام علیہم السلام سے دُور رہنے کی وجہ سے حسرت کرے گا اور دوسری بات یہ کرے گا: يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا: ہائے میری خرابی! افسوس، میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ دنیا میں نبی کو چھوڑ کر دوسروں کو پیشوا بنایا، اُن کی رہنمائی میں زندگی میں غلط راستے پر چلتا رہا، خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کی لیڈری چمکاتا رہا، مگر اب پتہ چلا کہ وہ سب دھوکہ تھا۔ کاش کہ اِن کی بجائے نبی کے بتائے ہوئے راستے کو اختیار کرتا تو آج کامیاب وکامران ہوتا۔

پھر ظالم شخص حسرت کے ساتھ یہ بھی کہے گا: لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ: جب میرے پاس نصیحت آئی، خدا تعالیٰ کا کلام آیا، نبی ﷺ کا فرمان آیا تو اِن بد بخت نام نہاد رہنماؤں نے مجھے گمراہ کر دیا۔ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو چھوڑ کر اِن کے پیچھے چل پڑا تو آج یہ روزِ بد دیکھنا نصیب ہوا۔ کاش کہ میں ان جھوٹے خداؤں کے بہکاوے میں نہ آتا، یہ سارا شیطان ہی کا بہکاوا تھا: وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا: اور شیطان تو انسان کے حق میں سراسر دھوکہ دینے والا ہے۔

اچھی اور بُری مجلس:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ صالح ہم نشین کستوری والے کی مانند ہے اس کے پاس بیٹھو گے تو کستوری خریدو گے جو کہ اچھی چیز ہے، اور اگر نہ بھی خریدو تو کم از کم اس کی خوشبو تو پاؤ گے۔ اور بُرے ہم نشین کی مثال بھٹی والے کی ہے اس کے پاس بیٹھنے سے اوّل تو چنگاریوں سے کپڑے جلا بیٹھو گے ورنہ دھواں اور بدبو تو بہر حال تمہارے حصے میں آئے گی۔ اور ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت میں آتا ہے: لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا: صرف مومن کی رفاقت اختیار کرو، کسی غلط آدمی کے قریب نہ جاؤ۔

مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ کافر، مشرک اور دہریہ کے ساتھ دوستی اور ہم نشینی پر فخر کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہمارے اور اُن کے خیالات یکساں ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ کجا ایک مردِ مومن کے پاکیزہ خیالات اور کجا ایک کافر کے باطل خیالات؟؟؟ اسی لئے فرمایا کہ مومن کے سوا کسی دوسرے کی رفاقت اختیار نہ کرو۔

حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: لَا یَاْکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ: تمہارا کھانا صرف متقی آدمی کو کھانا چاہئے۔ کسی نیک آدمی کی، محبت کے ساتھ دعوت کرو گے تو اس کی وجہ سے اُس میں توانائی آئے گی، وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عبادت کرے گا تو اس میں تمہیں بھی حصہ ملے گا۔ اس کے برخلاف اگر فاسق فاجر لوگوں کو کھلاؤ گے تو وہ لہو ولعب میں مشغول ہوں گے، نافرمانی (اور گستاخی) کے کام کریں گے اور اُن کی بُرائی میں تمہارا حصہ بھی ہوگا۔

صحبت کا اثر:

حضور اکرم ﷺ نے بُری رفاقت سے بھی منع فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ہے: اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ: آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوا کرتا ہے۔ فرمایا: تم میں سے ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس کی دوستی کس کے ساتھ ہے۔ اگر بدعقیدہ اور مشرک کے ساتھ دوستی کرو گے تو تمہارا عقیدہ بھی خراب ہونے کا خطرہ ہے۔ مرزائی، عیسائی، یہودی اور دہریئے کی صحبت اختیار کرو گے تو تم پر بھی ویسا ہی اثر ہوگا۔ اور اگر پاکیزہ اور دین دار لوگوں

کے پاس بیٹھو گے تو تمہارا عقیدہ بھی پاکیزہ ہوگا۔

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ: انجام کے اعتبار سے آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی۔

بزرگانِ دین کا بھی مقولہ ہے: صُحْبَةُ الْاَشْرَارِ تُوْرِثُ بُغْضَ الْاَخْيَارِ: یعنی اگر تم بُرے لوگوں کی صحبت اختیار کرو گے تو نیک لوگوں کے لئے تمہارے دل میں نفرت پیدا ہوگی۔

حضرت مالک ابن دینارؒ فرماتے ہیں:

نیک لوگوں کے ساتھ پتھر اُٹھانے جیسی سخت محنت کرنا اِس بات سے بہتر ہے کہ کوئی شخص بُرے لوگوں میں بیٹھ کر حلوہ کھائے۔ مطلب یہ کہ نیک لوگوں کی رِفاقت بہرحال انجام کے لحاظ سے بہتر ہے اگر چہ بُری مجلس میں بظاہر کوئی فائدہ بھی نظر آتا ہو۔ (معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج14: ص 74)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور جس روز ظالم (یعنی کافر آدمی غایتِ حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاوے گا (اور) کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسول کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ لیتا، ہائے میری شامت (کہ ایسا نہ کیا اور) کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اُس (کم بخت) نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے اس سے بہکا دیا (اور ہٹا دیا) اور شیطان تو انسان کو (عین وقت پر) امداد کرنے سے جواب دے دیتا ہے۔

:يَقُوْلُ لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا: یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے مگر حکم عام ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ عقبہ بن ابی معیط مکہ کے مشرک سرداروں میں سے تھا اس کی عادت تھی کہ جب کسی سفر سے واپس آتا تو شہر کے معزز لوگوں کی دعوت کرتا تھا اور اکثر رسول اللہ ﷺ سے بھی ملا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حسبِ عادت اُس نے معززین شہر کی دعوت کی اور رسول اللہ ﷺ کو بھی بُلایا۔ جب اُس نے آپ ﷺ کے سامنے کھانا رکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارا کھانا اُس وقت تک نہیں کھا سکتا جب تک تم اس کی گواہی نہ دو کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ایک ہے اُس کا کوئی شریک عبادت میں نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا رسول ہوں۔ عقبہ نے یہ کلمہ پڑھ لیا اور رسول اللہ ﷺ نے شرط کے مطابق کھانا تناول فرمایا۔

عقبہ کا ایک گہرا دوست ابی بن خلف تھا جب اُس کو خبر لگی کہ عقبہ مسلمان ہو گیا تو یہ بہت برہم ہوا۔ عقبہ نے عذر کیا کہ قریش کے معزز مہمان محمد ﷺ میرے گھر پر آئے ہوئے تھے اگر وہ بغیر کھانا کھائے میرے گھر سے چلے جاتے تو

میرے لئے بڑی رسوائی تھی اس لئے میں نے ان کی خاطر سے یہ کلمہ کہہ لیا۔ابی بن خلف نے کہا کہ میں تیری ایسی باتوں کو قبول نہیں کروں گا جب تک تو جا کر اُن کے منہ پر نہ تھوکے (معاذاللہ)۔یہ کمبخت بدنصیب دوست کے کہنے سے اس گستاخی پر آمادہ ہوگیا اور کر گزرا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے دنیا میں بھی ان دونوں کو ذلیل کیا کہ غزوۂ بدر میں دونوں مارے گئے ،اور آخرت میں ان دونوں کے عذاب کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ جب آخرت کا عذاب سامنے دیکھے گا تو اس وقت ندامت وافسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا کہ کاش میں فلاں یعنی ابی بن خلف کو دوست نہ بناتا۔

غلط کار اور بے دین دوستوں کی دوستی قیامت کے روز حسرت وندامت کا باعث ہوگی:

یہ آیات اگرچہ خاص عقبہ کے واقعہ میں نازل ہوئی تھیں لیکن جیسا کہ الفاظ آیت کے عام ہیں حکم بھی عام ہے اور شاید اس جگہ اُس دوست کے نام کے بجائے قرآن میں:فلانا: کا لفظ اسی عموم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔

ان آیات نے یہ بتلایا ہے کہ دو دوست کسی معصیت اور گناہ پر جمع ہوں اور خلافِ شرع امور میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے ہوں ان سب کا یہی حکم ہے کہ قیامت کے روز اس گہرے دوست کی دوستی پر روئیں گے۔

مسند احمد،ترمذی،ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا :لاتصاحب الاّ مؤمنا ولا یأکل طعامک الاّ تقیّ: کسی غیر مسلم کو اپنا ساتھی نہ بناؤ اور تمہارا مال (بطور دوستی کے) صرف متقی آدمی کھائے۔یعنی غیر متقی سے دوستی نہ کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:المرء علیٰ دین خلیله فلینظر من یخالل: ہر انسان (عادۃً) اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر چلا کرتا ہے،اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کرلیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ہمارے مجلسی دوستوں میں کون لوگ بہتر ہیں؟تو آپ ﷺ نے فرمایا:من ذکرکم باللّٰہ رؤیته وزاد فی علمکم منطقه وذکرکم بالآخرة عمله: وہ شخص جس کو دیکھ کر خدا تعالیٰ جل شانہ یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارا علم بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔(معارف القرآن:ج6:ص 587)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ : قیامت کے دن مشرکین و کفار حسرت وندامت سے انگلیاں کاٹے گے اور کہیں گے کاش! ہم نے پیغمبروں پر ایمان لاکر اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے برکات دہندہ ہونے کو مان لیا ہوتا۔

:يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ : کاش میں فلاں فلاں داعیانِ شرک اور صنادیدِ کفر سے دوستی نہ گانٹھتا اور ان کی پیری نہ کرتا۔:لَقَدْ اَضَلَّنِيْ :ان ظالموں نے تو مجھے راہِ توحید اور دعوی تبارک سے ہٹا دیا۔(جواہر القرآن:ج2:ص 801)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

شان نزول: :وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ:اور جس دن کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو۔اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک کافر تھا جس کا نام عقبہ ابن ابی معیط تھا۔یہ بڑا ہتھ چھٹ اور منہ پھٹ آدمی تھا۔اس شخص نے حضور اکرم ﷺ کے گلے مبارک میں رسی ڈال کر دبانے کی کوشش کی تھی اور حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس کو دھکا دے کر حضور اکرم ﷺ کو چھڑایا اور فرمایا تھا:اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللّٰہ:او ظالمو!اس لئے اس کو شہید کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ ہے۔

اسی شخص نے حضور اکرم ﷺ پر سجدے کی حالت میں اُجھڑی لاکر حضور اکرم ﷺ کی گردن مبارک پر رکھ دی تھی اور پھر حضرت فاطمہؓ نے اُتاری تھی۔

ایک موقع پر اس کو خیال آیا کہ محمد ﷺ سچے ہیں اور ہم ان پر زیادتی کر رہے ہیں اور قرآن کریم بھی سچا ہے ہمیں سچائی قبول کر لینی چاہئے۔چنانچہ اس نے حق کو قبول کر لیا۔اس کا بڑا گہرا دوست تھا اُمیہ بن خلف۔اس کو معلوم ہوا تو وہ دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا:عقبہ!میں نے سنا ہے کہ تو: صابی: ہو گیا ہے؟ اُس وقت اہل حق کو: صابی: کہتے تھے۔عقبہ نے کہا کہ میرا دل مطمئن ہے محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔اُمیہ نے کہا کہ دھڑ انہیں چھوڑنا۔بہر حال اُس بُرے ساتھی نے اس سے کلمہ چھڑا دیا۔قیامت کا دن ہوگا عقبہ اپنے ہاتھ کاٹے گا۔

:يَقُوْلُ: کہے گا:يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا: کاش! کہ میں بنا لیتا رسول ﷺ کے ساتھ راستہ:يٰوَيْلَتٰى:اے خرابی!:لَيْتَنِيْ: کاش: لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا: میں نے نہ بنایا ہوتا فلاں کو دوست۔اُمیہ بن خلف میرا دوست نہ ہوتا۔

شان نزول تو یہ ہے مگر قیامت تک آنے والے کافر اس میں داخل ہیں۔جو بھی کسی بُرے کے کہنے کی وجہ سے غلط راستے پر چلے گا وہ اسی طرح ہاتھ کاٹے گا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب تم کسی کے ساتھ دوستی کرنا چاہو تو اس کی سوسائٹی دیکھو۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تمہیں عقل و سمجھ دی ہے پوچھنے کی ضرورت نہیں، سوسائٹی دیکھ کر سمجھ جاؤ کہ کیسا آدمی ہے: مـن يـخـالـل: اس کے دوست کون ہیں۔ تمہیں خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کیسا ہے: فان المرء علی دین خلیله: بے شک آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ اور بُری مجلسوں سے بچنا چاہئے، بُرے ساتھی سے بچنا چاہئے۔ فارسی کا مقولہ ہے:

یارِ بد از مار بد بسیار بد

ترجمہ: بُرا یار سانپ سے بھی بُرا ہوتا ہے بہت زیادہ بُرا ہوتا ہے۔

تو اُس وقت ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا: لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ: البتہ تحقیق اِس دوست نے مجھے بہکایا قرآن کریم سے: بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ: بعد اِس کے کہ قرآن کریم میرے پاس آچکا۔ مگر اُس وقت واویلا کس کام کا: وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا: اور ہے شیطان انسان کو ذلیل کرنے والا۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج 14: ص 198)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست بنایا ہوا نہ ہوتا۔ اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آپہنچی تھی، شیطان تو انسان کو اُس وقت پر دغا دینے والا ہے۔

پس ہر ظالم قیامت کے دن پچھتائے گا اپنے ہاتھوں کو چبائے گا اور آہ و زاری کر کے کہے گا کہ میں نے نبی کی راہ اپنائی ہوتی۔ کاش کہ میں نے فلاں کی عقیدت مندی نہ کی ہوتی۔ جس نے مجھے راہ حق سے گم کر دیا۔

اُمیہ بن خلف کا اور اس کے بھائی کا بھی یہی حال ہوگا اور ان کے سوا اور بھی ایسے لوگوں کا یہی حال ہوگا۔ کہے گا کہ اس نے مجھے ذکر یعنی قرآن سے بیگانہ کر دیا حالانکہ وہ مجھ تک پہنچ چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہے کہ شیطان انسان کو رسوا کرنے والا ہے، وہ اسے ناحق کی طرف بلاتا ہے اور حق سے ہٹا دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ج 4: ص 7)

سورة الشعرآء

:وَلَاتُطِيْعُوْٓاامْرَالْمُسْرِفِيْنَ:(شعرآء:آیت151)

ترجمہ: اور نہ مانو حکم بے باک لوگوں کا۔

:اَلَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَايُصْلِحُوْنَ:(شعرآء:آیت152)

ترجمہ: جو خرابی کرتے ہیں ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور اُن حدودِ(بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو جو سرزمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور (کبھی) اصلاح (کی بات) نہیں کرتے (مراد رؤساء کفار ہیں جو گمراہی پر لوگوں کو آمادہ کرتے تھے اور فساد اور عدمِ اصلاح سے یہی مراد ہے)۔(بیان القرآن:ج2:ص734)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَلَاتُطِيْعُوْٓاامْرَالْمُسْرِفِيْنَ:اَلَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَايُصْلِحُوْنَ:اور اُن حدودِ (بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو جو سرزمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور اصلاح (کی بات) نہیں کرتے۔

حضرت ابن عباسؓ نے:مسرفین:کی تفسیر مشرکین سے کی ہے۔

زمین میں فساد کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نافرمانیوں سے ملک میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی فرمانبرداری کر کے سنوار نہیں پیدا کرتے۔(تفسیر مظہری اردو:ج8:ص423)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

اور ان لوگوں کی بات نہ مانو جو نخوت کی وجہ سے دائرۂ عبودیت سے باہر نکلنے والے ہیں جو لوگ زمین میں فساد

کرتے ہیں اور تباہی مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے ۔فساد سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نافرمانی اور اصلاح سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی فرمانبرداری مراد ہے۔(معارف القرآن:ج5:ص565)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور اُن حدودِ(بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو جو سرزمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور (کبھی) اصلاح (کی بات) نہیں کرتے (مراد رؤساء کفار ہیں جو گمراہی پر لوگوں کو آمادہ کرتے تھے اور فساد اور عدمِ اصلاح سے یہی مراد ہے)۔(معارف القرآن:ج6:ص679)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

تمہیں دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا اس لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے ڈرو اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور میری اطاعت کرو، میں حکمِ خداوندی سے صراطِ مستقیم کی طرف تمہاری رانمائی کر رہا ہو:وَلَاتُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ:

:مسرفین: سے کفر وشرک میں قوم کے رہنما اور رؤسا مراد ہیں۔

جو لوگ کفر وشرک اور گمراہی کی اشاعت کر کے ملک میں شر وفساد پھیلا رہے ہیں ان کی پیروی مت کرو۔

(جواہر القرآن:ج2:ص822)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَلَاتُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ:اور اسراف کرنے والوں کا حکم نہ مانو:اَلَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ: جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے:وَلَا يُصْلِحُوْنَ:اور اصلاح نہیں کرتے۔

قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی ہی: فسادفی الارض: ہے۔مشرک، کافر اور منافق قسم کے لوگ: فسادفی الارض: کے مرتکب ہوتے ہیں۔(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن:ج14:ص336)

ان آیات کے تحت رئیس المفسرین حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر صاحبؒ لکھتے ہیں:

پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔بے باک حد سے گزر جانے والوں کی اطاعت سے باز آجاؤ، جو ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔(تفسیر ابن کثیر:ج4:ص47)

سورة الشعرآء

:وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ:(شعرآء:آیت215)

ترجمہ: اوراپنابازو نیچے رکھاُن کے واسطے جوتیرے ساتھ ہیں ایمان والے۔

:فَاِنْ عَصَوْکَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّاتَعْمَلُوْنَ:(شعرآء:آیت216)

ترجمہ: پھراگرتیری نافرمانی کریں تو کہہ دیں میں بیزارہوں تمہارے کام سے۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

(یہاں سے دعوتِ نبوت کوقبول کرنے والے اوررَدّ کرنے والوں کے ساتھ معاملہ کاطرز بتلاتے ہیں یعنی) ان لوگوں کے ساتھ (تومشفقانہ) فروتنی سے پیش آئیں جومسلمانوں میں داخل ہوکرآپ کی راہ پر چلے (خواہ کنبہ کے ہوں یاغیر کنبہ کے) اوراگر یہ لوگ (جن کوآپ نے ڈرایا ہے) آپ کا کہنا نہ مانیں (اورکفر پراَڑے رہیں) تو آپ (صاف) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزارہوں (ان دونوں امر یعنی:اِخْفِضْ:اورقُلْ انی الخ: میں :حب فی اللّٰہ: اور : بغض فی اللّٰہ: کی پوری تعلیم ہے)۔

مسائل السلوک:

:فَاِنْ عَصَوْکَ: اس میں دلالت ہےاس پر کہ جوشخص طریق سےمخالف ہواس سےشیخ کوتبری کردیناچاہئے اوراس تبری کااس کواطلاع بھی کردے۔(بیان القرآن:ج2:ص739)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناءاللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ: اوران لوگوں کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آؤجومسلمانوں میں داخل ہوکرآپ ﷺ کی راہ پرچلیں۔

:فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ: پھر اگر وہ مؤمن (بعض امور میں) تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے ان (گناہوں کے) اعمال سے بری ہوں۔

(تفسیر مظہری اردو: ج8: ص434)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

اور (اے نبی ﷺ! آپ) اپنے بازو کو اُن مسلمانوں کے لئے پست کر دیجئے جو آپ کے پیرو بن چکے ہیں۔ (اگر آپ کی قوم) والے آپ کی نافرمانی کریں (اور آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں اور آپ ﷺ پر ایمان نہ لائیں تو آپ) کہہ دیجئے کہ میں بَری اور بیزار ہوں اس کام سے جو تم کر رہے ہو۔ (معارف القرآن: ج5: ص578)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ارشاد ہوتا ہے، اے پیغمبر ﷺ! :وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: آپ اپنے بازو اپنے متبعین کے لئے پست کر دیں اُن لوگوں میں سے جو ایمان لائے ہیں۔ نبی کی حیثیت سے تو آپ :بالمؤمنین رءوف الرحیم: فرمایا بحیثیت حاکم اور امیر جماعت بھی آپ اہل ایمان کے ساتھ نرمی اختیار کریں، درشتگی اور سختی کی بجائے افہام و تفہیم کو اصول بنائیں، البتہ جب کوئی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حدود کو توڑے تو پھر وہ سختی کا مستحق ہے، وگرنہ حضور اکرم ﷺ سے زیادہ نرم مزاج دنیا میں کوئی نہ تھا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص حدود اللہ کو توڑتا تو آپ ﷺ کو ایسا غصہ آتا کہ کوئی بھی آپ ﷺ کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ آپ ﷺ مظلوم کو اس کا حق دلائے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے تھے، لیکن عام حالات میں جو بھی آپ ﷺ کے قریب آتا تو آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔ تو فرمایا کہ آپ ﷺ پست کر دیں اپنا بازو اُن کے لئے جنہوں نے آپ ﷺ کا اتباع کیا مومنوں میں سے۔

:فَاِنْ عَصَوْكَ: پھر اگر وہ آپ ﷺ کی نافرمانی کریں :فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ: تو آپ ﷺ کہہ دیں کہ میں تمہارے ان اعمال سے بیزار ہوں، میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج14: ص324)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

(یہاں سے دعوتِ نبوت کو قبول کرنے والے اور رَدّ کرنے والوں کے ساتھ معاملہ کا طرز بتلاتے ہیں یعنی) ان لوگوں کے ساتھ (تو مشفقانہ) فروتنی سے پیش آئیں جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے (خواہ کنبہ کے

ہوں یا غیر کنبہ کے)اور اگر یہ لوگ (جن کو آپ نے ڈرایا ہے) آپ کا کہنا نہ مانیں (اور کفر پر اڑے رہیں)تو آپ (صاف) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں (ان دونوں امر یعنی:وَاخْفِضْ:اور نقْلُ الخ: میں: حب فی اللّٰہ :اور :بغض فی اللّٰہ:کی پوری تعلیم ہے۔(معارف القرآن:ج6:ص 691)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ: جو ایمان لا چکے ہیں ان سے نرمی کا برتاؤ کریں۔یعنی شفقت میں رکھا ایمان والوں کو اپنے ہوں یا پرائے۔

:فَاِنْ عَصَوْكَ:مشرکین جو آپ کی بات نہیں مانتے ان سے آپ صاف کہہ دیجئے کہ میں تمہارے مشرکانہ اعمال سے بیزار ہوں۔یعنی خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف جو کرے اس سے تو بیزار ہو جا اپنا ہو یا پرایا۔

(جواھرالقرآن:ج2:ص 828)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ: اور پست رکھیں اپنے بازو:لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ: اُن کیلئے جنہوں نے آپ ﷺ کی پیروی کی ہے ایمان والوں سے۔بازو پست کرنے کا مطلب ہے نرمی۔مطلب یہ ہے کہ اپنے مومن ساتھیوں کے ساتھ نرمی کریں۔

:فَاِنْ عَصَوْكَ: پس اگر یہ مکے والے آپ ﷺ کی نافرمانی کرے:فَقُلْ:پس آپ ﷺ کہہ دیں:اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ: بیشک میں بیزار ہوں اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو،کفر،شرک،نافرمانی۔

(ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن:ج14:ص374)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

پھر حکم دیتا ہے کہ موحد متبع سُنت لوگوں سے فروتنی کے ساتھ ملتا جلتا رہ۔اور جو بھی میرے حکم نہ مانے خواہ کوئی ہو تُو اس سے بے تعلق ہو جا۔اور اپنی بیزاری کا اظہار کردے۔یہ خاص طور کی خاص لوگوں کی تنبیہ کے منافی نہیں کیونکہ یہ اس کا جز ہے۔(تفسیر ابن کثیر:ج4:ص 57)

سورة القصص

:وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ:(القصص:آیت 86)

ترجمہ: اور تُو توقع نہ رکھتا تھا کہ اُتاری جائے تجھ پر کتاب، مگر مہربانی سے تیرے رب کی، سو تو مت ہو مددگار کافروں کا۔

:وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ:(القصص:آیت 87)

ترجمہ: اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ تعالیٰ کے حکموں سے بعد اس کے کہ اُتر چکے تیری طرف اور بُلا اپنے رب کی طرف اور ان مشرکوں میں شامل نہ ہو جیئے۔

:وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ:(القصص:آیت 88)

ترجمہ: اور مت پکار اللہ تعالیٰ کے سوائے دوسرا حاکم۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور آپ کو (نبی ہونے کے قبل) یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جاوے گی مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا، سو آپ (ان لوگوں کی خرافات کی طرف توجہ نہ کیجئے اور جس طرح اب تک ان سے الگ تھلگ رہے آئندہ بھی اسی طرح) ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے، اور جب اللہ تعالیٰ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے تو ایسا نہ ہونے پاوے (جیسا اب تک بھی نہیں ہونے پایا) کہ یہ لوگ آپ کو اُن احکام سے روک دیں۔ اور آپ (بدستور) اپنے رب (کے دین) کی طرف (لوگوں کو) بُلاتے رہیئے اور (جس طرح اب تک مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں رہا، اسی طرح آئندہ ہمیشہ) ان مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیں اور (جس طرح اب تک شرک سے معصوم ہے اسی طرح آئندہ بھی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود نہ پکارنا (ان آیتوں میں کفار و مشرکین کو ان کی درخواستوں سے نا اُمید کرنا ہے اور رُوئے سخن اُن ہی کی طرف ہے کہ تم جو حضور ﷺ سے دین میں موافق ہونے کی درخواست کرتے ہو اس میں کامیابی کا کبھی احتمال نہیں)۔ (بیان القرآن: ج2: ص776)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَمَاكُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ: اور آپ کو تو کوئی امید بھی نہیں تھی کہ آپ کو قرآن دیا جائے گا (اور آپ کے پاس وحی آئے گی) مگر ایسا تو محض آپ کے رب کی رحمت کی وجہ سے ہوا۔

: فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ: سو آپ کافروں کے مددگار نہ بنیں کہ آپ ان سے نرمی کریں، ان کے بیہودگویوں کو برداشت کریں اور جس بات کی طرف وہ آپ کو بلائیں آپ اُس طرف چلے جائیں۔

مقاتل نے کہا کہ کافروں نے رسول اللہ ﷺ کو دینِ آباء واجداد اختیار کرنے کی دعوت دی تھی، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ ﷺ کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور کافروں کی پشت پناہی وامداد سے روک دیا۔

:وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ: اور (یہ کافر) آپ کو نہ روکیں اللہ تعالیٰ کی آیات (کو پڑھنے اور ان پر عمل کرنے) سے بعد اس کے کہ وہ اُتار کر آپ کی طرف بھیج دی گئی ہیں: وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ: اور آپ اپنے رب کی (توحید اور معرفت وعبادت کی) طرف (لوگوں کو) بلائیں: وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: (اور کافروں کی مدد وپشت پناہی کر کے) مشرکوں میں سے آپ ہرگز نہ ہو جائیں۔

:وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ: اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو آپ مت پکاریں (یہ اور اس سے اوپر والی آیات میں حکم دیا گیا ہے کہ کافرون کی امیدوں کو بالکل قطع کر دو۔ وہ کوئی امید اس بات کی نہ کریں کہ آپ ان کی مدد کریں گے)۔ (تفسیر مظہری اردو: ج 9: ص 122)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

آپ کو کوئی توقع اور امید نہ تھی کہ آپ پر ایسی کتاب مستطاب نازل کی جائے گی مگر تیرے پروردگار کی رحمت اور عنایت سے تجھ پر یہ کتاب ہدایت نازل کی گئی۔ پس ان کافروں کی ہرگز پشت وپناہ نہ بنیں (جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ سے ہٹانے پر کمر بستہ ہیں۔ آپ نہ ان کی رعایت کیجئے اور نہ ان کی قرابت کا لحاظ کیجئے اور نہ ان کی طرف التفات کیجئے) اور ایسا نہ ہو کہ یہ کافر آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے سے روک دیں جبکہ وہ احکام آپ کی طرف اُتر چکے ہیں (یعنی کافروں کی مخالفت سے تبلیغ احکام میں سست نہ پڑیئے جیسے کہ آپ اب تک رہے ہیں) اور آپ (بدستور) اپنے پروردگار (کی عبادت اور طاعت کی دعوت میں لگے رہیئے) اور ہرگز ہرگز مشرکین میں سے نہ ہوجئے (یعنی دعوت وتبلیغ میں نہ کوئی سستی کریں اور نہ ان کی رعایت کریں یعنی ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں، جیسے آپ ﷺ اب تک ان سے بے تعلق رہے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے۔ (معارف القرآن: ج 6: ص 80)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ارشاد ہوتا ہے: وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ: اور آپ نہیں اُمید رکھتے تھے کہ آپ کی طرف کتاب نازل کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضور ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ کو کتاب عطا ہونے یعنی نبوت ملنے کی کوئی اُمید یا توقع نہیں تھی: اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ: بلکہ یہ تو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر خاص رحمت ہے کہ اُس نے اپنے فضل سے نبوت کا تاج آپ کے سر پر رکھا۔

کفار سے عدمِ تعاون:

فرمایا: کہ جب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ پر اس قدر احسان فرمایا ہے: فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ: پس نہ ہو آپ کافروں کے مددگار اور پشت پناہ۔

یہی بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں سورۃ کی ابتداء میں بیان ہو چکی ہے جب اُن کے ہاتھوں غیر ارادی طور پر ایک قبطی قتل ہو گیا تو وہ اس فعل پر نادم ہوئے اور اسے شیطان کا عمل قرار دیا، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے معافی مانگی اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن کو معاف بھی کر دیا۔ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کیا: اے پروردگار! اس وجہ سے کہ تو نے مجھ پر اس قدر احسان کیا ہے تو میں کبھی بھی مجرموں کا مددگار یا پشت پناہ نہیں بنوں گا، بلکہ ہمیشہ حق پرستوں کا ساتھ دوں گا۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے یہاں پر ایک لطیف بات بھی ذکر کرتے ہیں۔ آپؒ اس آیت کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھیں کہ انہوں نے آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ اب آپ ﷺ کا وہی اپنا ہے جو ایمان اور توحید کو تسلیم کر کے آپ ﷺ کا ساتھ دے گا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے عام مومنوں کیلئے بھی یہی اُصول بیان فرمایا ہے: ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار: اے ایمان والو! ظالموں کی طرف مت جھکو، اگر ایسا کرو گے تو اُن کی طرح تمہیں بھی جہنم چھوئے گی۔ لہٰذا ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ کسی کافر، مشرک یا مجرم کا ساتھ نہ دے اور نہ ہی اُن کا مددگار یا پشت پناہ بنے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایک عام اُصول یہ بھی بتلا دیا ہے: وتعاونوا علی البرّ والتّقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان: نیکی اور تقویٰ کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم کے معاملے میں تعاون نہ کرو۔ کوئی امیر ہو، وزیر ہو، صدر ہو یا بادشاہ ہو، ظلم و زیادتی میں کسی کے مدد و معاون نہ بنو۔ اگر کفر، شرک، الحاد اور بے دینی میں تعاون کرو گے تو جہنم کے مستحق ٹھہرو گے۔

مداہنت سے پرہیز:

دوسری بات اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے نبی کو یہ فرمائی: وَلَا یَصُدُّنَّکَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْکَ: کہ کافر لوگ آپ کو آیاتِ الٰہی کے نزول کے بعد ان سے روک نہ دیں۔ مطلب یہ کہ آپ کافروں سے کوئی ایسا معاہدہ نہ کرلیں جو تبلیغِ حق کے راستے میں رکاوٹ بن جائے۔ مثلاً سورۃ القلم میں ہے: وَدُّوا لَوْ تُدْھِنُ فَیُدْھِنُوْنَ: کافر لوگ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے مشن میں کچھ ڈھیلے پڑھ جائیں تو وہ بھی مخالفت میں کمی کردیں گے۔ فرمایا: دین کے معاملے میں اس قسم کی سودے بازی درست نہیں، دین کے اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ اس کو مداہنت کہا جاتا ہے کہ کسی لالچ یا دباؤ میں آکر مشن کو ترک کردیا جائے یا نرمی پیدا کردی جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کافر لوگ آپ کو دین کی تبلیغ، توحید کی اشاعت یا کفر کی مذمت بیان کرنے کے معاملہ میں سودا بازی کریں کہ تم اِن کو چھوڑ دو تو ہم تمہیں فلاں فلاں رعایت دے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ آپ اپنے مسلک پر قائم رہیں اور تبلیغِ دین کا کام جاری رکھیں۔

فرمایا: اپنے دین پر استقامت اختیار کرتے ہوئے: وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ: لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیں: وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اور آپ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ شرکیہ رسوم میں شریک ہونا یا دل سے اُن کو اچھا سمجھنا انہی کے ساتھ شامل ہونے والی بات ہے۔ مومن کا فرض ہے کہ وہ کفر، شرک اور بدعات سے نفرت کرے۔

اگرچہ یہ خطاب حضور ﷺ کو ہے مگر پوری نوعِ انسانی کو سمجھانا مقصود ہے کہ کسی طرح بھی شرک میں ملوث نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس گناہ کی عدمِ معافی کا بار بار اعلان کیا ہے۔

فرمایا: وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ: اور نہ پکاریں آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے اِلٰہ کو۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج14: ص632)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور آپ کو (نبی ہونے کے قبل) یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جاوے گی مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا، سو آپ (ان لوگوں کی خرافات کی طرف توجہ نہ کیجئے اور جس طرح اب تک ان سے الگ تھلگ رہے آئندہ بھی اسی طرح) ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے، اور جب اللہ تعالیٰ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے تو ایسا نہ ہونے پاوے (جیسا اب تک بھی نہیں ہونے پایا) کہ یہ لوگ آپ کو اُن احکام سے روک دیں۔

اور آپ (بدستور) اپنے رب (کے دین) کی طرف (لوگوں کو) بُلاتے رہئے اور (جس طرح اب تک مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں رہا، اسی طرح آئندہ ہمیشہ) ان مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیں اور (جس طرح اب تک شرک سے معصوم ہے اسی طرح آئندہ بھی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود نہ پکارنا۔

ان آیتوں میں کفار و مشرکین کو اِن کی درخواستوں سے نا اُمید کرنا ہے اور رُوئے سخن اُن ہی کی طرف ہے کہ تم جو حضور ﷺ سے دین میں موافق ہونے کی درخواست کرتے ہو اس میں کامیابی کا کبھی احتمال نہیں۔

(معارف القرآن: ج6: ص835)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ: یہاں حضور ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ مشرکین سے تعاون اور موافقت نہ کریں: وَلَا يَصُدُّنَّكَ: آپ نہ تو کسی معاملے میں کافروں کے معاون بنیں اور نہ ان کے کہنے سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے قرآن کی تبلیغ سے رکیں جبکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن کی آیتیں تبلیغ کی خاطر آپ پر نازل فرمادیں۔ آپ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی توحید کی دعوت دیئے جائیں اور دین میں مشرکین سے موافقت نہ کریں۔

یہ خطابات اگرچہ بظاہر آنحضرت ﷺ سے ہیں کیونکہ قرآن کے مخاطب اوّل آپ ﷺ ہی ہیں لیکن اس سے مراد آپ ﷺ کی امت ہے۔

فائدہ: یعنی اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھ جنہوں نے تجھ سے یہ بدی کی۔ اب جو تیرا ساتھ دے وہی اپنا ہے۔

فائدہ: یعنی اپنی قوم کی خاطر نہ کر دین کے کام میں اور آپ کو ان میں نہ گن، کو کہ اپنے قرابتی ہوں۔

(جواہر القرآن: ج2: ص869)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں: وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ: اے نبی کریم ﷺ! آپ اُمید نہیں رکھتے تھے کہ ڈالی جائے گی، اُتاری جائے گی آپ کی طرف کتاب نبوت ملنے سے پہلے۔ آپ کو کوئی اُمید نہیں تھی کہ مجھے نبوت ملے گی، کتاب ملے گی: اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ: مگر رحمت ہے آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے کہ اس نے آپ ﷺ کو نبی بنایا، کتاب نازل فرمائی۔

فرمایا: فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ: پس آپ نہ ہوں امداد کرنے والے کافروں کے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کو خطاب کر کے اُمت کو سمجھایا ہے کہ ہرگز کافروں کی مدد نہ کریں۔ کافروں کی مدد کسی بھی مرحلہ میں صحیح نہیں۔

مسئلہ:

مسئلہ یہ ہے کہ حربی کافر یعنی وہ کافر جو مسلمانوں کے ساتھ لڑ رہے ہیں ان کی مدد کرنا حرام ہے۔ہاں وہ کافر جو تمہارے ساتھ نہیں لڑتے دین کے معاملے میں تو اُن کے ساتھ برتاؤ کرنے کی اجازت ہے جیسا کہ: سورۃ الممتحنۃ: میں اس کا حکم موجود ہے۔لڑنے والے کافروں کو سہولتیں دینا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں: وَلَا یَصُدُّنَّکَ: اور ہرگز نہ روکیں آپ کو۔یہ آپ ﷺ کو خطاب کر کے اُمت کو سمجھایا جارہا ہے۔ہرگز نہ روکیں آپ کو: عَنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ: اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو بیان کرنے سے ہرگز یہ کافر نہ رُوکیں: بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْکَ: بعد اس کے کہ وہ نازل کی گئی ہیں آپ ﷺ کی طرف۔اور کیا کام کرنا ہے: وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ: اور آپ بلائیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف۔اپنے رب تعالیٰ جل شانہ کی طرف دعوت دیں۔یہ تمام پیغمبروں کا اجتماعی کام ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین کی دعوت۔

وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ: یہ بھی آپ ﷺ کو خطاب کر کے اُمت کو سمجھایا گیا ہے۔اور ہرگز نہ ہوں شرک کرنے والوں میں سے۔اور شرک کی عام قسم ہے غیر اللہ کو پکارنا،اس لئے فرمایا: وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ: اور آپ ﷺ نہ پکاریں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود،حاجت روا،مشکل کشا۔

(ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن:ج15:ص156)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

تجھے تو کبھی اس کا خیال بھی نہ گزرا تھا کہ تیری طرف کتاب نازل فرمائی جائے گی لیکن تیرے رب کی مہربانی سے یہ اُترا،اب تجھے ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہئے۔خیال رکھ کہ یہ کفار تجھے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تبلیغ سے روک نہ دیں اس کے بعد کہ یہ تیری جانب اُتاری گئیں،تُو اپنے رب تعالیٰ کی طرف بلاتا رہ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ پکارنا،بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی اور معبود نہیں۔

پھر اپنی ایک اور زبردست نعمت بیان فرماتا ہے کہ وحی کے اُترنے سے پہلے آپ کو کبھی یہ خیال نہ گذرتا تھا کہ آپ پر کتاب اللہ نازل ہوگی۔یہ تو تجھ پر اور تمام مخلوق پر رب تعالیٰ کی رحمت ہوئی کہ اس نے تجھ پر اپنی پاک اور افضل کتاب نازل فرمائی۔اب تمہیں ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہئے بلکہ ان سے الگ رہنا چاہئے،ان سے بیزاری ظاہر کردینی چاہئے اور ان سے مخالفت کا اعلان کردینا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اُتری ہوئی آیتوں سے یہ لوگ کہیں تجھے روک نہ دیں یعنی جو تیری دین کی مخالفت

کرتے ہیں اور لوگوں کو تیری تابعداری سے روکتے ہیں۔تُو اس سے اثر پزیر نہ ہونا ،اپنے کام پر لگے رہنا،اللہ تعالیٰ تیرے کلمہ کو بلند کرنے والا ہے، تیرے دین کی تائید کرنے والا ہے، تیری رسالت کو غالب کرنے والا ہے۔تمام دینوں پر تیرے دین کو اونچا کرنے والا ہے۔تُو اپنے رب کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتا رہ جو اکیلا اور لاشریک ہے، تجھے نہیں چاہئے کہ مشرکوں کا ساتھ دے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہ پکار۔عبادت کے لائق وہی ہے۔اُلوہیت کے قابل اسی کی عظیم الشان ذات ہے،وہی دائم اور باقی ہے۔جو:حیّ :اور: قیّوم: ہے۔تمام مخلوق مر جائے گی اور وہ موت سے دور ہے۔جیسے فرمایا: کلّ من علیھا فان و یبقی وجہ ربّک ذوالجلال والاکرام: جو بھی یہاں پر ہے فانی ہے۔تیرا رب کا چہرہ ہی باقی رہ جائے گا جو جلالت و کرامت والا ہے۔وجہ سے مُراد ذات ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے زیادہ سچا کلمہ لبید شاعر کا ہے جو اس نے کہا ہے: الا کلّ شئی ما خلا اللّٰہ باطل: یاد رکھو! کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سوا سب کچھ باطل ہے۔مجاہد و ثوریؒ سے مروی ہے کہ ہر چیز باطل ہے مگر وہ کام جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا جوئی کیلئے کئے جائیں ان کا ثواب رہ جاتا ہے۔

شاعروں کے شعروں میں بھی: وجہ: کا لفظ اس مطلب کے لئے استعمال کیا گیا۔ملاحظہ ہو:

استغفر اللہ ذنبا لست محصیہ　　رب العباد الیہ الوجہ والعمل

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ جل شانہ سے جو تمام بندوں کا رب ہے جس کی طرف توجہ اور قصد ہے اور جس کے لئے عمل ہیں اپنے ان تمام گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں جنہیں میں شمار بھی نہیں کر سکتا۔

یہ قول پہلے قول کے خلاف نہیں ۔ یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ انسان کے تمام اعمال اکارت ہیں صرف ان ہی نیکیوں کے بدلے کا مستحق ہے جو محض اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا جوئی کے لئے کی ہوں ۔اور پہلے قول کا مطلب بالکل صحیح ہے کہ سب جاندار اور فانی اور زائل ہیں صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ہیں جو فنا اور زوال سے بالاتر ہیں،وہی اوّل و آخر ہیں ہر چیز سے پہلے تھا اور ہر چیز کے بعد رہے گا۔

مروی ہے کہ جب حضرت ابن عمرؓ اپنے دل کو مضبوط کرنا چاہتے تھے تو جنگل میں کسی کنڈر کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور دردناک آواز سے کہتے کہ اس کے بانی کہاں ہیں؟ پھر خود جواب میں یہی آیت پڑھتے،حکم و ملک اور ملکیت صرف اسی کی ہے مالک اور متصرف وہی ہے،اس کے حکم احکام کو کوئی رد نہیں کر سکتا ،روز جزا سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے،وہ سب کو ان نیکیوں اور بدیوں کا بدلہ دے گا۔نیک کو نیک بدلہ اور بُرے کو بُری سزا۔

(تفسیر ابن کثیر:ج4:ص134)

سورة العنكبوت

:وَقَالَ اِنَّمَااتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًامَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا،ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰكُمُ النَّارُوَمَالَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ:

(عنکبوت:آیت 25)

ترجمہ: اورابراہیم نےفرمایا کہ تم نے جوخداتعالیٰ کوچھوڑکربتوں کوتجویز کررکھا ہےبس یہ تمہارے باہمی دنیا کےتعلقات کی وجہ سے ہے،پھردن قیامت کےمنکرہوجاؤ گےایک سےایک،اورلعنت کرو گےایک کوایک،اورٹھکانا تمہارا آگ ہےاورکوئی نہیں تمہارامددگار۔

اس آیت کےتحت حضرت مولانا محمداشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اورابراہیم (علیہ السلام) نے (وعظ میں یہ بھی) فرمایا کہ تم نے جوخدا کوچھوڑکربتوں کو(معبود) تجویز کررکھا ہے،بس یہ تمہارے باہمی دنیا کےتعلقات کی وجہ سے ہے(چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اکثرآدمی اپنے تعلقات اوردوستی اوررشتہ داروں کےطریق پررہتا ہےاوراس وجہ سےحق بات میں غورنہیں کرتا اورحق کوسمجھ کربھی ڈرتا ہے کہ سب دوست اوررشتہ دارچھوٹ جاویں گے)پھرقیامت میں(تمہارا یہ حال ہوگا کہ)تم میں ایک دوسرے کامخالف ہوجائے گا اورایک دوسرے پرلعنت کرے گا(خلاصہ یہ کہ آج جن احباب واقارب کی وجہ سےتم گمراہی کواختیار کئے ہوئے ہوقیامت کے روزیہی احباب تمہارے دشمن بن جائیں گے)اور(اگرتم اس بت پرستی سے باز نہ آئے تو)تمہاراٹھکانا دوزخ ہوگااور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔

مسائل السلوک:

:وَقَالَ اِنَّمَااتَّخَذْتُمْ ،الخ: اس میں دلالت ہے کہ جس اتحادواتفاق میں فسادِدین ہواُس کاترک واجب ہے۔(بیان القرآن:ج2:ص782)

اس آیت کےتحت حضرت علامہ قاضی محمدثناءاللہ عثمانی مجدّدی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَقَالَ اِنَّمَااتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًامَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا،ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا: اور(ابراہیم نے اپنی قوم سے) کہا کہ تم نے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو(معبود) آپس کے دنیوی تعلقات کی وجہ سے بنا رکھا ہے پھر قیامت کے دن تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہو جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا۔

:وَّمَاْوٰكُمُ النَّارُ:اور تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔یعنی بت پرستوں کا بھی اور بتوں کا بھی۔

:وَمَالَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ:اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا(کہ تم کو دوزخ سے رہائی دلا سکے)۔

(تفسیر مظہری اردو:ج9:ص135)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

(بالآخر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ سے صحیح سالم نکل آئے تو پھر قوم کو نصیحت فرمائی)اور کہا اے قوم کے لوگو!تم نے خدا تعالیٰ کے سوا ان بتوں کو اس لئے (اختیار نہیں کیا کہ وہ حق چیز ہے بلکہ اس لئے)اختیار کیا ہے (تا کہ تمہارا یہ باہمی)اتحاد اور اتفاق دنیاوی زندگانی میں محبت کا ذریعہ بنے (اور اس اتفاق سے آپس میں میلی ملاپ اور رشتۂ اخوت و مودّت قائم رہے کیونکہ دنیا میں ایک ملت و مذہب والے اور ایک نظریہ رکھنے والے باہم متفق ہوتے ہیں لیکن یہ باہمی محبت دنیاوی زندگی تک محدود رہتی ہے)پھر قیامت کے دن (یہ محبت عداوت سے تبدیل ہو جائے گی)اس روز تم میں سے بعض بعض کا منکر ہوگا(یعنی اُس روز ایک دوسرے سے بیزار ہوگا)اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت کرے گا(اور پیروی کرنے والے اپنے سرداروں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور یہ مشرکین آج جن کے پیرو اور دوست بنے ہوئے ہیں قیامت کے دن ان سے پناہ مانگیں گے)اور تم سب کا ٹھکانہ آگ ہے اور کوئی بھی تمہارے لئے مددگار نہیں (جن لوگوں کو تم مددگار سمجھے ہوئے ہو کوئی تمہارے کام نہ آئے گا)۔(معارف القرآن:ج6:ص98)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَقَالَ اِنَّمَااتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا:اپنی قوم سے کہنے لگے،تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا بُت بنا لئے ہیں جنہیں مختلف تصورات پر گھڑا گیا ہے۔

آگے فرمایا:ان بتوں کی پوجا:مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: دنیا کی زندگی میں تمہارے لئے آپس میں دوستی کا ذریعہ ہے۔مطلب یہ کہ کسی خاص بت یا قبر یا درخت کی پوجا تم میں قدرِ مشترک بن جاتی ہے اور پھر اسی کی بناء پر تم آپس میں:پیر بھائی:بن کر ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہو،ہر وقت اسی معبود کے گُن گاتے ہو اور اُسی پر

جیتے اور اُسی پر مرتے ہو۔

فرمایا: دنیا میں تو تم اِن جھوٹے معبودوں کی محبت میں سرشار ہو: ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ: پھر قیامت والے دن تم ایک دوسرے کا انکار کردو گے۔ یہاں کی دوستی اُس وقت دشمنی میں بدل جائے گی، اور جن معبودوں کی تم عبادت کرتے تھے وہ بھی انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو اِن کو نہیں کہا کہ ہماری پرستش کرو، یہ تو خود اپنی خواہش پر چلتے رہے، اپنی حاجت براری کے لئے ہمارے نام پر بنائے ہوئے بتوں کی طرف رجوع کرتے تھے، ہمارا تو اس میں کوئی قصور نہیں۔

فرمایا: قیامت والے دن بتوں کی پوجا کرنے والے نہ صرف ایک دوسرے کا انکار کردیں گے بلکہ: وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا: تم ایک دوسرے پر لعنت بھی بھیجو گے۔ ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہو گے کہ تم نے غلط راستے پر ڈال کر مروا دیا۔ مگر اُس وقت کا پچھتانا کسی کام نہیں آئے گا: وَّمَاْوٰكُمُ النَّارُ: اور تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہوگا: وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ: اور تمہارا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا جو تمہیں دوزخ کی آگ سے بچا سکے۔

اُس دن دنیا میں قائم کئے ہوئے غلط تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ یہاں کی محبت نفرت میں بدل جائے گی اور تم ایک دوسرے کو کوستے ہوئے جہنم رسید ہوں گے۔ (معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج 14: ص 676)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اور ابراہیم (علیہ السلام) نے (وعظ میں یہ بھی) فرمایا کہ تم نے جو خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو (معبود) تجویز کر رکھا ہے، بس یہ تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے (چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اکثر آدمی اپنے تعلقات اور دوستی اور رشتہ داروں کے طریق پر رہتا ہے اور اس وجہ سے حق بات میں غور نہیں کرتا اور حق کو سمجھ کر بھی ڈرتا ہے کہ سب دوست اور رشتہ دار چھوٹ جاویں گے) پھر قیامت میں (تمہارا یہ حال ہوگا کہ) تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہو جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا (خلاصہ یہ کہ آج جن احباب و اقارب کی وجہ سے تم گمراہی کو اختیار کئے ہوئے ہو قیامت کے روز یہی احباب تمہارے دشمن بن جائیں گے) اور (اگر تم اس بت پرستی سے باز نہ آئے تو) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔ (معارف القرآن: ج 6: ص 873)

اس آیت کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ: یعنی تم نے غیر اللہ کو معبود اس لئے بنا رکھا ہے تاکہ اس بناء پر تمہاری دنیا میں باہمی محبت و پیوستگی اور اتحاد باقی رہے اور مخالفت پیدا نہ ہو۔

دنیا میں تو تم مودّت والفت کے لئے معبودانِ باطلہ کی عبادت کرتے ہو لیکن قیامت کے دن تم ایک دوسرے سے بیزار ہو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔ (جواھر القرآن: ج2: ص878)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

:وَقَالَ: اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا: پختہ بات ہے کہ جن کو تم نے معبود بنایا ہوا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے نیچے نیچے وہ بت ہیں۔ یہ تمہارا بتوں کو معبود بنانا: مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: آپس کی محبت کی بنا پر دنیا کی زندگی میں۔

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ چونکہ تمہاری ان بتوں کے ساتھ دوستی اور محبت ہے اس لئے تم نے ان کو معبود بنایا ہوا ہے۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ چونکہ تمہارے دوست مشرک ہیں تو ان کی دوستی اور محبت کی وجہ سے تم نے ان بتوں کو معبود بنایا ہے۔

سوسائٹی کے اثرات:

سوسائٹی کا بڑا اثر ہوتا ہے، مجلس کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ بُری مجلس کی وجہ سے پیغمبر کا بیٹا کنعان کفر وشرک میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا باغی ہو گیا۔ کنعان کی مجلس جب بُرے لوگوں کے ساتھ شروع ہوئی تو حضرت نوح علیہ السلام نے بڑا سمجھایا کہ بیٹے! میری حیثیت دیکھو، میری پوزیشن دیکھو، میرا ماحول دیکھو، ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ بیٹے نہ کہا: اباجی! یہ میرا کیا بگاڑ لیں گے۔ لیکن اُن بُری مجالس نے اس کو کفر وشرک پر آمادہ کیا، وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا نافرمان اور باغی بن گیا۔ دنیا میں پانی کے اندر غرق ہوا اور آخرت میں ہمیشہ دوزخ کے اندر رہے گا۔ تو بُری مجلس کا بھی اثر ہوتا ہے اور بُرے ساتھی کا بھی۔ فارسی زبان کا مقولہ ہے: یارِ بد از مارِ بد بسیار بد: بُرا ساتھی سانپ سے بھی بُرا ہوتا ہے۔ اور سوسائٹی آدمی کی پہچان ہوتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ تمہیں کسی آدمی کے متعلق یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ نیک ہے یا بد ہے۔ فرمایا: فلینظر من یخالل: پس دیکھو، اس کے دوست کیسے ہیں، اس کی سوسائٹی کیسی ہے، کن لوگوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے، تمہیں خود بخود پتہ چل جائے گا کہ یہ آدمی کیسا ہے۔ اگر مجلس اچھی ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے فضل وکرم سے اچھا ہے اور اگر مجلس بُری ہے تو یہ بھی بُرا ہے۔ تو فرمایا کہ تم نے بتوں کو معبود بنایا ہے دنیا کی زندگی کی دوستی کی بنا پر بنایا ہے لیکن یاد رکھنا!

:ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ: پھر قیامت والے دن انکار کریں گے بعض تمہارے بعض کا۔

یہ تمہارے معبود تمہارا انکار کریں گے اور تم ان کا انکار کرو گے: وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا: اور تم ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے، تم معبودوں پر اور معبود تم پر لعنت بھیجیں گے۔ اسی طرح جن کی دوستی کی وجہ سے تم غلط راستے پر چلے تم اُن پر لعنت بھیجو گے اور وہ تم پر لعنت بھیجیں گے۔ یہ بات سوچنے اور سمجھنے والی ہے، آنکھیں بند ہونے کے بعد کچھ نہیں کر سکوں گے: وَّمَاْوٰكُمُ النَّارُ: اور ٹھکانا تمہارا دوزخ ہے: وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ: اور نہیں ہوگا تمہارے لئے کوئی مددگار۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج15: ص198)

اس آیت کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم نے جن بتوں کی پرستش اللہ تعالیٰ کے سوا کی ہے انہیں تو تم نے اپنی آپس کی دنیوی دوستی کی بنا پر ٹھہرالیا ہے، تم سب قیامت کے دن ایک دوسرے سے کفر کرنے لگو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تمہارا سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

:مودۃ: زبر کے ساتھ: مفعول لہ: ہے۔ ایک قراءت میں پیش کے ساتھ بھی ہے یعنی تمہاری یہ بُت پرستی تمہارے لئے گو دنیا کی محبت حاصل کرادے لیکن قیامت کے دن معاملہ برعکس ہو جائے گا، مودّت کی جگہ نفرت اور اتفاق کے بدلے اختلاف ہو جائے گا، ایک دوسرے سے جھگڑو گے، ایک دوسرے پر الزام رکھو گے، ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجو گے، ہر گروہ دوسرے گروف پر پھٹکار برسائے گا، سب دوست دشمن بن جائیں گے، ہاں پرہیز گار نیک کار آج بھی ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست رہیں گے۔ کفار سب کے سب میدان قیامت کی ٹھوکریں کھا کھا کر بالآخر جہنم میں جائیں گے، کوئی اتنا بھی نہ ہوگا کہ ان کی کسی طرح مدد کر سکے۔

حدیث شریف میں ہے کہ تمام اگلے پچھلوں کو اللہ تعالیٰ ایک میدان میں جمع کرے گا۔ کون جان سکتا ہے کہ دونوں سمت میں سے کس طرف؟ حضرت امام ہانیؒ نے جو حضرت علیؓ کی ہمشیرہ ہیں جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ علم والا ہے۔ پھر ایک منادی عرش تلے سے آواز دے گا کہ اے موحدو! بُت توحید والے اپنا سر اُٹھائیں گے پھر یہی آواز لگائیں گا پھر سہ بارہ یہی پکارے گا اور کہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری تمام لغزشوں سے درگزر فرمالیا اب لوگ کھڑے ہوں گے اور آپس کی ناچاقیوں اور لین دین کا مطالبہ کرنے لگے گے تو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف سے آواز دی جائے گی کہ اے اہل توحید! تم تو آپس میں ایک دوسروں کو معاف کر دو تمہیں اللہ تعالیٰ بدلہ دے گا۔

(تفسیر ابن کثیر: ج4: ص143)

سورة الاحزاب

:یٰٓاَیُّھَاالنَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَاتُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ،اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا:

(احزاب:آیت 1)

ترجمہ: اے نبی ڈر اللہ تعالیٰ سے اور کہا نہ مان منکروں کا اور دغابازوں کا مقرر، اللہ تعالیٰ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا۔

:وَاتَّبِعْ مَایُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ،اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا: (احزاب:آیت2)

ترجمہ: اور چل اسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے۔

:وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ،وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا:(احزاب:آیت3)

ترجمہ: اور بھروسہ رکھ اللہ تعالیٰ پر اور اللہ تعالیٰ کافی ہے کام بنانے والا۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: کفار آپ ﷺ سے درخواست کرتے تھے کہ نعوذ باللہ آپ دعوت اسلام سے باز رہیں اور ہم آپ کو اتنا مال دیں گے اور بعض نے قتل کی دھمکی دی۔اس پر آپ ﷺ کو رنج ہوا چنانچہ سورت اسی کے متعلق مضمون سے شروع کی گئی۔

اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہئے (اور کسی سے نہ ڈریئے اور ان کی دھمکیوں کی ذرا پرواہ نہ کیجئے) اور کافروں کا (جو کھلم کھلا دین کے خلاف مشورے دیتے ہیں) اور منافقوں کا (جو در پردہ ان کے ساتھ متفق ہیں) کہنا نہ

مانئے (بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کا کہنا کیجئے) بیشک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔اور (اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کہنا ماننا یہ ہے کہ) آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ پر وحی کیا جاتا ہے اس پر چلئے (اور اے لوگو!) بیشک تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے۔(اور اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں کی تخویف کے باب میں) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے (اس کے مقابلہ میں ان لوگوں کی کوئی تدبیر نہیں چل سکتی اس لئے کوئی اندیشہ نہ کیجئے)۔(بیان القرآن: ج2: ص815)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اہل مکہ نے جن میں ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ بھی شامل تھے، رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی تھی کہ آپ ﷺ اپنے قول سے باز آجائیں۔ہم آپ ﷺ کو اپنے مال میں سے ایک حصہ دے دیں گے۔مدینہ میں منافقوں نے اور یہودیوں نے آپ ﷺ کو دھمکی دی تھی کہ اگر آپ ﷺ باز نہ آئے تو ہم آپ کو قتل کردیں گے۔اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا..... :یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ : اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ان آیات کا نزول ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابوجہل اور ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمی کے حق میں ہوا۔جنگ اُحد کے بعد یہ تینوں شخص مدینہ میں آکر سرگروہ منافقین عبداللہ بن ابیؔ کے پاس ٹھہرے (اور آپ ﷺ سے گفتگو کرنے کی درخواست کی) رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔چنانچہ عبداللہ بن ابی عبداللہ بن سعد اور طعمہ بن ابیرق، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ لات، عزیٰ اور مناۃ کا تذکرہ چھوڑ دیجئے۔ہمارے ان معبودوں کا ذکر بُرائی کے ساتھ نہ کیجئے اور یہ کہہ دیجئے کہ جو شخص ان کو پوجے گا یہ معبود اس کی سفارش کریں گے۔اگر آپ ایسا کرلیں گے تو ہم آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے رب کا ذکر بُرائی کے ساتھ نہیں کریں گے اور آپ ﷺ کے کام میں مداخلت نہیں کریں گے۔اُس وقت سیدنا فاروق اعظمؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے۔رسول اللہ ﷺ کو کافروں کی یہ بات بہت شاق گزری۔سیدنا فاروق اعظم نے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے میں ان کو قتل کردوں؟ فرمایا: میں ان کو امن دے چکا ہوں۔پھر فرمایا نکل جاؤ تم پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی لعنت اور غضب۔چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو مدینہ سے نکال دینے کا حکم دے دیا۔اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔

:وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ: اور ان کافروں کا کہنا نہ مانیں۔:وَالْمُنٰفِقِیْنَ: اور (مدینہ) کے منافقوں کا بھی کہنا نہ مانیں۔:اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا: بیشک اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔یعنی اپنی مخلوق کو جانتا ہے مخلوق کے مصالح

ومفاسد سے واقف ہے اور اپنی حکمت کے مطابق حکم دیتا ہے۔

:وَاتَّبِعْ مَايُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ: اور آپ کے رب کی طرف سے جو وحی آپ کے پاس آتی ہے اس کی پیروی کیجئے۔یعنی توحید و اخلاص پر قائم رہیں۔یہ جملہ حکم تقوی کی تائید اور کفار کی بات ماننے کی ممانعت کی تاکید ہے۔:اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا:اور کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

:وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ،وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا: اور اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھئے۔اور (تمام اُمور کا) اللہ تعالیٰ پورا ذمہ دار ہے اور اس کی ذمہ داری کافی ہے۔(تفسیر مظہری اردو:ج9:ص 231)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

اس سورۃ میں ایک حکم یہ دیا کہ کافرین اور منافقین کے مشوروں اور ان کے کہنے پر نہ چلیں۔کافروں اور منافقوں کے کہنے پر چلنا سخت خطرناک ہے۔

شان نزول: ابوسفیان بن حرب،عکرمہ بن ابوجہل اور ابوالاعور،عمرو بن سفیان سلمی کے حق میں ہوا۔جنگ اُحد کے بعد یہ تینوں شخص مدینہ میں آکر سرگروہ منافقین عبداللہ بن ابیؔ کے پاس ٹھہرے (اور رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کی درخواست کی) رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔چنانچہ عبداللہ بن ابی عبداللہ بن سعد اور طعمہ بن ابیرق،رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ ہمارے ان معبودوں کو بُرا بھلا نہ کہئے،ہم آپ کو آپ کے رب کے متعلق کچھ نہ کہیں گے۔اُس وقت سیدنا فاروق اعظمؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے۔رسول اللہ ﷺ کو کافروں کی یہ بات بہت شاق گزری۔سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے میں ان کو قتل کردوں؟فرمایا میں ان کو امن دے چکا ہوں۔اس کے بعد حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو مدینہ سے نکال دیا جائے۔چنانچہ وہ نکال دیئے گئے۔اس موقع پر مذکورہ بالا آیتیں نازل ہوئیں۔

ان سردارانِ قریش کے ساتھ یہود بھی ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تھے انہوں نے اہلِ مکہ کی تائید کی اور دوستانہ لہجہ میں نہایت نرمی سے آنحضرت ﷺ کو مشورہ دینے لگے کہ آپ ﷺ سردارانِ قریش کے ساتھ نرمی کریں اور چرب لسانی سے آنحضرت ﷺ کو مشورہ دینے لگے کہ صلح و آشتی میں خیر ہے۔اس ظاہری خیر خواہی میں مکروفریب چھپا ہوا تھا اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ آیتیں نازل فرما کر آنحضرت ﷺ کو متنبہ کردیا کہ اس ظاہری خیر خواہی کے اندر ان کی عداوت اور مکر اور فریب چھپا ہوا ہے۔آپ ﷺ ان کے مشورہ پر ہرگز عمل نہ کریں۔چنانچہ فرماتے ہیں:

:يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ(الی قولہ)وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا: اے

نبی ﷺ! آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیئے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیئے (یعنی جو لوگ کفر کو ظاہر کرتے ہیں اور جو لوگ کفر کو چھپاتے ہیں یہ سب مکار ہیں۔ آپ ﷺ ان سے مشورہ نہ لیجئے اور نہ ان کی بات سنئے، یہ لوگ آپ ﷺ کو نرم کرنا چاہتے ہیں اور چالاکی کی باتیں کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ آپ ہمارے معبودوں کا بُرائی سے ذکر نہ کریں ہم آپ سے تعرض کرنا چھوڑ دیں گے یا مثلاً آپ ﷺ ہماری فلاں فلاں باتیں مان لیں تو ہم آپ کے دین میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بتلا دیا کہ آپ ﷺ ان کی چالوں میں نہ آیئے یہ اسلام کے دشمن ہیں آپ ﷺ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور ان کی دھمکیوں کی مطلق پرواہ نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی غیبی فتح ونصرت کا انتظار کیجئے) بیشک اللہ تعالیٰ (ان کی سازشوں سے) خبردار ہے اور حکمت والا ہے۔ جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے وحی کی گئی اس کا اتباع کرو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور اللہ تعالیٰ ہی کافی کارساز ہے۔

(معارف القرآن: ج6: ص216)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ: اے نبی ﷺ! اتَّقِ اللّٰهَ : آپ اللہ سے ڈرتے رہیں: وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ: اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں۔ وہ جس نہج پر آپ کو چلانا چاہتے ہیں۔ آپ اُس سے بچتے رہیں اور تقویٰ پر قائم رہیں۔

مداہنت کی ممانعت:

مکی زندگی میں کفار ومشرکین، حضور ﷺ سے سودے بازی کرنا چاہتے تھے اور اُن کی یہ پیشکش مدنی زندگی کے ابتدائی دَور میں بھی ہوتی رہی کہ آپ اپنے دین میں نرمی اختیار کرلیں تو ہم بھی کسی قدر نرم پڑھ جائیں گے اور اس طرح ہمارا اور آپ کا سلسلہ چلتا رہے گا۔

سورۃ القلم میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضور ﷺ کو یاد دلایا ہے کہ کافر چاہتے ہیں کہ آپ کچھ ڈھیلے پڑھ جائیں تو وہ بھی نرم پڑھ جائیں گے۔ کافر چاہتے تھے کہ آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی مذمت نہ کریں بلکہ تھوڑی بہت اُن کی تعریف کردیا کریں اور اس بات کو تسلیم کرلیں کہ یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں سفارشی ہے تو ہم بھی آپ کے معبود کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے اور نہ آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو تنگ کریں گے۔ اور منافق لوگ دوسرے طریقے سے کفار کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے، وہ کہتے کہ اگر مشرکوں کے ساتھ اس قسم کا امن سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ لوگ امن وامان کی زندگی بسر کریں گے، جنگ وجدل پر توانائی صرف کرنے کی بجائے لوگوں کی حالت بہتر بنائی

جا سکے گی اور اسلام کو بھی تقویت حاصل ہوگی۔

مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے واضح فرمادیا کہ عقیدے کے اظہار میں کسی قسم کی رُو رعایت نہیں ہوسکتی اور نہ ہی کسی قیمت پر کافروں اور مشرکوں سے کوئی سمجھوتہ ہوسکتا ہے۔ دین کے معاملے میں ڈھیلا پڑھ جانا مداہنت کہلاتا ہے جو کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ خوش اخلاقی اور معاشرتی تعلقات مختلف چیزیں ہیں مگر دین کے معاملے میں کوئی سودے بازی نہیں ہوسکتی کہ دین کی حقیقت کو ہی چھپا دیا جائے۔ اس ضمن میں نہ خوف کام کرسکتا ہے اور نہ لالچ کارگر ہوسکتا ہے۔ دین کے معاملہ میں کسی قسم کا ذاتی مفاد ہرگز پیش نظر نہیں رکھا جائے گا۔ اس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اسی بات کو دہرایا ہے کہ آپ کافروں اور منافقوں کی پیش کش کو قبول نہ کریں بلکہ بلا خوف وخطر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا پیغام پہنچاتے رہیں۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ دین کے معاملہ میں کسی کافر، مشرک اور ملحد کی بات نہیں مانی جاسکتی۔ نہ اُن سے مشورہ لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں قانون سازی کے لئے غیر مسلموں عیسائیوں، یہودیوں اور دہریوں سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ ظالمو! وہ تو تمہیں اپنا ہی قانون بتائیں گے اور اس طرح تمہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

فرمایا: آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا: بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ وہ کافروں اور منافقوں کی تمام خفیہ تدبیروں کو جانتا ہے۔ اور آپ ﷺ کو جو حکم دیا جارہا ہے وہ حکمت سے خالی نہیں، لہٰذا آپ اس پر سختی سے عمل کریں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ کفار اور منافقین کی بات ماننے کی بجائے: وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ: آپ اس چیز کی اتباع کریں جو آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے وحی کی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نازل کردہ احکام وشرائع کی پیروی کریں۔ یہاں پر خطاب تو حضور ﷺ سے ہے مگر مراد سارے اہل ایمان ہیں، جیسے دوسری جگہ فرمایا: اے ایمان والو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کا اتباع کرو اور اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کا اتباع نہ کرو، اگر ایسا کروگے تو گمراہ ہوجاؤ گے۔

فرمایا: صرف وحی کا اتباع کریں: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا: بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کردہ کام کی خبر رکھنے والا ہے: وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ: اور اپنے مشن کو جاری رکھتے ہوئے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر کریں: وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا: اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز۔ (معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج 15: ص 182)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اے نبی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہئے (اور کسی سے نہ ڈریئے اور ان کی دھمکیوں کی ذرا پرواہ نہ کیجئے) اور کافروں کا (جو کھلم کھلا دین کے خلاف مشورے دیتے ہیں) اور منافقوں کا (جو در پردہ ان کے ساتھ متفق ہیں) کہنا نہ مانئے (بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کا کہنا کیجئے) بیشک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ اور (اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کہنا ماننا یہ ہے کہ) آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ پر وحی کیا جاتا ہے اس پر چلئے (اور اے لوگو!) بیشک تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے۔ (اور اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں کی دھمکیوں کے معاملہ میں) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔

معارف و مسائل:

اس سورت کے سبب نزول میں چند روایات منقول ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے، تو مدینہ کے آس پاس یہود کے قبائل قریظہ، نضیر، بنو قینقاع وغیرہ آباد تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اتفاقاً ان یہودیوں میں سے چند آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آنے لگے، اور منافقانہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہنے لگے، دلوں میں ایمان نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو غنیمت سمجھا کہ کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں تو دوسروں کو دعوت دینا آسان ہو جائے گا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے ساتھ خاص مدارات کا معاملہ فرماتے، اور ان کے چھوٹے بڑے آنے والوں کا اکرام کرتے تھے، اور کوئی بُری بات بھی ان سے صادر ہوتی تو دینی مصلحت سمجھ کر اس سے چشم پوشی فرماتے تھے، اس واقعہ پر سورۂ احزاب کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

اور ایک دوسرا واقعہ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ہجرت کے بعد کفار مکہ میں سے ولید بن مغیرہ اور شیبہ ابن ربیعہ مدینہ طیبہ آئے، اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ پیشکش کی کہ ہم سب قریش مکہ کے آدھے اموال آپ کو دے دیں گے اگر آپ اپنے دعوے کو چھوڑ دیں، اور مدینہ طیبہ کے منافقین اور یہود نے آپ کو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ نے اپنا دعوی اور دعوت سے رجوع نہ کیا تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے (معاذ اللہ) اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

تیسرا واقعہ ثعلبی اور واحدی نے بغیر سند یہ نقل کیا ہے کہ ابوسفیان اور عکرمہ ابن ابی جہل اور ابوالاعور سلمی نے اس زمانے میں جب واقعۂ حدیبیہ میں کفار مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے مابین ترکِ جنگ پر معاہدہ ہو گیا تھا تو یہ لوگ مدینہ طیبہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کا بُرائی سے ذکر کرنا چھوڑ دیں، صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ

بھی شفاعت کریں گے اور نفع پہنچائیں گے۔ آپ اتنا کرلیں تو ہم آپ کو اور آپ کے رب کو چھوڑ دیں گے، جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

ان کی بات رسول اللہ ﷺ اور سب مسلمانوں کو سخت ناگوار ہوئی، مسلمانوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان سے معاہدۂ صلح کر چکا ہوں اس لئے ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ان آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کو دو حکم دیئے گئے۔ پہلا حکم: اتق اللّٰہ: یعنی اللہ سے ڈرو۔ دوسرا حکم: لا تطع الکفرین: یعنی کافروں کا کہنا نہ مانو۔

:یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ : اس خطاب میں آنحضرت ﷺ کو دو حکم دیئے گئے۔ ایک خدا تعالیٰ سے ڈرنے کا، کہ مشرکینِ مکہ سے جو معاہدہ ہو چکا ہے اس کی خلاف ورزی نہ ہونی چاہئے۔ دوسرے مشرکین اور منافقین و یہود کی بات نہ ماننے کا۔

بعض حضرات مفسرینؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے مگر مراد امت کو سنانا ہے۔ آپ ﷺ تو معصوم تھے، احکامِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کا آپ ﷺ سے کوئی احتمال نہ تھا، مگر قانون پوری امت کے لئے ہے۔ ان کو سنانے کا عنوان یہ اختیار کیا گیا کہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو فرمایا جس سے حکم کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔ کہ جب اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ﷺ بھی اس کے مخاطب ہیں تو امت کا کوئی فرد اس سے کیسے مستثنیٰ ہوسکتا ہے۔

اور ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں کفار و مشرکین کی اطاعت سے منع کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ ان سے مشورے نہ کریں، ان کو زیادہ مجالست کا موقع نہ دیں۔ کیونکہ ایسے مشورے اور باہمی روابط بسا اوقات اس کا سبب بن جایا کرتے ہیں کہ ان کی بات مان لی جائے، تو اگرچہ ان کی بات مان لینے کا حضور ﷺ سے کوئی احتمال نہ تھا، مگر ان کے ساتھ ایسے روابط رکھنے اور ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرنے سے بھی روک دیا گیا۔ اور اس کو اطاعت کے لفظ سے اس لئے تعبیر کردیا کہ ایسے مشورے اور باہمی روابط عادۃً ماننے کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔ تو یہاں درحقیقت رسول اللہ ﷺ کو اسبابِ اطاعت سے منع کیا گیا ہے، نفسِ اطاعت کا تو آپ ﷺ سے احتمال ہی نہ تھا۔

اس آیت کے آخر میں: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا: فرما کر اس حکم کی حکمت بیان کردی گئی، جو اوپر دیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے ڈریں، اور کفار و منافقین کا کہنا نہ مانیں۔ کیونکہ عواقبِ اُمور اور نتائج کا جاننے والا اللہ تعالیٰ جل شانہ بڑا حکیم ہے، وہی مصالحِ عباد کو جانتا ہے۔ یہ اس لئے فرمایا کہ کفار یا منافقین کی بعض باتیں ایسی بھی تھیں جن سے شر و فساد کم ہونے اور باہمی رواداری کی فضا قائم ہونے وغیرہ کے فوائد حاصل ہوسکتے تھے، مگر حق تعالیٰ نے اس

سے منع فرمایا کہ ان لوگوں کیساتھ یہ رواداری بھی مصلحت کے خلاف ہے، اس کا انجام اچھا نہیں۔

:وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ،اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا: یہ پہلے ہی حکم کا تکملہ ہے کہ آپ کفار و منافقین کی باتوں میں نہ آئیں، اُن کی بات نہ مانیں بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے بس آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ اسی کا اتباع کریں۔

:وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ،وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا: یہ بھی اسی حکم کی تکمیل ہے۔اس میں ارشاد ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں، اور اپنے مقصد کی کامیابی میں صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ پر بھروسہ کریں، کہ وہی ہی کارساز ہے۔اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کی رواداری کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: آیاتِ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ امورِ دین میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں۔

(معارف القرآن:ج7:ص92)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ: صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین و منافقین کا ایک وفد جو ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل، عبداللہ بن ابی اور معتب بن قشیر وغیرہ پر مشتمل تھا۔آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا۔اے محمد! ہم تم سے یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے معبودوں کا بُرائی سے ذکر کرنا چھوڑ دو، اور صرف اتنی بات مان لو کہ وہ عنداللہ شفیع ہیں اور نفع پہنچا سکتے ہیں۔تو تمہیں آزادی ہے کہ بیشک تم اپنے خدائے واحد کی عبادت کرو، اور دوسرے احکام کی تبلیغ کرو، ہم تم سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔یہ بات آپ ﷺ کو ناگوار گذری اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

مشرکین چاہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اگر نرم ہو جائیں تو وہ بھی اپنا رویہ نرم کرلیں گے۔لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس معاملہ میں نرمی اختیار کرنے سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ تبلیغ توحید میں ذرہ برابر کوتاہی یا نرمی نہ ہونے پائے۔

:اِتَّقِ اللّٰهَ : یہ پہلا امر ہے۔یعنی تقویٰ اور خوفِ خدا پر قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے احکام کے خلاف ہرگز کوئی قدم نہ اٹھائیں۔:وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ: یہ نہی ہے۔کفار اور منافقین نے آپ سے جو نرمی کرنے کا مطالبہ کیا ہے آپ ان کی بات ہرگز نہ مانیں اور مسئلہ توحید بیان کرنے میں ہرگز ان کی رُو رعایت نہ فرمائیں۔اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اگر آپ کی نرمی سے ان کے ایمان لانے کا امکان ہوتا تو آپ کو نرمی کرنے سے روکا نہ جاتا۔

وَاتَّبِعْ : یہ دوسرا امر ہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے۔آپ ﷺ پر جو اُمور و احکام دین وحی ہو رہے ہیں

آپ ﷺ ان کی پیروی کریں، کفار اور منافقین کی باتوں کی پیروی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ تم سب کے اعمال سے باخبر ہے اہل ایمان کو صلاح وتقوی کی راہیں سمجھاتا ہے اور کفار و منافقین کے مکروفریب سے باخبر کردیتا ہے۔

:وَتَوَكَّلْ: یہ تیسرا امر ہے۔ آپ بلا خوف وخطر توحید کی تبلیغ کرتے جائیں اور اگر کوئی ڈر خطرہ ہو تو اللہ تعالیٰ جل شانہ پر بھروسہ کریں اور اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سپرد کریں اس سے بہتر کوئی کارساز اور حافظ وناصر نہیں۔ (جواھر القرآن: ج3: ص929)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ: اے نبی کریم ﷺ! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہ خطاب تو آپ ﷺ کو ہے مگر سمجھایا اُمت کو گیا ہے۔ فارسی کا مقولہ ہے: گفتہ آید در حدیث دیگراں: کہنا کسی کو ہوتا ہے اور سمجھانا کسی کو ہوتا ہے۔

تو پیغمبر ﷺ کو خطاب کر کے ہمیں، تمہیں اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو سمجھایا ہے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ جل شانہ کا خوف دل میں رکھو: وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ: اور اطاعت نہ کرو کافروں کی اور نہ منافقوں کی۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُمت کو سمجھایا ہے۔ کافر چاہے کتنا خیر خواہی کا اظہار کرے اس میں اس کا کفر ضرور چھپا ہوا ہوگا۔ منافق چاہے جتنے بھی مخلص نظر آئیں اس میں ان کا نفاق شامل ہوگا۔ کافر قوم نے کبھی اپنے کفر کو چھوڑ کر کسی کے ساتھ ہمدردی نہیں کی۔ تو یہ سبق یاد رکھنا! کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے ڈرتے رہو اور کافروں اور منافقوں کی کبھی بھی اطاعت نہ کرو: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا: بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

:وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ: اور آپ پیروی کریں اس چیز کی جو آپ ﷺ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ کے رب کی طرف سے۔ قرآن پاک اور حدیث شریف کی پیروی کریں: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا: بیشک اللہ تعالیٰ اس کاروائی سے جو تم کرتے ہو خبر رکھنے والا ہے۔ لہذا اس بات کو نہ بھولنا کہ معاملہ تمہارا رب کے ساتھ ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ جب کافروں کے ساتھ بھی تعلق نہیں اور منافقوں کے ساتھ بھی تعلق نہیں رکھنا تو ان کے بغیر دنیاوی معاملات کیسے چلیں گے جیسے آج کل سیاست دانوں کی منطق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:

:وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ: اور آپ بھروسہ کرے اللہ تعالیٰ کی ذات پر۔ کافروں اور منافقوں کے اختیار میں کیا ہے؟ اور: سورۃ الطلاق: میں ہے: ومن يتق الله يجعل له مخرجا: اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، بناتا ہے

اللہ تعالیٰ اس کیلئے نکلنے کا سامان: و یرزقه من حیث لا یحتسب: اور روزی دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا: و من یتوکل علی اللّٰه فهو حسبه: اور جو شخص بھروسا کرے گا اللہ تعالیٰ پر تو وہ اس کے لئے کفایت کرنے والا ہے۔ اور فرمایا: وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا: اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز۔

(ذخیرۃ الجنان فی فهم القرآن: ج16: ص71)

ان آیات کے تحت حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آجانا، اللہ تعالیٰ بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ جو کچھ تیری جانب تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے اس کی تابعداری کرتا رہ، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ہی پر توکل رکھ، وہ کارسازی کے لئے کافی ہے۔

تنبیہ کی ایک موثر صورت یہ بھی ہے کہ بڑے کو کہا جائے تاکہ چھوٹا چوکنا ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے نبی ﷺ کو کوئی بات تاکید سے کہے تو ظاہر ہے کہ اُوروں پر وہ تاکید اور بھی زیادہ ہے۔

تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ہدایت کے مطابق ثواب کے طلب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت کی جائے۔ اور فرمان باری تعالیٰ کے مطابق اس کے عذابوں سے بچنے کے لئے اس کی نافرمانیاں ترک کی جائیں۔ کافروں اور منافقوں کی باتیں نہ ماننا نہ ان کے مشہوروں پر کاربند ہونا نہ ان کی باتیں قبولیت کے ارادے سے سننا۔ علم و حکمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے چونکہ وہ اپنے وسیع علم سے ہر کام کا نتیجہ جانتا ہے اور اپنی بے پایاں حکمت سے اس کی کوئی بات کوئی فعل غیر حکیمانہ نہیں ہوتا تو تُو اسی کی اطاعت کرتا رہ تاکہ بدانجام سے اور بگاڑ سے بچا رہے۔ جو قرآن و سنت تیری طرف وحی ہو رہا ہے اس کی پیروی کر، اللہ تعالیٰ جل شانہ پر کسی کا کوئی فعل مخفی نہیں۔ اپنے تمام اُمور و احوال میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھ۔ اس پر بھروسہ کرنے والوں کو وہ کافی ہے۔ کیونکہ تمام کارسازی پر وہ قادر ہے اس کی طرف جھکنے والا کامیاب ہی کامیاب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ج4: ص218)

سورة الجاثيه

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍمِّنَ الْاَمْرِفَاتَّبِعْهَاوَلَاتَتَّبِعْ اَهْوَآءَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ:

(جاثیه:آیت18)

ترجمہ: پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستہ پر دین کے کام کے سو تُو اسی پر چل اور مت چل خواہشوں پر نادانوں کی۔

:اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْاعَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا،وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ،وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ:(جاثیه:آیت19)

ترجمہ: وہ ہرگز کام نہ آئیں گے تیرے اللہ تعالیٰ کے سامنے ذرا بھی،اور بے انصاف ایک دوسرے کے رفیق ہیں،اور اللہ تعالیٰ رفیق ہے ڈرنے والوں کا۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

پھر (بنی اسرائیل میں دورۂ نبوت ختم ہونے کے بعد) ہم نے آپ کو (نبوت دی اور آپ کو) دین کے ایک خاص طریقے پر کردیا،سو آپ اُسی طریقے پر چلے جایئے (یعنی عمل میں بھی اور تبلیغ میں بھی) اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے (یعنی ان کی خواہش تو یہ ہے کہ آپ تبلیغ ترک کردیں اور اسی لئے یہ طرح طرح سے پریشان کرتے ہیں تاکہ آپ تنگ ہو کر تبلیغ چھوڑ دیں۔سو آپ سے گو یہ احتمال نہیں مگر امر تبلیغ کے اہتمام کے لئے آپ کو پھر اس کا حکم ہوتا ہے،آگے اسی طرز پر اس حکم کی علت فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ خدا تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے (پس ان کا اتباع نہ ہونے پائے) اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں (اور ایک دوسرے کا کہنا مانتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ دوست ہے اہلِ تقوی کا (اور اہلِ تقوی اس کا کہنا مانا کرتے ہیں۔سو جب آپ ظالم نہیں ہیں بلکہ سردارِ متقین ہیں تو آپ کو ان کی اتباع سے کیا نسبت؟ البتہ احکامِ الٰہی کی اتباع سے خاص نسبت ہے)۔(بیان القرآن:ج2:ص963)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍمِّنَ الْاَمْرِفَاتَّبِعْهَاوَلَاتَتَّبِعْ اَهْوَآءَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ:اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْاعَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا،وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ،وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ:

پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر کر دیا، سو آپ اسی طریقے پر چلے جائیے اور ان جاہلوں کی خواہشات پر نہ چلئے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے۔ اور ظالم لوگ باہم ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اہل تقوی کا دوست ہے۔

:وَلَا تَتَّبِعْ: بظاہر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے لیکن خطاب کا اصل رُخ امت کی طرف ہے (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق تو اتباعِ خواہشات کا احتمال ہی نہیں تھا) یعنی آپ ﷺ کی امت ان لوگوں کا اتباع نہ کرے جو کتاب اللہ سے ناواقف ہیں، خواہ اس طور پر کہ باوجود عدمِ علم کے مدعی علم ہیں جیسے فلاسفہ، یا اس طور پر کہ کسی سے انہوں نے کچھ سیکھا ہی نہیں، کسی نے کتاب کی بات ان کو پہلے بتائی نہیں جیسے سرداران قریش تھے۔ سرداران قریش رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ اپنے باپ دادا کے مذہب کی طرف لوٹ آؤ، وہ تم سے افضل تھے۔

یا یہ مطلب ہے کہ علم تو ان کو تھا وہ جانتے تھے لیکن قصداً انہوں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی کتاب پر عمل ترک کر دیا تھا اور آیاتِ کتاب کی غلط تاویلیں کرتے تھے تو گویا وہ علم ہی سے محروم تھے جیسے علماء یہود تھے۔ اسی طرح مسلمانوں میں سے وہ فرقے بھی جو راہِ حق سے بھٹکے ہوئے تھے اور اپنی خواہشات کے تابع تھے۔

:اِنَّهُمْ: یعنی جو لوگ اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں جو راہِ حق نہیں ہے۔ اگر آپ ان کی راہ پر چلے تو وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عذاب سے تمہاری طرف سے بالکل دفاع نہیں کر سکیں گے۔

:وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ: یعنی یہ باہم مجانست رکھتے ہیں اور اتحاد جنسی و یگانگت وانضمام کی علت ہے، اس لئے یہ سب باہم گھلے ملے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ ان کو دوست نہ بنائیں۔

:وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ: اور اللہ تعالیٰ جل شانہ تقویٰ والوں کا دوست ہے، پس آپ تقویٰ اختیار کر لیجئے اور شریعت پر چلئے۔ دونوں جملوں سے درپردہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کافر..... آپ ﷺ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے، کیونکہ یہ ظالم آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ تقویٰ والوں کا دوست ہے اور دونوں کی دوستی میں عظیم الشان فرق ہے۔ (تفسیر مظہری اردو: ج 10: ص 306)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

پھر بنا دیا ہم نے آپ کو (پیغمبر و ہادی) دین کے ایک دستور پر، بس آپ اسی کی اتباع و پیروی کیجئے اور مت چلئے ان لوگوں کی خواہشوں پر جو نادان ہیں (اگر کسی وقت جذبۂ ہمدردی یا مصلحت کے خیال سے آپ ﷺ ان کی کسی بات کو بالفرض پوری کرنے کا ارادہ کریں تو آپ ﷺ کو اس بات سے آگاہ ہونا چاہئے کہ وہ) ہرگز خدا تعالیٰ کے یہاں

آپ کے ذرّہ برابر بھی کام نہ آئیں گے(اور کسی بھی فروگزاشت پر اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کوئی قہر کسی کی طرف متوجہ ہوا تو اس کو کوئی بھی دفع نہیں کرسکتا۔مومنِ مطیع کا، کافر نافرمان سے اور باغی ومجرم سے کسی قسم کی مرافقت ممکن ہی نہیں ہر ایک کا راستہ جدا ہے)اور بیشک ظالم ومجرم ایک دوسرے کے رفیق ومددگار ہیں اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے تقوی والوں کا(اس لئے ایمان وتقوی والوں کو اپنے اللہ تعالیٰ جل شانہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور ظالم کی خواہشات وافکار کا قطعاً نہ لحاظ کرنا چاہئے اور نہ ان کی روش اختیار کرنی چاہئے۔ان کا راستہ ظلم وبغاوت کا راستہ ہے اور اہل ایمان کا راستہ فرمانبرداری واطاعت کا راستہ ہے اور اس پر چلنے والوں کا خدا ساتھی اور مددگار ہے تو پھر کسی کی مخالفت ودشمنی کی کیا پرواہ)۔

(معارف القرآن:ج7:ص352)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

فرمایا:بنی اسرائیل نے توہدایت کے تمام سامان مہیا ہونے کے باوجود آپس میں اختلاف کیا۔اور مشرکینِ مکہ اور عرب نے ضد،عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نبی آخرالزمان ﷺ کی نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضور ﷺ سے خطاب فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل تو دینِ حق پر قائم نہ رہ سکے:ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ: پھر ٹھہرایا ہے ہم نے آپ کو ایک شریعت پر دین کے سلسلہ میں:فَاتَّبِعْهَا:پس آپ اس کی پیروی کریں اور ان لوگوں کے اختلافات،تعصب اور عناد کی طرف توجہ نہ دیں،کیونکہ یہ تو اسی طرح کرتے رہیں گے اور آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ میں ہی ہوگا۔اب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے اور آپ کے پیروکاروں کے لئے ایک شریعت مقرر کردی ہے لہذا اس کی پیروی کریں اور کفار ومشرکین اور اہل کتاب کی خواہش پر اپنے دینِ حق کی تبلیغ میں ڈھیلے نہ پڑ جائیں۔مطلب یہ کہ:وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ: آپ اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جن کو کچھ علم نہیں،وہ جاہل اور نادان ہیں،اُن کے کہنے میں بالکل نہیں آنا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ ہم نے آخر میں آپ کو ایک شریعت پر مقرر کیا ہے آپ اسی شریعت کی اتباع کریں اور بے علم لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیں۔کیونکہ:اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْکَ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا:وہ آپ کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے کچھ بھی کام نہیں دے سکے گے۔اگر آپ نے اُن کی طرف جھکاؤ کرلیا تو پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے:وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ: بیشک بے انصاف ایک دوسرے کے حامی اور رفیق ہوتے ہیں۔جو لوگ شریعت مطہرہ کی بجائے شیطان کے نقش قدم پر چلتے ہیں،وہی ایک دوسرے کے معاون بنتے ہیں۔اس کے برخلاف:وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ:اہل ایمان اور پرہیزگاروں کا حامی وناصر اور کارساز اللہ

تعالیٰ جل شانہ ہوتا ہے۔لہذا اہل ایمان کواللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھنا چاہئے،وہی ان کا کارساز ہے۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن:ج16:ص 747)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

ہم نے آپ کو(نبوت دی اور آپ کو)دین کے ایک خاص طریقے پر کردیا،سوآپ اُسی طریقے پر چلے جایئے (یعنی عمل میں بھی اور تبلیغ میں بھی)اوران جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے (یعنی ان کی خواہش تو یہ ہے کہ آپ تبلیغ ترک کردیں اوراسی لئے یہ طرح طرح سے پریشان کرتے ہیں تاکہ آپ تنگ ہوکر تبلیغ چھوڑ دیں۔سوآپ سے گو یہ احتمال نہیں مگرامر تبلیغ کے اہتمام کے لئے آپ کوپھراس کا حکم ہوتا ہے،آگے اسی طرز پراس حکم کی علت فرماتے ہیں کہ)یہ لوگ خداتعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے (پس ان کا اتباع نہ ہونے پائے)اورظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں(اورایک دوسرے کا کہنا مانتے ہیں)اوراللہ تعالیٰ دوست ہے اہلِ تقوی کا(اوراہل تقوی اس کا کہنا مانا کرتے ہیں۔سوجب آپ ظالم نہیں ہیں بلکہ سردارِ متقین ہیں تو آپ کوان کی اتباع سے کیا نسبت؟البتہ احکامِ الٰہی کی اتباع سے خاص نسبت ہے)۔(معارف القرآن:ج7:ص920)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:ثُمَّ جَعَلْنٰکَ : ہم نے دین اسلام کی راہ واضح اور روشن کر کے اس پر آپ ﷺ کو گامزن کردیا ہے آپ اسی پر گامزن رہیں اوراس سے سرمو اِدھراُدھر نہ ہوں اوران نادانوں اورخواہشات کے بندوں کی خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی کرتے ہوئے غیراللہ کونہ پکاریں۔

:اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ: جولوگ اپنی خواہشاتِ نفسانیہ اورآراءباطلہ کے بندے ہیں ان کی پیروی سے کچھ بھی نفع نہیں ہوگا نہ ان کے اتباع سے اللہ تعالیٰ کی راہ نصیب ہوگی اور نہ اتباعِ باطل کے خدائی عذاب ہی سے وہ بچاسکیں گے۔ایمان والوں کوکیاپڑی ہے کہ وہ ان ظالموں سے تعلق رکھیں اوران کی پیروی کریں۔ان مشرکوں کی دوستی ان کے ہم جنس مشرکوں ہی سے ہوسکتی ہے اوروہی ان کے پیچھے چلیں گے۔متقی اورشرک سے بچنے والے لوگوں کی محبت کا مرکز ذاتِ باری تعالیٰ ہے اس لئے انہیں اسی کے ارشادات کی اطاعت وتعمیل کرنی چاہئے۔

(جواھرالقرآن:ج3:ص 1124)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ: پھرٹھہرایا ہم نے آپ کوایک شریعت پر دین کے معاملہ میں

:فَاتَّبِعْهَا: پس آپ اس کی پیروی کریں اور کفار اور مشرکین اور اہل کتاب کے تعصب اور عناد کی پروا نہ کریں اور ان کی خواہش پر اپنے دین حق کی تبلیغ میں ڈھیلے نہ پڑ جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ :وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ: اور آپ پیروی نہ کریں ان لوگوں کی خواہشات کی جن کو کچھ علم نہیں ہے۔ وہ جاہل اور نادان لوگ ہیں، ان کے کہنے میں بالکل نہیں آنا۔

تو فرمایا کہ ہم نے آپ کو ایک شریعت پر مقرر کیا ہے آپ اسی کا اتباع کریں اور بے علم لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیں کیونکہ :اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا: بے شک وہ ہرگز کفایت نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ بھی، وہ آپ کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے کچھ بھی کام نہیں دے سکتے، اگر آپ نے ان کی طرف جھکاؤ کر لیا تو پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔

:وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ: اور بیشک ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی اور رفیق ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف :وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ: اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا حامی و ناصر، رفیق اور کارساز ہوتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حمایت حاصل ہو وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ (ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج 18: ص 331)

ان آیات کے حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

پھر ہم نے تجھے دین کی ظاہر راہ پر قائم کر دیا ہے، سو تُو اسی پر لگا رہ، اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑ۔ یاد رکھ! یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کسی عذاب کو تجھ سے ہٹا نہیں سکتے۔ سمجھ لے کہ ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں، اور پرہیزگاروں کا رفیق اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

اے نبی تیرا رب ان کے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن خود ہی کر دے گا۔ اس میں اس اُمت کو چوکنا کیا گیا ہے کہ خبردار تم ان جیسے نہ ہونا ان کی چال نہ چلنا، اسی لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ تُو اپنے رب کی وحی کا تابعدار بنا رہ، مشرکوں سے کوئی مطلب نہ رکھ، بے علموں کی ریس نہ کر، یہ تجھے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں کیا کام آئیں گے؟ ان کی دوستیاں تو ان میں آپس میں ہی ہیں۔ یہ تو اپنے ملنے والوں کو نقصان ہی پہنچایا کرتے ہیں۔ پرہیزگاروں کا ولی و ناصر رفیق و کارساز پروردگار عالم ہے۔ جو انہیں اندھیریوں سے ہٹا کر نور کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے دوست شیاطین ہیں جو انہیں روشنی سے ہٹا کر اندھیریوں میں جھونکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ج 5: ص 69)

سورة النّجم

:فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ،عَنۡ ذِکۡرِنَاوَلَمۡ یُرِدۡاِلَّاالۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا:(نجم:آیت 29)

ترجمہ: سوت و دہیان نہ کراس پر جومُنہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

جب اوپر سے مشرکینِ عرب کا معاند ہونا معلوم ہوگیا کہ باوجود نزولِ قرآن اور ہدایت کے یہ اپنے گمان اور ہوئی پر چلتے ہیں، اور معاند سے قبولِ حق کی امید نہیں ہوتی۔ تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے، اور بجز دنیوی زندگی کے اس کو کوئی (اخروی مطلب) مقصود نہ ہو (جس کی وجہ عدمِ ایمان بالآخرۃ ہے، اور) ان لوگوں کے فہم کی رسائی کی حد بس یہی (دنیوی زندگی) ہے (جب ان کی بدفہمی اور بےفکری کی نوبت یہاں تک پہنچی ہے تو اُن کی فکر نہ کیجئے، اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کیجئے)۔ (بیان القرآن: ج2: ص 1016)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجدّدی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ،عَنۡ ذِکۡرِنَاوَلَمۡ یُرِدۡاِلَّاالۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا: تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اس کا اور کوئی مقصد نہ ہو۔

یعنی جب ان مشرکوں کی جہالت، خفت، دانش اور سبک سری معلوم ہوگئی اور یہ امر ظاہر ہوگیا کہ یہ اپنے بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور رب تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ ہدایت کی پرواہ نہیں کرتے اور ان پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگرداں اور گریزپا ہیں تو اب آپ بھی ان کو ہدایت کرنے کی پرواہ نہ کیجئے ان کو سمجھانا اور حق کو قبول کرنے کی دعوت دینا بیکار ہے، کیونکہ یہ لوگ چوپایوں کی طرح بےعقل بلکہ ان سے

بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔(تفسیر مظہری اردو:ج 11:ص 104)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ہماری یہی نصیحت ہے کہ پس آپ ایسے شخص سے اعراض و بے رخی اختیار کر لیجئے جس نے ہماری نصیحت سے روگردانی کر لی اور اس کا کوئی مقصد نہیں سوائے دنیوی زندگی کے (اور ظاہر ہے کہ جس کا مقصدِ حیات صرف دنیوی زندگی ہو وہ نہایت ہی ناعاقبت اندیش اور کم فہم ہے۔(معارف القرآن: ج7: ص 574)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے پیغمبرﷺ کو خطاب کر کے فرمایا: فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ،عَنۡ ذِکۡرِنَا: پس آپ منہ پھیر لیں اس شخص سے جس نے رُوگردانی کی ہماری یاد سے: وَلَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا: اور نہیں ارادہ کیا مگر صرف دنیا کی زندگی کا۔

مطلب یہ کہ جو شخص صرف دنیا کا طالب ہے اور آخرت کی کچھ فکر نہیں رکھتا، آپ اس کی طرف زیادہ توجہ نہ دیں بلکہ اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن:ج 17:ص408)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

جب اوپر سے مشرکینِ عرب کا معاند ہونا معلوم ہو گیا کہ باوجود نزولِ قرآن اور ہدایت کے یہ اپنے گمان اور ہوئی پر چلتے ہیں، اور معاند سے قبولِ حق کی امید نہیں ہوتی۔ تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے، اور بجز دنیوی زندگی کے اس کو کوئی (اخروی مطلب) مقصود نہ ہو (جس کی وجہ عدمِ ایمان بالآخرۃ ہے، اور) ان لوگوں کے فہم کی رسائی کی حد بس یہی (دنیوی زندگی) ہے (جب ان کی بدفہمی اور بے فکری کی نوبت یہاں تک پہنچی ہے تو اُن کی فکر نہ کیجئے، اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حوالے کیجئے)۔

:فَاَعۡرِضۡ: یعنی آپﷺ ایسے لوگوں سے اپنا خیال ہٹا لیجئے، جو ہماری یاد سے رُخ پھیر لیں اور دنیوی زندگی کے سوا ان کا کوئی مقصد نہ ہو، یہی اُن کا انتہائی علم و ہنر ہے۔(معارف القرآن :ج 8:ص 270)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

پس آپ اعراض کریں اس سے جس نے منہ موڑ لیا ہمارے ذِکر سے، قرآن سے۔ قرآن کریم کا ایک نام ذِکر بھی ہے۔ تو فرمایا: آپ ان سے اعراض کریں جو قرآن سے اعراض کرتے ہیں، نہیں مانتے: فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ

تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا: اور نہیں ارادہ کیا اس نے مگر دنیا کی زندگی کا۔یعنی صرف دنیا کو مقصود بنالیا، ورنہ دنیا میں رہ کر دنیا کمانا ناجائز نہیں ہے،صرف دنیا کو مقصود بنانا ناجائز ہے کہ نہ نماز، نہ روزہ، نہ زکوۃ، نہ حج، نہ حلال وحرام کی تمیز، یہ بُری چیز ہے۔(ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن:ج19:ص344)

اس آیت کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

تُو اُس سے منہ موڑ لے جو ہماری یاد سے منہ موڑ لے اور جن کا ارادہ بجز زندگانی دنیا اور کچھ نہ ہو۔

حق سے اعراض کرنے والوں سے اعراض کرنا:

اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے نبی ﷺ سے فرماتے ہیں کہ حق سے اعراض کرنے والوں سے آپ بھی اعراض کرلیں ،ان کا مطمع نظر صرف دنیا کی زندگی ہے،اور جس کی غایت یہ سفلی دنیا ہو اس کا انجام کبھی نیک نہیں ہوتا،ان کے علم کی غایت بھی یہی ہے کہ دنیا طلبی اور کوشش دنیا میں ہر وقت منہمک رہیں۔(تفسیر ابن کثیر:ج5:ص211)

سورة المجادله

:اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْاقَوْمًاغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ،مَاهُمْ مِّنْكُمْ وَلَامِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ:(مجادله:آیت 14)

ترجمہ: کیاتُو نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جو دوست ہوئے ہیں اس قوم کے جن پر غصہ ہوا ہے اللہ تعالیٰ، نہ وہ تم میں ہیں اور نہ اُن میں ہیں، اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر اور ان کو خبر ہے۔

:اَعَدَّاللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًاشَدِيْدًا،اِنَّهُمْ سَآءَ مَاكَانُوْ يَعْمَلُوْنَ:(مجادله:آیت 15)

ترجمہ: تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے سخت عذاب، بیشک وہ بُرے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا(الی قوله)اِنَّهُمْ سَآءَ مَاكَانُوْيَعْمَلُوْنَ: کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب کیا ہے (پہلے لوگوں سے مراد منافقین ہیں اور دوسرے لوگوں سے مراد یہود و جمیع کفار مجاہرین اور منافقین چونکہ یہودی تھے اس لئے اُن کی دوستی یہود سے اور اسی طرح اور کفار سے بھی مشہور اور معلوم ہے) یہ (منافق) لوگ نہ تو (پورے پورے) تم میں ہیں اور نہ (پورے پورے) ان ہی میں (بلکہ ظاہر میں تو تم سے ملے ہوئے ہیں اور باطناً وعقیدۃً کفار کے ساتھ ہیں) اور جھوٹی بات پر قسمیں کھاجاتے ہیں (اور جھوٹی بات یہی ہے کہ ہم مسلمانوں میں شامل ہیں) اور وہ (خود بھی) جانتے ہیں (کہ ہم جھوٹے ہیں، آگے ان کے لئے وعید ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے (کیونکہ) بیشک وہ بُرے بُرے کام کیا کرتے تھے۔(بیان القرآن:ج2:ص 1047)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

امام احمد، بزار، ابن جریر، طبرانی اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے کسی حجرہ میں تشریف فرما تھے یا کسی حجرہ کے سایہ میں فروکش تھے اور سایہ سکڑ رہا تھا۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک جبار آدمی تمہارے پاس (ابھی) آئے گا۔دوسری روایت میں آیا ہے:اس کا دل جبار کے دل کی طرح ہوگا یعنی وہ

شیطان ہوگا۔جب وہ آئے تو تم لوگ اس سے کلام نہ کرنا۔حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کے تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ سامنے سے ایک شخص نمودار ہوا، جو نیلی آنکھوں والا اور کانا تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے اس کو آتا دیکھا تو بلایا اور فرمایا: تم اور تمہارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا: مجھے ذرا دیر کی اجازت دیجئے میں جا کر ابھی آپ ﷺ کے پاس آتا ہوں۔چنانچہ وہ شخص گیا اور ساتھیوں کو بلا لایا اور سب نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے قسمیں کھائیں کہ ہم نے نہ یہ باتیں کہی ہیں نہ کی ہیں۔اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

:اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ،مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ،اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا،اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ:

کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کی حالت کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب نازل کیا ہے، یہ منافق لوگ نہ تو پورے پورے تمہیں میں سے ہیں اور نہ ان کافروں میں سے اور دانستہ جھوٹ پر قسمیں کھاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، بیشک وہ بُرے کام کیا کرتے تھے۔

:اَلَّذِيْنَ: سے مراد ہیں منافق یعنی عبداللہ بن نبتل اور اس کے ساتھی۔اور نَقَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ: سے مراد ہیں یہودی۔یہ منافق یہودیوں کے دوست اور خیر خواہ تھے۔رسول اللہ ﷺ کے راز یہودیوں سے جا کر کہہ دیتے تھے۔:مَا هُمْ مِّنْكُمْ : یعنی دین اور دوستی میں وہ تم میں سے نہیں ہیں۔دین کے لحاظ سے مؤمن نہیں اور دوستی یہودیوں سے رکھتے ہیں:وَلَا مِنْهُمْ:اور نہ یہودیوں میں سے ہیں۔

:وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ: اور قسمیں کھا کر جھوٹا دعوی کرتے ہیں، یعنی اسلام کا دعوی کرنے میں جھوٹے ہیں۔:وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: اور دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے کو سچا جانتے ہوں اور خیال کرتے ہوں کہ ہم سچی قسمیں کھا رہے ہیں۔(تفسیر مظہری اردو:ج 11:ص226)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: گزشتہ آیات میں ان منافقین و یہود کا ذکر تھا جو رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچانا چاہتے تھے اور مختلف طریقوں سے یہی چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین و بے حرمتی کی جائے۔تو اب ان آیات میں مسلمانوں کو اس بات پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ ایسے گستاخوں اور مغضوب علیہم لوگوں کے ساتھ کسی طرح موالات اور دوستی نہ رکھی جائے۔مقصود یہ کہ جو اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے دوست ہیں ان کے واسطے یہ

بات زیب نہیں دیتی کہ ایسے گستاخوں اور اسلام دشمن عناصر سے تعلقات و دوستی قائم کریں۔اسی کے ضمن میں ان کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان حربوں کو بیان کیا جارہا ہے جو وہ اختیار کیا کرتے تھے۔تو ارشاد مبارک ہے:

:اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا(الی قولہ)اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: اے مخاطب! کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو دوست رکھتے ہیں اس قوم کو جس پر غصہ ہوا اللہ تعالیٰ کا (اور ان کو خدا تعالیٰ نے: مغضوب علیھم: قرار دیا اور یہ گروہ منافقین ہے جنہوں نے یہود سے دوستی اور موالات قائم کی) جو نہ تو تم میں سے ہیں (کیونکہ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں محض زبانی اسلام کا دعوی ہے) اور نہ ان کافروں سے ہیں (جو کھلم کھلا کفر وانکار کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ زبان سے کہنے والے ہیں: کہ ہم نے ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر: اور حقیقت یہ ہے کہ: وہ مؤمن نہیں ہیں) اور قسم کھاتے ہیں جھوٹ بات پر اور حالانکہ وہ جانتے ہیں (کہ وہ جھوٹے ہیں) تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے واسطے سخت عذاب (کہ یہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے) بیشک بہت ہی بُرے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کرتے ہیں (نفاق، ایذاء رسانی اور لوگوں کو راہِ ہدایت سے روکنے کی پوری پوری کوشش کرنا، یقیناً یہ کام عقل اور فطرت کی رو سے بدترین کام ہیں جس کے باعث یقیناً ان کے واسطے دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی شدید عذاب ہے۔(معارف القرآن: ج8: ص 15: ناشر: مکتبہ حسان بن ثابتؓ لاہور: سن طباعت 1434ھ)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

گذشتہ درس میں آدابِ مجلس کے سلسلے میں یہودیوں و منافقین کی ایذاء رسانی کا ذکر ہوا تھا۔اب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن کی بعض بُری خصلتوں کا ذکر کر کے اُن کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

مدنی زندگی میں آ کر اہل ایمان کو منافقین کے ساتھ واسطہ پڑا۔یہ اعتقادی منافق تھے جو کہ کافروں کی بدترین قسم ہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن کے متعلق سورۃ النسآء میں فرمایا ہے کہ بیشک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے اور خطرناک گڑھے میں ہوں گے۔یہ لوگ بظاہر اسلام کا کلمہ بھی پڑھتے تھے اور ظاہری طور پر تعمیل احکام بھی کرتے تھے مگر اُن کے دل پہلے کی طرح کفر سے لبریز تھے۔ان بدبختوں کی پہچان مشکل تھی لہذا اللہ تعالیٰ جل شانہ وحی کے ذریعے ان کے نفاق کا پردہ چاک کر دیتے تھے۔بعض اوقات ان کی حرکات سے بھی کسی حد تک ان کی خباثت کا پتہ چل جاتا تھا کہ یہ اسلام کے دشمن ہیں۔یہ لوگ مخلص مسلمانوں اور دینِ اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

ان کا سرغنہ عبداللہ بن ابی منافق تھا۔یہ لوگ مدینہ اور گردونواح کی بستیوں میں آباد تھے۔یہودی کم وبیش ایک

ہزار سال سے مدینہ کے اطراف میں رہائش پذیر تھے،عربی زبان بولتے تھے مگر اپنی مذہبی رسومات باقاعدگی سے ادا کرتے تھے،تورات کے عالم تھے،عام پڑھنا لکھنا بھی جانتے تھے اس لئے صاحبِ علم کہلاتے تھے۔

اس کے برخلاف عربوں کی 98فیصد آبادی اَن پڑھ تھی جو کہ اُمّی کہلاتے تھے اور تمام باتیں زبانی یاد رکھتے تھے،اس میں بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حکمت تھی۔اس نے اپنا آخری نبی انہی اُمیوں میں مبعوث فرمایا۔جس نے علم وعرفان کے وہ خزانے بکھیرے جس نے ساری تمدن اور تعلیم یافتہ قوموں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن پاک میں منافقوں سے بچنے کی بار بار تلقین کی ہے۔کافروں کی دشمنی تو کُھلے عام تھی اور اُن سے دفاع بھی کیا جا سکتا تھا مگر منافق لوگ مارِ آستین ثابت ہو رہے تھے جو اپنی سازشوں اور غلط پروپیگنڈوں کے زُور پر مسلمانوں میں بددلی پیدا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے سورۃ توبہ میں اِن کا پردہ چاک کر کے اِن کی بڑی رسوائی کی ہے،غرض یہ کہ مدنی سورتوں میں منافقوں کا بکثرت ذکر آیا ہے۔

یہود و منافقین کی اسلام دشمنی:

یہاں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اعتقادی منافقوں کے متعلق فرمایا ہے:اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ: کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اُن لوگوں سے دوستانہ رکھا ہے۔جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔مغضوب علیہ قوم سے مراد یہودی ہیں۔جن کے ساتھ منافقوں کا دوستانہ تھا۔اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی بار بار نافرمانیوں کی بناء پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا:بَوْٓءٍ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ: کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب لے کر لوٹے۔ان کے ہاں نبی بھی آتے رہے جو اُن کو راہِ راست پر لانے کی پوری پوری کوشش کرتے رہے۔ مگر یہ بدبخت اس قدر بگڑ چکے تھے کہ اُن کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی۔یہ مغضوب اور ملعون لوگ ہیں۔

منافقوں کی جھوٹی قسمیں:

فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جنہوں نے: مغضوب علیہ: قوم سے دوستانہ کیا۔یہ منافق لوگ:مَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَلَا مِنْھُمْ: نہ تو تم میں سے ہیں اور نہ اُن میں سے۔مطلب یہ کہ نہ تو یہ پکے یہودی ہیں اگرچہ ان کی ہمدردیاں یہودیوں کے ساتھ ہیں اور نہ یہ مسلمان ہیں حالانکہ بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں۔فرمایا:یہ بھی سازش کی کامیابی کیلئے:وَیَحْلِفُوْنَ عَلَی الْکَذِبِ: جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں،مسلمانوں کو جھوٹی قسموں کے ذریعے یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں:وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ: حالانکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

منافق جھوٹی قسمیں کھانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔مسند احمد اور مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ

حضور اکرم ﷺ کسی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے وحی الٰہی کے خبر دینے پر حاضرین مجلس کو بتایا کہ ابھی تمہارے پاس نیلگوں آنکھوں والا شخص آئے گا۔ جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے، لہذا تم اُس سے کوئی بات نہ کرنا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شخص آ گیا حضور ﷺ نے اُس شخص سے فرمایا کہ تم اور تمہارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو؟ وہ شخص قسمیں اٹھانے لگا کہ اُس نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ پھر وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی بلا لایا اور انہوں نے بھی جھوٹی قسمیں اٹھائیں کہ ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، حالانکہ وہ حقیقت کو جانتے ہیں۔

سورۃ المنافقون میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ اِن کی قسمیں جھوٹی اور نا قابلِ اعتبار ہیں۔ یہ لوگ زبان سے تو کہتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ہیں مگر دل سے آپ کو سچا رسول نہیں مانتے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا: أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا: کہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ کیونکہ: اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: ان کی کارگزاری بہت ہی بُری ہے۔ (معالم العرفان فی دُروس القرآن: ج 18: ص 204)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب کیا ہے (پہلے لوگوں سے مراد منافقین ہیں اور دوسرے لوگوں سے مراد یہود و جمیع کفار مجاہرین، اور منافقین چونکہ یہودی تھے اس لئے اُن کی دوستی یہود سے اور اسی طرح اور کفار سے بھی مشہور اور معلوم ہے) یہ (منافق) لوگ نہ تو (پورے پورے) تم میں ہیں اور نہ (پورے پورے) ان ہی میں (بلکہ ظاہر میں تو تم سے ملے ہوئے ہیں اور باطناً وعقیدۃً کفار کے ساتھ ہیں) اور جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں (اور جھوٹی بات یہی ہے کہ ہم مسلمانوں میں شامل ہیں) اور وہ (خود بھی) جانتے ہیں (کہ ہم جھوٹے ہیں)۔

معارف و مسائل:

:اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان لوگوں کی بدحالی اور انجامِ کار عذابِ شدید کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دشمنوں کافروں سے دوستی رکھیں، کفار خواہ مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ یا دوسرے اقسام کے کفار کسی مسلمان کیلئے دلی دوستی کسی سے جائز نہیں، اور وہ عقلاً ہو بھی نہیں سکتی، کیونکہ مؤمن کا اصل سرمایہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی محبت ہے، کفار اللہ تعالیٰ جل شانہ کے مخالف اور دشمن ہیں۔ اور جس شخص کے دل میں کسی شخص کی سچی محبت اور دوستی ہو اس سے یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کے دشمن سے بھی محبت

اور دوستی رکھے۔اسی لئے قرآن کریم کی بہت سی آیات میں موالاتِ کفار کی شدید حُرمت وممانعت کے احکام آئے ہیں، اور جو مسلمان کسی کافر سے دلی دوستی رکھے تو اس کو کفار ہی کے زمرہ میں شامل سمجھے جانے کی وعید آئی ہے۔لیکن یہ سب احکام دلی اور قلبی دوستی کے متعلق ہیں۔

کفار کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیر خواہی، اُن پر احسان، حسن اخلاق سے پیش آنا یا تجارتی اور اقتصادی معاملات اُن سے کرنا، دوستی کے مفہوم میں داخل نہیں۔یہ سب امور کفار کے ساتھ بھی جائز ہیں۔رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا کُھلا ہوا تعامل اس پر شاہد ہے۔البتہ.....ان سب چیزوں میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ ان کے ساتھ ایسے معاملات رکھنا اپنے دین کے لئے مضر نہ ہو، اپنے ایمان اور عمل میں سُستی پیدا نہ کرے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی مضر نہ ہو۔

:وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت عبداللہ ابن ابی اور عبداللہ بن نبتل منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے تو فرمایا کہ اب تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جس کا قلب: قلبِ جبار: ہے اور جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔اس کے بعد ہی عبداللہ بن نبتل منافق داخل ہوا، جو نیلگوں چشم، گندم گوں، پست قد، خفیف اللحیہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم اور تمہارے ساتھی مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو؟ اس نے حلف کر کے کہا کہ میں نے ایسا نہیں کیا، پھر اپنے ساتھوں کو بھی بُلا لیا انہوں نے بھی یہ جھوٹا حلف لیا۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس آیت میں اُن کے جھوٹ کی خبر دے دی۔ (معارف القرآن: ج8: ص452)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا: آخر میں پھر منافقین کے لئے زجر اور تخویف دنیوی واخروی ہے۔ان بد بخت منافقوں کی دلی دوستی مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ ہے۔اس دوغلی روش سے انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا بلکہ دنیا اور آخرت میں خسارہ اٹھائے گے۔

:اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا: یہ منافقین پر زجر ہے۔:مغضوب علیھم:جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا، سے یہود مراد ہے۔:الکذب:اور خلاف حقیقت بات۔اس سے منافقین کا دعویٰ اسلام مراد ہے وہ دعویٰ کرتے کہ ہم مؤمن ہیں لیکن ان کے دلوں میں بدستور کفر جاگزیں تھا اور ایمان کا ان کے دلوں میں شائبہ تک نہ تھا۔

منافقین کا اسلام چونکہ دنیوی منافع اور وقتی مصالح کی بناء پر تھا، اس لئے درپردہ ان کا گٹھ جوڑ یہودیوں سے تھا

جو اپنی سرکشی اور شرارتوں کی وجہ سے غضب خداوندی کے مستحق ٹھہر چکے تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھاتے کہ وہ مخلص مؤمن ہیں۔

فرمایا: کیا آپ نے ان لوگوں کا حال ملاحظہ نہیں فرمایا جن کی دوستی ان یہود کے ساتھ ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب مقدر ہو چکا ہے۔ حقیقت میں پرلے درجہ کے مکار ہیں۔ وہ نہ تمہارے دوست ہیں اور نہ یہودیوں کے، وہ دونوں فریقوں کو دھوکہ دے کر اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں اور جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ مؤمن ہیں اور تمہارے ساتھ ہیں حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہیں۔

:اَعَدَّاللّٰہُ: یہ منافقین کے لئے تخویف اخروی ہے۔ دنیا میں وقتی مصالح حاصل کرلیں، لیکن آخرت میں ان کے لئے نہایت ہی سخت سزا تیار ہے کیونکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں نہایت ہی بُرا کر رہے ہیں۔

(جواھر القرآن: ج3: ص1230)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

منافقین کا کردار:

کچھ لوگوں نے بظاہر کلمہ پڑھ لیا تھا مگر اُن کے دل ایمان سے خالی تھے اور وہ اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرواتے، حالانکہ اُن کا اصلی تعلق کافروں کے ساتھ تھا۔ یہ منافقین کی جماعت بہت خطرناک تھی۔ اسی لئے بار بار اُن سے بچنے کی تلقین کی گئی۔ اُن منافقین نے یہودیوں کے ساتھ دوستانہ قائم کر رکھا تھا۔ جبکہ یہودی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں ہی مصروف رہتے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

:اَلَمْ تَرَ: اے مخاطب! کیا آپ نے دیکھا نہیں: اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ: اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے ایسی قوم، ایسی جماعت سے دوستانہ قائم کر رکھا ہے جن پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا غضب ہوا۔ جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا غضب نازل ہوا اُن میں خصوصیت کے ساتھ یہود ہیں۔ اسی لئے: المغضوب علیھم: سے مراد یہود لیئے جاتے ہیں۔

:مَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَلَا مِنْھُمْ: یہ منافق لوگ اگر چہ انہوں نے بظاہر کلمہ پڑھا ہے اور اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ تم میں سے نہیں ہیں اور نہ ہی وہ یہود میں سے ہیں۔ وہ بیشک یہودیوں کے ساتھ دوستانہ رکھتے ہیں، ان کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں مگر پکے یہودی نہیں اور نہ ہی وہ اُن میں اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں

:وَیَحْلِفُوْنَ عَلَی الْکَذِبِ: اور وہ جھوٹی بات پر قسمیں اُٹھاتے ہیں: وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ: حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

منافقین کی سزا:

:اَعَدَّاللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًاشَدِيْدًا: اس آیت سے منافقین کی سزا بیان کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کیلئے سخت قسم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:انّ المنٰفقين فى الدّرك الاسفل من النّار: بیشک منافق جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے:اِنَّهُمْ سَآءَ مَاكَانُوْ يَعْمَلُوْنَ: بیشک وہ لوگ جو کرتے ہیں وہ بُرا ہے۔اُن کا کردار،طرزِ عمل،یہود کے ساتھ دوستانہ اور جھوٹی قسمیں اُٹھانا وغیرہ ہر کام بُرا ہے۔

(ذخيرة الجنان فى فهم القرآن:ج20:ص51)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

کیا تُو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟جنہوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہو چکا ہے،نہ یہ منافق تمہارے ہی ہیں نہ ان کے،یہ باوجود علم کے پھر بھی جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے،تحقیق جو کچھ یہ کر رہے ہیں بُرا کر رہے ہیں۔

دوغلے لوگوں کا کردار:

منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ اپنے دل میں یہود کی محبت رکھتے ہیں گو وہ اصل میں ان کے بھی حقیقی ساتھی نہیں ہیں،حقیقت میں نہ اِدھر کے ہیں نہ اُدھر کے ہیں،صاف جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں،ایمانداروں کے پاس آ کر ان کی سی کہنے لگتے ہیں،رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر قسمیں کھا کر اپنی ایمانداری کا یقین دلاتے ہیں اور دل میں اس کے خلاف جذبات پاتے ہیں اور اپنی اس غلط گوئی کا علم رکھتے ہوئے بے دھڑک قسمیں کھا لیتے ہیں۔ان کی ان بداعمالیوں کی وجہ سے انہیں سخت تر عذاب ہوں گے،اس دھوکہ بازی کا برابر بدلہ انہیں دیا جائے گا۔یہ تو اپنی قسموں کو اپنی ڈھالیں بنائے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے رک گئے ہیں،ایمان ظاہر کرتے ہیں کفر دل میں رکھتے ہیں اور قسموں سے اپنی باطنی بدی کو چھپاتے ہیں اور ناواقف لوگوں پر اپنی سچائی کا ثبوت اپنی قسموں سے پیش کر کے انہیں اپنا مداح بنا لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں۔چونکہ انہوں نے جھوٹی قسموں سے اللہ تعالیٰ کے پُر از صد ہزار تکریم نام کی بے عزتی کی تھی اس لئے انہیں ذلت و اہانت والے عذاب ہوں گے،جن عذابوں کو نہ ان کے مال دفع کر سکیں گے نہ اس وقت ان کی اولاد انہیں کچھ کام دے سکے گی یہ تو جہنمی بن چکے اور وہاں سے ان کا نکلنا بھی کبھی نہ ہوگا۔(تفسير ابن كثير:ج5:ص303)

سورة المجادله

:لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّاللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْاَبْنَآءَهُمْ اَوْاِخْوَانَهُمْ اَوْعَشِيْرَتَهُمْ،اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ،وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَاالْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا،رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ،اَلَآاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ:(مجادله:آیت:22)

ترجمہ: تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ تعالیٰ پر اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے، اُن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے ایمان اور اُن کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے اور داخل کرے گا اُن کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، ہمیشہ رہیں گے اُن میں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، وہ لوگ ہیں گروہ اللہ تعالیٰ کا، خوب سن لو جو گروہ ہے اللہ تعالیٰ کا وہی مراد کو پہنچے۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ(الی قوله)اَلَآاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ:

(دوستیٔ کفار میں منافقین کے حال کے خلاف اہل ایمان کا حال بیان فرماتے ہیں کہ) جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ اُن کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے برخلاف ہیں گو وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان (کے قلوب) کو اپنے فیض سے قوت دی ہے، اور (آخرت میں اُن کو یہ نعمت ملے گی کہ) اُن کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے

راضی ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے خوب سُن لو کہ اللہ تعالیٰ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

مسائل السلوک:

:لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ: اس میں دلالت ہے کہ محبت الٰہیہ کے لوازم میں سے ہے کہ اس کے ساتھ مخالفت کرنے والے سے اس کو نفرت ہوگی۔ (بیان القرآن: ج2: ص1048)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّاللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْاَبْنَآءَهُمْ اَوْاِخْوَانَهُمْ اَوْعَشِيْرَتَهُمْ،اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ،وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَاالْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا،رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ،اَلَآاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ:

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہیں دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہوں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف ہیں خواہ وہ مخالفت کرنے والے ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبے والے ہوں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان جما دیا ہے اور ان کو اپنے نور سے (یعنی فیضانِ نور سے) قوت دی ہے، اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی یقیناً کامیاب ہونے والا ہے۔

:لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ: اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ کافروں کی دوستی سے مؤمن کے ایمان میں خرابی آجاتی ہے۔ مؤمن کسی کافر سے دوستی نہیں کرتا خواہ وہ کافر اس مؤمن سے کتنا ہی قریب ترین رشتہ رکھتا ہو۔

:وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ :ابن المنذرؒ نے بحوالہ ابو جریج بیان کیا ہے کہ ابو قحافہ نے (مسلمان ہونے سے پہلے) رسول اللہ ﷺ کو کچھ بُرا کہا تھا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے باپ ابو قحافہ کو مکا مارا جس سے وہ گر پڑے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! کیا تم نے ایسی حرکت کی ہے؟ سیدنا صدیق اکبرؓ نے جواب دیا اگر اُس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں تلوار سے اس کو مارتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتمؒ نے ابن سودہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے

بارے میں ہوا جنہوں نے معرکۂ بدر میں اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا۔

:اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ :یعنی ابو بکرؓ۔آپ نے بدر کی لڑائی کے دن اپنے بیٹے کو مقابلہ کی دعوت دی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا، یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے، پہلے دستہ میں شامل ہو جاؤں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو بکر! ہم کو بھی اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے دو یعنی خود میدان میں نہ جاؤ بلکہ مشیر کی حیثیت سے ہمارے ساتھ رہو۔

:اَوْ اِخْوَانَهُمْ :یعنی حضرت مصعب بن عمیرؓ جنہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو اُحد کے دن قتل کیا تھا۔

:اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ: یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت عبیدہؓ۔حضرت عمرؓ نے بدر کی لڑائی میں اپنے ماموں عاصم بن ہشام کو قتل کیا تھا، حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ و حضرت عبیدہؓ نے بدر کے دن عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا تھا۔

:اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو جما دیا ہے۔ان کے دلوں میں شک آ ہی نہیں سکتا۔

:رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ: یعنی ان کی اطاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطائے ثواب پر وہ راضی ہوں گے۔یا یہ مراد ہے کہ دنیا میں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس پر وہ راضی ہیں۔

:اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ: یہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے، اس کے دین کے مددگار ہیں، اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اوامر ونواہی کے پابند ہیں۔

: اَلْمُفْلِحُوْنَ: فلاحِ دارین حاصل کرنے والے ہیں، دنیا اور آخرت میں کامیاب ہونے والے ہیں، ہر خوف سے محفوظ و مامون ہیں۔(تفسیر مظہری اردو: ج 11: ص 228)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

:لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (الی قوله) اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ:

آپ ہرگز کسی بھی ایسی قوم کو جو اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان لانے والی ہے نہیں پائیں گے کہ وہ دوستی کریں ایسی قوم سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے مقابلہ کرتے ہوں (اور ان کے احکام سے بغاوت کر رہے ہوں) اگر چہ وہ ان کے باپ دادا ہوں یا ان کے بیٹے یا بھائی ہوں یا ان کے قبیلے و خاندان ہوں ایسے ہی لوگ ہیں وہ جن

کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے (اور ان کے دل کی گہرائیوں میں ایمان راسخ ہے) اور تائید کی ہے ان لوگوں کی اپنی طرف سے ایک غیبی فیض سے اور داخل کرے گا اللہ تعالیٰ ان کو جنت (کے ایسے) باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، راضی ہوگا اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے، یہی لوگ ہیں حزب اللہ (اللہ تعالیٰ جل شانہ کا گروہ) بیشک خدا تعالیٰ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے (اور ظاہر ہے کہ جن اللہ تعالیٰ جل شانہ کے برگزیدہ بندوں نے خدا کی رضا و خوشنودی کے لئے اپنے خویش و اقارب کو ناراض کیا ان کی دشمنی مول لی بلا شبہ اس کا بدلہ یہی ہونا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی خوشنودی و رضا سے سرفراز فرمائے جائیں اور ایسی نعمتیں اور راحتیں ملیں کہ وہ خود بھی خوش ہو جائیں)۔

اس آیت مبارکہ میں بیان کردہ اہل ایمان کی شان اس وقت بھی ظاہر ہوئی جب کہ بدر کے قیدیوں کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے یہ خیال کیا کہ فدیہ لینے میں کچھ مسلمانوں کے واسطے مدد اور تقویت کا سامان ہو جائے گا مزید یہ لوگ جب کہ خود اپنے عشیرہ و قبیلہ ہی کے ہیں تو اس طرح کے انعام و احسان سے ممکن ہے اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ اور سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ! میری رائے تو یہ ہے کہ یہ لوگ: ائمۃ الکفر: ہیں ان کو قتل کر دیا جائے تا کہ کفر کی طاقت و شوکت پامال ہو۔ مجھے آپ اجازت دیں کہ اپنے فلاں رشتہ دار (بھائی) کو قتل کروں اور حضرت علیؓ کو فرمائیے کہ وہ عقیل اپنے بھائی کو قتل کرے اور فلان کو فرمائیے کہ فلاں کو قتل کرے تا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ یہ دیکھ لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دشمنوں کی قطعاً کوئی محبت نہیں۔ (معارف القرآن: ج8: ص 16: ناشر: مکتبہ حسان بن ثابتؓ لاہور: سن طباعت 1434ھ)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط آیات: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے منافقین کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مغضوب علیہ قوم یعنی یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں مگر مسلمانوں کے سامنے اپنے خلوص کے اظہار کے لئے جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایسے لوگوں کو شیطان کے گروہ میں شمار کیا ہے اور یہ گروہ یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل لوگ ہیں مگر بالآخر غلبہ اہل ایمان کو ہی حاصل ہوگا، کیونکہ ساری عزت اور قوت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ اپنے بندوں کی ضرور مدد کرے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ نے سچے اور مخلص مومنوں کے اوصاف اور اُن کا مرتبہ بھی بیان فرمایا کہ یہ لوگ: حزب اللّٰہ: یعنی اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں۔

اہل ایمان کی دوستی:

اب آج کے درس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اہل ایمان کی دوستی کن لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے اور کن کے ساتھ نہیں ہوتی۔ ارشاد ہوتا ہے: لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: آپ ایسے لوگوں کو نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت یعنی قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں: يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّاللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ: کہ وہ دوستی رکھتے ہوں اُن لوگوں سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے۔ دین کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھنا ایمان کے تقاضے کے خلاف بات ہے، اور یہ کسی صورت میں بھی روا نہیں: وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ: اگر چہ اسلام کے مخالفین اہل ایمان کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا برادری اور خاندان کے لوگ ہوں۔

یہ مقام حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو حاصل تھا اور وہ اس آیت کے مکمل مصداق تھے۔ وگرنہ آج کے دَور میں تو معاملہ بالکل ہی اُلٹ ہو چکا ہے۔ آج اپنوں سے دشمنی اور غیروں سے دوستی ہے، مگر جو صحیح ایمان والا آدمی ہے وہ کبھی اغیار سے دوستی نہیں کر سکتا کیونکہ: اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے، یعنی پختہ کر دیا ہے اور وہ اپنے قریب ترین عزیزوں کو بھی اسلام اور اہل ایمان کے مقابلے میں ترجیح نہیں دیتے اور نہ ہی اُن کے ساتھ کوئی رُو رعایت کر سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آپ کا سگا باپ ہے مگر: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہو گیا کہ وہ خدا تعالیٰ کا دشمن ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی ایمان کی پختگی کی بدولت اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو اس امت کے لئے نمونہ قرار دیا ہے، جیسے فرمایا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مخالفین سے صاف کہہ دیا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی دوستانہ تعلقات قائم نہیں ہو سکتے جب تک کہ درمیان میں کفر و شرک کی دیوار کھڑی ہے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہاں فرمایا کہ اس نے اپنے بندوں کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا ہے۔

فرمایا جو ایمان دار اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالفین سے دوستی نہیں رکھتے: وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ: اللہ تعالیٰ نے اُن کی اپنی طرف سے خاص روح کے ساتھ تائید فرمائی ہے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے دلوں میں خاص قسم کی معنوی حیات رکھ دی ہے یا وہ ایسے لوگوں کی روح القدس سے تائید فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ جل شانہ

اور آخرت کے دن پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل:

شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ سچے ایمان والے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اُس کے رسول ﷺ کے مخالفوں سے کبھی دوستی نہیں رکھتے اگرچہ وہ اُن کے باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ اس کے عملی تصویر تھے۔ وہ ایمان کے مقابلے میں کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد ابو قحافہ اگرچہ شرپسند نہیں تھے مگر مشرک تھے، وہ بڑی دیر کے بعد فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ ایک دفعہ ابو قحافہ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے سامنے حضور اکرم ﷺ کو گالی دی تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے باپ کو اس قدر زور دار تھپڑ مارا کہ وہ بے ہوش ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ پھر آپؓ نے حضور ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ حضور ﷺ! میں آپ کی شان میں گستاخی برداشت نہ کر سکا، لہٰذا اپنے باپ کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کے بیٹے نے اسلام لانے کے بعد خود بیان کیا کہ ابا جان! جنگ کے دوران کئی دفعہ آپ میری تلوار کے زد میں آئے مگر باپ ہونے کے ناطے میں نے آپ پر وار نہ کیا۔ اس کے جواب میں سیدنا صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر تم میری تلوار کی زد میں آجاتے تو کبھی نہ چھوڑتا بلکہ اسلام کا دشمن سمجھ کر تجھے مار دیتا۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی منافق تھا، اور اس کا بیٹا عبداللہ مخلص مسلمان تھا۔ ایک دفعہ دونوں (باپ، بیٹا) کسی سفر سے واپس آرہے تھے۔ مدینے کے قریب پہنچے تو باپ نے کہا کہ ہم واپس پہنچ کر اِن ذلیل مسلمانوں کو شہر سے نکال باہر کریں گے تب ہمارا دل مطمئن ہوگا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا: کیا تم سب کو ذلیل کہہ رہے ہو؟ اِن میں تو رسول اللہ ﷺ بھی ہیں۔ پھر حضرت عبداللہؓ نے تلوار سونت لی اور باپ سے کہا کہ میں تمہیں شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تم اپنے الفاظ واپس نہیں لیتے اور اہل ایمان کے عزت والے ہونے کا اقرار نہیں کرتے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی منافق نے اقرار کیا کہ رسول اللہ ﷺ تو عزت والے ہیں اور ہم ہی ذلیل ہیں۔ اس کے بعد بیٹے نے باپ کو شہر میں داخلے کی اجازت دی۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ آپؓ کے والد کافر تھے اور غزوہ اُحد میں انہوں خود اپنے ہاتھ سے باپ کو قتل کیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے حقیقی بھائی عبید بن عمیر کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی حقیقی ماموں عاص ابن ہشام کو قتل کیا۔ حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ ابن

الحارثؓ نے اپنے قریبی رشتہ داروں.....عتبہ،شیبہ اور ولید وغیرہ کو بدر کی لڑائی میں قتل کیا۔

مسلم شریف کی روایت میں حضور ﷺ کا اپنی ازواج مطہراتؓ سے ایلا کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔ جب بیویوں نے زیادہ خرچے کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے اور قسم اٹھائی کہ ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے قریب نہیں جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے ایک چبارے میں علیحدگی اختیار کر لی جس سے مسلمانوں کو سخت پریشانی لاحق ہوگئی۔ سیدنا فاروق اعظمؓ سے آپ ﷺ کی جدائی برداشت نہ ہوسکی اس لئے آپ ﷺ کے در پر حاضر ہو کر ملاقات کی اجازت چاہی مگر آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے دوسری دفعہ کوشش کی مگر پھر بھی اجازت نہ ملی۔ تیسری دفعہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے بلند آواز سے آپ ﷺ کو سنا کر کے عرض کیا کہ حضور ﷺ! میں اپنی بیٹی حفصہؓ کی سفارش کیلئے تو حاضر نہیں ہوا جو آپ ﷺ مجھے شرفِ ملاقات سے محروم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی قسم! اگر آپ ﷺ حکم دیں تو میں اُس کی گردن اُتار کر آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دوں۔ اس قسم کے اور بھی کئی واقعات ہے۔

غرض یہ کہ حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ کا ایمان اس قدر پختہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن کی تعریف فرمائی ہے۔ اِس حقیقت کے باوجود جو لوگ صحابہ کرامؓ کے ایمان میں شک کرتے ہیں اور اُن کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں وہ یقیناً منافق، زندیق اور کافر ہیں۔ یہ تو صحابہ کرامؓ کی شان ہے، عام ایمان والوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ نافرمانوں، فاسقوں اور بدعتیوں کے ساتھ دوستی نہیں رکھتے کیونکہ اس سے ایمان میں زوال آنے کا خطرہ ہے۔

صاحب روح المعانی نے پہلے زمانے کے اولیاء اللہ میں سے حضرت سہل بن عبداللہ قشتریؒ کا قول نقل کیا ہے:

من صحّ ایمانه واخلص توحیدلایأنس الیٰ مبتدع ولایجالسه ولایواکله ولایشار به ولایصاحبه: جس شخص نے اپنا ایمان صحیح کر لیا اور اپنی توحید کو خالص بنالیا، وہ کسی بدعتی آدمی کے ساتھ مانوس نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اُس کی ہم نشینی اختیار کر سکتا ہے، نہ وہ اُس کے ساتھ کھا پی سکتا ہے اور نہ اُس کی رفاقت اختیار کر سکتا ہے۔ اُس کے دل میں تو بدعتی کے خلاف نفرت ہی ہوگی۔ اور جس شخص نے مداہنت اختیار کی یعنی بدعتی کے ساتھ ڈھیلا پڑ گیا تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اُس سے یقین کی حلاوت کو چھین لے گا، اور جو شخص بدعتی سے دنیا کی عزت یا سامان کے حصول کیلئے دوستی کرے گا تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو ذلیل کر دے گا، اور جو شخص کسی بدعتی سے خوش طبعی کرے گا اس کے دل سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نورِ ایمان چھین لے گا، فرمایا جس کو اِس بات کا یقین نہ ہو، وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔

اب اِس دَور میں دیکھ لیں کہ کیا کچھ ہو رہا ہے؟ ایمان اور سچے عقیدے والے لوگ موجود نہیں۔ دنیا عملی منافقوں سے بھری ہوئی ہے، قول وفعل میں تضاد ہے اور انہیں ایمان کی حفاظت کی کچھ فکر نہیں، وہ تو اپنی رسوم پوری کرنا

چاہتے ہیں،انہیں اغیار کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں کوئی باک نہیں،ان کے ساتھ رشتے ناطے ہورہے ہیں،دوستی پالی جارہی ہےاور بدعات اور رسوماتِ باطلہ انجام دی جارہی ہیں،یہ سب زوال کی نشانیاں ہیں۔اُدھر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل ایمان کا یہ حال بیان کیا ہے کہ وہ کسی دشمنِ خدا تعالیٰ سے دوستی نہیں کرتے،اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایمان کو مستحکم کردیا ہےاور اُن کو روح القدس کے ساتھ تائید بخشی ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل ایمان کے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ: کہ وہ انہیں ایسے بہشتوں میں داخل کرے گا،جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی:خٰلِدِيْنَ فِيْهَا:وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے،اور وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے:رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ :اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوگیا وَرَضُوْا عَنْهُ: اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے:اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ:یہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے:اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی کامیابی سے ہمکنار ہونے والا ہے۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن:ج18:ص212)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

(دوستیٔ کفار میں منافقین کے حال کے خلاف اہل ایمان کا حال بیان فرماتے ہیں کہ) جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ اُن کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے برخلاف ہیں گو وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو،ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کردیا ہےاور ان (کے قلوب) کو اپنے فیض سے قوت دی ہے،اور (آخرت میں اُن کو یہ نعمت ملے گی کہ) اُن کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے،اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے،یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے خوب سُن لو کہ اللہ تعالیٰ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

مسلمان کی دلی دوستی کسی کافر سے نہیں ہوسکتی:

پہلی آیات میں کفار و مشرکین سے دوستی کرنے والوں پر غضب الٰہی اور عذاب شدید کا ذکر تھا۔اس آیت میں مؤمنین مخلصین کا حال اُن کے مقابل بیان فرمایا کہ وہ کسی ایسے شخص سے دوستی اور دلی تعلق نہیں رکھتے جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا مخالف یعنی کافر ہے،اگرچہ وہ ان کا باپ یا اولاد یا بھائی یا اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

تمام صحابہ کرامؓ کا حال یہی تھا۔اس جگہ مفسرینؒ نے بہت سے صحابہ کرامؓ کے ایسے واقعات بیان کئے ہیں

جن میں باپ بیٹے، بھائی وغیرہ سے جب کوئی بات اسلام یا رسول اللہ ﷺ کے خلاف سُنی تو سارے تعلقات کو بُھلا کر ان کو سزا دی بعض کو قتل کیا۔

عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے عبداللہ کے سامنے اس کے منافق باپ نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولا تو انہوں نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے باپ کو قتل کر دوں؟ آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کے سامنے اُن کے باپ ابو قحافہ نے آنحضرت ﷺ کی شان میں کچھ کلمۂ گستاخانہ کہہ دیا تو سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کو اتنا غصہ آیا کہ زور سے طمانچہ رسید کیا، جس سے ابو قحافہ گر پڑے۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے والد جراح غزوۂ احد میں کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آئے تو میدانِ جہاد میں وہ بار بار حضرت ابوعبیدہؓ کے سامنے آتے وہ ان کے درپے تھے، یہ سامنے سے ٹل جاتے، جب انہوں نے مسلسل یہ صورت اختیار کی تو ابوعبیدہؓ نے اُن کو قتل کر دیا۔ یہ اور ان کے امثال بہت سے واقعات صحابہ کرامؓ کے پیش آئے، ان پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن: ج8: ص455)

اس آیت کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: مخلص مؤمنوں کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں سے وہ دوستی نہیں رکھ سکتے اگرچہ وہ ان کے قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ان سے راضی ہے اور انہیں اس قدر انعام و اکرام سے نوازے گا کہ وہ بھی اس سے راضی ہو جائے گے۔

:لاتجد قوما: آخر میں شیطانی ٹولے کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جماعت یعنی مخلصین مؤمنین کی مدح اور ان کے لئے دنیوی و اُخروی بشارت کا ذکر ہے۔

یہ منافقین جن کا گٹھ جوڑ اور جن کی درپردہ دوستی کفار و یہود سے ہے جو اللہ تعالیٰ جل شانہ و رسول ﷺ کے سخت دشمن ہیں، کیا یہ مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں؟ حالانکہ تم دنیا میں کہیں بھی ایسے لوگ نہیں پاؤں گے جو دل و جان سے مؤمن ہوں اور پھر ایسے لوگوں سے دوستی بھی کریں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہوں اگرچہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی اور قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

:كتب في قلوبهم الايمان: ایمان کو ان کے دلوں میں محکم کر دیا۔ یعنی جن لوگوں کے دلوں میں ایمان اس طرح محکم ہو اور توحید خالص ان کے دلوں میں جاگزیں ہو تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں سے انہیں

ہرگز اُنس نہیں ہوسکتا۔

وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یعنی جو دوستی نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے مخالف سے اگرچہ باپ بیٹے ہوں وہی سچے ایمان والے ہیں۔ان کے یہ درجے ہیں۔(جواہر القرآن: ج3: ص1230)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

ایمانی غیرت کا تقاضا:

ایمانی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ مومن آدمی اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ دوستانہ نہ رکھے خواہ وہ کتنا ہی قریبی رشتہ کیوں نہ ہو۔اسلامی تاریخ بالخصوص صحابہ کرامؓ کے دور میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ مومن نے اپنے ایمان کو ترجیح دی اور اسلام یا حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی عبرت ناک سزا دے کر اپنے مذہبی جذبات کا اظہار کیا۔

تفسیر قرطبی اور تفسیر مظہری وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد ابو قحافہؓ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔اُس دور میں انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے والد کے منہ پر تھپڑ مارا۔جب حضور اکرم ﷺ کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبرؓ سے اس بارے میں پوچھا تو وہ عرض کرنے لگے: اے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ﷺ! میں آپ ﷺ کی شان میں گستاخی برداشت نہ کر سکا تھا۔

حضرت سعدؓ کا یہود بنی قریظہ کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تھا۔جب بنی قریظہ کے خلاف کاروائی کی گئی تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے معاہدہ کیا کہ ہمارے بارے میں جو فیصلہ حضرت سعدؓ کریں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔ان کا خیال یہ تھا کہ حضرت سعدؓ ہمارے بارے میں نرم فیصلہ کریں گے۔جب حضرت سعدؓ کو فیصلہ کے لئے بلایا گیا تو حضرت سعدؓ نے فیصلہ کیا کہ ان کے لڑنے کے قابل مردوں کو قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنالیا جائے۔اسی فیصلہ کے مطابق یہود بنی قریظہ کو قتل کیا گیا۔حضرت سعدؓ نے اپنی ایمانی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہی یہ فیصلہ کیا تھا۔

ایک نابینا صحابیؓ نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والی اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا حالانکہ اُس سے ان کے بچے بھی تھے اور وہ معذور ہونے کی وجہ سے اس کے محتاج بھی تھے۔

بدر کے موقع پر جو قیدی مسلمانوں کے قبضے میں تھے ان کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ

سے مشورہ کیا تو سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے مشورہ دیا کہ ہر مسلمان کا قریبی رشتہ دار اس کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اُتارے۔

سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے بارے میں بہت سی روایات آتی ہیں کہ جب وہ اسلام، اسلامی اقدار اور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے یا مسلمانوں کی جماعت کو نقصان پہنچانے والے کو دیکھتے تو درخواست کرتے کہ ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم اس کا سر قلم کر دیں۔

دشمنانِ اسلام سے دوستی نہ رکھنے والوں کی تعریف:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے دشمنانِ اسلام کے ساتھ دوستی نہ رکھنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: اللہ تعالیٰ جل شانہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کوئی ایسی جماعت آپ ﷺ کو نہیں ملے گی: يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: جو دوستی رکھتی ہو ایسے لوگوں سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی: وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ: خواہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے اُن کے باپ ہوں یا اولادیں ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے خاندان کے افراد ہوں۔

:اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ: یہی لوگ ہیں کہ ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے۔ یعنی پختہ اور مضبوط کر دیا ہے کہ وہ کسی کی پرواہ کئے بغیر ایمانی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

یہ ایمان کے ناقص ہونے کی دلیل ہے کہ غیر مسلموں کے طور طریقہ کو اپنایا جائے، اُن کے مفادات کا تحفظ کیا جائے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے، مغربی تہذیب کو اپنانا اسلامی اقدار کو نقصان پہنچانا ہے۔ پختہ ایمان کا تقاضا ہے کہ خلافِ اسلام ہر رسم کو چھوڑ دیا جائے۔

:وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ: اور اپنی جانب سے روح کے ساتھ ان کو طاقتور کیا۔ روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں اور روح سے مراد ایمانی نور اور حق کی معرفت کا نور بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے ذریعے سے ان کو طاقتور اور مضبوط کر دیا۔

:وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: اور ایسے باغات میں ان کو داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ: راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ جل شانہ ان سے اور وہ راضی ہو گئے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے: اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ: یہی لوگ اللہ تعالیٰ

جل شانہ کی جماعت ہیں۔

کافروں بالخصوص یہود کے ساتھ دوستانہ رکھنے والوں کو: حزب الشیطان: شیطان کا گروہ (ٹولا) اور اس کی جماعت کہا گیا۔ اور اس کے برعکس اسلام دشمنوں سے دوستی نہ رکھنے والوں کو: حزب اللّٰہ: اللہ تعالیٰ جل شانہ کا گروہ اور اس کی جماعت کہا گیا ہے۔

:اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ جل شانہ کے گروہ میں شامل لوگ ہی کامیابی پانے والے ہیں۔

اسلام دشمنوں سے دوستی نہ رکھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس آیت میں خصوصی انعامات کا ذکر فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کو ایمان کی پختگی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی جانب سے روح کے ساتھ ان کی تائید کرتا ہے، ان کو مضبوط اور طاقتور بناتا ہے، ایسے لوگوں کو جنت اور اس کی بہاریں نصیب ہوں گی، ایسے لوگ ہمیشہ جنت اور اس کی بہاروں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا گروہ اور اس کی جماعت ہیں، یہی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے گروہ میں شامل لوگ ہی فلاح و کامیابی پائیں گے۔ (ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج 20: ص 58)

اس آیت کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان والوں کو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائے گا، گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے، اور جنہیں جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے، آگاہ رہو بیشک اللہ تعالیٰ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔

فرمایا کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دوست اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دشمنوں سے محبت رکھیں۔ ایک اور جگہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دلی دوست نہ بنائیں ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی گنتی میں نہیں، ہاں ڈر خوف کے وقت عارضی دفع کے لئے ہو تو اور بات ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی گرامی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ اور جگہ ہے اے نبی ﷺ! آپ اعلان کر دیجئے کہ اگر تمہارے باپ، دادا، بیٹے، پوتے، بچے، کنبہ قبیلہ، مال دولت، تجارت حرفت، گھر بار وغیرہ تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اور اس کی راہ میں جہاد کی نسبت زیادہ عزیز اور محبوب ہیں تو تم اللہ تعالیٰ کے عنقریب برس پڑنے والے عذاب کا انتظار کرو اس قسم کے فاسقوں کی رہبری بھی اللہ تعالیٰ

کی طرف سے نہیں ہوتی۔

حضرت سعید بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں یہ آیت حضرت عبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُتری ہے، جنگ بدر میں ان کے والد کفر کی حمایت میں مسلمانوں کے مقابلے پر آئے آپؓ نے انہیں قتل کردیا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آخری وقت میں جبکہ خلافت کے لئے ایک جماعت کو مقرر کیا کہ یہ لوگ مل کر جسے چاہئے خلیفہ بنالیں اس وقت حضرت ابوعبیدہؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ اگر یہ ہوتے تو میں انہی کو خلیفہ مقرر کرتا۔اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ایک ایک صفت الگ الگ بزرگوں میں تھی ،مثلاً حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے تو اپنے والد کو قتل کیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰنؓ کے قتل کا ارادہ کیا تھا اور حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا تھا اور حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عبید بن حارثؓ نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا تھا:واللہ اعلم:

اسی ضمن میں یہ واقعہ بھی داخل ہوسکتا ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے بدری قیدیوں کی نسبت مسلمانوں سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو فرمایا کہ ان سے فدیہ لے لیا جائے تاکہ مسلمانوں کی مالی مشکلات دور ہوجائیں مشرکوں سے جہاد کرنے کے لئے آلات حرب جمع کرلیں اور یہ چھوڑ دیئے جائیں کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل اسلام کی طرف پھیر دے، آخر ہیں تو ہمارے ہی کنبہ رشتے کے۔لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی رائے اس کے بالکل برخلاف پیش کی کہ یارسول اللہ ﷺ جس مسلمان کا جو رشتہ دار مشرک ہے اس کے حوالے کردیا جائے اور اسے حکم دیا جائے کہ اسے قتل کردے ہم اللہ تعالیٰ کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ان مشرکوں کی کوئی محبت نہیں، مجھے فلاں رشتہ دار سونپ دیجئے اور حضرت علیؓ کے حوالے عقیل کو کردیجئے اور فلاں صحابی کو فلاں کافر دے دیجئے وغیرہ۔

پھر فرماتے ہے کہ جو اپنے دل کو دشمنانِ اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی کردے اور مشرک رشتہ داروں سے بھی محبت چھوڑ دے وہ کامل الایمان شخص ہے جس کے دل میں ایمان نے جڑیں جمالی ہیں اور جن کی قسمت میں سعادت لکھی جاچکی ہے اور جن کی نگاہ میں ایمان کی زینت جچ گئی ہے اور ان کی تائید اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے پاس کی روح سے کی ہے یعنی انہیں قوی بنادیا ہے اور یہی بہتی ہوئی نہروں والی جنت میں جائیں گے جہاں سے کبھی نہ نکالیں جائیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی یہ اللہ تعالیٰ سے خوش ،چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کیلئے رشتہ کنبہ والوں کو ناراض کردیا تھا اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کے بدلے ان سے راضی ہوگیا اور انہیں ایسا قدر دیا کہ یہ بھی خوش ہوگئے۔اللہ تعالیٰ کا لشکر یہی ہے اور کامیاب گروہ بھی یہی ہے، جو شیطانی لشکر اور ناکام گروہ کے مقابل ہے۔

حضرت ابو حازم اعرج صاحبؒ نے حضرت زہریؒ کو لکھا کہ جاہ دو قسم کی ہے ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے اولیاء کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے، جو حضرات عام لوگوں کی نگاہوں میں نہیں جچتے، جن کی عام شہرت نہیں ہوتی، جن کی صفت اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ﷺ نے بھی بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے، جو گمنام متقی نیکوکار ہیں، اگر وہ نہ آئیں تو پوچھ گچھ نہ ہو، اور آجائیں تو آؤ بھگت نہ ہو، ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں، ہر سیاہ رنگ اندھیرے والے فتنے سے نکلتے ہیں، یہ ہیں وہ اولیاء جنہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنا لشکر فرمایا ہے اور جن کی کامیابی کا اعلان کیا ہے۔

(ابن ابی حاتم) نعیم بن حماد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں فرمایا: اے اللہ! کسی فاسق فاجر کا کوئی احسان اور سلوک مجھ پر نہ رکھ کیونکہ میں نے تیری نازل کردہ وحی میں پڑھا ہے کہ ایماندار اللہ تعالیٰ جل شانہ کے مخالفین کے دوست نہیں ہوتے۔

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں علمائے سلف کا خیال ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اُتری ہے جو بادشاہ سے خلط ملط رکھتے ہوں (ابو احمد عسکری)۔(تفسیر ابن کثیر: ج 5: ص 305)

سورة الممتحنه

:يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْالاتَتَّخِذُوْاعَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَاجَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ،يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْابِاللّٰهِ رَبِّكُمْ،اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًافِیْ سَبِيْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ،تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ،وَاَنَااَعْلَمُ بِمَااَخْفَيْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ،وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ:(الممتحنه:آيت 1)

ترجمه: اے ایمان والو! نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست،تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین،نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ تم مانتے ہو اللہ تعالیٰ کو جو رب ہے تمہارا،اگر تم نکلے ہو لڑنے کو میری راہ میں اور طلب کرنے کو میری رضامندی،تم ان کو چھپا کر بھیجتے ہو دوستی کے پیغام،اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو ظاہر کیا تم نے اور جو کوئی کرے تم میں یہ کام تو وہ بھول گیا سیدھی راہ۔

:اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْالَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْآاِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْتَكْفُرُوْنَ:(الممتحنه:آيت2)

ترجمه: اگر تم اُن کے ہاتھ آجاؤ ہو جائیں تمہارے دشمن اور چلائیں تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں بُرائی کے ساتھ اور چاہیں کہ کسی طرح تم بھی منکر ہو جاؤ۔

:لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآاَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ،يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ، وَاللّٰهُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ:(الممتحنه:آيت3)

ترجمه: ہرگز کام نہ آئیں گے تمہارے کنبے والے اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن،وہ فیصلہ کرے گا تم میں،اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔

:قَدْكَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ، اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ، رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ:(الممتحنه:آیت 4)

ترجمہ: تم کو چال چلنی چاہئے اچھی ابراہیم کی اور جو اس کے ساتھ تھے، جب انہوں نے کہا اپنی قوم کو ہم الگ ہیں تم سے اور ان سے کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا، ہم منکر ہوئے تم سے اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کو یہاں تک کہ تم یقین لاؤ، اللہ تعالیٰ اکیلے پر مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو کہ میں مانگوں گا معافی تیرے لئے اور مالک نہیں میں تیرے نفع کا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے کسی چیز کا، اے رب ہمارے! ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئی اور تیری طرف ہی سب کو پھر آنا۔

:رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا، اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ:(الممتحنه:آیت 5)

ترجمہ: اے رب ہمارے! مت جانچ ہم پر کافروں کو اور ہم کو معاف کر اے رب ہمارے تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

:لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ، وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ:(الممتحنه:آیت 6)

ترجمہ: البتہ تم کو بھلی چال چلنی چاہئے ان کی جو کوئی امید رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کی اور پچھلے دن کی، اور جو کوئی منہ پھیرے تو اللہ تعالیٰ وہی ہے بے پرواسب تعریفوں والا۔

:عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً، وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ:(الممتحنه:آیت 7)

ترجمہ: امید ہے کہ کردے اللہ تعالیٰ تم میں اور جو دشمن ہیں تمہارے ان میں دوستی، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

:لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ:(الممتحنه:آیت 8)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے

گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک، بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔

:اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ ،وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ:(الممتحنہ:آیت 9)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے اور شریک ہوئے تمہارے نکالنے میں کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی اُن سے دوستی کرے سو وہ لوگ وہی ہیں گنہگار۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: سورۂ سابقہ میں منافقین کی یہود سے دوستی کرنے کی مذمت تھی اس سورت کے اوّل و آخر میں مسلمانوں کو کفار سے تعلقات دوستی اور خصوص مشرکات سے تعلقِ نکاح رکھنے کی ممانعت ہے۔اور مشرکات و مؤمنات میں تمایز کے لئے صرف اظہارِ ایمان پر اکتفا کرنے کا ارشاد ہے۔

نھی ازموالات کفار:

یہ آیتیں ایک قصہ کے متعلق ہیں اور وہ قصہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کیلئے جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے جو کہ اہل بدر سے ہے اور رہنے والے یمن کے ہیں اور مکہ میں آرہے تھے اور ان کے بھائی اور والدہ اور اولاد اور اہل وعیال و اموال اب بھی مکہ میں تھے، اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا کہ حضور اکرم ﷺ تم پر چڑھائی کرنے والے ہیں اور یہ خط ایک عورت کو دے دیا کہ مکہ والوں کو پہنچا دے، حضور اکرم ﷺ کو وحی سے یہ بات معلوم ہوگئی، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ اور چند صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ فلاں جگہ وہ عورت ملے گی اس سے وہ خط لے آؤ۔ یہ حضراتؓ گئے اور وہ عورت ملی اور ان حضراتؓ کے دھمکانے سے وہ خط اس عورت نے دیا اور یہ حضراتؓ وہ خط لائے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ سے پوچھا: انہوں نے کہا کہ واقعی خط میرا ہی لکھا ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ کرے میں نے مخالفتِ اسلام کے سبب یہ خط نہیں لکھا بلکہ میں جانتا تھا کہ اسلام کو تو اس سے کوئی ضرر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو ضرور غالب کرنے والا ہے اور آپ ﷺ کو ضرور فتح ہوگی اور میرا نفع ہو جائے گا کہ اہل مکہ اس کا احسان مان کر میرے اہل وعیال و اموال کی حفاظت کریں گے اور ان کو ایذا و ضرر نہ پہنچا دیں گے، کیونکہ میری ان سے اور کوئی قرابت ہے نہیں جس کی وجہ سے وہ میری رعایت کرتے بلکہ محض اجنبی پردیسی آدمی تھا۔

سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کو غصہ آیا اور آپؓ نے ان کی گردن مارنے کی اجازت چاہی، حضور اکرم ﷺ نے

فرمایا کہ یہ اہلِ بدر سے ہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہلِ بدر کے گناہ معاف فرما دیئے ہیں، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ پس ارشاد ہیں:

:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ (الی قولہ) وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ: اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو (یعنی کو دل سے دوستی نہ ہو مگر ایسا دوستانہ برتاؤ بھی مت کرو) حالانکہ تمہارے پاس جو دینِ حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں (یہ بیان ہے: عدوّی: کا اور) رسول (ﷺ) کو اور تم کو اس بناء پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں (یہ بیان ہے: عدوّکم: کا مع: عدوّی: کے، غرض ایسے لوگوں سے دوستی مت کرو) اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو (کفار کی دوستی جس کا حاصل کفار کی رضامندی کی فکر ہے، منافی ہے طلب رضاءِ حق اور مباشرۃً اعمال موجبہ رضاءِ حق کے) تم اُن سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو (یعنی اوّل تو دوستی ہی بُری چیز ہے، پھر خفیہ پیغام بھیجنا جو خصوصی ربط و تعلق کی علامت ہے، یہ اور زیادہ بُرا ہے) حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کر کے کرتے ہو (یعنی مثل دوسرے موانع مذکورہ کے یہ امر بھی ان کی دوستی سے مانع ہونا چاہئے) اور (آگے اس پر وعید ہے کہ) جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بہک گیا (اور انجام گمراہوں کا معلوم ہی ہے۔ آگے ان کی دشمنی کا بیان ہے کہ وہ تمہارے ایسے سخت دشمن ہیں کہ)۔

اگر ان کو تم پر دسترس ہو جاوے تو (فوراً) اظہارِ عداوت کرنے لگیں اور (وہ اظہارِ عداوت یہ کہ) تم پر بُرائی (اور ضرر رسانی) کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں (یہ تو دنیوی اضرار ہے) اور (دینی اضرار یہ کہ) وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر (ہی) ہو جاؤ (پس ایسے لوگ کب قابلِ دوستی ہیں؟ اور اگر تم کو دوستی کے بارے میں اپنے اہل و عیال کا خیال ہو تو خوب سمجھ لو کہ)۔

تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہارے (کچھ) کام نہ آویں گے خدا تعالیٰ (ہی) تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے (پس ہر عمل کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک کرے گا۔ پس اگر تمہارے اعمال موجبِ سزا ہوں گے تو اس سزا سے اولاد و ارحام بچا نہ سکیں گے، پھر اُن کی رعایت میں خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنا بہت مذموم امر ہے، اور اس سے اموال کا قابلِ رعایت نہ ہونا اور زیادہ ظاہر ہے۔ آگے حکم مذکور پر تحریض کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ارشاد ہے کہ)۔

تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اوران لوگوں میں جو کہ (ایمان واطاعت میں) ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے (یعنی اس بارہ میں کفار سے ایسا برتاؤ رکھنا چاہئے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے متبعین نے کیا) جبکہ ان سب نے (اوقات مختلفہ میں) اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود سمجھتے ہو اُن سے بیزار ہیں (اوقاتِ مختلفہ اس لئے کہا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت اوّل یہ بات اپنی قوم سے کہی تھی اس وقت وہ بالکل تنہا تھے، پھر جو جو آپ کے ساتھ ہوتے گئے کفار سے قطع تعلق قولاً وفعلاً کرتے گئے۔ آگے اس بیزاری کا بیان ہے کہ) ہم تمہارے (یعنی کفار اور اُن معبودین کے) منکر ہیں (یعنی تمہارے عقائد اور معبودات کے منکر ہیں۔ یہ تو تبرّی باعتبار عقیدہ کے ہوئی) اور (تبرّی باعتبار معاملہ اور برتاؤ کے یہ ہے کہ) ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض (زیادہ) ظاہر ہوگیا (کیونکہ بناء عداوت کی اختلافِ عقائد ہے، اور اب اس کا زیادہ اعلان ہوگیا تو عداوت کا بھی زیادہ اظہار ہوگیا۔ عداوت اور بُغض متقارب ہیں اور دونوں کا جمع کرنا تاکید کیلئے ہے، اور یہ عداوت ہم کو تم سے ہمیشہ رہے گی) جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ (غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے متبعین نے کفار سے صاف قطع تعلق کردیا) لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی (جس سے بظاہر ان کے ساتھ محبت ودوستی کا احتمال تھا) کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے (استغفار سے زیادہ) مجھ کو خدا تعالیٰ کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں (کہ دعا کو قبول کرالوں یا باوجود ایمان نہ لانے کے تم کو عذاب سے بچالوں۔ مطلب یہ ہے کہ اتنی بات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی جس کا مطلب تم میں سے بعض لوگ مطلق استغفار سمجھ گئے حالانکہ یہاں استغفار کے دوسرے معنی ہیں، یعنی اُن کیلئے یہ دعا کرنا کہ وہ ایمان لاکر مغفرت کے مستحق بن جائیں جس کی سب کو اجازت ہے اور واقع میں وہ قطع تعلق کے خلاف بھی نہیں۔ مگر ظاہری صورتِ تعلق اور ظاہری معنی استغفار کے اعتبار سے صورۃً اس کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔ یہ گفتگو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم سے ہوئی۔ آگے اُن کی دعا کا مضمون ہے، یعنی کفار سے قطع تعلق کرکے انہوں نے اس بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ سے عرض کیا کہ)۔

ہمارے پروردگار! ہم (کفار سے اعلانِ براءت وعداوت کے معاملے میں) آپ پر توکل کرتے ہیں اور (آپ ہی ہماری تمام مہمات ومشکلات کی کفالت اور دشمنوں کی ایذاؤں سے حفاظت فرماویں گے، ونیز ایمان لانے میں) آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور (اعتقاد رکھتے ہیں کہ) آپ ہی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے (پس اس اعتقاد کی وجہ سے ہم نے جو کچھ کفار سے اعلانِ براءت کیا ہے محض خلوص سے کیا ہے، اس میں کوئی دنیوی غرض نہیں، اور

اس سے مقصود تفاخر بھی نہیں بلکہ عرضِ حال بغرضِ سوال ہے اور) اے ہمارے پروردگار! ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا (یعنی ہم پر اس تبرّی سے یہ کافر ظلم نہ کرنے پاویں) اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دیجئے بیشک آپ زبردست حکمت والے ہیں (اور ہر طرح کی آپ کو قدرت حاصل ہے)۔

بے شک ان لوگوں میں (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین میں) تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کیلئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ (کے سامنے جانے) کا اور قیامت کے دن (کے آنے) کا اعتقاد رکھتا ہو (یعنی یہ اعتقاد مقتضی ہے اس بارہ میں اتباعِ ابراہیمی کو) اور (آگے دوسرے طرز پر وعید ہے جیسے اس سے پہلے: و من یفعلہ: میں وعید آچکی ہے یعنی) جو شخص (اس حکم سے) روگردانی کرے گا سو (اسی کا ضرر ہوگا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ (تو) بالکل بے نیاز اور (بوجہ جامع الکمالات ہونے کے) سزاوارِ حمد ہے۔

(اور چونکہ ان کی عداوت سُن کر مسلمانوں کو فکر ہو سکتی تھی کہ کچھ قطعِ قرابات سے طبعاً رنج ہو سکتا تھا، اس لئے بطور بشارت کے آگے پیشن گوئی فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ سے امید ہے (یعنی ادھر سے وعدہ ہے) کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے (کو بعض ہی سہی، یعنی ان کو مسلمان کر دے جس سے عداوت مبدّل بہ صداقت ہو جاوے) اور (اس کو کچھ بعید نہ سمجھو کیونکہ) اللہ تعالیٰ کو بڑی قدرت ہے (چنانچہ فتح مکہ کے روز بہت آدمی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ مطلب یہ کہ اوّل تو اگر قطع تعلق ہمیشہ کے لئے ہوتا تب بھی بوجہ مامور بہ ہونے کے واجب العمل تھا، پھر خاص کر جبکہ تھوڑی ہی مدت کیلئے کرنا پڑے اور پھر: مشارکت فی الایمان: سے دوستی اور تعلق بدستور عود کر آوے، غرض ہر طرح قطع تعلق ضروری ہوا) اور (اب تک جو کسی سے اس حکم کے خلاف خطا ہو گئی ہے جس سے اب وہ تائب ہو چکا ہے تو) اللہ تعالیٰ (اس کیلئے) غفور رحیم ہے (اور یہاں تک تو دوستانہ تعلقات کی نسبت حکم فرمایا تھا کہ ان کا قطع واجب ہے، آگے محسنانہ تعلقات کے حکم کی تفصیل فرماتے ہیں، وہ یہ کہ)۔

اللہ تعالیٰ تم کو اُن لوگوں کے ساتھ احسان و انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (مراد وہ کافر ہیں جو ذمّی یا مصالح ہوں، یعنی محسنانہ برتاؤ ان سے جائز ہے۔ باقی رہا عدل و انصاف کا منصفانہ برتاؤ تو اس میں ذمی یا مصالح کی شرط نہیں بلکہ وہ تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے۔ آگے ترغیب ہے اس برتاؤ کی کہ) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں (البتہ) صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی (یعنی برّ و احسان) کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا نہ بھی ہو لیکن) تمہارے

نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو (یعنی اُن کے ساتھ شریک ہوں خواہ ان کے عمل میں شرکت کی ہو یا عزم وارادہ اس کا رکھتے ہوں۔اس میں سب حربی غیر مصالح آ گئے۔اور مراد دوستی سے بقرینہ آیت اولی کے بر واقساط ہے اس کو دوستی کہنا بہ نکتہ تنفیر باین معنی ہے کہ یہ دشمنی نہیں۔پس دوستی کے ایک معنی وجودی ہیں وہ تو ہر کافر سے ممنوع ہے دوسرے معنی عدمی ہیں یعنی عدمِ عداوت۔وہ غیر اہل حرب سے جائز اور اہل حرب سے ناجائز) اور جو شخص ایسوں سے دوستی (کا برتاؤ بالمعنی المذکور) کرے گا سو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

مسائل السلوک:

:اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًافِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ،تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ: اس پر دال ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت کے لوازم میں سے ہے،اس کے مخالف سے قطع تعلق کرنا۔

:رَبَّنَا لَاتَجْعَلْنَافِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا:اس پر دال ہے کہ ایسے اسباب فتنہ سے بچنا مطلوب ہے جس سے اہل حق پر اہل باطل ہونے کا شبہ ہو یا بالعکس۔

:لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآاَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ،يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ، وَاللّٰهُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ: اس پر دال ہے کہ دنیوی علاقوں کی رعایت دین میں ناجائز ہے۔

:اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّابُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ:الی قوله)اِلَّاقَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ: اس میں دلالت ہے اس پر کہ جو:بغض فی اللّٰہ: ہوتا ہے وہ شفقت اور خیر خواہی کو قطع نہیں کرتا بخلاف بغض نفسانی کے۔(بیان القرآن:ج2:ص1056)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

بغوی وغیرہ نے بیان کیا کہ ابوعمرو بن صفی بن ہاشم بن عبد مناف کی باندی سارہ مکہ سے مدینہ آئی۔حضور اکرم ﷺ اُس زمانہ میں فتح مکہ کی تیاری فرما رہے تھے۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تُو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ کہنے لگی: نہیں۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تو پھر کس وجہ سے آئی ہے؟ وہ بولی آپ ہی لوگ میرے گھر والے،کنبہ والے اور آقا تھے،اپنے آقاؤں کے چلے آنے کے بعد میں سخت محتاج ہوگئی،اس لئے آپ لوگوں کے پاس آئی ہوں کہ آپ لوگ مجھے کھانے (پینے) کو دیں۔کپڑے دیں اور سواری کیلئے اُونٹ دیں۔حضور اکرم ﷺ نے بنی عبد المطلب کو اس کی مدد کے لئے ترغیب دی۔بنی عبد المطلب نے اِس کو خرچ بھی دیا،کپڑے بھی دیئے اور سواری بھی دی۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ ایک شخص تھے (جو بدری صحابی تھے) جو بنی اسد بن عبد العزیٰ کے حلیف (معاہد)

تھے۔حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھااور سارہ کے پاس گئے،اس کوایک چادراوردس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا خط مکہ والوں کو پہنچادے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے لکھا تھا:از حاطب بن ابی بلتعہ بنام اہل مکہ:حضور اکرم ﷺ تم پر حملہ کرنے کا ارادہ کررہے ہیں اپنی احتیاط کرلو۔

سارہ خط لے کر روانہ ہوگئی،حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر حضور اکرم ﷺ کو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے خط کی اطلاع دے دی۔حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ،حضرت عمارؓ،حضرت زبیرؓ،حضرت طلحہؓ،حضرت مقداد بن اسودؓ اور حضرت ابومرثدؓ کو(سارہ کے تعاقب میں)روانہ کردیا۔یہ حضراتؓ گھوڑوں پر سوار ہوکر چل دیئے۔حضور اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا،روانہ ہوجاؤ۔جب نخلستان خاخ پر پہنچنا تو وہاں تم کو ایک عورت ملے گی،جو اونٹ پر سوار ہوگی، اس کے پاس مشرکوں کے نام حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا ایک خط ہوگا،وہ خط اُس سے لے لینا اور پھر اُس کو جانے دینا،اگر وہ خط نہ دے تو اس کی گردن ماردینا۔یہ حضراتؓ اُس مقام پر پہنچے جس کا ذکر حضور اکرم ﷺ نے کیا تھا تو وہاں واقعی وہ عورت ملی۔

ان حضراتؓ نے کہا:وہ خط کہاں ہے؟وہ قسم کھا کر بولی،میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ان حضراتؓ نے ہر چند تلاش کیا اور اس کے سامان کی تفتیش کی لیکن خط نہیں ملا،آخر واپسی کا ارادہ کرلیا۔حضرت علیؓ نے فرمایا:خدا کی قسم! نہ ہم جھوٹے ہیں،نہ حضور اکرم ﷺ نے جھوٹ فرمایا(خط ضرور اس کے پاس ہے)یہ کہہ کر آپؓ نے تلوار نیام سے کھینچ لی اور فرمایا:خط نکال ورنہ میں تجھے ننگا کرکے تیری گردن اُڑادوں گا۔جب عورت نے دیکھا کہ واقعی یہ لوگ ایسا کریں گے تو اپنے جوڑے سے خط نکال کردے دیا۔چوٹی کے بالوں میں اس نے وہ خط چھپا رکھا تھا،ان حضراتؓ نے وہ خط لے کر اس کا راستہ چھوڑ دیا،نہ اس سے کوئی تعرض کیا،نہ اس کے سامان سے،اور خط لاکر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو طلب کیا اور ان سے فرمایا:کیا تم اس خط کو پہچانتے ہو؟ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے عرض کیا:جی ہاں۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے کہا:واللہ!میں جب سے مسلمان ہوا ہوں میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے آپ ﷺ کا خیر خواہ ہوں کبھی آپ ﷺ سے کھوٹ نہیں کی،اور جب سے کافروں کو چھوڑا کبھی ان سے محبت نہیں کی،لیکن بات یہ ہے کہ ہر مہاجر کا کوئی نہ کوئی(عزیز،دوست)مکہ میں موجود ہے جو اس کے گھر والوں کا محافظ ہے اور میں وہاں اجنبی تھا اور

میرے بیوی بچے وہاں ان کے پاس موجود تھے۔ مجھے اپنے گھر والوں کی فکر ہوئی اور میں نے ارادہ کیا کہ کوئی احسان ان پر کردوں (تا کہ وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں) اور مجھے یہ یقین بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ مکہ والوں پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عذاب کے مقابلے میں میری یہ تحریر اُن کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حاطبؓ کے قول کی تصدیق کی اور ان کے عذر کو قبول فرمالیا۔

سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن ماردوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر! (رضی اللہ عنہ) تم کو کیا معلوم! شاید اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل بدر کے (اچھے بُرے) تمام احوال دیکھنے کے بعد ہی فرمایا: اعملو ماشئتم قد غفرت لکم: جو چاہو کرو، میں نے تم کو معاف کردیا۔ انہی کے معاملہ میں یہ سورت نازل ہوئی۔

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَاجَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ،یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْابِاللّٰہِ رَبِّکُمْ،اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِھَادًافِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ،تُسِرُّوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ،وَاَنَااَعْلَمُ بِمَااَخْفَیْتُمْ وَمَااَعْلَنْتُمْ،وَمَنْ یَّفْعَلْہُ مِنْکُمْ فَقَدْضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ:

اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دینِ حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں، رسول ﷺ اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں۔ اگر تم میرے راستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے ہو پھر چپکے چپکے ان سے دوستی کی باتیں کرتے ہو اور میں خوب جانتا ہو جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، اور جو شخص تم میں ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بھٹک جائے گا۔

:تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ:بعض اہل تفسیر کے نزدیک:بِالْمَوَدَّۃِ: میں:ب:زائد ہے جیسے آیت:ولا تلقوابایدیکم: میں ہے۔یعنی خطوط کے ذریعہ سے تم مشرکوں کو اپنی دوستی پیش کرتے ہو، زجاج نے کہا:ب:سببیہ ہے اور مفعول محذوف ہے، مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی خبریں مشرکوں کے دوستی کے سبب تم اُن کو پیش کرتے ہو۔

:اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْالَکُمْ اَعْدَآءً وَّیَبْسُطُوْآاِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ وَاَلْسِنَتَھُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْالَوْتَکْفُرُوْنَ.لَنْ تَنْفَعَکُمْ اَرْحَامُکُمْ وَلَآاَوْلَادُکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ،یَفْصِلُ بَیْنَکُمْ،وَاللّٰہُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ:

اگران کوتم پر دسترس ہوجائے تو اظہارِ عداوت کرنے لگیں گے،تم پر دست درازی کریں گے اور بُرائی کے ساتھ تم پر زبانیں چلائیں گے وہ متمنی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کام آئیں گی نہ اولاد، خدا تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔

:ان یثقفو کم: یعنی اگر وہ تم پر قابو پالیں گے اور فتح یاب ہو جائیں گے۔

:یبسطوا الیکم: تم پر دست درازی کریں گے یعنی قتل کریں گے اور ماریں گے اور زبان درازی کریں گے، گالیاں دیں گے، بُرا کہیں گے۔

:یکونوا لکم اعدآء: یعنی تم جو اُن کو اپنی طرف سے دوستی کی پیش کش کرو گے اس سے تم کو کوئی فائدہ نہ ہوگا وہ اس پیش کش کے بعد بھی اگر قابو پالیں گے تو تمہارے دشمن ہی رہیں گے۔

:و ذوا لو تکفرون: ماضی کا صیغہ استعمال کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی طرف سے گویا فعل واقعہ ہوگیا اور تمہارے کافر ہو جانے کی تمنا جو وہ کریں گے وہ حاصل ہو ہی گئی۔

:و لا اولادکم: یعنی مشرک رشتہ دار اور اولاد جن کی وجہ سے تم مشرکوں سے موالات کرو گے، قیامت کے دن تمہارے کام نہیں آئیں گی۔

:یفصل بینکم: تم کو الگ الگ کردے گا، تمہارا فیصلہ کردے گا۔مؤمنوں کو جنت میں اور مشرکوں کو دوزخ میں بھیج دے گا۔پھر آج اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حق کو ترک کر کے تم مشرکوں کے دوست کیوں بنتے ہو اور ان سے موالات کیوں کرتے ہو۔

:قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ، اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ:

تمہارے لئے ایک عمدہ نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اور قول وعمل میں اور اُن لوگوں کے قول وعمل میں جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھی تھے۔جب ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور اُن سے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا تم پوجتے ہو بیزار ہیں۔ہم تمہارے (مذہب اور عقیدہ وعمل کے) منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض پیدا ہوگیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

:اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ

شَیْءٍ،رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ۔رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاغْفِرْلَنَا رَبَّنَا،اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ:

لیکن اتنی بات ابراہیم علیہ السلام کی تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا میں تمہارے لئے معافی کی درخواست اپنے رب سے کروں گا اس سے زیادہ خدا تعالیٰ کے آگے مجھے کسی بات کا اختیار نہیں (ابراہیم علیہ السلام اوران کے ساتھیوں نے دعا کی تھی) اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف انجام کار لوٹنا ہے، اے ہمارے رب! ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنانا اور ہمارے رب! ہم کو معاف کردے، ہمارے قصور بخش دے، بیشک تو زبردست حکمت والا ہے۔

:لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ،وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَالْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ:

بیشک ان لوگوں (کے قول، عمل اور عقیدے) میں تمہارے لئے عمدہ نمونہ (یعنی) ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے جانے کا اور آخرت کا یقین رکھتا ہو اور جو شخص (اس حکم سے) روگردانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑے گا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔

:عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً،وَاللّٰهُ قَدِیْرٌ،وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ:

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوران لوگوں کے درمیان جو تمہارے دشمن ہیں دوستی پیدا کردے گا اور اللہ تعالیٰ کو بڑی قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے بیان کیا جب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کافروں سے عداوت رکھنے کا حکم دیا تو مسلمانوں نے اپنے کافر اقربا اور عزیزوں سے بھی دشمنی اور بیزاری کا اعلان کردیا لیکن ان کے دلوں میں اقرباء کے لئے رقت اور محبت پوشیدہ تھی اور اللہ تعالیٰ جل شانہ اس سے واقف تھا تو مسلمانوں کو تسکین دینے کے لئے یہ آیت نازل فرمادی۔

:لَایَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْهِمْ،اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔اِنَّمَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ،وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ:

اللہ تعالیٰ تم کو اُن لوگوں کے احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے تم کو منع کرتا ہے جو دین کے بارے میں تم سے لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا (یعنی نکالنے کے درپے ہوئے) اور تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا (تو وہ دوستی کرنے والے) گناہ گار ہوں گے۔

:الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُم: ان سے مراد ہے مکہ کے وہ مشرک مرد جن میں سے کچھ لوگوں نے تو مسلمانوں کو نکالنے کی کوشش کی تھی اور بعض نے نکالنے والوں کی مدد کی تھی۔

کافروں کو زکوۃ دینا یا جماع علماء جائز نہیں۔ علماء نے اپنے اجماع کا استدلال اس حدیث سے کیا ہے جس کے راوی حضرت معاذؓ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرض کردی ہیں ان پر زکوۃ ان کے دولت مندوں سے لے کر انہیں کے محتاجوں کو لوٹا دی جائے۔

:و مـن يتـولّـهـم: یعنی اہل حرب سے جو موالات کرے گا۔ اگر صرف اہل حرب مراد نہ ہوں گے تو اہل ذمہ سے بھی موالات جائز نہیں ہوگی۔ کیونکہ آیت میں عام الفاظ آئے ہیں: لا تتّخذوا عدوّی و عدوّکم: دوسری آیت میں فرمایا ہے: لاتتّخذوا الیهود والنّصاری اولیآء: حدیث میں ارشاد گرامی آیا ہے: المرء مع من احبّ: آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی۔ (تفسیر مظہری اردو: ج 11: ص 266)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: اس سورۂ مبارکہ کے مضامین خاص طور پر: الحب فی اللّٰه والبغض فی اللّٰه: کی بنیاد پر دائر اور مبنی ہیں۔ ابتداءِ سورت میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کی بات پر عتاب کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ کسی بھی مسلمان کے واسطے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اور اپنے دشمنوں کو دوست بنانے کی اجازت نہیں، ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا، ایمانی غیرت کے منافی ہے۔ پھر یہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قیامت کے روز یہ قرابتیں اور اس قسم کی دوستیاں ہرگز کام نہ آئیں گی وہاں تو صرف ایمان و عمل صالح ہی کام آسکتا ہے۔ اس کے بعد اس معیارِ ایمان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے واضح اور موکد کیا گیا کہ مسلمان کو چاہئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طرز زندگی اختیار کرے کہ انہوں نے کس طرح اپنی مشرک قوم سے براءت و بیزاری کا اعلان کردیا تھا۔ پھر اہل شرک میں سے ان لوگوں کے متعلق حکم بیان فرمایا جنہوں نے مسلمانوں سے نہ تو دشمنی کی اور نہ قتال کیا۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ اگر چہ ایک مخلص صحابی تھے جن کو غزوۂ بدر کی شرکت نصیب ہوئی تھی اور تمام اہلِ بدر خدا تعالیٰ جل شانہ کی نظر میں وہ مقدس ہستیاں تھے جن کے لئے بارگاہِ خداوندی سے پروانہ مغفرت جاری ہو چکا تھا مگر بہر کیف غلطی خواہ کسی سے بھی ہو اچھی بات نہیں ہے، اس سے بچنا ہر ایک کیلئے لازم ہے تو حکم خداوندی نازل ہوا کہ مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ خدا کے دشمنوں اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں اور ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن کے دل میں کفر اور کافروں کی نفرت اور بغض ہو اور یہ بات تو انسانی حمیت بھی چاہتی ہے کہ جب کافر مسلمان سے دشمنی پر تلے ہوئے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ایسے دشمن سے محبت کرے۔ اسی حکم اور ہدایت کو اس طرح ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتَتَّخِذُوْاعَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْکَفَرُوْا بِمَاجَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ،یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْابِاللّٰہِ رَبِّکُمْ،اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِھَادًافِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ،تُسِرُّوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ،وَاَنَااَعْلَمُ بِمَااَخْفَیْتُمْ وَمَااَعْلَنْتُمْ،وَمَنْ یَّفْعَلْہُ مِنْکُمْ فَقَدْضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ:اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْالَکُمْ اَعْدَآءً وَّیَبْسُطُوْآاِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ وَاَلْسِنَتَھُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْالَوْتَکْفُرُوْنَ:لَنْ تَنْفَعَکُمْ اَرْحَامُکُمْ وَلَآاَوْلَادُکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ،یَفْصِلُ بَیْنَکُمْ،وَاللّٰہُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ:

اے ایمان والو! (ہرگز) نہ بناؤ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو اپنا دوست کہ بھیجتے ہو تم ان کو پیغام دوستی کے ساتھ (اور ایسی باتیں ان کی طرف بھیجتے ہو جن سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ تم ان سے محبت و دوستی کرتے ہو، اور دوستی کا ہاتھ ان کی طرف بڑھا رہے ہو) حالانکہ وہ انکار کر چکے ہیں اس حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے (نہ انہوں نے اس کو حق مانا اور نہ ایمان لائے بلکہ دشمنی ہی پر کمر بستہ رہے۔ ایسی صورت میں تو عقلاً و طبعاً یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے۔ ان کی دشمنی کی یہ انتہاء ہے کہ) وہ نکال رہے ہیں رسول کو اور تم کو تمہارے گھروں سے (اور ہجرت پر مجبور کیا اور اب تک بھی وہ اسی روش پر قائم ہیں) محض اس وجہ سے کہ تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر جو تمہارا رب ہے (حالانکہ یہ کوئی قصور نہیں بلکہ حق و ہدایت کو قبول کرنا تو عقلاً مستحسن بات ہے، پھر بھی وہ تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں)۔

(اے مسلمانو!) اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے کیلئے اور میری رضامندی حاصل کرنے کیلئے (تو پھر دشمنوں کو دشمن سمجھو، اور جن کے ساتھ مقابلہ اور جہاد کیلئے نکلے ہو ان کے ساتھ دشمنوں کا سا معاملہ کرو، یہ بات قابل تعجب ہے کہ) پوشیدہ طور پر تم ان کو بھیجتے ہو دوستی کا پیغام (کوئی تصور کرنے والا یہ نہ سوچے کہ کسی خفیہ بات کا مجھے علم نہ ہوگا)

حالانکہ میں تو خوب جاننے والا ہوں ان باتوں کا جو تم چھپاتے ہو اور ان باتوں کا بھی جو تم ظاہر کرتے ہو (چنانچہ حاطبؓ کی بات کا پتہ چل ہی گیا حالانکہ اس کو مخفی رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ الغرض یہ بات انتہائی خطرناک اور ناپسندیدہ ہے) اور جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھی راستہ سے بھٹک جائے گا (انسان کی یہ فطرت ہے اور حمیت کا تقاضا ہے کہ اپنے دشمن سے نفرت کرے، پھر جب کہ یہ دشمن تو ایسے ہیں) اگر یہ تم پر قابو پالیں (اور ان کا کسی طرح تم پر بس چل جائے تو یہ) تمہارے (کھلم کھلا) دشمن بن جائیں اور دراز کریں تمہاری طرف اپنے ہاتھ ظلم و تعدی کے اور زبانیں بھی بُرائی کے ساتھ اور یہی چاہیں کہ کسی طرح تم کافر ہو جاؤ (اس لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ ایسے دشمنوں سے بھلائی کی امید رکھی جائے۔ تو آخر پھر یہ مسلمان ایسے دشمنوں سے کیوں رواداری برت رہے ہیں۔ یہ تو سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔ بلاشبہ ایسے خبیث اور بدباطن دشمن اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو پیغام دوستی بھیجا جائے اور کافر تو غایت دشمنی میں یہی چاہتا ہے اور اس کی کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ تم کو کافر بنادے۔ جو کافر تمہاری عزت و عظمت اور دین و ایمان کا دشمن ہے ان سے ہمدردی یا دوستی کا معاملہ کیسے عقل و فطرت کے لحاظ سے درست ہوسکتا ہے...؟؟؟)

(اہل و عیال کی محبت میں ایسی غلطی کر بیٹھنا جس طرح کہ حضرت حاطبؓ سے ہوئی اے مسلمانو! ہرگز تم سے ایسی غلطی کا ارتکاب نہ ہونا چاہئے۔ سمجھ لینا چاہئے کہ جس اولاد و خاندان کی محبت میں تم اس قسم کی غلطی کرو گے) ہرگز کام نہ آئیں گی تمہاری قرابتیں اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ جل شانہ تو ہر ایک کا عمل دیکھتا ہے) وہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان (اسی کے مطابق) اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے ہر وہ کام جو تم کرتے ہو۔

:قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ، اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ، رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا، اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ، وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ:

ربط: سورۂ ممتحنہ: کی گزشتہ آیات میں کافروں کے ساتھ دوستی پر وعید و مذمت تھی اور اس طرح کا ایک واقعہ حضرت حاطبؓ کے ساتھ پیش آ گیا تھا اس پر تنبیہ کر کے فرما دیا گیا تھا کہ مسلمان کو اپنے اور خدا تعالیٰ کے دشمن کے ساتھ دوستانہ روابط و مراسم قائم کرنے کی قطعی اجازت نہیں۔

تو اب ان آیات میں دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ خدا تعالیٰ کے ساتھ جو بغض ونفرت کے جذبات مسلمان کے دل میں ہونے چاہئے ان کی ہدایت وتاکید فرمائی جارہی ہے۔فرمایا اے مسلمانو! بیشک تمہارے واسطے ایک بہترین نمونہ ہے ابراہیم (علیہ السلام کی زندگی) میں اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی میں) جب کہ انہوں نے کہہ دیا اپنی قوم سے (کہ اے لوگو!) ہم تم سے بیزار (اور الگ ہیں) اور ان سے بھی کہ جن کی تم خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، ہم نے بلاشبہ تمہارا انکار کیا (اور ہم ہر اُس چیز میں تمہارے سے نفرت وقطع تعلق کر چکے ہیں) اور کھل گئی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ونفرت ہمیشہ کیلئے، یہاں تک کہ تم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ (اور شرک چھوڑ کر: خدائے واحد لاشریک لہ: پر ایمان نہ لے آؤ، اُس وقت تک ہمارے اور تمہارے درمیان یہ بغض ونفرت اور عداوت قائم رہے گی۔اسوۂ ابراہیمی یہی ہے اور مسلمانوں کو اسی کا اتباع کرنا چاہئے) لیکن ابراہیم کا یہ کہنا اپنے باپ کے لئے (کہ اے باپ) میں تیرے واسطے ضرور بالضرور استغفار کروں گا اور میں تیرے واسطے کسی نفع کا مالک نہیں ہوں، خدا تعالیٰ کے سوا وہی (جو چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، میں تو صرف دعا ہی کرسکتا ہوں، اصل عطا کرنے والا تو وہی رب ہے۔تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا اس اسوۂ ابراہیمی کے خلاف نہ تھی جس کا اے مسلمانو! تم کو حکم دیا جارہا ہے کہ کافروں سے اعلانِ دشمنی اور نفرت کردیا جائے)۔

اس لئے کہ اوّل تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا استغفار اُس وقت تھی کہ جب ان کو اس بات کا علم نہ تھا کہ کافر کے لئے بخشش کی دعا کرنا درست نہیں لیکن جب معلوم ہوگیا تو ہر قسم کے جذبۂ محبت اور اس کے تصوّر یا طلب سے براءت وبیزاری ظاہر کی۔

ثانیاً یہ بھی امکان ہے کہ یہ دعاءِ استغفار بمعنی طلب ایمان اور دعاءِ ہدایت ہو۔اور کسی کافر کے واسطے ہدایت کی دعا مانگنا کفر اور کافر سے عداوت ونفرت کے منافی نہیں ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جو دعا مانگی یہ اعلان بغض وبراءت کے خلاف نہ تھی اس وجہ سے کسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے یہ مغالطہ نہ ہو کہ کافر سے ہمدردی اور دوستی درست ہوسکتی ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تو اسوۂ حسنہ میں یہ جذبات اور دعائیں بھی ہیں کہ)۔

اے ہمارے رب! ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا (کہ ہر چیز میں تو ہی کارساز ہے۔اگر ہم کافروں سے دشمنی وبراءت اختیار کریں گے تو ان کی دشمنی کا اور ان سے علیحدگی کا ہمیں کوئی خوف واندیشہ نہیں، اس لئے کہ ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کرلیا اور ہر پریشانی اور ضرورت کے لئے ہم نے دنیا سے اپنا رُخ موڑ کر تیری ہی طرف اپنا رُخ کرلیا اور کیوں نہ کریں جبکہ) تیری ہی طرف لوٹنا ہے (اے اللہ! ہم کمزور ہیں مصائب وشدائد برداشت

کرنے کی طاقت نہیں ہو اے پروردگار!) تو ہم کو کافروں کی آزمائش کا محل اور تختۂ مشق نہ بنانا اور ہم کو معاف کر دینا (اگر کسی وقت صبر و استقامت کو ہاتھ سے چھوڑ دیں) اے ہمارے رب! بیشک تُو بڑی ہی عزت و حکمت والا ہے (کہ تیری ہی عزت و قوت سے ہم کافروں کے مقابلہ میں زُور آور ہو سکتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اگر کسی وقت کافروں کے ہم تختۂ مشق بنیں اور وہ اپنی ظاہری اور عارضی کامیابی پر ہمارا مذاق اُڑائیں تو یہ بھی تیری حکمت سے ہماری اصلاح و تنبیہ کیلئے ہوگا)۔ یقیناً (اس بیان کردہ ضابطہ میں اے مسلمانو!) ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کیلئے اس میں (ایک عظیم سامانِ ہدایت و استقامت ہے) جو امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے روز کی (تو بیشک ایسے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روش اختیار کریں گے اور اُن کو اس بات کی ذرّہ برابر پرواہ نہ ہوگی کہ دنیا ایسے لوگوں کو متعصب اور تنگ نظر کہے۔ وہ دنیا کے موحدِ اعظم یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے نقشِ قدم پر چلیں گے اور اپنے ایمان و اعتقاد سے اسی بات پر یقین و اعتماد رکھیں گے کہ مستقبل کی کامیابی اور عزت و عظمت۔ کفر اور کافروں سے اعلانِ براءت و بیزاری ہی میں ہے۔ وقتی مفاد اور عارضی منفعت کی خاطر کافروں سے دوستی گانٹھنا کوئی اچھی بات نہیں بلکہ مسلمان قوم کیلئے مہلک اور خطرناک ہے۔ یہ ہے وہ ضابطہ جس پر مسلمانوں کی فلاح و کامیابی اور عظمت و ترقی موقوف ہے، جو اس نعمت کو اختیار کرے گا وہ اس نعمت سے سرفراز ہوگا اور جو شخص اس سے منہ موڑے گا وہ خود ہی کو ذلیل و ناکام بنائے گا) بس اللہ تعالیٰ تو ہر حال میں بے نیاز قابلِ تعریف ہے (اس کو نہ کسی کی اطاعت کی ضرورت ہے اور نہ کسی کی روگردانی سے اس کو کچھ نقصان ہے۔

ربـــط: گزشتہ آیات میں کفار و مشرکین کے ساتھ بغض و نفرت اور براءت و بیزاری کا ذکر تھا کہ یہی اسوۂ ابراہیمی ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اسی کو اختیار کریں۔ اب ان آیات میں مستقبل قریب میں پیش آنے والے غلبہ اور کامیابی کا ذکر ہے اور ضمناً اشارہ ہے کہ کچھ قومیں کافروں میں سے ایمان لے آئیں گی۔ اور یہ اجازت دی جا رہی ہے کہ جس کسی کافر قوم نے اب تک مسلمانوں کے ساتھ کوئی قتال نہیں کیا اور نہ دشمنی کا کوئی معاملہ کیا اور نہ ہی انہوں نے مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا ان کے ساتھ مسلمانوں کو رواداری اور حسن سلوک کی اجازت دی جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

:عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً، وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ: اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ، وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ:

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دوستی قائم کردے تمہارے اوران لوگوں کے درمیان جن کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے(دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہوجائیں،اوراس طرح سے تمہارے اور ان کے درمیان رشتۂ محبت ومودّت قائم ہوجائے کہ وہ اسلام لے آئیں۔چنانچہ فتح مکہ کے وقت ایسا ہی ہوا کہ ساری عمر دشمنی کرنے والے اورایک دوسرے کے مقابلے میں تلوار اٹھانے والے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے،اور کل گزشتہ ایک دوسرے کے خون کے دشمن اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے کو تیار ہوگئے۔تو ان الفاظ میں ذہنی وطبعی طور سے تسلی دی گئی کہ قوم سے علیحدگی اور بیزاری کا ہمیشہ کے لئے تصوّر کرکے نہ گھبرانا چاہئے۔بیزاری اور باہمی بغض کی یہ فضا بہت جلد ختم ہوکر باہمی مودّت اوراخوت کی فضا قائم ہوجائے گی)اوراللہ تعالیٰ بڑی ہی مغفرت ومہربانی فرمانے والا ہے۔(دوستی اور ہمدردی کے رشتے اللہ تعالیٰ جل شانہ ان لوگوں سے قائم کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کی،اس کے برعکس)اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا ہے ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک(کرنے سے)جنہوں نے تمہارے سے نہ تو قتال کیا دین کے معاملے میں اور نہ ہی تم کو تمہارے گھروں سے نکالا (اوراس پر مجبور کیا،تو اللہ تعالیٰ جل شانہ تم کو منع نہیں کرتا ہے)اس چیز سے کہ تم ان کے ساتھ کوئی بھلائی کرو اوران سے انصاف کا سلوک کرو، بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تو صرف ایسے لوگوں کے ساتھ(دوستی اوراچھا سلوک کرنے سے)منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے قتال کیا دین کے معاملہ میں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور(دوسروں) کی بھی مدد کی تمہارے نکالنے پر(اور گھروں سے تم کو اجاڑنے پر کہ ایسے لوگوں سے تم دوستی کرو۔ظاہر ہے کہ ایسے ظالموں اور دشمنوں سے دوستانہ برتاؤ بہت ہی بدترین چیز اور خود اپنے اوپر سخت ظلم ہے۔اس بناء پر یہ اصول فراموش نہ کرنا چاہئے)اور جو بھی ایسے ظالموں سے دوستی کریں وہ ظالم ہیں اور گنہگار ہیں۔اس لئے کہ ظالموں کے ساتھ دوستی کا انجام خود ہی اپنے اوپر ظلم اوراپنی ہلاکت کا سامان مہیا کرنا ہے۔اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوسکتا ہے۔ہر بُرائی کا انجام صاحبِ عمل ہی کی طرف لوٹا کرتا ہے۔

(معارف القرآن:ج8:ص59:ناشر: مکتبہ حسّان بن ثابتؓ لاہور:سن طباعت 1434ھ)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

مضامین سورۃ: پچھلی سورت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کافروں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا تھا۔خواہ وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دشمن یہودی ہوں یا نصاریٰ۔یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کافروں سے عدمِ دوستی اور منافقوں کی چالبازیوں سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے۔یہ لوگ دین کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے

جانے نہیں دیتے۔اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خصوصی ذکر فرمایا ہے اور ان کا اسوہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔اس کے علاوہ حضور اکرم ﷺ کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

شان نزول: ابتدائی آیات میں کافروں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے اور یہ ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کے درمیان معاہدہ حدیبیہ دس سال کی مدت کیلئے کیا گیا تھا مگر مشرکین اُسے ایک سال تک بھی نہ نباہ سکے،اور اس کی خلاف ورزی شروع کردی۔چنانچہ حضور ﷺ نے اُن عہد شکنوں کو سبق سکھانے کا ارادہ کیا۔اور اس بات کو عام لوگوں تک پہنچے بغیر جنگ کی تیاری شروع کردی۔حضور ﷺ کی خواہش تھی کہ مکہ پر اچانک حملہ کردیا جائے تاکہ مشرکین کو تیاری کا موقع نہ مل سکے۔اس دوران حضور ﷺ کے ایک صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ سے ایک شدید غلطی ہوگئی۔یہ صحابی خاندانِ قریش میں سے تو نہیں تھے مگر مکہ کے باشندے تھے۔یہ خود تو ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے مگر ان کے بیوی،بچے اور مال واسباب مکہ ہی میں تھے۔اکثر مہاجرینؓ کے رشتہ دار تو مکہ میں موجود تھے جو ان کے مفادات کی نگرانی کرتے تھے،مگر حضرت حاطبؓ کا کوئی رشتہ دار بھی مکہ میں نہیں تھا جو اُن کے بچوں اور اموال کی نگہداشت کرتا۔

چنانچہ انہوں نے قریش کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اُن کو مسلمانوں کے ارادے سے بذریعہ خط آگاہ کرنا چاہا۔ان دنوں بنوعبدالمطلب کی ایک آزاد کردہ لونڈی مدینہ آئی ہوئی تھی جب وہ واپس مکے جانے لگی تو حضرت حاطبؓ نے اُسے قریشِ مکہ کے نام خط لکھ کر دے دیا۔اس خط میں مسلمانوں کا مکہ پر حملہ کا بھی ذکر تھا۔مگر ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ اگر حضور اکرم ﷺ تن تنہا بھی آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کو غالب کردے گا۔

جب وہ عورت خط لے کر مدینہ سے روانہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے مطلع کر دیا۔چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ،حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ کو اس عورت کے پیچھے جانے کا حکم دیا،اور ساتھ یہ بھی بتادیا کہ وہ عورت تمہیں روضہ خاخ پر ملے گی،اُس سے وہ خط لے آؤ۔یہ حضرات گھوڑے دوڑاتے ہوئے جب اُس مقام پر پہنچے تو عورت کو پالیا۔اُس سے خط کا مطالبہ کیا تو اُس نے انکار کیا۔حضرت علیؓ نے سختی سے کہا کہ اگر تو نے ہمیں یہ خط خود بخود نہ دیا تو تمہاری جامہ تلاشی لینا پڑے گی،وہ عورت خوفزدہ ہوگئی،اس نے اپنے بالوں کے نیچے چھپایا ہوا خط دے دیا،جسے لاکر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا گیا۔

خط کا مضمون پڑھ کر حضور ﷺ نے حضرت حاطبؓ کو طلب کیا اور اس کے سامنے خط کھول کر رکھ دیا اور باز پُرس کی۔حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! اجازت دیں تو میں اس منافق کا سر قلم کردوں؟ مگر حضور ﷺ نے منع کردیا۔حضرت حاطبؓ کہنے لگے کہ حضور ﷺ! جلدی نہ کریں،پہلے میری بات سن لیں،اس کے بعد جو چاہیں حکم دیں۔

حضرت حاطبؓ نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ جب سے میں ایمان لایا ہوں اس کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں سوچی، میں نہ کافر ہوا ہوں، نہ مشرک نہ مرتد بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین پر پوری طرح قائم ہوں۔ بات یہ ہے کہ قریشِ مہاجرین کے تو مکے میں عزیز و اقارب ہیں جن کی وجہ سے مکے والے ان کا لحاظ کرتے ہیں مگر میرا وہاں کوئی عزیز نہیں ہے جس کی بناء پر مجھے خطرہ ہے کہ وہ میرے بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ میں نے مکے والوں کو ممنونِ احسان بنانے کے لئے یہ خط لکھا ہے، وگرنہ مجھے اسلام کی حقانیت میں کوئی شبہ نہیں بلکہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ آپ ﷺ کو ضرور فتح عطا فرمائے گا، لہذا آپ میری خطاء کو معاف کر دیں۔ حضور ﷺ نے صحابی کی اس صفائی کو قبول کیا اور فرمایا کہ یہ بدری صحابی ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فرمان ہے کہ میں نے اُن کی لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُس کے ساتھ کوئی تعرض نہ کیا۔

دشمن سے دوستی کی ممانعت:

اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے صحابی کو سخت ڈانٹ پلائی، اور کفار کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا۔ چاہے کسی کی نیت ٹھیک ہی کیوں نہ ہو، اور ساتھ یہ بھی کہ قرابتداری کی وجہ سے ایمان میں ضعف نہیں آنا چاہئے بلکہ ایمان کو ہر چیز پر مقدم رکھنا چاہئے۔ ارشاد ہوتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ کافر خدا تعالیٰ کے بھی دشمن ہیں کیونکہ اُس کی توحید کو نہیں مانتے اور تمہارے بھی دشمن ہیں کیونکہ تمہاری جان کے درپے ہیں۔ لہذا اُن کو اپنا دوست نہ بناؤ: تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ: تم اُن کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، اور مسلمانوں کے راز کی بات اُن تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہ ملک وقوم سے غداری کے مترادف ہے اور یہ کام کسی مسلمان کے لئے ہرگز مناسب نہیں۔

عدمِ دوستی کی وجوہات:

فرمایا: یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے: وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ: کہ انہوں نے اُس دینِ حق کا انکار کر دیا ہے جو تمہارے پاس آ چکا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دشمن ہیں اُس کے نازل کردہ دین کے بھی دشمن ہیں۔ اِن کی کاروائی یہ ہے: یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ: یہ رسول کو بھی نکالتے ہیں اور تمہیں بھی۔ اور تمہارے اس کے سوا کیا جرم تھا کہ: اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ: تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے جو تمہارا پروردگار ہے۔ اسی جرم کی پاداش میں وہ تمہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے تھے، ذلت ناک سلوک کرتے تھے حتیٰ کہ کتنے ہی مسلمان مرد اور عورتوں کو شہید کر دیا گیا۔ آخر تمہارا کیا قصور تھا؟ یہی کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے براہ راست حضرت حاطبؓ کے خط کی طرف اشارہ کیا: اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ: اگر تم جہاد کرتے ہوئے میرے راستے میں نکلے ہو، اور میری خوشنودی کی تلاش میں ہو، تو پھر تم: تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ: کس طرح پوشیدہ طور پر اُن کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو۔ تم اُن کے ساتھ کئی معرکوں میں جنگ بھی کر چکے ہو مگر پھر اس دوستی کے پیغام کا کیا مقصد؟

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَيْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ: حالانکہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو، اللہ تعالیٰ جل شانہ سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، وہ تو تمہارے سینوں کے رازوں اور نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے، تم اُن کے ساتھ دوستی کیسے کرتے ہو؟ بہر حال اللہ تعالیٰ جل شانہ نے صحابی کو سخت ڈانٹ پلائی تاہم اُس کا عذر بھی قبول کیا کہ اُس کا مقصد جاسوسی نہیں بلکہ اپنے بچوں کی حفاظت کا انتظام کرنا تھا: وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ: تم میں سے جس نے کبھی ایسا کام کیا تو سمجھ لو کہ وہ صراط مستقیم سے بہک گیا۔

کافروں کی اسلام دشمنی:

فرمایا: تم تو اُن کے ساتھ دوستی کا اظہار کرتے ہو، مگر اُن کافروں کا حال یہ ہے: اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً: کہ اگر خدانخواستہ وہ تم پر قابو پالیں تو پھر تمہارے دشمن ہی ثابت ہوں گے۔ یہ نہ سمجھو کہ تمہاری حیلہ سازی سے وہ تمہارے دوست بن سکتے ہیں نہیں، بلکہ وہ ہمیشہ تمہارے دشمن ہی رہیں گے: وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ: اور اپنے ہاتھ اور زبانیں تمہاری ایذا رسانی کے لئے ہی بڑھاتے رہیں گے۔ کیونکہ: وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ: ان کا مقصد یہ ہے کہ تم کسی طرح ایمان کو ترک کر کے کفر میں واپس آجاؤ۔ کافر خواہ یہودی کی شکل میں ہو یا نصرانی کی شکل میں، مشرک ہو یا دہریہ ہو، کوئی بھی نہیں چاہتا کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں۔ اُن کی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ اگر مسلمان، کافر یا مشرک نہ بھی ہوں تو کم از کم دین اسلام پر بھی قائم نہ رہیں۔

لوگ سخت دھوکے میں ہیں جو سمجھتے ہیں کہ کافر ہمارے خیر خواہ ہے اور ہماری مدد کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی باطل طاقتیں مسلمانوں کو کبھی پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتیں، یہ سب لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ، اُس کے رسول ﷺ، قرآن، اسلام، حتیٰ کہ انسانیت کے بھی دشمن ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اُن پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

آخرت میں کامیابی:

ارشاد ہوتا ہے: لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَآاَوْلَادُكُمْ: تمہاری قرابتداری اور اولاد ہرگز تم کو فائدہ نہیں پہنچائے گی: يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: قیامت والے دن۔ تم بیوی بچوں کی خاطر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کام کرتے ہو مگر آخرت میں یہ تمہارے کچھ کام نہ آسکیں گے: يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ: اُس دن اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: تم جو کچھ کر رہے ہو، سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ کوئی چیز اُس سے مخفی نہیں۔

ربط آیات: اس سورۃ کی پہلی تین آیات میں حضرت حاطبؓ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس پر سخت نوٹس لیا اور اہل ایمان کو سختی کے ساتھ منع کر دیا کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔ فرمایا: کافر، اللہ تعالیٰ جل شانہ کے بھی دشمن ہیں اور تمہارے بھی، لہٰذا اُن کے ساتھ دوستانہ رکھنا سخت نقصان دہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ بھی فرمایا کہ تم کفار کے ساتھ کتنا بھی ہمدردی کا اظہار کرو، اگر وہ تم پر غالب آگئے تو سخت دشمنی کا سلوک کریں گے اور اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم اسلام کو چھوڑ کر دوبارہ کفر میں داخل ہو جاؤ اس قسم کی تنبیہ سورۃ توبہ میں بھی موجود ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً: اگر تم پر غلبہ پائیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں اور نہ عہد و پیمان کا۔

ایسے لوگوں کے ساتھ اہل ایمان کی دلی دوستی کیسے ہو سکتی ہے؟ محض بیوی بچوں کی خاطر کافروں سے دوستانہ کرنا اور انہیں راز کی بات بتانا بہت بُری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس پر تنبیہ کی ہے اور فرمایا کہ جس اولاد کی خاطر تم نے یہ کام کیا ہے، قیامت والے دن وہ تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی:

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل ایمان کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے متبعین کا نمونہ پیش کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین کی خاطر ہر چیز کی قربانی پیش کر دی۔ ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ: البتہ تحقیق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی اختیار کی: اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ: جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم بیزار ہیں تم سے وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: اور اُن چیزوں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ پہلی آیت میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ یہ میرے بھی دشمن ہیں اور تمہارے بھی۔ سورۃ ابراہیم میں آپ کی دعا کا بھی ذکر ہے جس میں عرض کیا!

پروردگار مجھے اور میری اولاد کو بتوں سے دُور رکھ: پروردگار! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ لہٰذا ہم ان بتوں سے بھی بَری ہیں، اور ان کی پوجا کرنے والوں سے بھی بیزار ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا: كَفَرْنَا بِكُمْ: ہم تمہارا انکار کرتے ہیں، تم نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی توحید کا انکار کیا ہے، ہم تمہارے عقیدے اور عمل کا انکار کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم تمہارے طریقے کی ذرّہ بھر بھی حمایت نہیں کر سکتے۔ تمہاری اس غلط روش کی وجہ سے: وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا: ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کیلئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا ہے: حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ: یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔ ہماری اور تمہاری دوستی کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اگر اُسے مان لو تو بہتر ورنہ تمہارے اور ہمارے درمیان نفرت و عداوت کی دیوار کھڑی ہو چکی ہے۔

اسوۂ ابراہیمی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تک عراق میں رہے تکالیف برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کو آگ میں پھینک دیا گیا مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور آپ توحیدِ خداوندی پر جمے رہے۔ آپ کو سات سال تک قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں، ساری قوم دشمن ہو گئی، باپ نے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا مگر آپ نے ایمان پر کبھی سودے بازی نہیں کی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ پکڑو، جب وہ عراق سے نکلے تھے تو پھر واپس نہیں گئے، مگر تم بیوی بچوں کی خاطر کافروں کے ساتھ دوستی کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ قوم، برادری، رشتہ داری اور وطن سب ثانوی چیزیں ہیں اور ایمان کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مگر جو لوگ کفر کا برملا اظہار کرتے ہیں اُن کے ساتھ دوستی یا محبت ہرگز ممکن نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ سے یہی بات سامنے آتی ہے۔

باپ کے لئے بخشش کی دعا:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے آپ کی دعوت قبول نہ کی تو آپ نے ان سے علیحدہ ہوتے وقت: اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ: اپنے باپ سے یہ بات ضرور کی تھی: لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ: میں تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کروں گا۔ اور یہ میری عرض داشت ہوں گی ورنہ: وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ: مگر میں اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، کیونکہ مالک تو اللہ تعالیٰ جل شانہ ہے وہ چاہے تو دعا کو قبول کر لے اور اگر نہ چاہے تو نہ قبول کرے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ عداوت اور دشمنی کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام میں شفقت کا مادہ موجود تھا، اور یہ شفقت اس لئے تھی کہ کسی طرح آپ کا باپ ایمان قبول کر لے، تاہم یہ دعا بھی محدود طریقے پر تھی۔ سورۃ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کیلئے بخشش کی دعا مانگنا ایک وعدے کا سبب تھا: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ: پھر جب آپ پر واضح ہوگیا کہ یہ دشمنِ خدا تعالیٰ ہے تو اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ پہلے توقع تھی کہ شاید وہ ایمان قبول کرے گا، مگر جب اُمید بالکل ختم ہوگئی کہ اب یہ ایمان نہیں لائے گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے براءت کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہی اسوہ مسلمانوں کو اختیار کرنا چاہئے۔ کسی کافر، مشرک باپ، بھائی، بہن کیلئے بخشش کی دعا کرنا بھی جائز نہیں۔ بھلا جس کیلئے دعا نہیں ہوسکتی اُس کے ساتھ دوستی کیسے ہوسکتی ہے؟؟؟ وہ تو دین اسلام کے پروگرام کو مغلوب کر کے کفر کے پروگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں۔ اہل ایمان کو مالی، جسمانی اور ذہنی ہر طرح کی اذیت پہنچانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اور اگر وہ اہل ایمان پر غالب آجائیں تو دشمنی کا پورا پورا حق ادا کریں۔ تو ایسے لوگوں سے دوستی کا کیا امکان رہ جاتا ہے؟؟؟

دعائے ابراہیمی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے سچے پیروکار یہی کہتے ہیں: رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا: اے ہمارے پروردگار! ہم تیری ہی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں: وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا: اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں: وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ: اور سب کو تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔

یہ بات سمجھائی جارہی ہے کہ اگر تم نے مکے سے ہجرت کی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی بابل سے ہجرت کی تھی اور پھر انہوں نے کبھی اپنی قوم کی طرف رُخ نہیں کیا، اب وہی کام تم بھی کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس وقت تک باپ کیلئے دعا کی جب تک اُن پر حقیقتِ حال واضح نہیں تھی۔ پھر جب معلوم ہوگیا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہی ہوگا، تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بخشش کی دعا نہیں کی۔ لہٰذا تمہیں بھی چاہئے کہ اپنے مشرک والدین یا عزیز و اقارب کے لئے بخشش کی دعا نہ کرو کہ یہی اسوۂ ابراہیمی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا بھی کی تھی: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا: اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کے لئے آزمائش نہ بنا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کافروں کا تختۂ مشق بن جائیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچاتے رہیں: وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا: پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے: إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ

اَلْحَكِيْمُ: بیشک تو زبردست اور حکمت والا ہے۔

خلاصۂ کلام:

آخر میں دوبارہ تاکید ہورہی ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ: البتہ تحقیق تمہارے لئے اُن لوگوں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اوران کے پیروکاروں میں اچھا نمونہ ہے مگر یہ اُس شخص کیلئے ہے: لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ: جو خدا تعالیٰ کی ذات اور قیامت کے دن جزائے عمل کی امید رکھتا ہے۔ اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور قیامت کے دن کا ڈر رکھتا ہے، ایسے لوگوں کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات اور اُن کے پیروکاروں میں اچھا نمونہ ہے جس کو لوگ اختیار کر کے ان کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں۔ ایسا شخص کفر اور شرک سے بیزاری کا اظہار کرے گا، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات پر بھروسہ کرے گا، لہٰذا وہ اس نمونہ سے فائدہ اٹھائے گا: وَمَنْ يَّتَوَلَّ: اور جو شخص رُوگردانی کرے گا، اس اسوہ سے فائدہ نہیں اٹھائے گا فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ: تو اللہ تعالیٰ جل شانہ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ اس کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ رُوگردانی کرنے سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا تو کچھ نقصان نہیں ہوگا، البتہ ایسا شخص خود ہی گھاٹے میں رہے گا۔

ربط آیات: حضور اکرم ﷺ کے صحابی سے غلطی ہوئی اور اُس نے مسلمانوں کے راز مشرکینِ مکہ تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل ایمان کو سخت تنبیہ کی کہ ایسی غلطی کا اعادہ نہیں ہونا چاہئے۔ پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کافروں کے ساتھ مقاطعہ کا حکم دیا اور اُن کے ساتھ دوستی کرنے کی ممانعت فرمادی۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ کسی طرح دوستی نہیں ہوسکتی۔ نہ انہیں اپنا رازدار بنایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جب بھی انہیں موقع ملے گا وہ مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے اہل ایمان کو اذیتیں پہنچاتے ہیں۔ فرمایا: تم نے تو یہ کام اپنے بیوی بچوں کی مصلحت کیلئے کیا ہے مگر قیامت والے دن رشتہ دار، اولاد اور مال کسی کام کے نہیں آئے گے۔ تمہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ اختیار کرنا چاہئے، جنہوں نے اپنی قوم، برادری حتیٰ کہ اپنے باپ سے بھی بیزاری کا اظہار کردیا اور فرمایا کہ جب تک تم اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان نہیں لاؤ گے ہمارے اور تمہارے درمیان نفرت وعداوت کی دیوار حائل رہے گی۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل ایمان کی دعا کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اُن کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنائے اور کسی آزمائش میں نہ ڈالے۔

کفار سے دوستی کی اُمید:

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کافروں سے دوستی نہ کرنے کی حکمت بیان کی ہے، اور اس کے

ساتھ ایک قسم کی پیشن گوئی کی ہے اور ساتھ توقع بھی دلائی ہے کہ دشمنی کا سلسلہ ہمیشہ تو نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ چاہے تو وہ اس دشمنی کو دوستی میں تبدیل کرنے پر بھی قادر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

:عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً: ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی کی فضا پیدا کردے اور وہ تمہارے دوست بن جائیں۔ مگر جب تک درمیان میں کفر کی دیوار کھڑی ہے وہ ہمیشہ نقصان پہنچانے کے ہی درپے رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں اُن کے ساتھ دوستی نہیں ہوسکتی۔ تم اِس قانون کی پابندی کرو، مگر نا اُمید نہ ہو، شاید کہ تمہارے اور اُن کے درمیان اللہ تعالیٰ جل شانہ دوستانہ تعلقات قائم کردے۔

چنانچہ کچھ عرصہ بعد ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بدترین دشمنوں کے دلوں کو بھی پھیر دیا اور وہ ایمان لے آئے۔ فتح مکہ کے دن مشرکینِ مکہ میں سے کوئی شاذ آدمی ہی رہ گیا ہوگا، جس نے ایمان قبول نہ کیا ہو۔ الغرض اللہ تعالیٰ جل شانہ کی پیشن گوئی کے مطابق بعض بدترین دشمن، اسلام قبول کرکے بہترین دوست بن گئے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ موجودہ حالات میں کافروں سے دوستی نہیں ہوسکتی، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ایسے حالات پیدا کردیں گے جس سے تمہارے اور اُن کے درمیان دوستی کی فضا قائم ہوجائے: وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ: اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

غیر حربی کفار سے نیک سلوک:

پہلے عام کافروں کا ذکر تھا کہ ان کے ساتھ دوستی نہیں ہوسکتی۔ اب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے غیر حربی کافروں کا ذکر کیا ہے۔ یعنی وہ کافر جو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ نہ ہوں یا وہ ذمی بن کر اسلامی قوانین کا احترام کرتے ہوں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا: لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ: اللہ تعالیٰ جل شانہ ایسے لوگوں کے متعلق منع نہیں کرتا جو تم سے جنگ نہیں کرتے دین کے معاملہ میں: وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ: اور تمہیں تمہارے گھروں سے بھی نہیں نکالتے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ جل شانہ ایسے لوگوں سے منع نہیں کرتا: اَنْ تَبَرُّوْهُمْ: کہ تم اُن کے ساتھ نیکی کا سلوک کرو: وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ: اور اُن سے انصاف کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ غیر حربی اور ذمی کافروں کے ساتھ انصاف کا حکم بھی دیتا ہے۔ کیونکہ: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ: وہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

حربی کفار سے دوستی کی ممانعت:

البتہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حربی کافروں کے ساتھ عدمِ دوستی کی پھر تاکید فرمائی اور فرمایا: اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ: بیشک اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے تم کو اُن لوگوں سے جو تم سے دین کے معاملے میں لڑے ہیں: وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ: اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے: وَظَاھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اور انہوں نے تمہارے نکالنے میں دوسروں کی مدد کی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہیں منع کرتا ہے: اَنْ تَوَلَّوْھُمْ: کہ ان سے دوستی کرو۔ یہ حربی کافر اور دشمنِ خدا تعالیٰ ہے۔ دشمنِ رسول ﷺ اور دشمنِ دین ہیں۔ لہٰذا ان سے کوئی راہ و رسم جائز نہیں۔

زکوٰۃ تو ویسے ہی کافروں کو نہیں دی جا سکتی، ایسے حربی کافروں کو صدقہ دینا بھی روا نہیں۔ البتہ غیر حربی کافروں کو صدقہ کی ادائیگی کی اجازت اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن میں دے دی ہے، اور ایسے لوگوں کے ساتھ دوسرا احسان بھی کیا جا سکتا ہے۔

فرمایا: اس حکم کے برخلاف: وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ: جو شخص ایسے لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا: فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ: تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ لوگ ظالم شمار ہوں گے۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج18: ص298)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ (الی قولہ) فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ:

خلاصۂ تفسیر:

اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو (یعنی کو دل سے دوستی نہ ہو مگر ایسا دوستانہ برتاؤ بھی مت کرو) حالانکہ تمہارے پاس جو دینِ حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں (جس سے اُن کا دشمنِ خدا تعالیٰ ہونا معلوم ہوا جو آیت میں بلفظ: عدوّی: بیان کیا گیا) رسول (ﷺ) کو اور تم کو اس بناء پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں (یہ بیان ہے: عدوّکم: کا، یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کے دشمن نہیں تمہارے بھی دشمن ہیں، غرض ایسے لوگوں سے دوستی مت کرو) اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو (کفار کی دوستی جس کا حاصل کفار کی رضامندی کی فکر ہے، اور یہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے مناسب اعمال کے منافی ہے) تم اُن سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو (یعنی اوّل تو دوستی ہی بُری چیز ہے، پھر خفیہ پیغام بھیجنا جو خصوصی ربط و تعلق کی علامت ہے، یہ اور زیادہ بُرا

ہے)حالانکہ مجھ کوسب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کر کے کرتے ہو (یعنی مثل دوسرے موانع مذکورہ کے یہ امر بھی ان کی دوستی سے مانع ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کو ہر چیز کی خبر ہے)اور(آگے اس پر وعید ہے کہ)جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بہک گیا (اور انجام گمراہوں کا معلوم ہی ہے۔ آگے ان کی دشمنی کا بیان ہے کہ وہ تمہارے ایسے سخت دشمن ہیں کہ)۔

اگر ان کو تم پر دسترس ہو جاوے تو (فوراً)اظہارِ عداوت کرنے لگیں اور(وہ اظہارِ عداوت یہ کہ)تم پر بُرائی (اور ضرر رسانی)کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں (یہ تو دنیوی نقصان ہے)اور(دینی اضرار یہ کہ)وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر (ہی)ہو جاؤ (پس ایسے لوگ کب قابلِ دوستی ہیں؟ اور اگر تم کو دوستی کے بارے میں اپنے اہل وعیال کا خیال ہو تو خوب سمجھ لو کہ)۔

تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہارے(کچھ)کام نہ آویں گے خدا تعالیٰ (ہی)تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے (پس ہر عمل کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک کرے گا۔ پس اگر تمہارے اعمال موجبِ سزا ہوں گے تو اس سزا سے اولاد وارحام بچا نہ سکیں گے، پھر اُن کی رعایت میں خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنا بہت مذموم امر ہے، اور اس سے اموال کا قابلِ رعایت نہ ہونا اور زیادہ ظاہر ہے۔ آگے حکمِ مذکور پر تحریض کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ارشاد ہے کہ)۔

تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اور ان لوگوں میں جو کہ (ایمان واطاعت میں)ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے (یعنی اس بارہ میں کفار سے ایسا برتاؤ رکھنا چاہئے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین نے کیا)جبکہ ان سب نے (اوقات مختلفہ میں)اپنی قوم (کے لوگوں)سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود سمجھتے ہو اُن سے بیزار ہیں (اوقاتِ مختلفہ اس لئے کہا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت اوّل یہ بات اپنی قوم سے کہی تھی اس وقت وہ بالکل تنہا تھے، پھر جو جو آپ کے ساتھ ہوتے گئے کفار سے قطع تعلق قولاً وفعلاً کرتے گئے۔ آگے اس بیزاری کا بیان ہے کہ)ہم تمہارے (یعنی کفار اور ان معبودین کے)منکر ہیں (یعنی تمہارے عقائد اور معبودات کے منکر ہیں۔ یہ تو تبرّی باعتبار عقیدہ کے ہوئی)اور(تبرّی باعتبار معاملہ اور برتاؤ کے یہ ہے کہ)ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض (زیادہ)ظاہر ہو گیا (کیونکہ بناء عداوت کی اختلافِ عقائد ہے، اور اب اس کا زیادہ اعلان ہو گیا تو عداوت کا بھی زیادہ اظہار ہو گیا۔ عداوت اور بُغض متقارب ہیں اور دونوں کا جمع کرنا تاکید کیلئے ہے، اور یہ عداوت ہم کو تم سے ہمیشہ رہے گی)جب تک تم اللہ تعالیٰ واحد پر ایمان نہ لاؤ (غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان

کے متبعین نے کفار سے صاف قطع تعلق کر دیا) لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی (جس سے بظاہر ان کے ساتھ محبت و دوستی کا احتمال تھا) کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے (استغفار سے زیادہ) مجھ کو خدا تعالیٰ کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں (کہ دعا کو قبول کرالوں یا باوجود ایمان نہ لانے کے تم کو عذاب سے بچالوں۔ مطلب یہ ہے کہ اتنی بات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی جس کا مطلب تم میں سے بعض لوگ مطلق استغفار سمجھ گئے حالانکہ یہاں استغفار کے دوسرے معنی ہیں، یعنی اُن کیلئے یہ دعا کرنا کہ وہ ایمان لاکر مغفرت کے مستحق بن جائیں جس کی سب کو اجازت ہے اور واقع میں وہ قطع تعلق کے خلاف بھی نہیں۔ مگر ظاہری صورتِ تعلق اور ظاہری معنی استغفار کے اعتبار سے صورۃً اس کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔ یہ گفتگو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم سے ہوئی۔ آگے اُن کی دعا کا مضمون ہے، یعنی کفار سے قطع تعلق کر کے انہوں نے اس بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ سے عرض کیا کہ)۔

ہمارے پروردگار! ہم (کفار سے اعلانِ براءت وعداوت کے معاملے میں) آپ پر توکل کرتے ہیں اور (آپ ہی ہماری تمام مہمات ومشکلات کی کفالت اور دشمنوں کی ایذاؤں سے حفاظت فرماویں گے، و نیز ایمان لانے میں) آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور (اعتقاد رکھتے ہیں کہ) آپ ہی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے (پس اس اعتقاد کی وجہ سے ہم نے جو کچھ کفار سے اعلانِ براءت کیا ہے محض خلوص سے کیا ہے، اس میں کوئی دنیوی غرض نہیں، اور اس سے مقصود تفاخر بھی نہیں بلکہ عرضِ حال بغرضِ سوال ہے اور) اے ہمارے پروردگار! ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا (یعنی ہم پر اس تبرّی سے یہ کافر ظلم نہ کرنے پاویں) اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دیجئے بیشک آپ زبردست حکمت والے ہیں (اور ہر طرح کی آپ کو قدرت حاصل ہے)۔

بے شک ان لوگوں میں (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین میں) تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کیلئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ (کے سامنے جانے) کا اور قیامت کے دن (کے آنے) کا اعتقاد رکھتا ہو (یعنی یہ اعتقاد مقتضی ہے اس بارہ میں اتباعِ ابراہیمی کو) اور (آگے دوسرے طرز پر وعید ہے جیسے اس سے پہلے: و من یفعلہ: میں وعید آچکی ہے یعنی) جو شخص (اس حکم سے) روگردانی کرے گا سو (اسی کا ضرر ہوگا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ (تو) بالکل بے نیاز اور (بوجہ جامع الکمالات ہونے کے) سزاوارِ حمد ہے۔

معارف ومسائل:

اس سورت کا ابتدائی حصہ کفار ومشرکین سے موالات اور دوستانہ تعلقات رکھنے کی حرمت وممانعت میں آیا ہے

اور اس کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے۔

شان نزول: غزوۂ بدر کے بعد فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ کی ایک مغنیہ عورت جس کا نام: سارہ: تھا، پہلے مدینہ طیبہ آئی، آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ہجرت کر کے آئی ہو؟ تو اُس عورت نے کہا کہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا پھر تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس عورت نے اس کا بھی انکار کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر یہاں کس غرض سے آئی ہو؟ اس نے کہا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے، آپ ہی میں میرا گذارہ تھا، اب مکہ کے بڑے سردار تو غزوۂ بدر میں مارے گئے اور آپ لوگ یہاں چلے آئے ہیں، میرا گذارہ مشکل ہو گیا، میں سخت حاجت وضرورت میں مبتلا ہو کر آپ سے مدد لینے کیلئے یہاں آئی ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم تو مکہ مکرمہ کی پیشہ ور مغنیہ ہو، وہ مکہ کے نوجوان کیا ہوئے (جو تجھ پر روپیہ پیسے کی بارش کیا کرتے تھے؟) اس نے کہا کہ واقعۂ بدر کے بعد (ان کی تقریبات اور جشن طرب ختم ہو چکے ہیں) اُس وقت سے مجھے کسی نے نہیں بلایا۔ آپ ﷺ نے بنی عبدالمطلب کو اس کی امداد کرنے کی ترغیب دی، انہوں نے اس کو نقد اور پوشاک وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

اور یہ وہ زمانہ تھا جب صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو کفارِ قریش نے توڑ ڈالا تھا، اور آنحضرت ﷺ نے کفارِ مکہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر کے اس کی خفیہ تیاری شروع کر رکھی تھی اور یہ دعا بھی کی تھی کہ ہمارا راز اہلِ مکہ پر قبل از وقت فاش نہ ہو۔ اِدھر مہاجرین اوّلین میں ایک صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ تھے جو اصل سے یمن کے باشندے تھے، مکہ مکرمہ میں آ کر مقیم ہو گئے تھے، وہاں ان کا کوئی کنبہ قبیلہ نہ تھا، وہیں مسلمان ہو گئے، پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے، ان کے اہل وعیال بھی مکہ ہی میں تھے، آنحضرت ﷺ اور بہت سے صحابہ کرامؓ کی ہجرت کے بعد مشرکین مکہ اُن مسلمانوں کو جو مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، ستاتے اور پریشان کرتے تھے، جن مہاجرین کے خویش وعزیز مکہ میں موجود تھے، ان کو تو کسی درجہ میں تحفظ حاصل تھا، حضرت حاطبؓ کو یہ فکر تھی کہ میرے اہل وعیال کو دشمنوں کی ایذاؤں سے بچانے والا وہاں کوئی نہیں، انہوں نے اپنے اہل وعیال کے تحفظ کا موقع غنیمت جانا کہ اہلِ مکہ پر کچھ احسان کر دیا جائے تو وہ ان کے بچوں پر ظلم نہ کریں گے۔

ان کو اپنی جگہ یہ یقین تھا کہ آنحضرت ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ جل شانہ فتح ہی عطا فرمائیں گے، آنحضرت ﷺ کو یا اسلام کو یہ راز فاش کر دینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اگر میں نے ان کو کوئی خط لکھ کر اس کی اطلاع کر دی کہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ تم لوگوں پر حملہ کرنے کا ہے تو میرے بچوں کی حفاظت ہو جائے گی۔ یہ غلطی ان سے ہو گئی کہ ایک خفیہ خط اہلِ مکہ کے نام لکھ کر اس جانے والی عورت: سارہ: کے سپرد کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے وحی کے ذریعہ اس معاملہ کی اطلاع دے دی اور یہ بھی آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عورت اس وقت: روضہ خاخ: کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔

بخاری شریف و مسلم شریف میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور ابو مرثد اور زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اُس عورت کا تعاقب کرو، وہ تمہیں: روضۂ خاخ: میں ملے گی، اور اس کے ساتھ حاطب بن ابی بلتعہ کا خط بنام مشرکینِ مکہ ہے اس کو پکڑ کر وہ خط واپس لے لو، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حسب الحکم تیزی کے ساتھ تعاقب کیا، اور ٹھیک اسی جگہ جہاں کیلئے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی اس عورت کو اونٹ پر سوار جاتے ہوئے پکڑ لیا، اور ہم نے کہا کہ وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے، اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی کسی کا خط نہیں، ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھا دیا، اس کی تلاشی لی مگر خط ہمیں ہاتھ نہ آیا، لیکن ہم نے دل میں کہا کہ آپ ﷺ کی خبر غلط نہیں ہو سکتی، ضرور اس نے خط کو کہیں چھپایا ہے، تو اب ہم نے اس کو کہا یا تو خط نکال دو، ورنہ ہم تمہارے کپڑے اُتروائیں گے۔

جب اُس نے دیکھا کہ اب ان کے ہاتھ سے نجات نہیں تو اپنے ازار میں سے یہ خط نکالا۔ ہم یہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، حضرت عمرؓ نے واقعہ سنتے ہی آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ اور سب مسلمانوں سے خیانت کی کہ ہمارا راز کفار کو لکھ دیا، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے اس حرکت پر آمادہ کیا؟ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ایمان میں اب بھی ذرا فرق نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اہلِ مکہ پر کچھ احسان کر دوں تا کہ وہ میرے اہل و عیال کو کچھ نہ کہیں، میرے سوا دوسرے حضرات مہاجرینؓ میں کوئی ایسا نہیں جس کا کنبہ قبیلہ وہاں موجود نہ ہو جو اُن کے اہل و عیال کی حفاظت کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطبؓ کا بیان سُن کر فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے اس کے معاملے میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔ سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے (اپنی غیرتِ ایمانی سے) پھر اپنی بات دُھرائی اور اُن کے قتل کی اجازت مانگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ اہلِ بدر (یعنی غزوۂ بدر کے شرکاء) میں سے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان سب شرکاءِ غزوۂ بدر کی مغفرت اور ان کیلئے جنت کے وعدہ کا اعلان فرمایا ہے۔ یہ سُن کر سیدنا فاروق اعظمؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ ہی حقیقت کا علم رکھتے ہیں۔

اور بعض روایات میں حضرت حاطبؓ کا یہ قول بھی ہے کہ میں نے یہ کام اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے

کے لئے ہرگز نہیں کیا، کیونکہ میرا یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو فتح ہی ہوگی، اہل مکہ کو خبر بھی ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

اس واقعہ کی بناء پر سورہ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں اس واقعہ پر سرزنش اور تنبیہ اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ کسی قسم کے دوستانہ تعلق رکھنے کو حرام قرار دیا گیا۔

:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ : یعنی اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ کہ تم اُن کو دوستی کا پیغام دو۔ اس میں اسی واقعہ مذکورہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح کا خط کفار کو لکھنا ان کو دوستی کا پیغام دینا ہے۔ اور آیت میں کفار کو چھوڑ کر: عدوّی و عدوّکم : کا عنوان اختیار کرنے میں اوّل تو اس حکم کی علّت اور دلیل کی طرف اشارہ ہوگیا کہ اپنے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھنا سخت دھوکہ ہے اس سے بچو، دوسرے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ کافر جب تک کافر ہے وہ کسی مسلمان کا جب تک کہ وہ مسلمان ہے دوست نہیں ہوسکتا، وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا دشمن ہے تو مسلمان جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی محبت کا دعویدار ہے اس سے اس کی دوستی کیسے ہوسکتی ہے۔

:وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ: اس آیت میں ان کا کفر جو اصل سبب ہے عداوت کا اُس کا بیان کرنے کے بعد ان کی ظاہری عداوت کو بھی بتلایا کہ انہوں نے تم کو اور تمہارے رسول ﷺ کو ان کے وطن عزیز سے نکالا اور اس نکالنے کی وجہ کوئی دنیاوی سبب نہ تھا بلکہ صرف تمہارا ایمان اس کا سبب تھا۔ تو یہ بات کُھل گئی کہ جب تک تم مؤمن ہو وہ تمہارے دوست نہیں ہوسکتے۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جیسا حضرت حاطبؓ نے خیال کیا تھا کہ اُن پر کچھ احسان کردوں گا تو وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں گے، یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے دشمن ایمان کی وجہ سے ہیں، جب تک خدانخواستہ تمہارا ایمان سلب نہ ہوجاوے ان سے کسی دوستی وتعلق کی توقع رکھنا دھوکہ ہے۔

:اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِھَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ: اس میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمہاری ہجرت واقعی اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی رضاجوئی کے لئے تھی تو کسی کافر دشمنِ خدا تعالیٰ سے اس کی کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ تمہاری کوئی رعایت کرے۔

:تُسِرُّوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ: اس میں یہ بھی بتلادیا کہ جو لوگ کفار سے خفیہ دوستی رکھیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی یہ حرکت پوشیدہ رہ جائے گی، اللہ تعالیٰ کو اُن کے چھپے اور کھلے ہر حال اور

ہر عمل کی خبر ہے۔

:وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ:اس میں اشارہ ہے کہ جب تم اُن سے دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ گے تو ان کی دوستی صرف تمہارے ایمان کی قیمت پر ہوگی، جب تک تم کفر میں مبتلا نہ ہوجاؤ، وہ کبھی تم سے راضی نہ ہوں گے۔

اگلی آیات میں کفار سے ترک موالات کی تائید و تاکید کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ اُن کا تو سارا خاندان مشرکین کا تھا، انہوں نے سب سے بیزاری اور براءت کا ہی نہیں بلکہ عداوت کا اعلان کردیا، اور بتلادیا کہ جب تک تم ایک اللہ واحد لاشریک لہ پر ایمان نہ لاؤ گے اور اپنے شرک سے باز نہ آؤ گے ہمارے تمہارے درمیان بغض وعداوت کی دیوار حائل رہے گی:قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ (الی قولہ) حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ: کا یہی مطلب ہے۔

:عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً (الی قولہ) وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ:

خلاصۂ تفسیر:

(اور چونکہ ان کی عداوت سُن کر مسلمانوں کو فکر ہوسکتی تھی کہ کچھ قطع قرابات سے طبعاً رنج ہوسکتا تھا، اس لئے بطور بشارت کے آگے پیشن گوئی فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ سے امید ہے (یعنی ادھر سے وعدہ ہے) کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کردے (کو بعض ہی سہی، یعنی ان کو مسلمان کردے جس سے عداوت مبدل بہ صداقت ہوجاوے) اور (اس کو کچھ بعید نہ سمجھو کیونکہ) اللہ تعالیٰ کو بڑی قدرت ہے (چنانچہ فتح مکہ کے روز بہت آدمی خوشی سے مسلمان ہوگئے۔ مطلب یہ کہ اوّل تو اگر قطع تعلق ہمیشہ کیلئے ہوتا تب بھی بوجہ مامور بہ ہونے کے واجب العمل تھا، پھر خاص کر جبکہ تھوڑی ہی مدت کے لئے کرنا پڑے اور پھر:مشارکت فی الایمان:سے دوستی اور تعلق بدستور عود کرآوے تو کوئی فکر کی بات نہیں) اور (اب تک جو کسی سے اس حکم کے خلاف خطا ہوگئی ہے جس سے اب وہ تائب ہوچکا ہے تو) اللہ تعالیٰ (اس کے لئے) غفور رحیم ہے (اور یہاں تک تو دوستانہ تعلقات کی نسبت حکم فرمایا تھا کہ ان کا قطع واجب ہے، آگے محسنانہ تعلقات کے حکم کی تفصیل فرماتے ہیں، وہ یہ کہ)۔

اللہ تعالیٰ تم کو اُن لوگوں کے ساتھ احسان وانصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (مراد وہ کافر ہیں جو ذمّی یا مصالح ہوں، یعنی محسنانہ برتاؤ ان سے جائز ہے۔ باقی رہا عدل وانصاف کا منصفانہ برتاؤ، تو اس میں ذمی یا مصالح کی شرط نہیں بلکہ وہ تو ہر کافر بلکہ جانور کے

ساتھ بھی واجب ہے، اس آیت میں عدل وانصاف سے مراد محسنانہ برتاؤ کرنا ہے، اس لئے مصالحین کے ساتھ مخصوص کیا گیا) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں (البتہ) صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی (یعنی برّ واحسان) کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا نہ بھی ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو (یعنی اُن کے ساتھ شریک ہوں خواہ ان کے عمل میں شرکت کی ہو یا عزم وارادہ اس کا رکھتے ہوں۔ اس میں وہ سب کافر آ گئے جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ صلح کا یا عقد ذمہ نہیں تھا، ان کے ساتھ برّ واحسان کا معاملہ جائز نہیں بلکہ ان سے جنگ اور مقابلہ مطلوب ہے) اور جو شخص ایسوں سے دوستی (کا برتاؤ یعنی برّ واحسان کا برتاؤ) کرے گا سو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

معارف ومسائل:

سابقہ آیات میں کفار سے دوستانہ تعلق رکھنے کی سخت ممانعت وحرمت کا بیان آیا ہے اگر چہ وہ کفار رشتہ وقرابت میں کتنے ہی قریب ہوں، صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے معاملہ میں نہ ذاتی خواہش کی پرواہ کرتے تھے نہ کسی خویش وعزیز کی، اس پر عمل کیا گیا، جس کے نتیجہ میں گھر گھر یہ صورت پیش آئی کہ باپ مسلمان، بیٹا کافر، یا اس کے برعکس ہے تو دوستانہ تعلق قطع کر دیا گیا، ظاہر ہے انسانی فطرت اور طبعیت پر یہ عمل آسان نہ تھا، اس لئے آیاتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کی اس مشکل کو عنقریب آسان کر دینے کی خبر سنا دی۔

بعض روایاتِ حدیث میں ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ جل شانہ کا بندہ جب اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا جوئی کیلئے اپنی کسی محبوب چیز کو چھوڑتا ہے تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ جل شانہ اسی چیز کو حلال کر کے اس تک پہنچا دیتے ہیں، اور بعض اوقات اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ آج جو لوگ کفر پر ہیں اور اس کی وجہ سے وہ تمہارے دشمن ہے تم ان کے دشمن ہو، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عداوت کو دوستی سے مبدّل فرما دے۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کو ایمان کی توفیق عطا فرما کر تمہارے تعلقات باہمی کو پھر از سر نو ہموار کر دے۔ اس پیشن گوئی کا ظہور فتح مکہ کے وقت اس طرح ہوا کہ بجز اُن کفار کے جو قتل کئے گئے اور سب مسلمان ہو گئے۔

:لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ: اس آیت میں ایسے کفار جنہوں نے مسلمانوں سے مقاتلہ نہیں کیا، اور ان کے گھروں سے نکالنے میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا، ان کے ساتھ احسان کے معاملہ اور اچھے سلوک اور عدل وانصاف کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس آیت میں اصل مقصود برّ واحسان کرنے کی ہدایت ہے۔

:اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ (الیٰ)ان تولّوھم: اس آیت میں اُن کفار کا بیان ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ وقتال کررہے ہوں، اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے میں کوئی حصہ لے رہے ہوں، اُن کے بارے میں ارشاد یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ موالات اور دوستی سے منع فرماتا ہے، اس میں برّ واحسان کا معاملہ کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ صرف قلبی دوستی اور دوستانہ تعلقات کی ممانعت ہے، اور یہ ممانعت کچھ ان میں برسرِ پیکار دشمنوں کے ساتھ نہیں بلکہ اہل ذمہ اور اہل صلح کافروں کے ساتھ بھی قلبی موالات اور دوستی جائز نہیں۔

اس سے تفسیر مظہری میں یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حربی یعنی برسرِ جنگ کفار کیساتھ عدل وانصاف تو اسلام میں ضروری ہے ہی، اور ممانعت صرف موالات یعنی دوستی کی کی گئی، برّ واحسان کی ممانعت نہیں کی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محسنانہ سلوک برسرِ پیکار دشمنوں کے ساتھ بھی جائز ہے۔ البتہ دوسری نصوص کی بناء پر یہ شرط ہے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے سے مسلمانوں کو کسی نقصان وضرر کا خطرہ نہ ہو، جہاں یہ خطرہ ہو وہاں برّ واحسان اُن پر جائز نہیں، ہاں عدل وانصاف ہر حال میں ہر شخص کے لئے ضروری اور واجب ہے۔ (معارف القرآن: ج8: ص 511)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ (الی قوله) وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: یہ اُن مؤمنین کاملین پر زجر ہے جن سے جہاد کے بارے میں منافقوں کا سا فعل سرزد ہو چکا تھا، جیسا کہ حضرت حاطبؓ سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے ایک مصلحت کی بناء پر مسلمانوں کا ایک اہم جنگی راز مشرکینِ مکہ کو پہنچانے کی کوشش کی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مشرکین ان کے ممنون ہو کر ان کے اہل وعیال کی حفاظت کرے گے۔ فرمایا:

اے اہل ایمان! جو لوگ میرے اور تمہارے دشمن ہیں ان سے دوستی کا برتاؤ مت کرو، یہ وہی لوگ ہیں جو کل ہی رسول خدا ﷺ کو اور خود تم کو مکہ سے نکال رہے ہیں، ان کی عداوت ودشمنی کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ تمہیں کہیں پالیں تو پورے پورے بغض کا اظہار کریں اور تمہیں ہاتھوں اور زبانوں سے ایذاء دینے کی کوشش کریں اور یہ آرزو کریں کہ تم دین اسلام سے پھر جاؤ۔ تو کیا ایسے لوگ کسی قسم کے دوستی کے لائق ہیں....؟؟؟ اور جس اہل وعیال کی خاطر تم نے ایسا کیا ہے قیامت کے دن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئے گے۔

:قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ (الی قوله) فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ: تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین میں بہت عمدہ نمونہ تھا، تمہیں ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تمام کافروں سے مکمل قطع تعلق کرنا چاہئے تھا جیسا کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور تمہارے خود ساختہ معبودوں سے

بیزار ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان اس وقت تک بغض وعداوت قائم رہے گی جب تک تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہ لے آؤ۔البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حسب وعدہ اپنے باپ کے لئے ہدایت کی دعا مانگتے رہے،لیکن جب انہیں معلوم ہوگیا کہ اسے ہدایت نصیب نہیں ہوسکتی تو اس کے لئے دعا مانگنا چھوڑ دیا۔

:عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ: مسلمانوں کو امید دلائی کہ ہوسکتا ہے کہ دشمنانِ اسلام کو اللہ تعالیٰ اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرماوے،اور اس طرح تمہارے اور ان کے درمیان دوستی کی راہ ہموار ہوجائے۔

:لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ : ان کافروں کا ذکر ہے جن پر احسان کرنے کی ممانعت نہیں،یعنی وہ کفار جنہوں نے آج تک دینِ اسلام کو مٹانے کے لئے تم سے لڑائی نہیں کی اور نہ تمہیں گھروں سے نکالا۔

:اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ: البتہ ان کافروں سے دوستی اور احسان کا برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے جو دین کی وجہ سے تمہارے ساتھ لڑتے رہے ہیں،اور جنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا یا نکالنے میں مدد دی ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ:حضرت حاطبؓ کی نیت میں اگرچہ کوئی فتور نہ تھا اور نہ انہوں نے یہ حرکت اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے کی تھی لیکن بظاہر یہ ایک منافقین کے کاموں سے ملتا جلتا فعل تھا،اور یہ بھی ممکن تھا کہ اگر اس طرح مصلحت بینی کا دروازہ کھول دیا جائے تو اس سے کسی وقت اسلام کو سخت نقصان پہنچ جائے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کو بات پسند نہ آئی اور اس پر زجر فرمایا:

:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا :اے ایمان والو!میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ اور انہیں کسی قسم کا پیغام دوستی نہ پہنچاؤ۔جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت حاطبؓ بہت خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس کو ایمان کی صفت سے یاد فرمایا ہے اور فرطِ مسرّت سے ان پر غشی طاری ہوگئی۔

:تلقون اليهم :یہ ماقبل کا بیان ہے یعنی کافروں کو دوستی کا پیغام نہ بھیجو۔حالانکہ جو دینِ حق تمہارے پاس آچکا ہے اور جسے تم قبول کر چکے ہو وہ اس کے منکر ہے۔

:يخرجون الرّسول :اور ابھی کل کی بات ہے کہ وہ پیغمبرﷺ کو اور تم کو تمہارے گھروں سے نکال رہے ہیں،محض اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لا چکے ہو۔یعنی وہ تمہارے ایمان کے دشمن ہیں اور تم ان کو پیغامِ مودّت بھیج رہے ہو۔

:ان يثقفوكم: یہ کفار کی کھلی عداوت اور دشمنی کا بیان ہے۔اگر کہیں تم ان کے ہاتھ آجاؤ تو تمہارے بدستور دشمن ہی ہوں گے اور تمہارے پیغاماتِ مودّت کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کریں گے اور ہاتھ اور زبان سے قتل وضرب،گالی گلوچ

اور بدزبانی سے تمہیں ایذاء پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ تمہیں مسلمان دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے اور ان کی خواہش ہے کہ تم دین اسلام کو چھوڑ کر پھر سے کافر ہو جاؤ۔ دوسرے لفظوں میں وہ تمہیں دین و دنیا کی مضرتوں میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا ایسے بدترین دشمن اس لائق ہو سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں.....؟؟؟

:قد کانت لکم: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین کے عمل میں تمہارے لئے اقتداء و اتباع کا بہت عمدہ نمونہ تھا، انہوں نے اپنے مشرک اعزہ و اقارب سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہمارے تمہارے تعلقات اب ختم ہیں اور ہم تم سے اور تمہارے خودساختہ معبودوں سے بیزار ہیں۔ اور جن معبودوں کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو ان کی معبودیت اور کارسازی کا انکار کرتے ہیں اور اب ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے بغض و عداوت قائم ہو چکی ہے، ہاں اگر تم اللہ تعالیٰ جل شانہ کی وحدانیت کو مان لو اور ہمارا دین قبول کر لو تو تم ہمارے بھائی ہو۔ تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین کے نقش قدم پر چلنا چاہئے تھا۔ اور مشرکین سے بالکلیہ تعلقات ختم کر دینے چاہئیں تھے۔

:لقد کان لکم: جس مؤمن کے دل میں خدا تعالیٰ کا خوف ہو اور جسے مجازات آخرت کا ڈر ہو اس سے تو یہی توقع ہے کہ وہ مشرک رشتہ داروں اور دوستوں کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین کے نقش قدم پر چلے گا۔

:ومن یتولھم: مؤمن کامل کی شان تو یہی ہے کہ کافروں سے بالکلیہ قطع تعلق کرے لیکن اس واضح بیان کے بعد بھی جو اس سے باز نہ آئے تو اس پر تف ہے اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بلکہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور اگر وہ کافروں کی دوستی سے باز آ گیا تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ وہ اپنی عاقبت ہی سنوارے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز اور ہر خوبی و کمال کا مالک ہے۔

:عسی اللہ: یہ مؤمنین کو ان کے مشرک اقارب کے ایمان لانے کی بشارت ہے یعنی جب تک اہل مکہ اپنے کفر پر قائم ہیں اُس وقت تک تم ان سے دوستی نہیں کر سکتے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے اُن کافر رشتہ داروں کے درمیان جن سے تمہیں دین کی وجہ سے عداوت ہے، دوستی اور محبت کا رشتہ قائم کر دے یعنی ان کو قبولِ اسلام کی توفیق دے دے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اور سچی توبہ کرنے والوں کے تمام گناہ معاف فرمانے والا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فتح مکہ کے موقع پر پورا فرمایا اور ان کافروں کو قبولِ اسلام سے مشرف فرمایا۔

:لا ینھکم: یہ ایک قانون کا بیان ہے جو زجرِ مذکور سے متعلق ہے اور ان کافروں کا ذکر ہے جن پر احسان

کرنے اور جن سے عدل وانصاف کا برتاؤ کرنے کی ممانعت نہیں۔ کیونکہ عدل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور ان سے مراد وہ کافر ہیں جنہوں نے مسلمانوں سے دین کی وجہ سے عداوت نہیں کی اور نہ ان سے لڑے ہیں اور ان کو گھروں سے نکالنے میں مشرکینِ مکہ کی مدد نہیں کی ہے۔ یہ وہ قبائل عرب تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ نہ خود ان سے لڑے گے اور نہ ان کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔

:انّما ینھٰکم: یہ ان کافروں کا بیان ہے جن سے موالات اور دوستی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کافروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے سے منع فرماتا ہے جو دین کی وجہ سے تمہارے ساتھ برسرِ پیکار رہے ہیں اور جنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے یا نکالنے میں مدد دی ہے۔ اس سے مراد مشرکینِ مکہ ہیں۔

جو لوگ ایسے دشمنانِ اسلام سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے وہ بہت بڑے ظالم ہیں اور اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ (جواھر القرآن: ج3: ص 1247)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

اس سے پہلی سورت میں یہود اور منافقین سے لڑائی کا ذکر تھا اور اس سورت میں تمام کافروں سے دوستی کرنا منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو: لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ: نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمن کو دوست۔

شان نزول: اس سورت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے، زبیر بن عوامؓ، ابو مرثد غنویؓ اور مقداد بن اسودؓ، چاروں کو فرمایا کہ (مکہ مکرمہ کے راستے پر جاؤ) موضع خاخ کے مقام پر تمہیں ایک عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم چاروں گھوڑے دوڑاتے ہوئے روضہ خاخ کے مقام پر پہنچے تو وہاں ہمیں عورت ملی۔ ہم نے اس سے کہا کہ خط نکال دو۔ وہ کہنے لگی: خدا کی قسم! میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا: خط نکال دو۔ ورنہ ہم تجھے ننگا کر کے تیری تلاشی لیں گے۔ تو اُس عورت نے سر کے بالوں کے جوڑے سے خط نکال دیا۔ ہم وہ خط لے کر حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے۔

اُس خط کا مضمون یہ تھا کہ حاطب بن ابی بلتعہؓ کی طرف سے چند مکہ کے مشرکوں کے نام اور حضور اکرم ﷺ کی تیاری کا ذکر تھا کہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حاطبؓ سے پوچھا: اے حاطب! یہ کیا بات ہے کہ تو نے کافروں کو خبری کی ہے؟ حضرت حاطبؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ!

میرے معاملہ میں جلدی نہ فرمائیے (میری بات سن لیں پھر جو چاہیں سزا دیں)۔

ہوا یہ کہ میں اصل قریشی تو ہوں نہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ جو دوسرے مہاجرؓ ہیں وہ (اصل قریشی ہیں) ان کے عزیز، رشتہ دار وہاں موجود ہیں جن کی وجہ سے ان کے گھر بال، مال محفوظ ہیں۔ میں نے چاہا کہ میرا رشتہ نا تا تو اُن سے نہیں ہے تو کچھ احسان کر کے اپنا حق اُن پر قائم کر دوں تا کہ وہ اس وجہ سے میرے رشتہ داروں کو نہ ستائیں۔ میں نے یہ کام اس وجہ سے نہیں کیا کہ خدانخواستہ میں کافر ہو گیا ہوں یا اسلام سے پھر گیا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: حاطب نے سچ کہا ہے۔

حضرت سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اُتار دوں۔ اور حضرت حاطبؓ کا ایک غلام تھا۔ اُس نے کہا: حضرت! یہ دوزخی ہے۔ اُس کو بھی موقع مل گیا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر! تُو جانتا ہے یہ کون ہے؟: انّہ قد شھد بدرا: یہ بدری صحابی ہے، جنگ بدر میں شریک ہوا تھا۔ اور تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بدر والوں کو جھانک کر فرمایا کہ: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم: تم جو چاہو عمل کرو شرک کے علاوہ جیسے بھی گناہ ہو جائیں میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں اس واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ غلام کو خطاب کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تُو نے اس کو دوزخی کہا ہے: واللّٰہ لا یدخلھا ابدا: خدا کی قسم! یہ دوزخ میں کبھی بھی نہیں جائے گا۔ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئی۔

تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمن کو دوست: تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ: بھیجتے ہوں تم اُن کی طرف دوستی کا پیغام کہ مسلمانوں کے راز کی بات اُن تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ کسی مسلمان کے لئے ہرگز یہ مناسب نہیں۔

تم اُن سے محبت کا اظہار کرتے ہو اور اُن کا حال یہ ہے کہ: وَقَدْ کَفَرُوْا: اور تحقیق اُنہوں نے کفر کیا ہے: بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ: اُس چیز کا جو آئی ہے تمہارے پاس حق سے۔ دینِ حق کا انہوں نے انکار کر دیا ہے، توحید و رسالت کو وہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، قیامت کے منکر ہیں۔

اور اُن کی یہ کارروائی بھی تمہارے سامنے ہے: یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ: کہ نکالا اُنہوں نے حضور اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے اور تمہیں بھی۔ وہ اس طرح کہ حضور اکرم ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضور اکرم ﷺ کو اُس منصوبے سے آگاہ فرمایا اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اور انہوں نے تمہارے ساتھ اتنی

سختیاں کیں کہ تمہیں ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔

اس کے سوا تمہارا کیا جرم تھا کہ: اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ جل شانہ پر جو رب ہے تمہارا۔ اس وجہ سے تمہیں شہر بدر کر دیا۔ یہ تمہارے اتنے سخت دشمن ہیں، ایسے لوگوں سے دوستی مت کرو۔

:اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ: اگر تم نکلے ہو جہاد کرنے کیلئے میرے راستے میں: وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ: اور میری رضا تلاش کرنے کے لئے گھروں سے نکلے ہو تو پھر کافروں کی رضامندی کی فکر تمہیں کیوں ہے کہ اُن کی خوشنودی تلاش کرتے ہو: تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ: پوشیدہ طور پر تم بھیجتے ہو اُن کی طرف دوستی کا پیغام: وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ: حالانکہ میں جانتا ہوں اُس چیز کو جس کو تم چھپاتے ہو اور اُس چیز کو جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ ذات سینوں کے رازوں اور ارادوں سے واقف ہے۔ بلکہ جو چیز ابھی تمہارے خیال میں نہیں آئی، لانا چاہتے ہو وہ اس سے بھی واقف ہے۔ لہٰذا اس نے راز فاش ہونے سے پہلے اپنے پیغمبر ﷺ کو اطلاع دے دی۔ اور یاد رکھو.....!

:وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ: اور جو شخص ایسا کام کرے گا کہ کافروں کو راز بتائے یا اُن سے دوستی کا اظہار کرے گا: فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ: تحقیق وہ بہک گیا سیدھے راستے سے کہ وہ یہ خیال کرے کہ دوستی کا اظہار کرنے سے کافر اس کی دوستی کی رعایت کریں گے۔ یہ اس کی خطا ہے۔ وہ تو تمہارے ایسے سخت دشمن ہیں کہ: اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً: اگر وہ قابو پالیں گے تم پر تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے، تمہارے دوست نہیں بن سکتے بلکہ وہ ہمیشہ تمہارے دشمن ہی رہیں گے۔

:وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ: اور وہ پھیلائیں اور چلائیں اُوپر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں بُرائی کے ساتھ۔ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہیں قتل کریں، زبانوں سے تم کو لعن طعن کریں، گالی گلوچ کریں: وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ: اور وہ چاہتے ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ، یہودی ہو جاؤ، عیسائی ہو جاؤ، مشرک بن جاؤ، کچھ بن جاؤ مگر مسلمان نہ رہو۔ ایسے لوگوں سے کب دوستی کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔

اگر قرابت داروں کی وجہ سے تمہاری خواہش ہو کہ کافروں سے دوستی کریں تو سن لو: لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: ہرگز نہیں نفع دیں گے تمہیں تمہارے رشتے اور نہ تمہاری اولاد، قیامت والے دن نہ کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ کوئی نقصان سے بچا سکے گا۔ وہاں ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی۔ بیوی بچوں کی خاطر اگر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کام کرو گے تو یہ آخرت میں تمہارے کام نہیں آئیں گے۔ وہاں ایمان، نیکی اور صداقت ہی کام آئے گی: يَفْصِلُ

بَيْنَكُمْ: اُس دن اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا:وَاللّٰهُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔وہ تمہارے اچھے بُرے اعمال سامنے رکھ کر جزا سزا دے گا۔کافروں کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں نے رکھا تھا۔اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

:قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ: تحقیق ہے تمہارے لئے عمدہ نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اور اُن میں نمونہ ہے جو اُن کے ساتھ تھے۔بادشاہ سے لے کر چرواہے تک سب کافر مشرک تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن سے بیزاری کا اعلان کیا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: جب کہا اُنہوں نے اپنی قوم سے،بیشک ہم بیزار ہیں تم سے اور اُن سے جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سوا۔بتوں کی،ستاروں کی۔آگے بیزاری کا بیان ہے۔فرمایا:

:كَفَرْنَا بِكُمْ: ہم منکر ہیں تمہارے۔تمہارے عقائد کے منکر ہیں اور تمہارے معبودوں کی عبادت کے منکر ہیں۔یہ تو بیزاری ہے عقیدے کے اعتبار سے اور باعتبار برتاؤ اور معاملات کے فرمایا:وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا: اور ظاہر ہوگئی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بیر (بغض) ہمیشہ کیلئے۔اس کو ہم کبھی نہیں چھوڑیں گے،تمہارے ساتھ یہ ٹکر جاری رہے گی:حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ: یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر جو وحدہ لاشریک: ہے۔اس عقیدے پر آجاؤ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نہ ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں کوئی شریک ہے،نہ اس کے افعال میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کے ارادے میں کوئی شریک ہے۔جب تک تم اپنا عقیدہ درست نہیں کرو گے ہماری تمہاری جنگ جاری رہے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں حتّٰی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے چیخا (الاؤ) میں پھینک دیا گیا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔باپ نے دھکے مار کر گھر سے نکال دیا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایمان پر سودے بازی نہیں کی۔اس لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بناؤ۔لیکن ایک بات میں نمونہ نہیں بنایا،فرمایا:

:اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ: سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بات کے جو انہوں نے اپنے باپ کیلئے کہی تھی:لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ: میں ضرور بخشش طلب کروں گا آپ کے لئے اپنے پروردگار سے۔یہ میری عرضی ہوگی

رب تعالیٰ جل شانہ کے سامنے،وگرنہ:وَمَآ اَمْلِکُ لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ:اور میں نہیں ہوں مالک آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے کسی شے کا۔وہ چاہے تو دعا قبول کرے اور اگر چاہے تو قبول نہ کرے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ والد کی طرف سے عداوت کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام میں شفقت کا مادہ موجود تھا کہ کسی طرح میرا باپ ایمان قبول کرلے۔اور:سورۃ التوبہ: میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعا مانگنا ایک وعدے کے سبب سے تھا:فلمّا تبیّن لہ انّہ عدوّ للّٰہ تبرّا منہ: پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا دشمن ہے تو اُس سے بیزاری کا اعلان کردیا۔

تو فرمایا میں آپ کیلئے بخشش طلب کروں گا اور میں نہیں مالک آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے کسی شے کا۔

:رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ:اے ہمارے پروردگار!ہم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

ربط آیات: اس سے پہلی آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیزاری کا ذکر تھا جو انہوں نے اپنی قوم اور اُن کے معبودوں سے کی تھی۔اور اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے۔فرمایا:رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا: اے ہمارے رب! نہ بنا ہم کو آزمائش اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا۔ایسا نہ ہو کہ ہم کافروں کا تختۂ مشق بن جائیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچاتے رہیں۔

اور یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اے پروردگار!اِن کافروں کو ہم پر غلبہ نہ عطا فرما کہ وہ جس طرح چاہیں ہمیں مصیبت میں مبتلا کریں اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ وہ حق پر ہیں اور مسلمان باطل پر ہیں کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو اس طرح ذلت اور خواری نہ ہوتی۔اور ایسی حالت کو دیکھ کر کافر اس فتنے میں پڑیں کہ وہ حق پر ہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے معنیٰ بیان کئے ہیں کہ اے پروردگار! کافروں کو ہم پر ایسا غلبہ نہ دے کہ وہ ہمیں ہمارے دین سے فتنے میں ڈالیں کہ ہم دین سے منحرف ہوجائیں۔

اور اے پروردگار!:وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا:اور بخش دے ہم کو اے ہمارے رب!اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ: بیشک آپ غالب حکمت والے ہیں۔ہر طرح کی قدرت آپ کو حاصل ہے اور آپ کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔پہلے فرمایا تھا کہ تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں اچھا نمونہ ہے۔آگے دوبارہ اسی کی تاکید فرمائی اور فرمایا:

:لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ: البتہ تحقیق ہے تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے ساتھیوں میں اچھا نمونہ کافروں کے ساتھ برأت کرنے میں، ان کے ساتھ تعلقات رکھنے میں، مگر: لِّمَنْ كَانَ: اُس شخص کے لئے ہے: يَرْجُوا اللّٰهَ: جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھتا ہے: وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ: اور آخرت کے دن کی نعمتوں کی اُمید رکھتا ہے: وَمَنْ يَّتَوَلَّ: اور جو شخص اعراض کرے گا اللہ تعالیٰ کے احکامات سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ سے: فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ: پس بیشک اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے اس کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ روگردانی کرنے سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کچھ نقصان نہیں ہوتا اور وہ تعریفوں والا ہے۔

کافروں کے ساتھ سختی سے مقاطعہ کا حکم جب نازل ہوا تو طبعی طور پر فکر ہو سکتی تھی، رنج ہو سکتا تھا، قرابتداروں سے قطع تعلقی کا۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بطور بشارت کے پیشن گوئی فرمادی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّۃً: اُمید ہے کہ کردے گا اللہ تعالیٰ تمہارے اور اُن کے درمیان جن سے تمہاری عداوت ہے اُن میں سے دوستی۔ بایں طور کہ وہ کافر مسلمان ہو جائیں، سارے نہ تو بعض ہی سہی۔ جب مسلمان ہو جائیں گے تو تمہارے اور اُن کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں گے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اسلام کے بدترین دشمنوں کے دلوں کو پھیر دیا اور وہ ایمان لے آئے۔ فتح مکہ کے دن مشرکینِ مکہ میں سے کوئی شاذ آدمی ہی رہ گیا ہوگا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔

تو فرمایا کہ موجودہ حالات میں کافروں سے دوستی نہیں ہو سکتی۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ایسے حالات پیدا کردیں کہ تمہارے اور اُن کے درمیان محبت پیدا ہو جائے۔

:وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ: اور اللہ تعالیٰ جل شانہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ ایسا کرنے پر قادر ہے کہ ان کو ایمان کی توفیق دے کر تمہارے دوست بنادے: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: اور اللہ تعالیٰ جل شانہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مشرکین سے دوستی کے بارے میں جو تم سے کوتاہی ہوئی اُس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بخش دیا، کیونکہ وہ تم پر مہربان ہے۔

پہلے عام کافروں کا ذکر تھا کہ ان کے ساتھ دوستی نہیں ہو سکتی۔ اب اُن کافروں کا ذکر ہے جو مسلمانوں کے ساتھ لڑتے نہیں ہیں یا جو ذمی بن کر مسلمانوں کے ملک میں رہ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے: لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ نہیں منع کرتا اللہ تعالیٰ جل شانہ تم کو اُن لوگوں سے نیکی کرنے سے: لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ: جو تم سے نہیں لڑے دین کے معاملے میں: وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ

دِیَارِکُمْ: اور نہیں نکالا تم کو تمہارے گھروں سے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہیں منع نہیں کرتا: اَنْ تَبَرُّوْھُمْ: کہ تم اُن سے نیکی کرو، یعنی جن کافروں نے دین اسلام کے بارے میں تمہارے ساتھ قتال نہیں کیا اور نہ تمہیں تمہارے وطن سے نکالا ہے تو ایسے کافروں کے ساتھ نیکی کرنے سے اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہیں منع نہیں کرتا: وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ: اور یہ کہ تم اُن کے ساتھ انصاف کرو، اس سے بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ منع نہیں کرتا: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ: بیشک اللہ تعالیٰ جل شانہ پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو۔

تو فرمایا کہ جو کافر تمہارے ساتھ جنگ نہیں کرتے تم ان کے ساتھ نیکی کر سکتے ہو اور ان کے ساتھ انصاف بھی جیسا کہ آپس میں تم ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کرتے ہو۔ البتہ حربی کافروں کے ساتھ دوستی کی اجازت نہیں ہے۔ پھر تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

:اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ: بیشک منع کرتا ہے تم کو اللہ تعالیٰ جل شانہ اُن لوگوں سے: قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ: جو لڑتے ہیں تم سے دین کے معاملے میں: وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ: اور نکالا ہے تم کو تمہارے گھروں سے: وَظَاھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ: اور انہوں نے مدد کی تمہارے نکالنے میں جیسا کہ مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کے نکالنے پر ایک دوسرے کی مدد کی: اَنْ تَوَلَّوْھُمْ: کہ تم اُن سے دوستی کرو، اس سے اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہیں منع کرتا ہے۔ یہ دشمنِ خدا تعالیٰ، دشمنِ رسول ﷺ اور دشمنِ دین ہیں، ان کے ساتھ محبت کیسی اور ان کے ساتھ بھلائی کیسی؟ فرمایا: یاد رکھو!

:وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ: اور جو شخص اُن سے دوستی کرے گا: فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ: پس یہی لوگ ظالم ہیں۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو عذاب کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔

(ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن: ج20: ص126)

ان آیات کے تحت حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ (الی قولہ) وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو میرے اور خود اپنے دشمنوں کو دوست نہ سمجھو، تم تو محبت کی بنیاد ڈالنے کیلئے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر (ﷺ) کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، اگر تم میری راہ کے جہاد میں اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو، مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہِ راست سے بہک

جائے گا۔اگر انہیں تم پر دسترس کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے کھلے دشمن ہو جائیں اور بُرائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ۔تمہاری قرابتیں رشتہ داریاں اور اولادیں تمہیں قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گی،اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا،اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے بارے میں اس سورت کی شروع کی آیتیں نازل ہوئی ہیں،واقعہ یہ ہوا کہ حضرت حاطبؓ مہاجرین میں سے تھے بدر کی لڑائی میں بھی آپ نے مسلمانوں کے لشکر میں شرکت کی تھی،ان کے بال بچے اور مال و دولت مکہ میں ہی تھا اور یہ خود قریش سے نہ تھے صرف حضرت عثمانؓ کے حلیف تھے اس وجہ سے مکہ میں انہیں امن حاصل تھا۔اب یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ شریف میں تھے یہاں تک کہ جب اہل مکہ نے عہد توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر چڑھائی کرنا چاہی تو آپ ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ انہیں اچانک دبوچ لیں تاکہ خون ریزی نہ ہونے پائے اور مکہ شریف پر قبضہ ہو جائے اسی لئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دعا بھی کی کہ باری تعالیٰ ہماری تیاری کی خبریں ہمارے پہنچنے تک اہل مکہ کو نہ پہنچیں۔

اِدھر آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا،حضرت حاطبؓ نے اس موقع پر ایک خط اہل مکہ کے نام لکھا اور ایک قریشیہ عورت کے ہاتھ اسے چلتا کیا جس میں رسول اللہ ﷺ کے اس کے ارادے اور مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر درج تھی۔آپؓ کا ارادہ اس سے صرف یہ تھا کہ میرا کوئی احسان قریش پر رہ جائے جس کے باعث میرے بال بچے اور مال و دولت محفوظ رہے،چونکہ حضور اکرم ﷺ کی دعا قبول ہو چکی تھی ناممکن تھا کہ قریشیوں کو کسی ذریعہ سے بھی اس ارادہ کا علم ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے رسول ﷺ کو اس پوشیدہ راز سے مطلع فرما دیا اور آپ ﷺ نے اس عورت کے پیچھے اپنے سوار بھیجے راستہ میں اسے روکا گیا اور خط اس سے حاصل کر لیا گیا،یہ مفصل واقعہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے۔

مسند احمد میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے،حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو رسول اللہ ﷺ نے بلوا کر فرمایا تم یہاں سے فوراً کوچ کرو:روضہ خاخ:میں جب تم پہنچو گے تو تمہیں ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے تم اسے قبضہ میں کر کے یہاں لے کر آؤ۔ہم تینوں گھوڑوں پر سوار ہو کر بہت تیز رفتاری سے روانہ ہو گئے :روضہ خاخ:میں جب پہنچے تو فی الواقع ہمیں ایک سانڈنی سوار عورت دکھائی دی،ہم نے اس سے کہا کہ جو خط تیرے پاس ہے وہ ہمارے حوالے کر،اس نے صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں،ہم نے کہا غلط کہتی ہے تیرے پاس یقیناً خط ہے،اگر تو راضی خوشی نہ دے گی تو ہم جامہ تلاشی کر کے جبراً وہ خط تم سے چھینیں گے۔اب تو وہ عورت سٹ پٹائی اور آخر اس نے اپنی چٹیاں کھول کر اس میں سے وہ پرچہ نکال کر ہمارے حوالے کیا،ہم اسی وقت وہاں سے واپس روانہ ہوئے

اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اسے پیش کر دیا، پڑھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت حاطبؓ نے اسے لکھا ہے اور یہاں کی خبر رسانی کی ہے، حضور اکرم ﷺ کے ارادوں سے کفار مکہ کو آگاہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حاطب! یہ کیا حرکت ہے؟ حضرت حاطبؓ نے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ جلدی نہ کیجئے میری بھی سُن لیجئے، میں قریشیوں میں ملا ہوا تھا خود قریشیوں میں سے نہ تھا، پھر آپ ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی، جتنے اور مہاجرین ہیں ان سب کے قرابت دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے بال بچے وغیرہ مکہ میں رہ گئے ہیں وہ ان کی حمایت کرتے ہیں لیکن میرا کوئی رشتہ دار نہیں جو میرے بچوں کی حفاظت کرے اس لئے میں نے چاہا کہ قریشیوں کے ساتھ کوئی سلوک واحسان کروں جس سے میرے بچوں کی حفاظت وہ کریں اور جس طرح اوروں کی نسب کی وجہ سے ان کا تعلق ہے میرے احسان کی وجہ سے میرا تعلق ہو جائے۔ یارسول اللہ ﷺ! میں نے کوئی کفر نہیں کیا نہ اپنے دین سے مرتد ہوا ہوں نہ اسلام کے بعد کفر سے راضی ہوا ہوں بس اس خط کی وجہ سے صرف اپنے بچوں کی حفاظت کا حیلہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لوگو! تم سے جو واقعہ حاطب بیان کرتے ہیں وہ بالکل حرف بحرف سچا ہے کہ اپنے نفع کی خاطر ایک غلطی کر بیٹھے ہیں نہ کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا یا کفار کی مدد کرنا ان کی پیش نظر ہو۔

حضرت سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ اس موقعہ پر موجود تھے اور یہ واقعات آپؓ کے سامنے ہوئے آپؓ کو بہت غصہ آیا اور فرمانے لگے یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیا معلوم نہیں؟ کہ یہ بدری صحابی ہیں اور بدر والوں پر اللہ تعالیٰ نے جھانکا اور فرمایا جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ روایت اور بھی بہت سی حدیث کی کتابوں میں ہے۔

صحیح بخاری شریف کتاب المغازی میں اتنا اور بھی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ سورت اُتاری۔ اور کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت عمروؓ نے فرمایا: اسی بارے میں آیت: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ الخ: اُتری، لیکن راوی کو شک ہے کہ آیت کے اُترنے کا بیان حضرت عمروؓ کا ہے یا حدیث میں ہے۔ امام علی بن مدینی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت سفیانؒ سے پوچھا گیا کہ یہ آیت اسی میں اُتری ہے؟ تو سفیانؒ نے فرمایا یہ لوگوں کی بات میں ہے میں نے اسے عمروؓ سے حفظ کیا ہے اور ایک حرف بھی نہیں چھوڑا اور میرا خیال ہے کہ میرے سوا کسی اور نے اسے حفظ بھی نہیں رکھا۔

بخاری مسلم کی ایک روایت میں حضرت مقدادؓ کے نام کے بدلے حضرت ابومرثدؓ کا نام ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس عورت کے پاس حضرت حاطبؓ کا خط ہے، اس عورت کی سواری کو بٹھا کر اس کے انکار پر ہر چند ٹٹولا گیا لیکن کوئی پرچہ ہاتھ نہ لگا آخر جب ہم عاجز آ گئے اور کہیں سے پرچہ نہ ملا تو ہم نے اس

عورت سے کہا کہ اس میں تو مطلق شک نہیں کہ تیرے پاس پرچہ ہے گو ہمیں نہیں ملتا لیکن تیرے پاس ہے ضرور، یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بات غلط ہو، اب اگر تو نہیں دیتی تو ہم تیرے کپڑے اُتار کر ٹٹولیں گے۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ انہیں پختہ یقین ہے اور یہ لئے بغیر نہ ٹلیں گے تو اس نے اپنا سر کھول کر اپنے بالوں میں سے پرچہ نکال کر ہمیں دے دیا ہم اسے لے کر واپس خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سُن کر فرمایا اس نے اللہ تعالیٰ جل شانہ، اس کے رسول ﷺ کی اور مسلمانوں کی خیانت کی مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیجئے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حاطبؓ سے دریافت کیا اور انہوں نے وہ جواب دیا جو اُپر گزر چکا آپ ﷺ نے سب سے فرمایا کہ انہیں کچھ نہ کہو اور حضرت عمرؓ سے بھی وہ فرمایا جو پہلے بیان ہوا کہ بدری صحابہؓ میں سے ہیں جن کیلئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جنت واجب کر دی ہے جسے سن کر حضرت عمرؓ رو دیئے اور فرمانے لگے اللہ تعالیٰ جل شانہ کو اور اس کے رسول ﷺ کو ہی کامل علم ہے۔ یہ حدیث ان الفاظ سے صحیح بخاری کتاب المغازی میں غزوہ بدر کے ذکر میں ہے۔

اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے مکہ جانے کا ارادہ اپنے چند ہم راز صحابہ کبارؓ کے سامنے تو ظاہر کیا تھا جن میں حضرت حاطبؓ بھی تھے باقی عام طور پر مشہور تھا کہ خیبر جا رہے ہیں، اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ہم خط کو سارے سامان میں ٹٹول چکے اور نہ ملا تو حضرت ابو مرثدؓ نے کہا شاید اس کے پاس کوئی پرچہ ہے ہی نہیں، اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا ناممکن ہے نہ رسول اللہ ﷺ جھوٹ بول سکتے ہیں نہ ہم نے جھوٹ کہا، جب ہم نے اسے دھمکایا تو اس نے ہم سے کہا تمہیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں؟ کیا تم مسلمان نہیں؟ ایک روایت میں ہے کہ اس نے پرچہ اپنے جسم میں سے نکالا۔ حضرت عمرؓ کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ آپؓ نے فرمایا یہ بدر میں موجود تو ضرور تھے لیکن عہد شکنی کی اور دشمنوں میں ہماری خبر رسانی کی۔

اور روایت میں ہے کہ یہ عورت قبیلہ مزینہ کی عورت تھی، بعض کہتے ہیں اس کا نام سارہ تھا اولاد عبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی تھی حضرت حاطبؓ نے اسے کچھ دینا کیا تھا اور اس نے اپنے بالوں تلے کاغذ رکھ کر اوپر سے سر گوندھ لیا تھا آپ ﷺ نے اپنے گھوڑ سواروں سے فرما دیا تھا کہ اس کے پاس حاطبؓ کا دیا ہوا اس مضمون کا خط ہے، آسمان سے اس کی خبر حضور اکرم ﷺ کے پاس آئی تھی بنو ابو احمد کے حلیفہ میں یہ عورت پکڑی گئی تھی، اس عورت نے ان سے کہا تھا کہ تم منہ پھیر لو میں نکال دیتی ہوں انہوں نے منہ پھیر لیا اس نے نکال کر حوالے کیا، اس روایت میں حضرت حاطبؓ کے جواب میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ جل شانہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں کوئی تغیر تبدل میرے ایمان میں نہیں ہوا، اور اسی بارے میں اس سورت کی آیتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے ختم

تک اُتریں ۔ایک اور روایت میں ہے کہ اس عورت کو اس کی اجرت کے دس درہم حضرت حاطبؓ نے دیئے تھے،اور حضور اکرم ﷺ نے اس خط کے حاصل کرنے کے لئے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو بھیجا تھا اور حجفہ میں یہ ملی تھی ۔

مطلب آیتوں کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! مشرکین اور کفار کو جو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومن بندوں سے لڑنے والے ہیں، جن کے دل تمہاری عداوت سے پُر ہیں تمہیں ہرگز لائق نہیں کہ ان سے دوستی اور محبت میل ملاپ اور اپنایت رکھو، تمہیں اس کے خلاف حکم دیا گیا ہے ۔ارشاد ہے:

:یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْاالْیَھُوْدَوَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَاءَ،الخ: اے ایماندارو! یہود و نصاریٰ سے دوستی مت گانٹھو وہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو بھی ان سے موالات و محبت کرے وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔اس میں کس قدر ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ ممانعت فرمائی ہیں۔اور جگہ ہے:یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًاوَّلَعِبًا،الخ: مسلمانو! ان اہل کتاب اور کفار سے دوستیاں نہ کرو جو تمہارے دین کا مزاق اُڑاتے ہیں اور اسے کھیل کھود سمجھ رہے ہیں، اگر تم میں ایمان ہے تو ذات باری تعالیٰ سے ڈرو، ایک اور جگہ ارشاد ہے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں نہ کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا کھلا الزام ثابت کرو۔ایک اور جگہ فرمایا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے کے علاوہ کافروں سے دوستی نہ کریں جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں، ہاں بطور دفع الوقتی اور بچاؤ کے ہو تو اور بات ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے، اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطبؓ کا عذر قبول فرمالیا کہ اپنے مال و اولاد کی بچاؤ کی خاطر یہ کام ان سے ہوگیا تھا۔

مسند احمد میں ہے کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ نے کئی مثالیں بیان فرمائیں ایک اور تین اور پانچ اور سات اور نو اور گیارہ پھر ان میں سے یہ تفصیل صرف ایک ہی بیان کی باقی سب چھوڑ دیں ۔فرمایا: ایک ضعیف مسکین قوم تھی جس پر زور آور ظالم قوم چڑھائی کر کے آگئی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کمزوروں کی مدد کی اور انہیں اپنے دشمن پر غالب کر دیا، غالب آکر ان میں رعونت سما گئی اور انہوں نے ان پر مظالم شروع کر دیئے جس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ ان سے ہمیشہ کیلئے ناراض ہوگیا۔پھر مسلمانوں کو ہوشیار کرتا ہے کہ تم ان دشمنانِ دین سے کیوں مودت و محبت رکھتے ہو؟ حالانکہ یہ تم سے بدسلوکی کرنے میں کسی موقعہ پر کمی نہیں کرتے، کیا یہ تازہ واقعہ بھی تمہارے ذہن سے ہٹ گیا کہ انہوں نے تمہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی جبراً وطن سے نکال باہر کیا اور اس کی کوئی اور وجہ نہ تھی سوائے اس کے کہ تمہاری توحید اور فرمانبرداری رسول اللہ ﷺ ان پر گراں گزرتی تھی ۔جیسے اور جگہ ہے:وَمَا نَقَمُوْا مِنْھُمْ اِلَّا اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ: یعنی

مومنوں سے صرف اس بنا پر مخاصمت اور دُشمنی ہے کہ وہ اللہ برتر بزرگ پر ایمان رکھتے ہیں۔اور جگہ ہے یہ لوگ محض اس وجہ سے ناحق جلاوطن کئے گئے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ تعالیٰ جل شانہ ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر سچ مچ تم میری راہ کے جہاد کو نکلے ہو اور میری رضامندی کے طالب ہو تو ہرگز ان کفار سے جو تمہارے اور میرے دُشمن ہیں میرے دین اور تمہارے جان و مال کو نقصان پہنچا رہے ہیں دوستیاں نہ پیدا کرو، بھلا کس قدر غلطی ہے کہ تم ان سے پوشیدہ طور پر دوستانہ رکھو؟ کیا یہ پوشیدگی اللہ تعالیٰ جل شانہ سے بھی پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ جو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے، دلوں کے بھید اور نفس کے وسوسے بھی جس کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔بس سُن لو جو بھی ان کفار سے موالات و محبت رکھے وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔تم نہیں دیکھ رہے؟ کہ ان کافروں کا اگر بس چلے، اگر انہیں کوئی موقع مل جائے تو نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے تمہیں نقصان پہنچانے میں دریغ کریں نہ برا کہنے سے اپنی زبانیں روکیں، جو ان کے امکان میں ہو گا وہ کر گزریں گے، بلکہ تمام تر کوشش اس امر پر صرف کر دیں گے کہ تمہیں بھی اپنی طرح کافر بنا لیں۔

پس جبکہ ان کی اندرونی اور بیرونی دُشمنی کا حال تمہیں بخوبی معلوم ہے پھر کیا اندھیر ہے؟ کہ تم اپنے دُشمنوں کو دوست سمجھ رہے ہو اور اپنی راہ میں آپ کانٹے بو رہے ہو۔غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافروں پر اعتماد کرنے اور ان سے ایسے گہرے تعلقات رکھنے اور دلی میل رکھنے سے روکا جا رہا ہے۔اور وہ باتیں یاد دلائی جا رہی ہیں جو ان سے علیحدگی پر آمادہ کر دیں۔

تمہاری قرابتیں اور رشتہ داریاں تمہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی اگر تم اللہ تعالیٰ جل شانہ کو ناراض کر کے انہیں خوش کرو اور چاہو کہ تمہیں نفع ہو یا نقصان ہٹ جائے یہ بالکل خام خیالی ہے۔نہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف کے نقصان کو کوئی ٹال سکے نہ اس کے دیئے ہوئے نفع کو کوئی روک سکے۔اپنے دلوں سے ان کے کفر پر جس نے موافقت کی وہ برباد ہوا، گو رشتہ دار کیسا ہی ہو کچھ نفع نہیں۔

:قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ (الی قوله) وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ:

مسلمانو! تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ اور اچھی پیروی موجود ہے جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے عقائد کے منکر ہیں جب تک تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ، ہم میں تم میں

ہمیشہ کیلئے عداوت وبغض ظاہر ہوگیا لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تجھ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیرے ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے اللہ! تو ہمیں کافروں کا زیردست اور تختۂ مشق نہ بنا اور اے ہمارے پالنے والے ہماری خطاؤں کو بخش دے، بے شک تو ہی غالب حکمتوں والا ہے۔ یقیناً تمہارے لئے ان میں نیک نمونہ اور عمدہ پیروی ہے خاص کر ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کا اعتقاد رکھتا ہو اور اگر کوئی روگردانی کرے تو اللہ تعالیٰ بالکل بے پرواہ ہے اور وہ سزاوارِ حمد وثنا ہے۔

عصبیت دین ایمان کا جزو لاینفک ہے:

اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے مومن بندوں کو کفار سے موالات اور دوستی نہ کرنے کی ہدایت فرما کر ان کے سامنے اپنے خلیل اور ان کے اصحابؓ کا نمونہ پیش کر رہا ہے کہ انہوں نے صاف طور پر اپنے رشتہ کنبے اور قوم کے لوگوں سے برملا فرمادیا کہ ہم تم سے اور جنہیں تم پوجتے ہو اُن سے بیزار بری الذمہ اور الگ تھلگ ہیں، ہم تمہارے دین اور طریقے سے متنفر ہیں، جب تک تم اسی طریقے اور اسی مذہب پر ہو تم ہمیں اپنا دُشمن سمجھو، ناممکن ہے کہ برادری کی وجہ سے ہم تمہارے اس کفر کے باوجود تم سے بھائی چارہ اور دوستانہ تعلقات رکھیں، ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہیں ہدایت دے اور تم اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لے آؤ، اس کی توحید کو مان لو، اور اسی ایک کی عبادت شروع کرو۔ اور جن جن کو تم نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا شریک اور ساتھی ٹھہرا رکھا ہے اور جن جن کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو اُن سب کو ترک کردو اپنی اس روشِ کفر اور طریق شرک سے ہٹ جاؤ تو پھر بے شک ہمارے بھائی ہو ہمارے عزیز ہو، ورنہ ہم میں تم میں کوئی اتحاد واتفاق نہیں، ہم تم سے اور تم ہم سے علیحدہ ہو۔ ہاں یہ یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے جو استغفار کا وعدہ کیا تھا اور پھر اسے پورا کیا اس میں ان کی اقتداء نہیں۔ اس لئے کہ یہ استغفار اس وقت تک رہا جس وقت تک کہ اپنے والد کا دُشمنِ اللہ ہونا ان پر وضاحت کے ساتھ ظاہر نہ ہوا تھا، جب انہیں یقینی طور پر اس کی اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دُشمنی کھل گئی تو اس سے صاف بیزاری ظاہر کردی۔

بعض مومن اپنے مشرک ماں باپ کیلئے دعا واستغفار کرتے تھے اور سند میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کیلئے دعا مانگنا پیش کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنا فرمان: ما کان للنبیّ والّذین اٰمنوا ان یّستغفروا للمشرکین: پوری دو آیتوں تک نازل فرمایا اور یہاں بھی اسوۂ ابراہیمی میں اس سے استثناء کرلیا کہ اس بات میں ان کی پیروی تمہارے لئے ممنوع ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس استغفار کی تفصیل بھی کردی اور اس کا خاص سبب اور

خاص وقت بھی بیان فرمایا۔حضرت ابن عباسؓ ،مجاہدؒ،قتادہؒ مقاتل بن حیانؒ ،ضحاکؒ وغیرہ نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ قوم سے براءت کر کے اب اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ آتے ہیں جناب باری میں عاجزی اور انکساری سے عرض کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ تمام کاموں میں ہمارا بھروسہ اور اعتماد تیری ہی پاک ذات پر ہے،ہم اپنے تمام کام تجھے سونپتے ہیں تیری طرف رجوع ورغبت کرتے ہیں، دار آخرت میں بھی ہمیں تیری ہی جانب لوٹنا ہے۔

پھر کہتے ہیں الٰہی!تو ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا یعنی ایسا نہ ہو کہ یہ ہم پر غالب آ کر ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دیں،اسی طرح یہ بھی نہ ہو کہ تیری طرف سے ہم پر کوئی عتاب وعذاب نازل ہو اور وہ ان کے اور بھٹکنے کا سبب بنے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ انہیں عذاب کیوں دیتا؟اگر یہ کسی میدان میں جیت گئے تو بھی ان کے لئے یہ فتنہ کا سبب ہوگا وہ سمجھیں گے کہ ہم اس لئے غالب آئے کہ ہم ہی حق پر ہیں،اسی طرح اگر یہ ہم پر غالب آ گئے تو ایسا نہ ہو کہ ہمیں تکلیفیں پہنچا پہنچا کر تیرے دین سے برگشتہ کر دیں۔

پھر دعا مانگتے ہیں کہ الٰہی!ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے،ہماری پردہ پوشی کر اور ہمیں معاف فرما،تو عزیز ہے تیری جناب میں پناہ لینے والا نامراد نہیں پھرتا،تیرے در پر دستک دینے والا خالی ہاتھ نہیں جاتا،تو اپنی شریعت کے تقریر میں اپنے اقوال وافعال میں قضاوقدر کے مقدر کرنے میں حکمتوں والا ہے،تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

پھر بطور تاکید کے وہی پہلی بات دوہرائی جاتی ہے کہ ان میں تمہارے لئے نیک نمونہ ہے جو بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ پر اور قیامت کی آنے کی حقانیت پر ایمان رکھتا ہو اسے ان کی اقتداء میں آگے بڑھ کر قدم رکھنا چاہئے اور جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے احکام سے روگردانی کرے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اس سے بے پراہ ہے۔وہ لائق حمد وثنا ہے مخلوق اس خالق کی تعریف میں مشغول ہے،جیسے اور جگہ ہے: ان تکفروا انتم ومن فی الارض جمیعا فانّ اللّٰہ لغنیّ حمید: اگر تم اور تمام روئے زمین کے لوگ کفر پر،اللہ تعالیٰ کے نہ ماننے پر اُتر آئیں تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے،اللہ تعالیٰ سب سے غنی سب سے بے نیاز اور سب سے بے پرواہ ہے اور وہ تعریف کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں غنی اسے کہا جاتا ہے جو اپنی غنا میں کامل ہو۔اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر طرح سے بے نیاز اور بالکل بے پرواہ ہے کسی اور کی ذات ایسی نہیں،اس کا کوئی ہمسر نہیں اس کے مثل کوئی اور نہیں وہ پاک ہے اکیلا ہے سب پر حاکم سب پر غالب سب پر بادشاہ ہے،حمید ہے یعنی مخلوق اسے سراہ رہی ہے،اپنے جمیع اقوال میں تمام افعال میں وہ ستائشوں اور تعریفوں والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے سوا کوئی پالنے والا نہیں،رب وہی

ہے معبود وہی ہے۔

:عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ (الی قوله) وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ:

کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کردے اللہ تعالیٰ کو سب قدرتیں ہیں اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔ جن لوگوں نے تم سے مذہبی لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو صرف انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے منع کرتا ہے جو تم سے مذہبی لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس نکالے دیں، اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کریں، جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ قطعاً ظالم اور بے انصاف ہیں۔

کفار سے محبت کی ممانعت کی دوبارہ تاکید:

کافروں سے محبت رکھنے کی ممانعت اور ان کی بغض وعداوت کے بیان کے بعد اب ارشاد ہوتا ہے کہ بعض اوقات ممکن ہے کہ ابھی ابھی اللہ تعالیٰ جل شانہ تم میں اور ان میں میل ملاپ کرادے، بغض نفرت اور فرقت کے بعد محبت مودت اور اُلفت پیدا کرادے، کونسی چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ قادر نہ ہو؟ وہ متبائن اور مختلف چیزوں کو جمع کرسکتا ہے، عداوت اور قساوت کے بعد دلوں میں محبت پیدا کردینا اس کے ہاتھ میں ہے، جیسے اور جگہ انصار پر اپنی نعمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: واذکروا نعمته الله علیکم ،الخ: تم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اسے یاد کرو کہ تمہاری دلی عداوت کو اس نے اُلفت قلبی سے بدل دیا اور تم ایسے ہوگئے جیسے ماں جائے بھائی ہوں، تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے لیکن اس نے تمہیں وہاں سے بچالیا۔ آنحضرت ﷺ نے انصاریوں سے فرمایا کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی، اور تم متفرق تھے میری وجہ سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جمع کردیا۔ قرآن کریم میں ہے: هو الّذی ایّدکم بنصره ،الخ: اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد سے مومنوں کو ساتھ کرکے اے نبی تیری مدد کی اور ایمانداروں میں آپس میں وہ محبت اور یک جہتی پیدا کردی کہ اگر روئے زمین کی دولت خرچ کرتے اور یگانگت پیدا کرنا چاہتے تو وہ نہ کرسکتے، یہ اُلفت منجانب اللہ تھی جو عزیز وحکیم ہے۔ ایک حدیث میں ہے دوستوں کی دوستی کے وقت بھی اس بات کو پیش نظر رکھو کہ کیا عجب اس سے کسی وقت دُشمنی ہوجائے اور دشمنوں کی دشمنی میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو کیا خبر کب دوستی ہوجائے۔ عرب شاعر کہتا ہے:

وقد یجمع اللّٰه الشتیتین بعد ما　　یظنان کل الظن ان لا تلاقیا

یعنی ایسے دو دشمنوں میں بھی جو ایک سے ایک جدا ہوں اور اس طرح کہ دل میں گرہ دے لی ہو کہ ابد الآباد تک اب کبھی نہ ملیں گے اللہ تعالیٰ جل شانہ اتفاق واتحاد پیدا کر دیتا ہے اور اس طرح ایک ہو جاتے ہیں کہ گویا کبھی دو نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ غفور و رحیم ہے۔ کافر جب توبہ کریں تو اللہ قبول فرمالے گا، جب وہ اس کی طرف جھکیں وہ انہیں اپنے سائے میں لے لے گا، کوئی سا گناہ ہو اور کوئی سا گنہگار ہو اِدھر وہ مالک کی طرف جھکا اُدھر اس کی رحمت کی آغوش کھلی۔

حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں یہ آیت ابوسفیان صخر بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کی صاحبزادی صاحبہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرلیا تھا اور یہی مناکحت حجت کا سبب بن گئی، لیکن یہ قول کچھ جی کو نہیں لگتا اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ نکاح فتح مکہ سے بہت پہلے ہوا تھا اور حضرت ابوسفیانؓ کا اسلام بالاتفاق فتح مکہ کی رات کا ہے، بلکہ اس سے بہت اچھی توجیہ تو وہ ہے جو ابن ابی حاتم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسفیان صخر بن حرب کو کسی باغ کے پھول کا عامل بنا رکھا تھا حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد یہ آرہے تھے کہ راستہ میں ذوالخمار مرتد مل گیا آپ نے اس سے جنگ کی اور باقاعدہ لڑے پس مرتدین سے پہلے پہل لڑائی لڑنے والے مجاہد الدین آپ ہیں، حضرت ابن شہابؒ کا قول ہے کہ انہی کے بارے میں یہ آیت: عَسَى اللّٰهُ، الخ: اُتری ہے۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری تین درخواستیں ہیں اگر اجازت ہو تو عرض کرو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو، اس نے کہا اوّل تو یہ کہ مجھے اجازت دیجئے کہ جس طرح میں کفر کے زمانے میں مسلمانوں سے مسلسل جنگ کرتا رہا اب اسلام کے زمانے میں کافروں سے برابر لڑائی جاری رکھوں، آپ ﷺ نے اسے منظور فرمایا۔ پھر کہا میرے لڑکے معاویہؓ کو اپنا منشی بنا لیجئے، آپ ﷺ نے اسے بھی منظور فرمایا۔ اور میری بہترین عرب بچی ام حبیبہؓ کو آپ ﷺ اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں، آپ ﷺ نے یہ بھی منظور فرمالیا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جن کفار نے تم سے مذہبی لڑائی نہیں کی نہ تمہیں جلاوطن کیا جیسے عورتیں اور کمزور لوگ وغیرہ ان کے ساتھ سلوک واحسان وعدل وانصاف کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ وہ تو ایسے باانصاف لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے پاس اس کی مشرک ماں آئیں یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جس میں آنحضرت ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان صلح نامہ ہو چکا تھا، حضرت اسماءؓ خدمت نبی ﷺ میں حاضر ہو کر مسئلہ پوچھتی ہیں کہ میری ماں آئی ہوئی ہیں اور اب تک وہ اس دین سے الگ ہیں، کیا مجھے جائز ہے کہ میں ان کے ساتھ سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، جاؤ ان سے صلح رحمی کرو۔

مسند کی اس روایت میں ہے کہ ان کا نام قتیلہ تھا، یہ مکہ سے گوہ اور پنیر اور گھی بطور تحفہ لے کر آئے تھیں لیکن حضرت اسماءؓ نے اپنی مشرک ماں کو نہ تو اپنے گھر میں آنے دیا نہ یہ تحفہ ہدیہ قبول کیا، پھر حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا اور آپ ﷺ کی اجازت پر ہدیہ بھی لیا اور اپنے ہاں ٹھہرایا بھی۔ بزار کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام بھی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کی والدہ کا نام ام رومان تھا اور وہ اسلام لا چکی تھی اور ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائی تھی، ہاں حضرت اسماءؓ کی والدہ ام رومان نہ تھی، چنانچہ ان کا نام قتیلہ اوپر کی حدیث میں مذکور ہے۔

مقسطین: کی تفسیر سورۂ حجرات میں گذر چکی ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے مقسیطین: وہ لوگ ہے جو عدل کے ساتھ حکم کرتے ہیں گو اہل وعیال کا معاملہ ہو یا زیر دستوں کا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عرش کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہو گے۔

پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ممانعت تو ان لوگوں کی دوستی سے ہے جو تمہاری عداوت سے تمہارے مقابل نکل کھڑے ہوئے ہم سے صرف تمہارے مذہب کی وجہ سے لڑے جھگڑے، تمہیں تمہارے شہروں سے نکال دیا، تمہارے دشمنوں کی مدد کی۔

پھر مشرکین سے اتحاد و اتفاق دوستی دیکھتی رکھنے والے کو دھمکایا ہے اور اس کا گناہ بتاتا ہے کہ ایسا کرنے والے ظالم گنہگار ہیں۔ اور جگہ فرمایا یہودیوں نصرانیوں سے دوستی کرنے والا ہمارے نزدیک انہی جیسا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج5: ص326)

سورة الممتحنه

:يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْااِذَاجَآءَ كُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ، اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ،فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَاتَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَاهُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَاهُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ،وَاٰتُوْهُمْ مَّااَنْفَقُوْا،وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَااٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ، وَلَاتُمْسِكُوْابِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْامَّااَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَّااَنْفَقُوْا،ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ،يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ:(ممتحنه:آیت10)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو،اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو، پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیرو اُن کو کافروں کی طرف، نہ یہ عورتیں حلال ہیں اُن (کافروں) کو اور نہ وہ (کافر) حلال ہیں ان عورتوں کو،اور دے دو اُن (کافروں) کو جو اُن کا خرچ ہوا ہو، اور گناہ نہیں تم کو کہ نکاح کر لو ان عورتوں سے جب اُن کو دو ان کے مہر،اور نہ رکھو اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے، اور تم مانگ لو جو تم نے خرچ کیا اور وہ (کافر) مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے،تم میں فیصلہ کرتا ہے،اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

:وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَااَنْفَقُوْا،وَاتَّقُوْااللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ:(ممتحنه:آیت11)

ترجمہ: اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں کافروں کی طرف پھر تم ہاتھ مارو تو دے دو اُن کو جن کی عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا،اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے جس پر تم کو یقین ہے۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

قطع تعلق مناکحت بین المؤمنین والمشرکین :

یہ آیتیں بھی ایک خاص موقع کے متعلق ہیں اور وہ موقع صلح حدیبیہ کا ہے۔ جس کا آغاز سورۂ فتح میں ہوا ہے۔ منجملہ ان شرطوں کے جو صلح نامہ میں لکھی گئی تھیں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص مسلمانوں میں سے کافروں کی طرف چلا جاوے وہ واپس نہ دیا جائے، اور جو شخص کافروں میں مسلمانوں کی طرف چلا جاوے وہ واپس دے دیا جاوے۔ چنانچہ بعض مسلمان مرد آئے اور واپس کر دیئے گئے، پھر بعض عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، ان کے اقارب نے ان کو واپسی کی درخواست کی، اس پر یہ آیتیں حدیبیہ میں نازل ہوئیں۔ جس میں عورتوں کے واپس کرنے کی ممانعت کی گئی، پس عموم مضمون صلح نامہ کا اس سے مخصوص اور منسوخ ہو گیا، اور ایسی عورتوں کے باب میں کچھ خاص احکام مقرر کئے گئے، اور اُن کے ساتھ کچھ احکام ایسی عورتوں کے باب میں مقرر ہوئے جو پہلے مسلمانوں کے نکاح میں تھیں مگر اسلام نہ لائیں اور مکہ ہی میں رہ گئیں اور چونکہ مدار ان احکام کا ان عورتوں کا مسلمان ہونا ہے۔ اس لئے طریقِ امتحان بھی بتلایا گیا۔ اور خلاصہ ان احکام کا یہ ہے۔

حکم اوّل..... جو عورت دارالحرب سے مسلمان ہو کر آ جاوے اس کا نکاح شوہر کافر سے فوراً ٹوٹ گیا۔ اسی طرح جس حربیہ کا شوہر مسلمان ہو جاوے اس کا نکاح بھی معاً ٹوٹ جائے گا۔

حکم دوم..... پہلی عورت کا نکاح مسلمان مرد سے جائز ہے۔ اگر وہ حاملہ ہے تو بعد وضعِ حمل بالاجماع اور اگر غیر حاملہ ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک بلا عدت اور صاحبینؒ کے نزدیک بعد عدت۔ اور دوسری عورت پر کسی کے نزدیک عدت نہیں اور یہ دونوں حکم اب بھی باقی ہیں۔

:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ (الی قولہ) وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ:

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (دارالحرب سے) ہجرت کر کے آویں (خواہ مدینہ میں کہ دارالاسلام ہے خواہ حدیبیہ میں کہ معسکر اسلام: حکم دارالاسلام: میں ہے) تو تم ان (کے مسلمان ہونے) کا امتحان کر لیا کرو (جس کا طریقہ آگے خطاب خاص: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ: میں آتا ہے اور اس امتحان میں ظاہری امتحان پر اکتفا کیا کرو کیونکہ) اُن کے (حقیقی) ایمان کو (تو) اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے (تم کو تحقیق ہو ہی نہیں سکتی) پس اگر اُن کو (اس امتحان کی رُو سے) مسلمان سمجھو تو اُن کو کفار کی طرف واپس مت کرو (کیونکہ) نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر اُن عورتوں کے لئے حلال ہیں (کیونکہ مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے مطلقاً نہیں رہتا موافق حکمِ اوّل کے) اور (اس صورت میں) ان کافروں نے جو کچھ (مہر کے بابت ان عورتوں پر) خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو اور تم کو ان عورتوں سے

نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہ ہوگا جبکہ تم اُن کے مہر اُن کو دے دو اور (اے مسلمانو!) تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو (یعنی جو تمہاری بیبیاں دارالحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں اُن کا نکاح تم سے زائل ہو گیا، اُن کے تعلقات کا کوئی اثر باقی مت سمجھو) حتیٰ کہ ایسے مرد کو فوراً ایسی عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے جن سے اس متروک کی عدت میں جائز نہ ہوتا کیونکہ عدت بھی واجب نہیں ہے اور (اس صورت میں) جو کچھ تم نے (اُن عورتوں کے مہر میں) خرچ کیا ہو (ان کافروں سے) مانگ لو اور (اسی طرح) جو کچھ ان کافروں نے (مہر کے بابت) خرچ کیا ہو وہ (تم سے) مانگ لیں۔ یہ (جو کچھ کہا گیا) اللہ کا حکم ہے (اس کا اتباع کرو) وہ تمہارے درمیان (ایسا ہی مناسب) فیصلہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا علم اور حکمت والا ہے (علم وحکمت کے مناسب احکام مقرر فرماتا ہے)۔

اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی بی بی کافروں میں رہ جانے سے (بالکل ہی) تمہارے ہاتھ نہ آئے (یعنی وہ نہ ملے اور نہ اس کا بدلِ مہر ملے اور) پھر (کافروں کو مہر دینے کی) تمہاری نوبت آوے (یعنی تمہارے ذمہ کسی کافر کا حقِ مہر واجب الاداء ہو) تو (تم وہ مہر اُن کافروں کو نہ دو، بلکہ) جن (مسلمانوں) کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں (جن کا ابھی ذکر ہوا نفساتکم: میں) جتنا (مہر) انہوں نے (ان بیبیوں پر) خرچ کیا تھا اس کے برابر (اس رقم واجب الاداء میں سے) تم ان کو دے دو اور اللہ تعالیٰ سے کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو (اور احکامِ واجبہ میں خلل مت ڈالو)۔

(تفسیر بیان القرآن: ج2: ص1059)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت ہے کہ حدیبیہ کے معاہدہ میں سہل بن عمرو نے رسول اللہ ﷺ سے یہ شرط بھی لکھوائی تھی کہ ہمارے آدمیوں میں جو کوئی آپ ﷺ کے پاس پہنچے گا خواہ آپ ﷺ کے مذہب پر ہی ہو بہر حال آپ ﷺ پر لازم ہے کہ اس کو واپس کریں اور ہمارے اور اس کے درمیان رکاوٹ پیدا نہ کرے۔ مسلمانوں کو یہ شرط ناگوار ہوئی مگر سہل اس پر آڑا رہا، آخر رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط معاہدہ میں لکھوادی۔ چنانچہ ابوجندلؓ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس بھاگ کر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو واپس کر دیا اور اس مدتِ معاہدہ کے اندر جو مرد بھی (کافروں کو چھوڑ کر ان کے پاس سے بھاگ کر) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو لوٹا دیا (مدتِ معاہدہ کے اندر کچھ عورتیں بھی ہجرت کر کے آئیں ان میں سے ام کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط جن کا نام عاتق تھا ہجرت کر کے آگئی اور ان کے قرابتداروں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر رسول اللہ ﷺ نے واپس نہیں کیا (کیونکہ معاہدہ میں مردوں کی واپسی کی شرط تھی مہاجر عورتوں کے لوٹائے جانے کا ذکر نہیں تھا) اس پر آیات ذیل نازل ہوئیں:

:یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤااِذَاجَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ، اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ،فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَاتَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَاهُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَاهُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ،وَاٰتُوْهُمْ مَّآاَنْفَقُوْا:

اے ایمان والو!جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (دارالحرب سے)ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کی جانچ کرلیا کرو،ان کے ایمان کواللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے،سواگر (جانچ کرنے کے بعد)تم ان کومسلمان جانو،تو پھر کافروں کی طرف ان کوواپس مت کرو کیونکہ نہ وہ عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران مسلمان عورتوں کے لئے حلال ہیں اور کافروں نے ان عورتوں پر جو کچھ خرچ کیا ہو وہ کافروں کوادا کرو۔

:فَلَاتَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ: یعنی کافرشوہروں کی طرف ان کوواپس مت کرو کیونکہ مؤمن عورتیں کافرشوہروں کے لئے حلال نہیں۔مسلمہ اور کافرہ میں تفریق کرنا لازمی ہے۔

:وَلَاهُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ: یعنی کافرتجدیدِ نکاح کے بعد بھی مؤمن عورتوں کے لئے حلال نہیں ہیں۔کیونکہ کافر مرد کا نکاح مسلمان عورت سے جائز ہی نہیں ہے۔

:وَلَاجُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآاٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ، وَلَا تُمْسِكُوْابِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْامَآاَنْفَقْتُمْ وَلْیَسْئَلُوْا مَآاَنْفَقُوْا،ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ،یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ،وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ:

اور تم کومہاجرعورتوں سے نکاح کرلینے میں کوئی گناہ نہ ہوگا۔جب کہ تم ان کے مہر ان کودے دو اور(اے مسلمانو!)تم کافرعورتوں کے تعلقات (ازدواجی)کوباقی مت رکھو۔اوراپنی بیبیوں پر جو کچھ خرچ کیا ہو(جب وہ مرتد ہوکر چلی جائیں یاہجرت کر کے ہی نہ آئیں اور کفر پر قائم رہیں تو ان کافروں سے)اس کا مطالبہ کرلو اور جو کچھ مہاجر عورتوں پر کافروں نے خرچ کیا ہو وہ مسلمانوں سے مانگ لیں،یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وہی تمہارے درمیان فیصلہ کررہا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا علم اور حکمت والا ہے۔

وَلَاجُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ: یعنی اے مسلمانو!ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے تم نکاح کرسکتے ہو،اس میں کوئی گناہ نہیں،خواہ ان کے کافرشوہر دارالحرب میں موجود ہی ہوں،کیونکہ کفراور اسلام کی وجہ سے تفریق تو ان کی ہوہی گئی۔آیت دلالت کررہی ہے کہ عدت ضروری نہیں امام ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے،تاہم صاحبینؒ کا قول اس کے خلاف ہے:وَلَاتُمْسِكُوْابِعِصَمِ الْكَوَافِرِ: اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں سے نکاح برقرار رکھنے کی ممانعت فرمادی۔

:وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ،وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ:

اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی (کافروں کے پاس چلی جائے اور وہیں رہ پڑنے کی وجہ سے)بالکل ہاتھ میں نہ آئے ،پھر تمہاری نوبت آئے تو جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں جتنا مہر انہوں نے خرچ کیا تھا اس کے برابر تم ان کو (ضرور)دے دو اور اللہ تعالیٰ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔(تفسیر مظہری اردو:ج 11:ص 272)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: گزشتہ آیات میں کافروں کے ساتھ دوستی اور موالات کے کچھ احکام بیان کئے گئے تھے اور یہ تلقین کی گئی تھی کہ مسلمانوں کو اس معاملہ میں اسوۂ ابراہیمی اختیار کرنا چاہئے اور نہایت واضح طور پر منع کر دیا گیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ کسی طرح موالات اور دوستی جائز نہیں ،اسی کے ساتھ ان کافروں سے بہتر سلوک کرنے کی اجازت دے دی گئی جو نہ تو کبھی مسلمانوں سے لڑے اور نہ کسی قسم کی دشمنی کی ۔اب ان آیات میں بعض خاص احکام ایسی عورتوں کے متعلق بیان کئے جا رہے ہیں جو ہجرت کر کے دارالاسلام آجائیں ۔صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا اور جو شرائطِ معاہدہ طے ہوئی تھی ان میں یہ تھا کہ:

ہم قریشِ مکہ اس پر معاہدہ کرتے ہیں کہ جو بھی مرد ہمارے پاس سے تمہارے پاس پہنچ جائے تو مسلمان اس کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے ،اگر چہ وہ تمہارے دین پر ہو۔

تو آنحضرت ﷺ نے اس معاہدہ کی رو سے جو مرد مسلمان مکہ سے مدینہ نکل کر آئے ان کو واپس فرمایا جیسے ابو جندلؓ بن سہیل کو قریشِ مکہ کے حوالے فرمادیا جب کہ وہ کفار کی قید سے نکل کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے تھے، لیکن معاہدہ میں لفظ مرد تھا اس وجہ سے عورتوں کا واپس کرنا اس میں شامل نہ تھا۔چنانچہ آپ ﷺ نے ایسی مہاجر خواتین کی واپسی کا انکار فرمادیا جو کفار کی قید سے چھوٹ کر آپ ﷺ کے پاس پہنچیں۔جیسے قبیلہ اسلم کی سبیعہ بنت حارثؓ ان کا خاوند مسافر مخزومی دوڑتا ہوا مقامِ حدیبیہ پہنچا۔

چنانچہ روایات میں ہے کہ اس معاہدہ کے بعد جب ام کلثومؓ ہجرت کر کے آپ ﷺ کے پاس پہنچیں تو ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید مکہ سے فوراً آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور واپسی کے لئے گفتگو کی تو آنحضرت ﷺ نے واپس بھیجنے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آیت نازل فرمادی:فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ: اور اس آیت نے واضح کر دیا کہ یہ حکم عورتوں کے متعلق نہیں اور یہ حکم بھی اتارا گیا کہ ان کا امتحان لے لیا کرو تا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ

مؤمنات ہیں، اور احکامِ بیعت بھی نازل فرمائے تو ارشاد فرمایا:

:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ (الی قولہ) کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس آجائیں ایمان والی عورتیں ہجرت کرتی ہوئی تو ان کا امتحان کرلو (خوب جانچ لو کہ وہ ایمان اور اخلاص کے ساتھ ہجرت کر کے آئی ہیں) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو (لیکن مسلمانوں کو اپنے درمیان احکام اسلام کسی پر جاری کرنے کیلئے یہ قانون نازل کیا جارہا ہے) بہر حال اگر (امتحان و تحقیق کے بعد) جان لو کہ یہ ایمان والی ہیں تو ان کو کافروں کی طرف مت واپس کرو (اب جب کہ یہ ایمان لاکر اور ہجرت کر کے دارالاسلام آگئیں) تو نہ یہ عورتیں ان کافروں (یعنی اپنے کافر خاوندوں) کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ مردان مہاجر عورتوں کے لئے حلال ہیں اور دے دو اُن مردوں کو جو کچھ انہوں نے (ان عورتوں) پر خرچ کیا (اور اس وجہ سے کہ اب وہ عورتیں اسلام لاکر ہجرت کرتی ہوئی دارالاسلام آگئی ہیں ان کا نکاح پہلے کافر شوہروں سے ختم ہوگیا تو عدتِ فسخ گزرنے پر) کوئی حرج نہیں ہے اگر تم ان عورتوں سے نکاح کرلو جب کہ تم اِن کے مہر ان کو دے دو (جو بھی مہر اس نکاح کے وقت مقرر کیا جائے، وہ بہر حال مرد کے ذمے ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا ضروری ہے)۔

اور نہ رکھو تم اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کی (اور طلب کرو جو کچھ) تم نے خرچ کیا اور چاہئے کہ وہ بھی طلب کرلیں جو انہوں نے خرچ کیا، یہی ہے تمہارے واسطے (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ کا حکم، جس حکم سے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی علم والا صاحبِ حکمت ہے (اس وجہ سے اس کا ہر حکم صحیح اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ حکم مقرر فرمادیا کہ کافر عورتوں کی ناموس و عصمت نہ روکے رکھو اور اپنے قبضہ میں تھامے نہ رکھو تو اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ کسی مسلمان کو اپنی ان بیبیوں کو جو اسلام نہیں لائیں اور کفر پر قائم رہیں ان کو اپنی منکوحہ کی طرح روکے رکھنا درست نہیں بلکہ ان کو چھوڑ دیں کہ وہ پھر جس سے چاہیں نکاح کرلیں)۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی دو بیبیاں جو مکہ میں مشرک رہ گئیں تھیں چھوڑ دیئے۔

اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں تمہاری ازواج میں سے کافروں کی طرف پھر تمہاری نوبت آئے تو تم (اے مسلمانو!) دے دو اِن کو جن کی عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا کہ انہوں نے خرچ کیا (اور اب وہ عورتیں ان کے پاس نہیں رہیں اس وجہ سے کہ وہ دارالکفر سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس نہ آسکیں اور سابق نازل کردہ حکم کی رُو سے یہ درست تھا کہ مسلمان اپنی بیبیوں پر خرچ کئے ہوئے خرچ کا مطالبہ کریں جیسا کہ مسلمانوں نے ان کافر خاوندوں

کو ان کا کیا ہوا خرچ واپس کیا جن کی عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ آ گئی تھیں) اور ڈرتے رہو اس اللہ تعالیٰ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ (معارف القرآن: ج8: ص70: ناشر: مکتبہ حسان بن ثابتؓ لاہور: سن طباعت 1434ھ)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط آیات: گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے غیر حربی کافروں کے ساتھ احسان کرنے کی اجازت دی اور حربی کافروں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کر دیا۔ معاہدۂ حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کافروں کا کوئی آدمی بھاگ کر مدینہ آ جائے گا تو مسلمان اُسے واپس کر دیں گے، اور اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی مکے چلا جائے گا، تو کفار اُسے واپس نہیں کریں گے، یہ معاہدہ تو مردوں کے لئے تھا مگر جب کچھ عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینے آ گئیں اور اُن کے اقرباء اُن کے پیچھے آئے تو سوال پیدا ہوا کہ ان کو ٹھہرانے یا واپس کرنے کے متعلق کیا احکام ہیں؟ مشرکینِ مکہ نے عورتوں کو بھی مردوں پر محمول کیا اور اُن کی واپسی کا مطالبہ کیا، کیونکہ معاہدہ میں واپسی کی شرط موجود تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ کی مذکورہ شرط صرف رجال (مردوں) کے لئے تھی اور عورتوں پر یہ شرط عائد نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں احکام نازل فرمائے جو آج کے درس میں بیان ہوئے ہیں۔

مہاجر عورتوں کے متعلق تحقیق:

ارشاد ہوتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو اُن کا امتحان لے لیا کرو، اور اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو کہ وہ کن حالات میں مکہ سے مدینہ آئی ہیں: اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ: اللہ تعالیٰ تو اُن کے ایمان کو خوب جانتا ہے، مگر تمہارا بھی فرض ہے کہ اچھے طریقے سے جانچ لو کہ کیا وہ واقعی دین کی خاطر آئی ہیں یا پس پردہ کوئی دوسرا مقصد کارفرما ہے؟ چنانچہ اس حکم کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے خود بھی بعض عورتوں سے سوال جواب کئے اور سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کو بھی اس کام پر مامور کیا۔

پھر فرمایا کہ تحقیق کرنے کے بعد: فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ: اگر تم جان لو، یعنی اس نتیجے پر پہنچو کہ یہ واقعی مومنہ ہیں اور انہوں نے محض دین کی خاطر ہجرت کی ہے: فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ: تو پھر انہیں کافروں کی طرف مت لوٹاؤ، بلکہ اپنے ہاں پناہ دو، کیونکہ: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ: اب یہ کافروں کے لئے حلال نہیں ہیں: وَلَا هُمْ

یَحِلُّوْنَ لَھُنَّ: اور نہ وہ کافر ان عورتوں کیلئے حلال ہیں۔ایمان لانے کے بعد ان عورتوں کا نکاح کافر مردوں کے ساتھ ختم ہو چکا ہے، ہاں اگر خاوند بھی مسلمان ہو جائے یا اس کی توقع ہو تو پھر ایسی عورت اپنی خاوند کی طرف پلٹا دی جائے گی۔

اس سلسلہ میں: تبانین داریں: بھی پیدا ہوتا ہے۔اگر مومنہ عورت کافر خاوند کو چھوڑ کر دارالاسلام میں آجائے تو اُس کا سابقہ نکاح تو ختم ہو گیا۔کیا نکاحِ ثانی کے لئے اُسے عدت گزارنا پڑے گی یا نہیں؟اِس ضمن میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر عورت حاملہ نہ ہو تو اُسے عدت گزارنے کی بھی ضرورت نہیں، اگر وہ حاملہ ہے تو پھر وضع حمل تک عدت پوری کرنا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: جب کوئی عورت کافر خاوند کو چھوڑ کر تمہارے پاس آجائے: وَاٰتُوْھُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا: تو کافروں کو وہ مہر وغیرہ کا خرچہ دے دو جو انہوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کرتے وقت کیا تھا۔اور پھر اگر تم اُن سے نکاح کرنا چاہو: وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ: تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم اُن کو مہر ادا کر دو۔گویا نکاحِ ثانی کے لئے تمہیں پھر مہر ادا کرنا ہوگا۔

اس کے برعکس اگر کوئی مومنہ عورت مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی جائے: وَلَا تُمْسِکُوْا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ: تو کافر عورتوں کے ناموس کو اپنے پاس مت روکو۔کیونکہ مرتد ہونے کے بعد اُن کا مومن آدمی کے ساتھ نکاح خود بخود فسخ ہو گیا ہے، لہٰذا اُن کو روکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔البتہ: وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ: تم نے اُن عورتوں پر مہر کی صورت میں جو خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کرو۔اور کوئی کافر خاوند کی بیوی ایمان لا کر تمہارے پاس آجاتی ہے: وَلْیَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا: تو چاہئے کہ وہ بھی مانگ لیں جو انہوں نے ایسی عورتوں پر خرچ کیا ہے۔یہ دوطرفہ معاملہ ہے۔اگر کوئی عورت ایمان لا کر آگئی ہے تو اس کے کافر خاوند کو اُس کا خرچہ ادا کرو اور اگر یہاں سے کوئی عورت مرتد ہو کر دارالکفر میں چلی جاتی ہے تو اُس پر کیا گیا خرچہ مسلمانوں کو ملنا چاہئے۔

فرمایا: ذٰلِکُمْ حُکْمُ اللّٰہِ: یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو تمہیں دیا گیا ہے، اور اس پر عمل درآمد ضروری ہے: یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ: اُسی نے تمہارے درمیان فیصلہ کیا ہے: وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ: اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمتوں والا ہے۔

عدمِ ادائیگی کی صورت میں:

فرمایا: وَاِنْ فَاتَکُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ اِلَی الْکُفَّارِ: اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کچھ کفار کی طرف چلی جائیں: فَعَاقَبْتُمْ: پس تم گرفت کرو۔یعنی اگر اُدھر سے کوئی عورت مسلمان ہو کر آجائے جس کا خرچہ تم پر کافروں کو

واجب الادا ہوتو اُس کو روک لو فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا: اور یہ رقم اُن لوگوں کو ادا کردو جن کی بیویاں مرتد ہو کر چلی گئی ہیں اور کافر اُن کا خرچہ ادا کرنے کے لئے تیار نہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ : اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اس کے قوانین کی خلاف ورزی نہ کرو۔ اُس اللہ تعالیٰ سے ڈرو الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ: جس پر تم ایمان لا چکے ہو۔ (معالم العرفان فی دُروس القرآن: ج18: ص319)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

(یہ آیتیں بھی ایک خاص موقع کے متعلق ہیں اور وہ موقع صلح حدیبیہ کا ہے۔ جس کا آغاز سورۂ فتح میں ہوا ہے۔ منجملہ ان شرطوں کے جو صلح نامہ میں لکھی گئی تھیں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص مسلمانوں میں سے کافروں کی طرف چلا جاوے وہ واپس نہ دیا جائے، اور جو شخص کافروں میں مسلمانوں کی طرف چلا جاوے وہ واپس دے دیا جاوے۔ چنانچہ بعض مسلمان مرد آئے اور واپس کر دئے گئے، پھر بعض عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، ان کے اقارب نے ان کو واپسی کی درخواست کی، اس پر یہ آیتیں حدیبیہ میں نازل ہوئیں۔ جس میں عورتوں کے واپس کرنے کی ممانعت کی گئی، پس عموم مضمون صلح نامہ کا اس سے مخصوص اور منسوخ ہوگیا، اور ایسی عورتوں کے باب میں کچھ خاص احکام مقرر کئے گئے، اور اُن کے ساتھ کچھ احکام ایسی عورتوں کے باب میں مقرر ہوئے جو پہلے مسلمانوں کے نکاح میں تھیں مگر اسلام نہ لائیں اور مکہ ہی میں رہ گئیں اور چونکہ مدار ان احکام کا ان عورتوں کا مسلمان ہونا ہے۔ اس لئے طریقِ امتحان بھی بتلایا گیا، پس بخطاب عام ارشاد فرماتے ہیں کہ)۔

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (دارالحرب سے) ہجرت کر کے آویں (خواہ مدینہ میں کہ دارالاسلام ہے خواہ حدیبیہ میں کہ معسکر اسلام: حکم دارالاسلام: میں ہے) تو تم ان (کے مسلمان ہونے) کا امتحان لیا کرو (جس کا طریقہ آگے خطاب خاص: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ: میں آتا ہے اور اس امتحان میں ظاہری امتحان پر اکتفاء کیا کرو کیونکہ) اُن کے (حقیقی) ایمان کو (تو) اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے (تم کو تحقیق ہو ہی نہیں سکتی) پس اگر اُن کو (اس امتحان کی رُو سے) مسلمان سمجھو تو اُن کو کفار کی طرف واپس مت کرو (کیونکہ) نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کیلئے حلال ہیں اور نہ کافر اُن عورتوں کیلئے حلال ہیں (کیونکہ مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے مطلقاً نہیں رہتا) اور (اس صورت میں) ان کافروں نے جو کچھ (مہر کے بابت ان عورتوں پر) خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہ ہوگا جبکہ تم اُن کے مہر اُن کو دے دو اور (اے مسلمانو!) تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو (یعنی جو تمہاری بیبیاں دارالحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں اُن کا نکاح تم سے زائل ہوگیا، اُن کے تعلقات کا کوئی اثر باقی مت سمجھو) اور

(اس صورت میں) جو کچھ تم نے (اُن عورتوں کے مہر میں) خرچ کیا ہو (ان کافروں سے) مانگ لو اور (اسی طرح) جو کچھ ان کافروں نے (مہر کے بابت) خرچ کیا ہو وہ (تم سے) مانگ لیں۔ یہ (جو کچھ کہا گیا) اللہ تعالیٰ کا حکم ہے (اس کا اتباع کرو) وہ تمہارے درمیان (ایسا ہی مناسب) فیصلہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا علم اور حکمت والا ہے (علم وحکمت کے مناسب احکام مقرر فرماتا ہے)۔

اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی بی بی کافروں میں رہ جانے سے (بالکل ہی) تمہارے ہاتھ نہ آئے (یعنی وہ نہ ملے اور نہ اس کا بدلِ مہر ملے اور) پھر (کافروں کو مہر دینے کی) تمہاری نوبت آوے (یعنی تمہارے ذمہ کسی کافر کا حقِ مہر واجب الاداء ہو) تو (تم وہ مہر اُن کافروں کو نہ دو، بلکہ) جن (مسلمانوں) کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں (جن کا ابھی ذکر ہوا نفسانتکم: میں) جتنا (مہر) انہوں نے (ان بیبیوں پر) خرچ کیا تھا اس کے برابر (اس رقم واجب الاداء میں سے) تم ان کو دے دو اور اللہ تعالیٰ سے کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو (اور احکامِ واجبہ میں خلل مت ڈالو)۔

معارف ومسائل:

معاہدہ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی تحقیق:

اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آنحضرت ﷺ اس کو واپس کردیں گے، اگر چہ وہ مسلمان ہی ہو، اور اگر مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ مکرمہ چلا جائے گا تو قریشِ مکہ اس کو واپس نہ کریں گے۔ اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد وعورت دونوں داخل تھے، یعنی کوئی مسلمان مرد یا عورت جو بھی مکہ مکرمہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس جائے تو اس کو واپس کریں گے۔

جس وقت یہ معاہدہ مکمل ہو چکا اور ابھی آنحضرت ﷺ مقام حدیبیہ میں تشریف فرما تھے کئی ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کیلئے بہت صبر آزما تھے، جن میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ: سعیدہ بنت الحارث الاسلمیہؓ: جو مسلمان تھیں مگر صیفی بن انصب کے نکاح میں تھیں جو کافر تھا (اُس وقت تک مسلمانوں اور کفار میں رشتۂ مناکحت طرفین سے حرام نہیں ہوا تھا) یہ مسلمان عورت مکہ سے بھاگ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں، ساتھ ہی ان کا شوہر حاضر ہوا، اور آنحضرت ﷺ سے مطالبہ کیا کہ میری عورت مجھے واپس کی جائے، کیونکہ آپ ﷺ نے یہ شرط قبول کرلی ہے، اور ابھی تک اس معاہدہ کی مہر بھی خشک نہیں ہوئی۔

اس واقعہ پر آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں جن میں دراصل مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان عقدِ مناکحت کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور اس کے نتیجہ میں یہ بھی کہ جو عورت مسلمان خواہ اس کا مسلمان ہونا پہلے سے معلوم ہو جیسے سعیدہ مذکورہ

تھیں، یا بوقتِ ہجرت اس کا مسلمان ہونا صحیح طور سے ثابت ہو جائے، وہ اگر ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ جائے، اس کو کفار کے میں قبضہ واپس نہ دیا جائے، کیونکہ وہ اپنے کافر شوہر کے لئے حلال نہیں رہی۔

:فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ: یعنی جب بطرز مذکور ان مہاجرات کے ایمان کا امتحان لے کر تم ان کو مؤمن قرار دے دو تو پھر ان کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں۔

:لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ: یعنی نہ یہ عورتیں کافر مردوں پر حلال ہیں اور نہ کافر مرد اُن کے لئے حلال ہو سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ نکاح کر سکیں۔

مسئلہ: اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہو گئی تو کافر سے اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو گیا، یہ اس کے لئے اور وہ اس کے لئے حرام ہو گئے، اور یہی وجہ عورتوں کو شرطِ صلح میں واپسی سے مستثنیٰ کرنے کی ہے کہ اب وہ اس کے شوہر کافر کے لئے حلال نہیں رہی۔

:وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ: پچھلی آیت میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے فسخ ہو چکا ہے اور یہ اس پر حرام ہو چکی ہے۔ اس آیت میں اسی حکم کا تکملہ یہ ہے کہ اب مسلمان مرد سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، اگرچہ سابق شوہر کافر زندہ بھی ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی، مگر شرعی حکم سے نکاح فسخ ہو چکا ہے، اس لئے دوسرے مرد سے اس کا نکاح حلال ہو گیا۔

مسئلہ: کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح فسخ ہو جانا آیتِ مذکورہ سے معلوم ہو چکا، لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہو گا۔ اس کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے تو حاکمِ اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا، ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا، اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں میں فرقت کی تکمیل ہو گئی، اُس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکمِ اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہو سکتا ہے جہاں حکومت اسلام کی ہو، دارالکفر یا دارالحرب میں ایسا واقعہ پیش آوے تو شوہر سے اسلام کیلئے کہنے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہو گی جس سے دونوں میں تفریق کا فیصلہ کیا جا سکے۔ اس لئے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اُس وقت ہو گی جب یہ عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آ جائے یا مسلمانوں کے لشکر میں آ جائے، دارالاسلام میں آنے کی صورت مذکورہ واقعات میں مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ہو سکتی ہے، اور لشکرِ اسلام حدیبیہ میں بھی موجود تھا، اس میں پہنچنے سے بھی اس کا تحقق ہو جاتا ہے، جس میں فقہاء کی اصطلاح میں اختلافِ دارین سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یعنی جب کافر مرد اور اس کی بیوی مسلمان کے درمیان دارین کا فاصلہ ہو جائے، یعنی ایک دارالکفر میں ہے دوسرا دارالاسلام میں تو یہ تفریق مکمل ہو کر عورت دوسرے سے نکاح کے لئے آزاد ہو جاتی ہے۔

:وَلَاتُمْسِكُوْابِعِصَمِ الْكَوَافِرِ: كَوَافِر: جمع ہے: كَافِرَه: کی ہے۔اور مراد اس سے مشرکہ عورت ہے۔ کیونکہ کافرہ کتابیہ سے نکاح کی اجازت قرآن کریم میں منصوص ہے۔مراد آیت کی یہ ہے کہ اب تک جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کی اجازت تھی وہ ختم کردی گئی، اب کسی مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں، اور جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں وہ بھی ختم ہو چکے، اب کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا حلال نہیں۔

(معارف القرآن: ج8: ص525)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْااِذَاجَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ(الی قوله)وَاتَّقُوْااللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ: قانون اوّل برائے مؤمنات مہاجرات۔اگر کوئی عورت ایمان قبول کرنے کے بعد ہجرت کر کے تمہارے پاس آجائے تو اطمینان کرلو کہ واقعی وہ مؤمنہ ہے، اگر تمہیں اس کے مؤمنہ ہونے کا یقین ہو جائے تو اب اسے کافروں کی طرف نہ بھیجو۔ کیونکہ اب نہ وہ کافروں کیلئے حلال ہے اور نہ کافر ہی اس کیلئے حلال ہیں۔اگر وہ دارالحرب میں شادی شدہ تھی تو اس کے خاوند نے اس پر جو مہر وغیرہ خرچ کیا تھا اسے واپس کردو۔اس طرح اگر تمہاری کافرہ عورتیں مشرکین کے یہاں چلی جائیں تو تم اپنے اخراجات ان سے طلب کرلو۔اور اگر تم میں سے کسی کے اخراجات کافروں کی طرف رہ جائیں اور وہ ادا نہ کریں تو جب تمہارے دینے کی باری آئے تو تم ان کو دینے سے پہلے اس مسلمان کا حق اس سے وضع کرلو جس کا کافروں کے ذمہ بقایا ہے۔

:وَلَاتُمْسِكُوْابِعِصَمِ الْكَوَافِرِ: جس طرح مؤمنہ عورتوں کو کافروں کے پاس واپس بھیجنا جائز نہیں اسی طرح تمہارے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ تم کافرہ عورتوں کے اپنے ساتھ نکاحوں کو باقی رکھو، بلکہ ان سے علیحدگی اختیار کرلو اور ان کو مشرکین کے پاس واپس بھیج دو اور جو کچھ تم نے ان پر خرچ کیا تھا وہ ان سے طلب کرلو اور وہ تم سے اپنے اخراجات طلب کرلیں۔یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس نے مؤمنہ اور کافرہ عورتوں کے بارے میں نافذ کیا ہے جو سراپا علم وحکمت پر مبنی ہے۔(جواہر القرآن: ج3: ص1247)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

شان نزول: صلح حدیبیہ کے موقع پر قریشِ مکہ کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اُس میں جو شرائط طے ہوئی تھیں

اُن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی آدمی مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمان اسے واپس کردیں گے۔اور اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ آئے گا تو قریشِ مکہ اُسے واپس نہیں کریں گے۔یہ معاہدہ تو مردوں کیلئے تھا مگر جب کچھ عورتیں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئیں تو اُن کے عزیز رشتہ دار اُن کو لینے کے لئے آگئے۔اب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اُن کو واپس کرنا ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ نے احکام نازل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓااِذَاجَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْھُنَّ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب آئیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو اُن کا امتحان لے لو کہ اصل دین کیلئے آئی ہیں یا کوئی اور دنیاوی غرض ہے۔

امتحان کا کوئی خاص طریقہ تو قرآن کریم میں بیان نہیں ہوا البتہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی عورت حضور اکرم ﷺ کے پاس آتی تو سیدنا فاروق اعظمؓ اس سے قسم لیتے تھے کہ آیا اصل دین کے لئے آئی ہے یا کوئی اور دنیاوی غرض ہے۔اپنے خاوند سے ناراض ہو کر تو نہیں آئی۔یا کسی مرد سے رغبت کی وجہ سے تو نہیں آئی۔بس ظاہری طور پر تم امتحان لے لو:اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِھِنَّ:اللہ تعالیٰ جل شانہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو۔اللہ تعالیٰ جل شانہ تو ظاہر و باطن سے واقف ہے،پھر تحقیق کرنے کے بعد:فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ:پس اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں یعنی تم اس نتیجے پر پہنچو کہ واقعی وہ مومنات ہیں اور انہوں نے محض دین کی خاطر ہجرت کی ہے:فَلَا تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ: تو پھر واپس نہ کرو تم اُن کو کافروں کی طرف۔کافر خاوندوں کی طرف اُن کو واپس نہ کرو۔کیونکہ:لَاھُنَّ حِلٌّ لَّھُمْ وَلَاھُمْ یَحِلُّوْنَ لَھُنَّ: نہیں ہیں وہ عورتیں حلال اُن کافروں کے لئے اور نہ وہ کافر حلال ہیں اُن عورتوں کے لئے۔ایمان لانے کے بعد اُن عورتوں کا نکاح کافر مردوں کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔ہاں اگر خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو پھر قائم رہے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ پہلا خاوند جو حقِ مہر ادا کر چکا ہے،اس کا کیا بنے گا؟ تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی عورت کافر خاوند کو چھوڑ کر تمہارے پاس آجائے:وَاٰتُوْھُمْ مَّآاَنْفَقُوْا: اور ادا کرو تم اُن کافروں کو جو انہوں نے خرچ کیا ہے۔ان کا دیا ہوا حق مہر اُن کو واپس کرو۔پھر اگر تم ان سے نکاح کرنا چاہو:وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ اِذَآاٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ: اور نہیں ہے کوئی گناہ تم پر کہ تم ان سے نکاح کرو جب دے دو تم اُن کو اُن کے حق مہر۔یعنی جب تم ان کے ساتھ نکاح کرو گے تو تمہیں حق مہر دینا پڑے گا۔

اس کے برعکس اگر کوئی مومنہ عورت مرتد ہوکر کافروں کے پاس چلی جائے یا خاوند مسلمان ہوجائے اور وہ عورت کفر پر رہے تو اس کے متعلق فرمایا: وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ: عصم: جمع ہے: عصمة: کی۔ اس کا معنٰی ہے گناہوں سے حفاظت۔ مراد ہے ناموس۔: کوافر: جمع ہے: کافرة: کی، کافر عورت۔ معنٰی ہوگا اور نہ روک رکھو کافر عورتوں کے ناموس، یعنی ان کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔ ان کی عصمت کی حفاظت کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ مہاجرینؓ کی وہ بیویاں جو مکہ مکرمہ میں حالتِ کفر میں تھیں مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔

تو فرمایا: اور نہ روک رکھو کافر عورتوں کے ناموس: وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ: اور مانگ لو جو تم نے خرچ کیا ہے مہر کی صورت میں۔ وہ تم اُن کافروں سے طلب کرو۔ اور اگر کسی کافر کی بیوی ایمان لا کر تمہارے پاس آ گئی ہے تو اس کا پہلا نکاح خود بخود ختم ہوگیا: وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا: اور وہ کافر مانگ لیں تم سے جو انہوں نے خرچ کیا ہے۔ کافروں کا مہر اُن کو واپس کردو: ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ: یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا حکم ہے: يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ: فیصلہ کرتا ہے وہ تمہارے درمیان: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ: اور اللہ تعالیٰ جل شانہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس کا ہر فیصلہ صحیح ہوتا ہے اور عین حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر تمہاری کوئی بیوی کافروں کے پاس رہ جائے کفر شرک کی وجہ سے اور وہ تمہارا دیا ہوا حق مہر تمہیں واپس نہ کریں تو اس کے متعلق فرمایا:

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ: اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے تمہاری بیویوں میں سے کچھ کافروں کی طرف۔ یعنی اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی تمہارے ہاتھ سے نکل گئی ہیں، مکہ مکرمہ رہ گئی ہے یا مرتد ہوکر چلی گئی ہیں اور تمہارے حق مہر اُن کے پاس رہ گئے ہیں: فَعَاقَبْتُمْ: پس تم گرفت کرو اس طرح کہ اگر اُدھر سے کوئی عورت مسلمان ہوکر آ جائے کہ جس کا خرچہ تم نے کافروں کو دینا ہے تو وہ ان کو نہ دو بلکہ اس کو دو جس کی بیوی رہ گئی تھی اور اس کا حق مہر اس کو واپس نہیں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں: فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ: پس دو تم اُن لوگوں کو جن کی بیویاں رہ گئی ہیں: مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا: اس کی مثل جو انہوں نے خرچ کیا ہے اس بیوی پر جو چلی گئی ہے۔ بعض حضرات یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ گرفت کرو کہ کافروں کے ساتھ جہاد کرو اور وہاں سے حاصل ہونے والے مال سے اس شخص کا خرچہ ادا کرو جو اُس نے رہ جانے والی بیوی پر خرچ کیا تھا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اور اللہ تعالیٰ جل شانہ سے ڈرتے رہو کہ اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو: الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ: وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کہ جس پر تم ایمان لا چکے ہو۔ اس سے ڈرو اور اس کے قانون پر عمل کرو۔ (ذخیرة الجنان فی فهم القرآن: ج 20: ص 144)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

:یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓااِذَاجَآءَ کُمُ الْمُؤْمِنٰتُ (الی قولہ)وَاتَّقُوْااللّٰہَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ: اے ایمان والو!جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم اُن کا امتحان لے لیا کرو، دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اگر وہ تمہیں ایمان دار معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ اُن کیلئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کیلئے حلال ہیں، جو خرچ اُن کافروں کا ہوا ہو وہ انہیں ادا کر دو۔ اِن عورتوں کو اِن کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں، اور کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضے میں نہ رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو مانگ لو اور جو کچھ اُن کافروں نے خرچ کیا ہو وہ بھی مانگ لیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جو تمہارے درمیان کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ بڑے علم اور کامل حکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمہیں اس کے بدلے کا وقت مل جائے تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں ان کے اخراجات کے برابر ادا کر دو، اور اُس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

صلح حدیبیہ کا ایک پہلو:

سورۂ فتح کی تفسیر میں صلح حدیبیہ کا واقعہ مفصل بیان ہو چکا ہے، اُس صلح کے موقع پر حضور اکرم ﷺ اور کفارِ قریش کے درمیان جو شرائط طے ہوئی تھیں اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر حضور اکرم ﷺ کے پاس چلا جائے حضور اکرم ﷺ اسے اہل مکہ کو واپس کر دیں، لیکن قرآن کریم نے ان میں سے اُن عورتوں کو مخصوص کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے اور فی الواقع ہو بھی وہ سچی ایمان دار، تو مسلمان اسے کافروں کو واپس نہ دیں۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابو معیطؓ مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ چلی آئیں، ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید ان کے واپس لینے کے لئے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم ﷺ سے کہا سنا، پس یہ آیتِ امتحان نازل ہوئی اور مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے کی ممانعت کر دی گئی۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں کافروں پر اور کافر مسلمان عورتوں کے حلال نہیں، اس آیت نے اس رشتہ کو حرام کر دیا ورنہ اس سے پہلے مومنہ عورتوں کا نکاح کافر مردوں سے جائز تھا۔

پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر خاوندوں کو اُن کے خرچ اخراجات جو ہوئے ہیں وہ ادا کر دو جیسے کہ مہر۔ پھر فرمان ہے کہ اب انہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں کوئی حرج نہیں، عدت کا گذر جانا، ولی کا مقرر کرنا وغیرہ جو اُمور نکاح میں ضروری ہیں اُن شرائط کو پورا کر کے ان مہاجرہ عورتوں سے مسلمان نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا

ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانو! اُن عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں، اسی طرح کافرہ عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے اسے کافروں سے لے لو جبکہ وہ اُن میں چلی جائیں اور کافروں کی عورتیں جو مسلمان ہو کر تم میں آجائیں انہیں تم ان کا کیا ہوا خرچ دے دو۔

صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فیصلہ بیان ہو چکا جو اس نے اپنی مخلوق میں کر دیا، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے باخبر ہے، اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے علی الاطلاق حکیم وہی ہے۔

اس کے بعد کی آیت: وان فاتکم ،الخ: کا مطلب حضرت قتادہؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن کفار سے تمہارا عہد و پیمان، صلح و صفائی نہیں، اگر کوئی عورت کسی مسلمان کے گھر سے جا کر اُن سے جا ملے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے خاوند کا کیا ہوا خرچ نہیں دیں گے تو اس کے بدلے تمہیں بھی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر اُن میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تم میں چلی آئے تو تم بھی اس کے خاوند کو کچھ نہ دو جب تک وہ نہ دیں۔

حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اس حکم کی تعمیل کی اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئیں اُن کے لیے ہوئے مہر اُن کے خاوندوں کو واپس کئے لیکن مشرکوں نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا، اس پر یہ آیت اُتری اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر تم میں سے کوئی عورت ان کے ہاں چلی گئی ہے اور انہوں نے تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہیں کی تو جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آجائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا۔(تفسیر ابن کثیر: ج5:ص334)

سورة الممتحنه

:یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَوَلَّوْقَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَئِسُوْامِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَایَئِسَ الْكُفَّارُمِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ: (ممتحنه: آیت 13)

ترجمه: اے ایمان والو! مت دوستی کرو اُن لوگوں سے کہ غصہ ہوا ہے اللہ تعالیٰ اُن پر، وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے جیسے آس توڑی منکروں نے قبر والوں سے۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ربط: اُوپر اور یہاں تک بیان تھا مطلق کفار سے تعلقات رکھنے کا جن میں زیادہ مضامین متعلق مشرکین کے تھے، آگے کفار یہود سے تعلق رکھنے کے بارہ میں کہ مدینہ منورہ میں وہ بکثرت تھے، چنانچہ ارشاد ہیں:

:یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَوَلَّوْقَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَئِسُوْامِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَایَئِسَ الْكُفَّارُمِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ:

اے ایمان والو! ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے (مراد اس سے یہود ہیں) کہ وہ آخرت کے (خیر وثواب) سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسا کفار جو قبروں میں (مدفون) ہیں (خیر وثواب آخرت سے) ناامید ہیں۔

پس حاصل یہ ہوا کہ جن کی گمراہی ایسی مسلّم ہے کہ وہ خود بھی دل سے اس کو تسلیم کرتے ہیں ایسے گمراہوں سے

تعلق رکھنا کیا ضرورت؟ اور یہ نہ سمجھا جاوے کہ جو گمراہ اشد درجہ کا نہ ہو اس سے دوستی جائز ہے۔ جوازِ دوستی سے تو مطلقِ کفر مانع ہے، مگر اس صفت سے وہ عدمِ جواز اور شدید ہو جائیگا، اور شاید تخصیص یہود کی اس جگہ اس لئے ہوئی کہ مدینہ میں یہود زیادہ تھے اور دوسرے وہ لوگ شریر و مفسد بھی بہت تھے۔ (بیان القرآن: ج2: ص1060)

اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَوَلَّوْقَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ قَدْ یَئِسُوْامِنَ الْاٰخِرَۃِ کَمَایَئِسَ الْکُفَّارُمِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ:

اے ایمان والو! ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب (نازل فرمایا ہے) وہ آخرت (کے ثواب اور فلاح) سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسے کفار قبروں والوں سے۔

:قَوْمًاغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ: جن پر خدا تعالیٰ نے غضب کیا ہے یعنی یہودی۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہی فرمایا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ غریب مسلمان یہودیوں سے جوڑ اور تعلق رکھتے اور ان کو مسلمانوں کی کچھ خبریں پہنچا دیتے تھے اور یہودیوں کے پاس ان کو کچھ پھل مل جاتے تھے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس کی ممانعت فرمادی۔ اور بعض مفسرینؒ کا قول ہے کہ عام کافر مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری اردو: ج11: ص280)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: سورت کے آخر میں پھر کافروں کے ساتھ دوستی اور موالات و ہمدردی پر تنبیہ کر دی گئی جس سے مضمونِ سورت کا آغاز کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کے احکام کی فرمان برداری اور اس کے دین پر استقامت اور ایمان کے تقاضوں کی تکمیل اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے اجتناب و پرہیز کیا جائے، ان سے دوستی اور روابط قائم کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے اس لئے سن لینا چاہئے کہ:

اے ایمان والو! ہرگز دوست نہ بناؤ ایسی قوم کو جن پر خدا تعالیٰ کا غضب ہے جو مایوس ہو چکے ہیں آخرت سے (اور آخرت کا تصور ہی دل سے نکال دیا) جیسا کہ کافر قبر والوں سے ناامید ہو چکے ہیں (اور ان کو کوئی توقع نہیں کہ قبر والے اپنی قبروں سے پھر اُٹھیں گے بلکہ وہ آخرت کے بھی منکر ہیں اور بعث بعد الموت کا بھی ان کو کوئی تصور نہیں)۔

(معارف القرآن: ج8: ص74: ناشر: مکتبہ حسان بن ثابتؓ لاہور: سن طباعت 1434ھ)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

مغضوب علیھم: سے دوستی کی ممانعت:

جو مضمون سورۃ کی ابتداء میں بیان کیا گیا تھا، اب آخر میں اُسی کو دہرایا جارہا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَوَلَّوْقَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ : اے ایمان والو! نہ دوستی کرو اُن لوگوں سے جن پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا۔ یہ حکم خاص طور پر مدینے کے اطراف میں آباد یہودیوں کے لئے ہے، ان پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا غضب ہوا۔ مطلب یہ کہ اگر تم مغضوب علیہ: لوگوں سے دوستی کرو گے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اُن لوگوں کی طرح تم پر بھی ناراض ہوگا۔ اس کے علاوہ مطلق کفر وشرک بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ناراضگی کا باعث ہے۔

فرمایا: اِن لوگوں کا حال یہ ہے: قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَۃِ کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ: کہ یہ آخرت سے اسی طرح مایوس ہو چکے ہیں جس طرح کافر لوگ قبروں میں جا پڑنے والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج18: ص330)

اس آیت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اے ایمان والو! ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے (مراد اس سے یہود ہیں) کہ وہ آخرت کے (خیر وثواب) سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسا کفار جو قبروں میں (مدفون) ہیں (خیر وثواب آخرت سے) ناامید ہیں۔

پس حاصل یہ ہوا کہ جن کی گمراہی ایسی مسلّم ہے کہ وہ خود بھی دل سے اس کو تسلیم کرتے ہیں ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا ضرورت؟ اور یہ نہ سمجھا جاوے کہ جو گمراہ اشد درجہ کا نہ ہو اس سے دوستی جائز ہے۔ جوازِ دوستی سے تو مطلقِ کفر مانع ہے، مگر اس صفت سے وہ عدمِ جواز اور شدید ہو جائیگا، اور شاید تخصیص یہود کی اس جگہ اس لئے ہوئی کہ مدینہ میں یہود زیادہ تھے اور دوسرے وہ لوگ شریر ومفسد بھی بہت تھے۔ (معارف القرآن: ج8: ص 526)

اس آیت کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَوَلَّوْ: آخر میں مؤمنین پر زجر ہے تا کہ انتہائے سورت ابتداء سے مرتبط ہو جائے۔ مغضوب علیھم: سے یہود یا یہود ونصاریٰ یا تمام کفار مراد ہیں۔

مطلب یہ ہوگا کہ اے ایمان والو! ایسے کفار سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا قہر وغضب نازل ہو چکا

ہے اور وہ آخرت کے اجر وثواب سے بالکل اسی طرح محروم ومایوس ہو چکے ہیں جس طرح وہ کفار جو مر کر قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔

:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: یہ مؤمنین پر زجر ہے۔ان کافروں سے دوستی نہ کرو جو کفر وشرک کی وجہ سے آخرت کے اجر وثواب سے اسی طرح محروم ومایوس ہیں جس طرح وہ کافر جو مر چکے ہیں۔

فائدہ: منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھے گا، یہ کافر بھی ویسے ہی ناامید ہیں۔

(جواھر القرآن:ج3:ص1253)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

سورت کے شروع میں مطلق کافروں سے دوستی کرنا منع کیا گیا تھا اب آخر میں یہود کے ساتھ تعلق نہ رکھنے کا حکم فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں یہود کثرت سے تھے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَوَلَّوْقَوْمًاغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ:اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ دوستی کرو ایسی قوم سے جس پر غضب کیا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہودی ہیں کہ اُن پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا غضب ہوا ہے۔سورۃ البقرہ: میں ہے:وبآءو بغضب مّن اللّٰہ: اور وہ لوٹے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا غضب لے کر۔یہود میں دغابازی، فریب اور ہر طرح کی بدکاری عام تھی، انتہائی بُرے لوگ تھے۔تو بُرے لوگوں کی صحبت سے دُور رہنا چاہئے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے۔اس لئے فرمایا کہ اس مقہور مغضوب قوم سے دوستی نہ رکھو۔ان لوگوں کا حال یہ ہے:قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَۃِ کَمَایَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ: تحقیق وہ مایوس ہو گئے ہیں آخرت سے جس طرح مایوس ہو گئے ہیں کافر قبر والوں سے۔

اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ: یہ کفار کی صفت ہے کہ جیسے کافر جو قبروں میں جا چکے ہیں وہ نا اُمید ہو چکے ہیں کہ اب کچھ نہیں کر سکتے۔کیونکہ اب عملی زندگی نہیں ہے۔اسی طرح یہ یہودی بھی نا اُمید ہو گئے ہیں آخرت اور ثواب سے۔اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ﷺ کے ساتھ عناد رکھنے کی وجہ سے۔

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ یہ یہود آخرت سے ایسے نا اُمید ہو گئے ہیں جیسے کفار اصحاب قبور کی حیات کے منکر ہیں کہ وہ کہتے ہیں:لمن یبعث اللّٰہ من یموت: جو مر گیا اس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ ہرگز زندہ نہیں کرے گا۔تو ایسے لوگوں سے دوستی مت رکھو۔(ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن:ج20:ص149)

اس آیت کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

اے مسلمانو! تم اُس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو چکا ہے، جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کہ مردہ اہل قبر کافر نا اُمید ہیں۔

کفار سے دلی دوستی کی ممانعت:

اس سورت کی ابتداء میں جو حکم تھا وہی انتہا میں بیان ہو رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی لعنت اُتر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی شفقت سے دُور ہو چکے ہیں تم ان سے دوستانہ اور میل ملاپ نہ رکھو، وہ آخرت کے ثواب سے اور وہاں کی نعمتوں سے ایسے نا اُمید ہو چکے ہیں جیسے قبروں والے کافر۔

اس پچھلے جملے کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ جیسے زندہ کافر اپنے مردہ کافروں کے دوبارہ زندہ ہونے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جس طرح مردہ کافر ہر بھلائی سے نا اُمید ہو چکے ہیں وہ مر کر آخرت کے احوال دیکھ چکے اور اب انہیں کسی قسم کی بھلائی کی توقع نہیں رہی۔ (تفسیر ابن کثیر: ج5: ص 341)

سورة المنافقون

:اِذَاجَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْانَشْهَدُاِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ،وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُه،وَاللّٰهُ يَشْهَدُاِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ:(منافقون:آیت 1)

ترجمہ: جب آئیں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تُو رسول ہے اللہ تعالیٰ کا،اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تُو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے،اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔

:اِتَّخَذُوْآاَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْاعَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ،اِنَّهُمْ سَآءَ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ:

(منافقون:آیت 2)

ترجمہ: انہوں نے رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر پھر روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے یہ لوگ بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں۔

:ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْاثُمَّ كَفَرُوْافَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَايَفْقَهُوْنَ (منافقون:آیت 3)

ترجمہ: یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے پھر مہر لگ گئی ان کے دل پر سو وہ اب کچھ نہیں سمجھتے۔

:وَاِذَارَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ،وَاِنْ يَّقُوْلُوْاتَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ، كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ، يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ،هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ،قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ:

(منافقون:آیت 4)

ترجمہ: اور جب تُو دیکھے اُن کو تو اچھے لگیں تجھ کو اُن کے ڈیل،اور اگر بات کہیں سنے تُو اُن کی بات کیسے ہیں جیسے کہ لکڑی لگا دی دیوار سے،جو کوئی چیخیں جانیں ہم ہی پر بلا آئی،وہی ہیں دشمن ان سے بچتا رہ،گردن مارے اُن کی اللہ تعالیٰ کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

:وَاِذَاقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْايَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْارُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ:(منافقون:آیت 5)

ترجمہ: اور جب کہئے اُن کو آؤ معاف کرا دے تم کو رسول اللہ کا،مٹکاتے ہیں اپنے سر،اور تُو دیکھے کہ وہ

روکتے ہیں اور وہ غرور کرتے ہیں۔

:سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ،لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ،اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ :(منافقون: آیت6)

ترجمہ: برابر ہے اُن پر تُو معافی چاہے اُن کی یا نہ معافی چاہے، ہرگز نہ معاف کرے گا اُن کو اللہ تعالیٰ، بیشک اللہ تعالیٰ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

جب آپ ﷺ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک اللہ تعالیٰ کے رسول ہے، اور یہ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (اس میں تو اُن کے قول کی تکذیب نہیں کی جاتی) اور (باوجود اس کے) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں (کہ ہم دل سے گواہی دیتے ہیں، کیونکہ وہ گواہی محض زبانی ہے اعتقادِ قلب سے نہیں)۔

ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنی جان و مال کے بچانے کیلئے) سپر بنا رکھا ہے (کیونکہ اظہارِ کفر سے تو ان کی حالت بھی مثل دوسرے کفار کے ہوتی کہ جہاد کیا جاتا اور قتل و غارت ہوتا) پھر (اس لازمی خرابی کے ساتھ ان میں متعدی خرابی بھی ہے کہ) یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں، بیشک ان کے یہ اعمال بہت ہی بُری ہیں (اور ہمارا) یہ (کہنا کہ ان کے اعمال بہت بُرے ہیں) اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ (اوّل ظاہر میں) ایمان لے آئے پھر (اپنے شیاطین کے پاس جا کر کلمات کفریہ: انّا معکم انّما نحن مستھزؤن: کہہ کر) کافر ہو گئے (مطلب یہ کہ اُن پر بُرے اعمال کا حکم کرنا اُن کے نفاق کے سبب سے ہے کہ وہ بدترین عمل کفر ہے) سو (اس نفاق کی وجہ سے) اُن کے دلوں پر مُہر کر دی گئی، تو یہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے۔

اور (ظاہر میں یہ ایسے چکنے چپڑے ہیں کہ) جب آپ اُن کو دیکھیں (تو ظاہری شان و شوکت کی وجہ سے) اُن کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور (باتوں میں ایسے ہیں کہ) اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات (غایت فصاحت و شیرینی کی وجہ سے) سُن لیں (لیکن چونکہ) اندر خاک بھی نہیں ہے اس لئے قد و قامت ظاہری کے ساتھ باطنی کمالات سے خالی ہونے کے سبب ان کی ایسی مثال ہے کہ) گویا یہ لکڑیاں ہیں جو (دیوار کے) سہارے سے لگائی ہوئی (کھڑی) ہیں (کہ جثہ میں تو لمبی چوڑی موٹی موٹی مگر بے جان محض، اور عام عادت یہ ہے کہ اکثر جو لکڑی فی الحال کام میں نہیں لگتی وہ اس طرح رکھ دی جاتی ہے۔ ایسی لکڑی بے نفع محض بھی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ ظاہری دیکھنے میں

تو شاندار ہیں لیکن اندر سے محض بیکار اور چونکہ بوجہ عدمِ اخلاص وعدمِ ایمان کے ہر وقت ان کو اندیشہ رہتا ہے کہ کبھی مسلمانوں کو ہمارے حال کی اطلاع کسی قرینہ سے یا بذریعہ وحی کے نہ ہو جاوے اور مثل دیگر کفار کے ہم پر بھی جہاد وغیرہ نہ ہونے لگے اس خیال سے ایسے خائف رہتے ہیں کہ) ہر غُل پکار کو (کو کسی وجہ سے ہو) اپنے ہی اوپر (پڑنے والی) خیال کرنے لگتے ہیں (یعنی جب کوئی شور وغل ہوتا ہے یہی سمجھتے ہیں کہ کہیں ہمارے اوپر بھی افتاد پڑنے والی نہ ہو، حقیقت میں) یہی لوگ (تمہارے پورے) دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہئے (یعنی اُن کی کسی بات پر اعتماد نہ کیجئے) خدا تعالیٰ اُن کو غارت کریں کہاں (دینِ حق سے) پھرے چلے جاتے ہیں (یعنی روزانہ دُور ہی ہوتے جاتے ہیں)۔

اور (ان کے تکبر وشرارت کی یہ کیفیت ہے کہ) جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کے پاس) آؤ، تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ استغفار کردیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ﷺ اُن کو دیکھیں گے کہ وہ (اس خیر خواہی اور استغفارِ رسول ﷺ سے) تکبر کرتے ہوئے بے رُخی کرتے ہیں (جب اُن کے کفر کی یہ حالت ہے تو) اُن کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ اُن کیلئے استغفار کریں یا اُن کیلئے استغفار نہ کریں اللہ تعالیٰ اُن کو ہرگز نہ بخشے گا (مطلب یہ کہ اگر وہ آپ کے پاس آتے بھی اور آپ ان کی ظاہری حالت کے اعتبار سے استغفار بھی فرماتے تب بھی اُن کو کچھ نفع نہ ہوتا۔ یہ تو ماضی کے اعتبار سے اُن کی حالت ہوئی، اور آئندہ کے لئے یہ ہے کہ) بیشک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو (توفیق) ہدایت (کی) نہیں دیتا۔ (بیان القرآن: ج2: ص1066)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ: جب یہ منافق آپ ﷺ کے پاس آتے تو کہتے ہیں ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

:المنٰفقون: یعنی عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی۔

:وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُه ،وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ: اور اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ منافق بلاشبہ (اس قول میں کہ ہم دل سے رسالت کی شہادت دے رہے ہیں) جھوٹے ہیں۔

:لكاذبون: یعنی اس بات میں جھوٹے ہیں کہ ان کی شہادت دل سے ہے اور یقینی علم کے بعد ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کے ظاہری قول وقرار کو شہادت کہنا ہی صحیح نہیں ہے۔

یہ تشریح اس صورت میں ہوگی جب: نشهد: کو جملہ خبریہ مانا جائے۔ لیکن اگر اس کو انشائیہ کہا جائے تو اس

صورت میں: صدق و کذب: کا احتمال ہی نہ ہوگا اور: مشھود بہ: یعنی: انک لرسول اللّٰہ: کلام صادق ہوگا۔ اس تشریح پر: لکاذبون: کا معنی ہوگا کہ وہ اپنے خیال میں جھوٹ بول رہے ہیں (حالانکہ یہ بات سچی ہے آپ ﷺ یقیناً اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ہیں وہ اس کو جھوٹ جانتے ہیں اور اپنے خیال میں جھوٹی بات کہہ رہے ہیں)۔

:اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ،اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ: ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنی جان و مال کو بچانے کیلئے) سپر بنا رکھا ہے، پھر دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں، ان کے یہ اعمال بہت ہی بُرے ہیں۔

:ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ: یہ بات اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ (اوّل ظاہر میں) ایمان لائے، پھر (کلمات کفریہ کہہ کر) کافر ہوگئے، سو ان کے دلوں پر مہر کردی گئی اس سبب سے وہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے۔

:ذٰلِکَ: یعنی یہ نفاق اور اسلام سے روگردانی، جھوٹی قسموں کو بچاؤ کا ذریعہ بنانا اس سبب سے ہے کہ وہ بظاہر مؤمنوں کی نظر میں مؤمن ہوگئے پھر اپنے ساتھیوں کے پاس تخلیہ میں پہنچ کر کافر ہوگئے (کفریہ کلمات کہنے لگے) یا یہ مطلب ہے کہ کوئی نشانی یا معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے، پھر شیطان (ساتھیوں) نے ان کے دلوں میں شبہات پیدا کردیئے تو کافر ہوگئے۔

:فطبع علی قلوبھم: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگادیا کہ فہم حق ان کے دلوں سے چھین لیا گیا: فھم لا یفقھون: سو اب وہ حقیقتِ ایمان کو سمجھتے ہی نہیں۔

:وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ ،وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِمْ، کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ: اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کی قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر وہ بات کہیں تو آپ ان کی بات سن لیں گویا وہ لکڑیاں ہیں جو (دیوار کے سہارے لگائی ہوئی) کھڑی ہیں۔

:یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْھِمْ، ھُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْھُمْ ،قَاتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ: وہ ہر غل پکار کو اپنے اوپر پڑنے والی خیال کرتے ہیں (خواہ وہ پکار کسی وجہ سے ہو) یہی لوگ (تمہارے پکے) دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو۔ ان کو خدا تعالیٰ غارت کرے کہاں پھرے چلے جاتے ہیں۔

:ھم العدوّ: یہ منافق پکے دشمن ہیں۔ ان سے ہوشیار رہو۔ ہوشیار رہنے اور احتیاط رکھنے کے حکم کا مقصد یہ ہے کہ ان کی صحبت میں نہ رہو، ان کو ساتھ نہ رکھو، ان سے بے خوف نہ رہو۔ کیونکہ جو شخص ہر وقت اپنی جان کے اندیشے

میں رہے اور جان کا خوف ہر وقت اس کو لگا رہے وہ یقیناً پکا دشمن ہوتا ہے اور جس کی طرف سے اس کو خوف لگا رہتا ہے اس کو دکھ پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں کرتا ہے۔

:وَاِذَاقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْايَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْارُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ.سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْلَهُمْ.لَنْ يَّغْفِرَاللّٰهُ لَهُمْ.اِنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے (رسول اللہ ﷺ کے پاس) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ استغفار کریں تو وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ (اس ناصح اور استغفار کرنے والے سے) تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں۔اب آپ ان کیلئے استغفار کریں یا نہ کریں ان کے حق میں دونوں برابر ہیں،اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو (ہدایت) کی توفیق نہیں دیتا۔

:سوآء علیھم:ابن المنذر نے بروایت عروہ،مجاہد،قتادہ بیان نقل کیا کہ جب آیت:استغفرلھم اولا تستغفرلھم ان تستغفرلھم سبعین مرّۃ فلن یّغفراللّٰہ لھم: نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں ستر سے زیادہ بار دعائے مغفرت کروں گا۔اس پر آیت:سوآء علیھم:نازل ہوئی۔

ابن المنذر نے بحوالہ عوفی حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت برأت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے اجازت دی گئی ہے میں ستر مرتبہ سے زیادہ ان کے لئے استغفار کروں گا اس پر آیت :سوآء علیھم:نازل ہوئی۔

:القوم الفٰسقین: یعنی جو لوگ کفر و نفاق میں اتنے ڈوبے ہوئے ہیں کہ درستی احوال کا گمان بھی نہیں ہوسکتا اور ٹھیک ہونے کی امید کی حدود سے بھی باہر ہو گئے ان کو اللہ تعالیٰ جل شانہ تعالیٰ ہدایت یاب نہیں کرتا۔

(تفسیر مظھری اردو:ج 11:ص 324)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

ربط: اس سورت میں منافقین کی مذموم خصلتیں ذکر کی جارہی ہیں کہ وہ اسلام کے لبادہ میں کس طرح اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔مقصدِ بیان یہ ہے کہ ان کی یہ کوشش اسلام کو انشاءاللہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گی۔ساتھ ہی منافقین کے ذلیل اور گندے کردار کو واضح کر دیا گیا تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ نفاق کی علامات اور خصلتیں کیا ہوتی ہیں اور منافقین کا کردار کیسا ہوتا ہے۔اور اس طرح یہ حقیقت سمجھی جا سکے کہ ایسی خصلتوں کا حامل شخص

منافق ہی ہوسکتا ہے خواہ اپنی زبان سے مسلمان ہونے کا دعوی کرتا ہو۔فرمایا:

:اِذَاجَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْانَشْهَدُاِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ،وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُه،وَاللّٰهُ يَشْهَدُاِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ:(اے ہمارے پیغمبرﷺ!)جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں(گواہی تو نام ہے اس اقرار واعلان کا جو دل کے اعتقاد کے مطابق ہو اور منافق جب دل سے رسولِ خدا ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کا یہ کہنا کہ ہم گواہی دیتے ہیں جھوٹ اور دھوکہ ہوا،اس لئے ارشاد ہوا)اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس کے سچے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں(جب وہ واقع میں آپ ﷺ کی رسالت کے قائل ہی نہیں تو پھر اس طرح کا اظہار محض دھوکہ اور فریب ہے اور اپنی اغراض حاصل کرنے کے لئے اس زبانی اقرار کو بہانہ بنایا ہوا ہے۔حالانکہ خود بھی ان کو اس امر کا احساس ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں)۔

:اِتَّخَذُوْآاَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْاعَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ،اِنَّهُمْ سَآءَ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ:ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْاثُمَّ كَفَرُوْافَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ:ان منافقین نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے(جب بھی کوئی گرفت ہو تو قسمیں کھا کر اپنی جان بچالیں،مسلمانوں کے حملوں سے تحفظ ہو جائے کہ جس طرح دوسرے کافروں اور مشرکوں کے خلاف غزوات و جہاد کی صورت ہوتی ہے یہ ایسے حملوں سے بچے رہیں۔اسی کے ساتھ) پھر یہ(بھی مذموم حرکت کہ)روکتے ہیں،دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے۔یقیناً بہت ہی بُرا ہے یہ کام جو منافقین کر رہے ہیں(کیونکہ ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر صرف انہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسروں کو دھوکہ لگتا ہے اور اس کے علاوہ بھی دوسرے حربے اور طریقے استعمال کرتے ہیں تاکہ کوئی اسلام کے قریب نہ آئے۔تو ظاہر ہے اس سے زیادہ بُرا کردار کیا ہوسکتا ہے)یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ انہوں نے پہلے ایمان کا دعوی کیا پھر کفر کیا تو مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر، اس کا نتیجہ ہے کہ وہ اب کچھ نہیں سمجھتے(جب دلوں پر مہر لگ گئی تو اندر کے کفر اور گندگی کے نکلنے اور دُور ہونے کی توقع نہیں ہوسکتی اور نہ ہی باہر سے اب کوئی ہدایت و نصیحت ان کے دلوں تک سرایت کرسکتی ہے۔دل مسخ ہیں کفر و نفاق،جھوٹ اور دھوکہ کی گندگیاں اندر بھری ہیں مگر ظاہری حال انہوں نے ایسا بنا رکھا ہے کہ اے مخاطب!)۔

:وَاِذَارَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ،وَاِنْ يَّقُوْلُوْاتَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ، كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ، يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ،هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ،قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ: جب تُو اُن کو دیکھے تو تجھ کو اچھے لگیں گے ان کے اجسام(ڈیل ڈول میں بہت اچھے لگتے ہوں گے،چکنے چپڑے،اپنی وضع اور ہیئت ایسی بنائیں گے کہ ظاہری نظر سے دیکھنے والا ان کو بڑا ہی شریف اور بھلا مانس سمجھے)اور اگر وہ بات کریں تو ایسی(لچھے دار میٹھی باتیں

کریں کہ فصاحت وبلاغت اوران کی چرب لسانی کی بناء پرتوجہ کے ساتھ)تُو اُن کی بات سُننے لگے (اس ظاہری بناؤ سنوار،چکنی چپڑی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) گویا وہ لکڑیاں ہیں،جن کوسہارا دے کرکھڑا کردیا گیا ہے(جو دیکھنے میں موٹے تازے شہتیر نظر آتے ہیں لیکن وہ صرف دیکھنے ہی کی حد تک ہیں دیوار کے ساتھ کھڑے ہیں ان کے اندر کچھ نہیں ایسے کھوکھلے ہیں کہ ایک لمحہ بھی وہ سہارا نہ رہے تو گر پڑیں،اسی طرح منافقین اپنے نفاق کی گندگیوں اور ایمان وصداقت کے جوہر سے عاری ہونے کے باعث محض سہارے پر کھڑے ہیں،نہ ان کی کوئی بنیاد ہے اور نہ ان میں کوئی قوت ہے۔مضبوطی اور قوت تو ایمان وصداقت سے ہوتی ہے تو یہ اپنی کمزوری اور بزدلی میں ایسے ہیں کہ)ہر چیخ کو اپنے اوپر ایک بلا سمجھتے ہیں (بزدلی اور نامردی کا یہ عالم ہے کہ ذرا بھی کہیں شوروغل سُن لیں تو دل دھل جائیں اور سمجھنے لگیں کہ اب ہم پر کوئی آفت آئی ۔اور ہمہ وقت اس ڈر سے ان کے دل لرزتے رہتے ہیں کہ ہماری منافقانہ حرکتوں اور دغابازیوں کا پردہ چاک نہ ہو اور ایسا تو نہیں ہماری ان حرکتوں کی پاداش میں ہم پر کوئی افتاد پڑ جائے خواہ وہ کتنے ہی کمزور ہوں) بہرکیف (اے مخاطب! یا ہمارے پیغمبرﷺ !) ان سے بچتے رہو(دغابازوں سے احتیاط عقل وفطرت کا تقاضا ہے) خدا تعالیٰ انہیں غارت کرے کہاں بھٹک رہے ہیں۔

:وَاِذَاقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْايَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْارُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ:سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْلَهُمْ،لَنْ يَّغْفِرَاللّٰهُ لَهُمْ،اِنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: (منافقین اگر چہ اپنی بیہودہ خصلتوں اور دلوں کے روگ سے ایمان کی دولت)اور(اس کی صلاحیت کھو بیٹھے تھے مگر پھر بھی بعض مرتبہ جب ان کی منافقانہ سازشیں کھل جاتیں اور کذب وخیانت کا پردہ فاش ہو جاتا تو کچھ لوگ ان کو سمجھانے کا ارادہ کرتے تو ایسی صورت میں)جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آجاؤ(راہِ راست پر اور اپنی گندگیوں سے تائب ہوکر رسول اللہﷺ کے پاس معافی کے لئے حاضر ہو جاؤ۔تم اگر تائب ہوکر ایمان لاتے ہوئے رسول اللہﷺ کے پاس پہنچ جاؤ گے)تو استغفار کریں گے(اور معافی طلب کریں گے)تمہارے واسطے اللہ تعالیٰ کے رسولﷺ تو اپنے سر ہلاتے ہیں (تمسخر اور استہزاء کی شکل اختیار کرتے ہوئے گردن ہلا کر اور سر مٹکا کر رہ جاتے ہیں) اور حال یہ کہ وہ غرور وتکبر کرتے ہوتے ہیں (اور انتہائی بے ہودگی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہﷺ کے استغفار کی ضرورت نہیں۔تو ظاہر ہے کہ جو قوم اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رحمت اور معافی سے اس قدر بے رخی برتے اس کے واسطے یہی ہے کہ اے پیغمبرﷺ !)ان پر برابر ہے، کہ آپ ان کے واسطے استغفار کریں یا نہ کریں،اللہ تعالیٰ ہرگز ان کی مغفرت نہیں کرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ہے نافرمان لوگوں کو)۔

(معارف القرآن: ج8: ص119: ناشر: مکتبہ حسان بن ثابتؓ لاہور: سن طباعت 1434ھ)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

مضامین سورۃ:

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس میں منافقوں کی قباحت، ان کی سازش اور بزدلی کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اِن منافقوں کی بداعمالیوں کی قلعی اِس سورۃ میں کھولی ہے اور حضورﷺ کو اِن کی سازشوں سے آگاہ کیا ہے۔ اِن منافقوں سے مراد بالعموم اعتقادی منافق ہیں۔ کافروں میں سے ایک قسم اعتقادی منافقوں کی ہے بلکہ یہ کافروں سے بھی خطرناک لوگ ہوتے ہیں۔ جزائے عمل کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فرمان ہے: انّ المنٰفقین فی الدّرك الاسفل من النّار: منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے اور خطرناک ترین گڑھے میں ہوں گے۔

اعتقادی منافق:

منافق کی دو قسمیں ہیں، یعنی اعتقادی منافق اور عملی منافق۔ جن منافقین کا ذکر اس سورۃ میں آرہا ہے یا دیگر سورتوں میں ہوا ہے وہ منافقوں کی اعتقادی قسم ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں زیادہ تر اعتقادی منافق تھے، جنہوں نے دل سے تو اسلام کو قبول نہ کیا مگر اپنی اغراض اور مسلمانوں کی طرف سے کسی ممکنہ نقصان سے بچنے کے لئے ایسے لوگ زبان سے کلمہ پڑھ لیتے تھے، بظاہر نمازیں بھی پڑھتے تھے، اور بادل نخواستہ جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے مگر ایمان اُن کے دلوں میں نہیں اُترا تھا، لہٰذا وہ منافق کہلاتے تھے۔ سورۃ البقرہ کی ابتداء میں اس قسم کے منافقوں کا تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے: ومن النّاس من یقول۔ الخ: وہ کہتے تھے کہ ہم مومن ہیں مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ یہ مومن نہیں بلکہ دھوکے باز ہیں اور ابدی جہنمی ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس سورۃ کے ذریعے منافقوں کی برائیوں کو ظاہر کردیا تاکہ سچے مسلمان اِن سے بچ سکیں۔

منافقوں کی کذب بیانی:

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ: اے پیغمبرﷺ! جب یہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں: قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ: تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک البتہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: یہ جملہ معترضہ ہے: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ: اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بیشک آپ البتہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں: وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ: اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بیشک

منافقین البتہ جھوٹے ہیں۔ وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانتے ہیں اور نہ آپ کی رسالت پر یقین رکھتے ہیں، وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، صرف زبان سے کہہ رہے ہیں۔ اُن کے دلوں میں کفر ہی بھرا ہوا ہے، یہ اعتقادی منافق ہیں۔ جن کے نفاق کی اللہ تعالیٰ جل شانہ گواہی دے رہا ہے۔ اِن کے دل اور زبانیں متضاد ہیں، انہیں محض مال غنیمت یا دیگر مفادات سے غرض ہے، اس لئے یہ ظاہر میں کلمہ پڑھتے ہیں وگرنہ دل سے کافر ہی ہیں۔

منافقوں کی اسلام دشمنی:

ارشاد خداوندی ہے: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً: اِن لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ قسمیں اٹھا کر اہل ایمان کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم پکے سچے مسلمان ہیں۔ گویا اِن قسموں سے وہ مسلمانوں کی طرف سے کسی ممکنہ کاروائی کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور عام طور پر اہل ایمان مان لیتے ہیں کہ یہ واقعی سچے مومن ہیں۔ ایک تو ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے اور دوسری بات یہ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف آنے سے رُوکتے ہیں۔ اسلام کے خلاف پراپیگنڈا کر کے نئے مسلمان ہونے والوں کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، فرمایا: اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: بہت ہی بُرا کام ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا: اُن کی یہ کارگزاری اس وجہ سے ہے کہ پہلے انہوں نے ایمان کا اظہار کیا، اور پھر کفر کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ: کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہریں لگا دیئے۔ لہٰذا اب ان کے دلوں میں ایمان، نیکی اور حق سرایت نہیں کر سکتا۔ اُن کے دل ہر اچھے عقیدہ اور اچھے عمل سے بند ہو چکے ہیں۔ ان میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی: فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ: پس یہ سمجھتے ہی نہیں۔

فرمایا: وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ: جب آپ ان کی طرف دیکھیں گے تو ان کے جسم آپ کو بڑے بھلے معلوم ہوں گے۔ ان کی ظاہری ڈیل ڈول اور وضع قطع بالکل ٹھیک ٹھاک اور متاثر کن ہے: وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ: اور ان کی بات چیت بھی ایسی ہے کہ آپ کو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے، اور آپ ان کی بات سنتے ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ لوگ وہ کچھ نہیں جو ظاہر میں نظر آتے ہیں۔

فرمایا: اُن کی مثال ایسی ہے: كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ: گویا وہ ایک لکڑی ہیں جسے دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا گیا ہو۔ وہ لوگ عقیدے اور ایمان کے لحاظ سے باطن سے اس قدر کھوکھلے ہیں کہ بغیر سہارے کے کھڑا بھی نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ یہ اُوپر سے بالکل ٹھیک ٹھاک معلوم ہوتے ہیں۔

ہر وقت کھٹکا:

فرمایا: منافق لوگ اندر سے کھوکھلے ہیں اور اس قدر بزدل ہیں: یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْھِمْ: وہ ہر چیز کو اپنے خلاف ہی گمان کرتے ہیں۔

منافقوں سے بچنے کی ضرورت:

فرمایا: ان منافقوں کا بھی یہی حال ہے: ھُمُ الْعَدُوُّ: یہ مسلمانوں کے پکے دشمن ہیں: فَاحْذَرْھُمْ: لہٰذا ان سے بچتے رہو: فرمایا: منافق اسلام کے بدترین دشمن ہیں: قَاتَلَھُمُ اللّٰہُ: اللہ تعالیٰ ان کو غارت کرے: اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ: یہ کدھر پھیرے جارہے ہیں۔ نہ سوچتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور نہ ان کی کوئی بات ٹھیک ہوتی ہے۔ ہر وقت دھوکہ فریب، خود غرضی اور جھوٹی قسمیں ان کا معمول ہے۔ ان میں حق کو سمجھنے کی ذرّا بھی تمیز نہیں، انہیں سابقہ اعمال سے توبہ کر کے حق کو قبول کر لینا چاہئے۔

ربط آیات: اللہ تعالیٰ جل شانہ نے منافقین کے فریب اور جھوٹ کی قلعی کھولی ہے اور ان کے بزدلی کا حال ذکر کیا ہے اور یہ کہ وہ جھوٹی قسمیں اٹھا کر بات کرتے ہیں اور پھر جھوٹی قسم اٹھا کر انکار کر دیتے ہیں۔ بظاہر کہتے ہیں کہ ہم ایمان دار ہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ﷺ کو رسول جانتے ہیں، مگر یہ بات اُن کے دل میں نہیں ہوتی۔ اظہارِ ایمان کے بعد دل میں کفر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُن کے دلوں پر ٹھپے لگا دیئے ہیں۔ انہیں سمجھ ہی نہیں ہے۔ یہ لوگ ظاہری ڈیل ڈول اور شکل وصورت کے اعتبار سے بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن اندر سے اس طرح کھوکھلے ہیں جیسے کسی دیمک خوردہ لکڑی کو دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا گیا ہو۔ یہ لوگ پرلے درجے کے بزدل بھی ہیں۔ جونہی کوئی چیخ آتی ہے تو سمجھتے ہے کہ وہ اس سے تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایسے منافقوں سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔

معافی کی درخواست سے اعراض:

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے منافقوں کی بعض دوسری برائیوں کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ، اللہ تعالیٰ جل شانہ کا رسول ﷺ تمہارے لئے بخشش طلب کرے: لَوَّوْا رُءُوْسَھُمْ: یہ لوگ اپنے سروں کو ٹھکاتے ہیں: وَرَاَیْتَھُمْ یَصُدُّوْنَ: اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ رُکتے ہیں: وَھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ: اور وہ غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جب منافقین کے فائدے کی بات کی جاتی ہے کہ تمہاری شرارتیں، کذب بیانی، خیانت وغیرہ کا پردہ فاش ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے دعا کراؤ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہاری

ان غلطیوں کو معاف کرے تو وہ اکثر دکھاتے ہیں اور حضور ﷺ کے پاس حاضر نہیں ہوتے اور بعض بد بخت تو صاف طور پر کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں دعا کرانے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ سے معافی طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لوگ اس قدر مغرور تھے کہ کہنے کے باوجود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ جل شانہ سے معافی طلب کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔

منافقین کے لئے عدمِ معافی کا اعلان:

پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ: اُن کیلئے برابر ہے، آپ اُن کیلئے بخشش کی دعا کریں یا نہ کریں: لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ: اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ ایسے بد بخت لوگ ہیں کہ اگر وہ لوگ آپ کے پاس آ بھی جائیں اور آپ اُن کے لئے دعا بھی کریں، مگر اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کا قانون ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: بیشک اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھاتا۔ یہ لوگ ضدی، عنادی اور دل کے کھوٹے ہیں۔ وہ اس حالت سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتے۔ اس واسطے اُن کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ (معالم العرفان فی دُروس القرآن: ج18: ص427)

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول ہے، اور یہ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (اس میں تو اُن کے قول کی تکذیب نہیں کی جاتی) اور (باوجود اس کے) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں (کہ ہم دل سے گواہی دیتے ہیں، کیونکہ وہ گواہی محض زبانی ہے اعتقادِ قلب سے نہیں)۔

ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنی جان و مال کو بچانے کیلئے) ڈھال بنا رکھا ہے (کیونکہ اظہارِ کفر کرتے تو ان کی حالت بھی مثل دوسرے کفار کے ہو جاتی کہ جہاد کیا جاتا اور قتل و غارت ہوتا) پھر (اس لازمی خرابی کے ساتھ متعدی خرابی بھی ہے کہ) یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں، بیشک ان کے یہ اعمال بہت ہی بُری ہیں (اور ہمارا) یہ (کہنا کہ ان کے اعمال بہت بُرے ہیں) اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ (اوّل ظاہر میں) ایمان لے آئے پھر (اپنے شیاطین کے پاس جا کر کلمات کفریہ: اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ: کہہ کر) کافر ہو گئے (مطلب یہ کہ اُن پر بُرے اعمال کا حکم کرنا اُن کے نفاق کے سبب سے ہے کہ وہ بدترین عمل کفر ہے) سو (اس نفاق کی وجہ سے) اُن کے

دلوں پر مُہر کردی گئی، تو یہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے۔

اور (ظاہر میں یہ ایسے چکنے چپڑیں ہیں کہ) جب آپ اُن کو دیکھیں (تو ظاہری شان وشوکت کی وجہ سے) اُن کے قد وقامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور (باتوں میں ایسے ہیں کہ) اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات (غایتِ فصاحت وشیرینی کی وجہ سے) سُن لیں (لیکن چونکہ) اندر خاک بھی نہیں ہے اس لئے قد وقامت ظاہری کے ساتھ باطنی کمالات سے خالی ہونے کے سبب ان کی ایسی مثال ہے کہ) گویا یہ لکڑیاں ہیں جو (دیوار کے) سہارے سے لگائی ہوئی (کھڑی) ہیں (کہ جثہ میں تو لمبی چوڑی موٹی موٹی مگر بے جان محض، اور عام عادت یہ ہے کہ اکثر جو لکڑی فی الحال کام میں نہیں لگتی وہ اس طرح رکھ دی جاتی ہے۔ ایسی لکڑی بے نفع محض بھی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ ظاہری دیکھنے میں تو شاندار ہیں لیکن اندر سے محض بیکار اور چونکہ بوجہ عدمِ اخلاص وعدمِ ایمان کے ہر وقت ان کو اندیشہ رہتا ہے کہ کبھی مسلمانوں کو ہمارے حال کی اطلاع کسی قرینہ سے یا بذریعہ وحی کے نہ ہو جاوے اور مثل دیگر کفار کے ہم پر بھی جہاد وغیرہ نہ ہونے لگے اس خیال سے ایسے خائف رہتے ہیں کہ) ہر غُل پکار کو (کو کسی وجہ سے ہو) اپنے ہی اوپر (پڑنے والی) خیال کرنے لگتے ہیں (یعنی جب کوئی شور وغل ہوتا ہے یہی سمجھتے ہیں کہ کہیں ہمارے اوپر بھی افتاد پڑنے والی نہ ہو، حقیقت میں) یہی لوگ (تمہارے پورے) دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہئے (یعنی اُن کی کسی بات پر اعتماد نہ کیجئے) خدا تعالیٰ اُن کو غارت کریں کہاں (دینِ حق سے) پھرے چلے جاتے ہیں (یعنی روزانہ دُور ہی ہوتے جاتے ہیں) اور (ان کے تکبر اور غرور کی یہ کیفیت ہے کہ) جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کے پاس) آؤ، تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ استغفار کردیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ﷺ اُن کو دیکھیں گے کہ وہ (اس خیر خواہی اور استغفارِ رسول ﷺ سے) تکبر کرتے ہوئے بے رُخی کرتے ہیں (جب اُن کے کفر کی یہ حالت ہے تو) اُن کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ اُن کیلئے استغفار کریں یا اُن کیلئے استغفار نہ کریں اللہ تعالیٰ اُن کو ہرگز نہ بخشے گا (مطلب یہ کہ اگر وہ آپ کے پاس آتے بھی اور آپ ان کی ظاہری حالت کے اعتبار سے استغفار بھی فرماتے تب بھی اُن کو کچھ نفع نہ ہوتا۔ یہ تو ماضی کے اعتبار سے اُن کی حالت ہوئی، اور آئندہ کیلئے یہ ہے کہ) بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو (توفیق) ہدایت (کی) نہیں دیتا۔

معارف ومسائل:

بدر واُحد اور احزاب کی جنگوں نے تو بذریعہ تلوار اس قوم پرستی اور وطن پرستی کے بُت کے ٹکڑے اڑائے ہیں، جس نے ثابت کردیا کہ مسلمان کسی قوم ووطن اور کسی رنگ وزبان کا ہو وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ

جل شانہ و رسول ﷺ کو نہ مانے وہ اگر چہ حقیقی بھائی اور باپ ہی کیوں نہ ہو وہ دشمن ہے۔

:وَاِذَاقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ،الاية: عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین جس کے معاملہ میں یہ سورت نازل ہوئی ہے جس میں اس کی قسموں کا جھوٹا ہونا واضح کردیا گیا۔تو لوگوں نے اس کو از راہِ خیر خواہی یہ کہا کہ تجھے معلوم ہے کہ تیرے بارے میں قرآن میں کیا نازل ہوا ہے۔اب بھی وقت نہیں گیا۔تُو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جا،(اور اعترافِ جرم کرلے)تو رسول اللہ ﷺ تیرے لئے استغفار فرمادیں گے،اس نے جواب میں کہا کہ تم لوگوں نے مجھے کہا کہ ایمان لے آؤ، میں نے ایمان اختیار کرلیا،پھر تم نے مجھے اپنے مال میں سے زکوۃ دینے کو کہا وہ دینے لگا۔اب اس کے سوا کیا رہ گیا ہے کہ میں محمد ﷺ کو سجدہ کیا کروں،اس پر آیات مذکورہ نازل ہوئی۔جن میں واضح کردیا گیا کہ جب اُس کے دل میں ایمان ہی نہیں تو اس کے لئے کسی کا استغفار نافع نہیں ہوسکتا۔

(معارف القرآن: ج8: ص573)

ان آیات کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

:اذاجآء ك المنٰفقون: منافقوں پر شکوی۔ان کا دعوائے ایمان محض زبانی ہے اور وہ سراسر جھوٹے ہیں۔

:اتّخذوا ايمانهم: منافقوں پر زجر اور ان کی خباثت کا بیان۔وہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے ایمان کا یقین دلاتے اور اپنے بن کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دین سے روکتے ہیں۔

:واذارايتهم تعجبك اجسامهم: وہ بظاہر تندرست وتوانا اور خیر خواہ معلوم ہوتے ہیں۔مگر درحقیقت وہ بدترین دشمن ہیں ان سے بچ کر رہئے۔

:وَاِذَاقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا: جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ توبہ کرلو،اللہ تعالیٰ جل شانہ کا پیغمبر ﷺ بھی تمہارے لئے استغفار کرے گا،تو غرور واستکبار سے سر ہلاتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہ کہو۔

:اذاجآء ك المنفقون(الى قوله)اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: منافقین پر شکوی ہے۔منافقین کے اعمالِ خبیثہ اور ان کے ناپاک عزائم کو واشگاف کر کے مسلمانوں کو ان سے متنفر کیا گیا ہے،تا کہ وہ ان سے دُور رہیں۔

:قالوانشهدانّك لرسول اللّٰه: منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم دل و جان سے آپ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں۔منافقین کا یہ دعوی چونکہ حق وصداقت کے خلاف تھا۔کیونکہ وہ صرف زبان ہی سے رسالت کا اقرار کرتے تھے،لیکن ان کے دل ایمان وتصدیق سے خالی تھے اس لئے اللہ تعالیٰ جل

شانہ نے ان کے اس دعوے کی تکذیب فرمائی۔

:والله یشهدانّ المنٰفقین لکٰذبون: کہ اللہ تعالیٰ اعلان فرماتا ہے کہ منافقین اپنے اس دعوے میں سراسر جھوٹے ہیں۔ درمیان میں: والله یعلم انّک لرسوله: جملۂ معترضہ لایا گیا تاکہ یہ وہم نہ کیا جا سکے کہ :لکٰذبون: کا تعلق نفسِ خبر: انّک لرسول الله: سے ہے۔ تو اب معلوم ہوگیا کہ منافقین کو نفسِ خبر میں جھوٹا نہیں کہا گیا بلکہ انہیں ان کے اس دعوے میں جھوٹا کہا گیا ہے کہ ان کا یہ زبانی قول دل کے اعتقاد کے مطابق ہے۔ یا: لکٰذبون: کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اس صفائی میں جھوٹے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے خلاف کوئی بات نہیں کہی۔ ظاہر قرآن سے اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

:اتّخذوا ایمانهم: یہ منافقین پر زجر ہے: جنّة: انہوں نے جھوٹی قسموں کو دنیوی سزا سے بچنے کیلئے ڈھال بنا رکھا ہے اور لوگوں کو دینِ اسلام اور توحید سے روکتے ہیں ان کا یہ کردار نہایت بُرا ہے۔

:ذلک بانّهم: یہ اس لئے کہ زبان سے تو انہوں نے ایمان کا اقرار کیا، لیکن دل میں کفر رکھا جو آخر ان کے کردار و گفتار سے ظاہر ہو کر رہا۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کو ایمانِ خالص کی توفیق اور حقیقتِ ایمان کے فہم سے محروم کر دیا۔

:واذا رایتهم: جب منافقین کو آپ دیکھتے ہیں تو حسن و جمال اور جسمانی ڈیل ڈول کی وجہ سے وہ آپ کو بھلے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی باتیں بھی آپ بغور سنتے ہیں، کیونکہ وہ فصاحت و بلاغت، شیریں کلامی اور چرب زبانی میں ماہر ہیں اور اپنی دلیری اور بہادری کی ڈینگیں مارتے ہیں۔

:کانهم خشب مسندة: یہ کلام مستأنف ہے اور اس میں منافقین کے ایمان سے خالی ہونے کا بیان ہے۔ جس طرح بیکار لکڑی دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی جاتی ہے جو نہ ستون ہو نہ شہتیر نہ کڑی، الغرض فائدے سے خالی ہو۔ اسی طرح یہ منافقین جو آپ کی مجلسوں میں دیواروں سے تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں محض بے کار اور ایمان سے خالی ہیں۔

:یحسبون: منافقین کے دلوں میں چونکہ چور ہے اور وہ اپنی خباثتوں کو خوب جانتے ہیں اس لئے ہر وقت خوفزدہ اور ہراساں رہتے ہیں اور جب بھی کوئی آواز سنتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہماری خیر نہیں اور یہ ہماری ہی موت کا پیغام اور ہمارے ہی خلاف کوئی اعلان ہے۔ یہ ملعون آپ کے سب سے بڑے دشمن ہیں ان سے بچئے اور ان کی چالوں سے خبردار رہئے وہ کس طرح حق سے کفر و ضلال کی طرف پھیرے جا رہے ہیں۔

:واذا قیل لهم: جب منافقین کی تکذیب نازل ہوئی تو تمام مسلمانوں نے عبداللہ بن ابی اور اس کے

ساتھیوں کو ملامت کیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کرنے کا مشورہ دیا، خود رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلا بھیجا تا کہ وہ سچے دل سے ایمان لے آئیں اور نفاق سے توبہ کرلیں تو آپ ان کیلئے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے استغفار کریں اور ان کیلئے معافی کی درخواست کریں تو انہوں نے کمال بے اعتنائی سے کبر وغرور کے ساتھ اس سے اعراض کیا اور خدمت عالیہ میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔

:سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ :یہ منافقین، نفاق اور ضد وعناد کی انتہاء کو پہنچ چکے ہیں۔اس لئے ان کے دلوں پر مہر جباریت ثبت ہو چکی ہے اور ان سے توبہ کرنے اور راہِ راست پر آنے کی توفیق سلب کر لی گئی ہے۔اس لئے آپ ان کیلئے استغفار کریں یا نہ کریں، اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ایسے فساق وفجار کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا جو راہِ راست پر نہ آنا چاہیں۔

فائدہ: اپنی مجلس میں منافق طعن اور عیب مسلمانوں کا کہتے جب ان پر پکڑ ہوتی منکر ہو کر قسم کھا جاتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔

فائدہ: یعنی دیکھنے کے مرد آدمی اور دل میں نامرد اور دغاباز ہے۔(جواھر القرآن: ج3: ص1262)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

شان نزول کا واقعہ:

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ رات کے وقت چند منافق جمع تھے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہماری باتیں کوئی نہیں سن رہا۔انہوں نے آپس میں حضور اکرم ﷺ اور قرآن اور اسلام کے خلاف باتیں کیں۔حضور اکرم ﷺ کے متعلق کہا کہ دیکھو جی اس کا پیٹ ہی نہیں بھرتا، مدینہ پر قبضہ کیا، پھر مکہ پر قبضہ کیا، پھر خیبر پر اور اب رومیوں کے خلاف لڑنا چاہتا ہے۔ پھر کہنے لگے یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم نے ان کو مکان دیئے، خرچہ دیا اور ان کے ساتھ تعاون کیا۔عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے کہا کہ میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں اس ذلیل یعنی حضور اکرم ﷺ (معاذ اللہ) کو مدینہ سے نکالوں گا۔حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی یہ باتیں سنیں اور اپنے چچا کے سامنے پیش کر دیئے۔چچا نے یہ باتیں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔حضور اکرم ﷺ نے عبداللہ بن ابی منافق کو بلایا اور اُس سے پوچھا کہ تُو نے یہ باتیں کی ہیں؟ تو اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ حضرت! وہ زبانیں نہ جل جائیں، وہ ہونٹ نہ فنا ہو جائیں جو ایسی باتیں کریں۔حضرت! اس کو کہو کہ گواہ پیش کرے۔قسمیں کھا کر حضور اکرم ﷺ کو خوب مطمئن کیا۔حضور اکرم ﷺ نے ان کی قسموں پر اعتبار کیا۔

بخاری شریف کی روایت ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اُس کی تصدیق کی اور مجھے جھٹلایا۔ یہاں تک کہ دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی اور میرے چچا نے بھی مجھے کہا کہ احمق تُو نے کیسی بات کی ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے تجھے جھوٹا کہا ہے، اب تجھے سچا کون کہے گا؟ یہاں تک کہ یہ سورت نازل ہوئی اور حضور اکرم ﷺ نے مجھے بلا کر کہا: اے زید! بیشک اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تیری تصدیق کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس سورت کے ذریعے منافقوں کی بُرائیوں کو ظاہر کر دیا تا کہ سچے مسلمان اُن سے بچ سکیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ: جب آتے ہیں آپ کے پاس منافق تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ہیں۔ شریعت کی زبان میں منافق اُسے کہتے ہیں جو زبان سے اقرار کرتا ہے مگر دل سے تسلیم نہیں کرتا۔

نفاق کی قسمیں:

فقہائے کرامؒ محدثین عظامؒ اور مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نفاق اعتقادی ہے اور دوسرا نفاق عملی ہے۔

اعتقادی منافق وہ ہوتا ہے جو دل سے بالکل تسلیم نہیں کرتا، یعنی اس کے دل میں بالکل ایمان نہیں ہوتا۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے کہتا ہے کہ میں مومن ہوں۔ یہ منافق..... کافر اور مشرک سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی سزا بھی سب سے زیادہ سخت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ: بیشک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے۔ جو سب سے زیادہ سزا والا طبقہ ہے۔

دوسرا نفاقِ عملی ہے۔ عملی نفاق اُسے کہتے ہیں کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہوتا ہے مگر عمل منافقوں والے کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ: جب آتے ہیں آپ ﷺ کے پاس منافق تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک البتہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول ہیں: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ: اور اللہ تعالیٰ جل شانہ جانتا ہے کہ بیشک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اتنی بات تو ان کی ٹھیک ہے اور باوجود اس کے: وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ: اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بیشک منافق البتہ جھوٹے ہیں۔ کیونکہ ان کی گواہی محض زبانی ہے دل سے منکر ہیں، نہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی وحدانیت کو مانتے ہیں اور نہ آپ ﷺ کی رسالت ﷺ پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں زبان سے کہہ رہے ہیں ان کے دلوں میں کفر بھرا

ہوا ہے۔

:اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً: بنالیا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال۔الزام سے بچنے کیلئے قسمیں اُٹھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔جیسا کہ :سورۃ التوبہ:میں ہے:یحلفون باللّٰہ ماقالوا:وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اُٹھاتے ہیں کہ انہوں نے وہ بات نہیں کہی:ولقدقالوا کلمۃ الکفر :حالانکہ بہ تحقیق انہوں نے کلمۂ کفر کہا ہے۔الزام سے بچنے کے لئے انہوں نے قسموں کو ڈھال بنایا ہے۔

:فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ:پس روکتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے دوسرے لوگوں کو بھی۔اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے نئے مسلمان ہونے والے کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں:اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ: بیشک یہ لوگ بُرا ہے وہ جو کام کرتے ہیں۔منافقت اور جھوٹا ایمان اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا یہ سب بُرے کام ہیں۔

فرمایا:ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا: یہ قبیح حرکتیں اور خباثتیں جو ان سے ہوتی ہیں اس وجہ سے کہ بیشک وہ ایمان لائے ظاہری طور پر،یعنی زبان سے ایمان ظاہر کیا:ثُمَّ کَفَرُوْا: پھر انہوں نے کفر کیا۔دل سے کفر پر اَڑے رہے،اس وجہ سے:فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ:پس مہر لگا دی گئی اُن کے دلوں پر۔لہٰذا اب ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوگا کہ ان کے دلوں میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی:فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ: پس وہ نہیں سمجھتے حق کو نہ ایمان کو اور نہ بھلائی کو۔

چونکہ یہ لوگ آخرت سے بے فکر ہیں اور انجام سے بے خبر ہیں،لہٰذا جسم اُن کے موٹے تازے ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ:اور جب آپ اُن کو دیکھتے ہیں،تعجب میں ڈالتے ہیں آپ کو اُن کی جسم۔ظاہری ڈیل ڈول،وضع قطع بالکل ٹھیک ٹھاک ہے دیکھ کر آدمی متاثر ہوتا ہے کہ یہ لوگ بڑے معزز ہیں مگر اندر سے گندے اور کمینے ہیں:وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِمْ: اور اگر وہ بات کریں گے تو آپ سنیں گے اُن کی بات کو کہ وہ بات اس انداز سے کرتے ہیں کہ آپ کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے لیکن حقیقت سے خالی ہوتی ہے :کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ: گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں جنہیں دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑا کر دیا گیا ہے کہ وجود میں تو لمبی چوڑی ہیں مگر بے جان ہیں۔یہی حال منافقین کا ہے کہ ظاہری طور پر بڑے ڈیل ڈول والے ہیں مگر بالکل بے مغز ہیں جیسے ڈھول کا اندر بالکل خالی ہوتا ہے۔

فرمایا:یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْھِمْ: گمان کرتے ہیں ہر چیخ کو اپنے برخلاف۔ایمان اخلاص نہ

ہونے کی وجہ سے ہر وقت خوفزدہ رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ لشکر میں اگر کوئی گمشدہ جانور کے لئے آواز دے یا کسی اور وجہ سے آواز دی جاتی ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اُوپر کوئی آفت آنے والی ہے: هُمُ الْعَدُوُّ: یہی دشمن ہیں: فَاحْذَرْهُمْ: پس آپ ان سے بچتے رہیں۔ ان کی کسی بات پر اعتماد نہ کریں: قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ: اللہ تعالیٰ جل شانہ اُن کو تباہ کرے دین حق سے دُور جارہے ہیں: اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ: کدھر پھیرے جارہے ہیں ایمان سے۔

دلیل قائم ہونے کے بعد پھر منافقوں کی حماقت دیکھو کہ: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اور جب اُن سے کہا جاتا ہے آؤ معذرت کرلو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی غلطیوں کی: يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ: بخشش طلب کرے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا رسول ﷺ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے: لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ: تو مٹکاتے ہیں اپنے سروں کو کہ ان سے معذرت کریں، اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں: وَرَاَيْتَهُمْ: اور آپ اُن کو دیکھتے ہیں: يَصُدُّوْنَ: رُکتے ہیں، اعراض کرتے ہیں معذرت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں: وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ: اور وہ تکبر کرنے والے ہیں کہ ہمیں بخشش کی ضرورت نہیں ہے۔

منافقوں کے جو مخلص اور مومن قریبی رشتہ دار تھے انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ حضرت! یہ تو احمق ہیں لیکن اگر آپ ان بدبختوں کے لئے مغفرت مانگیں شاید اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کو معاف کردے اور ایمان کی توفیق عطا فرمادے۔ حضور اکرم ﷺ نے استغفار کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ ﷺ کو آگاہ فرمادیا۔

ارشاد ربانی ہے: سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ: برابر ہے ان کیلئے کہ آپ ان کے لئے بخشش طلب کریں یا بخشش طلب نہ کریں: لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ: ہرگز نہیں بخشے گا اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کو۔ کیونکہ ان میں ہدایت کی طلب نہیں ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: بیشک اللہ تعالیٰ جل شانہ ہدایت نہیں دیتا نافرمان قوم کو۔ یہ لوگ ضدی ہیں، کھوٹے ہیں اور کفر سے باہر نکلنا نہیں چاہتے۔ لہٰذا ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوسکتی۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ج20: ص213)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (الی قولہ) قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ: تیرے پاس جب منافق آتے ہیں کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ بیشک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یقیناً تُو اُس کا رسول ہے، اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، پس اللہ تعالیٰ کی راہ سے رُک گئے، بیشک بُرا ہے وہ جو کام کررہے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ

ایمان لاکر پھر کافر ہو گئے، پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی، اب یہ نہیں سمجھتے۔ جب تُو انہیں دیکھیں تو ان کے جسم خوشنما معلوم ہوں، یہ جب باتیں کرنے لگیں تو تُو ان کی باتوں پر اپنے کان لگا لے، گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں سہارے سے لگائی ہوئیں، ہر سخت آواز کو اپنی ہی ہلاکی سمجھتے ہیں، ان سے بچتا رہ، اللہ تعالیٰ انہیں غارت کرے، کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ منافقوں کے نفاق کو ظاہر کرتا ہے کہ گویہ تیرے پاس آکر قسمیں کھا کھا کر اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں، تیری رسالت کا اقرار کرتے ہیں مگر دراصل دل کے کھوٹے ہیں، فی الواقع آپ رسول اللہ بھی ہیں، ان کا یہ قول بھی ہے مگر چونکہ دل میں اس کا کوئی اثر نہیں، لہذا یہ جھوٹے ہیں۔ یہ تجھے رسول اللہ مانتے ہیں اس بارے میں اگر یہ سچے ہونے کے لئے قسمیں بھی کھائیں لیکن آپ یقین نہ کیجئے۔ یہ قسمیں تو ان کے پاس ہاتھ کا کھیل ہے، یہ تو اپنے جھوٹ کو سچ بنانے کا ایک ذریعہ ہیں، مقصد یہ ہے کہ مسلمان ان سے ہوشیار رہیں کہیں انہیں سچا ایماندار سمجھ کر کسی بات میں ان کی تقلید نہ کرنے لگیں کہ یہ اسلام کے رنگ میں تم کو کفر کا ارتکاب کرا دیں، یہ بداعمال لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ سے دور ہیں۔ ضحاک کی قراءت میں: ایمانھم: الف کی زیر کے ساتھ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی ظاہری تصدیق کو اپنے لئے تقیہ بنالیا ہے کہ قتل سے اور حکم کفر سے دنیا میں بچ جائیں۔

یہ نفاق ان کے دلوں میں اس گناہ کی شومی کے باعث رچ گیا ہے کہ ایمان سے پھر کر کفر کی طرف اور ہدایت سے ہٹ کر ضلالت کی جانب آگئے ہیں، اب دلوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے اور بات کی تہہ کو پہنچنے کی قابلیت سلب ہو چکی ہے، بظاہر تو خوش رو خوش گو ہیں اس فصاحت اور بلاغت سے گفتگو کرتے ہیں کہ خواہ مخواہ دوسرے کے دل کو مائل کر لیں، لیکن باطن میں بڑے کھوٹے بڑے کمزور دل والے نامراد اور بدنیت ہیں، جہاں کوئی بھی واقعہ رونما ہوا اور سمجھ بیٹھے کہ ہائے مرے۔ اور جگہ ہے: اشحۃ علیکم الخ: تمہارے مقابلہ میں بخل کرتے ہیں۔

پھر جس وقت خوف ہوتا ہے تو تمہاری طرف اس طرح آنکھیں پھیر پھیر کر دیکھتے ہیں گویا کسی شخص پر موت کی بیہوشی طاری ہے، پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو تمہیں اپنی بدکلامی سے ایذا دیتے ہیں، اور مال غنیمت کی حرص میں نہ کہنے کی باتیں کہہ گزرتے ہیں، یہ بے ایمان ہیں ان کے اعمال غارت ہیں، اللہ تعالیٰ جل شانہ پر یہ امر نہایت ہی آسان ہے، پس ان کی یہ آوازیں خالی پیٹ کی ڈھول کی بلند بانگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں، یہی تمہارے دشمن ہیں ان کی چکنی چپڑی باتوں اور ثقہ اور مسکین صورتوں کے دھوکے میں نہ آجانا، اللہ تعالیٰ جل شانہ انہیں برباد کرے ذرا سوچیں تو کیوں ہدایت کو چھوڑ کر بے راہی پر چل رہے ہیں؟

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافقوں کی بہت سی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچان لئے جاتے ہیں، ان کا سلام لعنت ہیں، ان کی خوراک لوٹ مار ہے، ان کی غنیمت حرام اور خیانت ہے، وہ مسجدوں کی نزدیکی ناپسند کرتے ہیں، وہ نمازوں کیلئے آخری وقت آتے ہیں، تکبر اور نخوت والے ہوتے ہیں، نرمی اور سلوک تواضع اور انکساری سے محروم ہوتے ہیں، نہ خود ان کاموں کو کریں نہ دوسروں کے ان کاموں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں، رات کی لکڑیاں اور دن کے شور وغل کرنے والے۔ اور روایت میں ہے دن کو خوب کھانے پینے والے اور رات کو خشک لکڑیاں کی طرح پڑ رہنے والے۔

وَاِذَاقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (الی قوله) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ استغفار کریں تو اپنے سر مٹکاتے ہیں اور تُو دیکھے گا کہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔ ان کے حق میں آپ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

منافقوں کی محرومی سعادت کے اسباب:

ملعون منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں پر جب ان سے سچے مسلمان کہتے ہیں کہ آؤ رسول کریم ﷺ تمہارے لئے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا تو یہ تکبر کے ساتھ سر ہلانے لگتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں اور رُک جاتے ہیں اور اس بات کو حقارت کے ساتھ رد کر دیتے ہیں۔ اس کا بدلہ یہی ہے کہ اب ان کے لئے بخشش کے دروازے بند ہیں نبی کریم ﷺ کا استغفار بھی انہیں کچھ نفع نہ دے گا۔ بھلا ان فاسقوں کی قسمت میں ہدایت کہاں؟ سورۂ براۃ میں بھی اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہیں اور وہی اس کی تفسیر اور ساتھ ہی اس کے متعلق کی حدیثیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ سفیان راوی نے اپنا منہ دائیں جانب پھیر لیا تھا اور غضب وتکبر کے ساتھ ترچھی آنکھ سے گور کر دکھایا تھا اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اور سلف میں سے اکثر حضرات کا فرمان ہے کہ یہ سب کا سب بیان عبداللہ بن ابی بن سلول کا ہے جیسے کہ عنقریب آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر ابن کثیر: ج 5: ص 357)

سورة الكافرون

:قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ،لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ،وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ،وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ،وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ،لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ:(سورة الكفرون)

ترجمہ: تو کہہ اے منکرو! میں نہیں پُوجتا جس کو تم پوجتے ہو، اور نہ تم پُوجو جس کو میں پُوجوں اور نہ مجھ کو پُوجنا ہے اُس کا جس کو تم نے پُوجا، اور نہ تم کو پُوجنا ہے اس کا جس کو میں پُوجوں، تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔

اس سورت کے تحت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

:والضحیٰ: کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا ہے منجملہ ان کے مسئلۂ توحید اور:تبرّی عن الشرك: ہے، اِس سورت میں اس کا بیان ہے۔

اس سورت میں توحید اور مشرکین سے مخالفت کا اظہار کرنا ہے:

اور سبب نزول اس سورت کا یہ ہے کہ ایک بار چند روساء کفار نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آیئے ہمارے معبودوں کی آپ عبادت کیا کیجئے اور آپ کے معبود کی ہم عبادت کیا کریں، جس میں ہم اور آپ طریق دین میں شریک رہیں، جونسا طریقہ ٹھیک ہوگا اس سے سب کو کچھ کچھ حصہ مل جائے گا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

:قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (الی قولہ) لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ: آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اے کافرو! (میرا تمہارا طریقہ متحد نہیں ہوسکتا اور) نہ تو (فی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ (آئندہ استقبال میں) مَیں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے (احقر کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ مَیں موحد ہو کر شرک نہیں کرسکتا نہ اب نہ آئندہ، اور تم مشرک

ہوکر موحد نہیں قرار دیئے جاسکتے نہ اب نہ آئندہ، یعنی توحید وشرک جمع نہیں ہوسکتے۔ جب تک تم اپنے معبودوں کے عابد اور مشرک رہو گے، اُس وقت تک میرے معبود کے عابد یعنی موحد نہ سمجھے جاؤ گے۔ آگے توحید وشرک کا انجام ارشاد ہے کہ) تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔ (اس میں اُن کے شرک پر وعید بھی سُنا دی گئی)۔

(بیان القرآن: ج2: ص 1157)

اس سورت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ابن حاتم نے سعید کی روایت بیان کی ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ ﷺ سے ملے اور کہا محمد ﷺ! آؤ تم اس کی پوجا کرو جس کو ہم پوجتے ہیں اور ہم اس کی پوجا کریں جس کو تم پوجتے ہو، اس تمام معاملہ میں ہم تم شریک ہوجائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے نازل فرمایا:

:قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ: یہ خطاب خاص طور پر کافروں کی اس جماعت کو ہے جو صلح کے خواستگار تھے مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کو معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

:لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ: میں کبھی ان بتوں کی پوجا نہیں کروں گا جن کی تم کرتے ہو عبادت میں بالکل علیحدگی اور رسول اللہ ﷺ کا ان کی عبادت سے الگ ہونا تو گفتگو کے زمانہ میں ظاہر ہی تھا اس لئے آیت میں فی الحال عبادت کی نفی نہیں ہے بلکہ آئندہ زمانہ میں عبادت میں متفق بننے کی نفی ہے کیونکہ وہ لوگ آئندہ زمانہ میں مشترک عبادت کے خواہشمند تھے۔

:وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ: اور نہ تم آئندہ عبادت کرنے والے ہو، جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ یعنی میں باطل کی پرستش نہیں کروں گا اور تم حق کی پرستش نہیں کرو گے۔

:وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ، وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ، لَكُمْ: اور نہ مجھ کو پُوجنا ہے اُس کا جس کو تم نے پُوجا، اور نہ تم کو پُوجنا ہے اس کا جس کو میں پُوجوں۔

:لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ: یہ دونوں جملے خبری ہیں یعنی جس دین پر تم ہو کبھی اس کو نہیں چھوڑوں گے اور جس دین پر میں ہوں میں انشاء اللہ اس کو نہیں چھوڑوں گا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت کا معنی اس طرح ہو۔ تمہارے لئے تمہارے اعمال کی پاداش ہے اور میرے لئے میرے اعمال کا بدلہ۔ (تفسیر مظہری اردو: ج12: ص 392)

اس سورت کے تحت حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

اس سورت کا مضمون درحقیقت اس بات کی تعلیم وتلقین ہے کہ اہل ایمان کو ایمان اور حق پر کلی استقامت اختیار کرنی چاہئے اور کسی مرحلہ پر اہلِ باطل کو اس کی طرف سے ایسی توقع نہ رہنی چاہئے کہ یہ حق اور ہدایت کے تقاضوں سے کسی درجہ میں انحراف کرسکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی اس ضمن میں واضح کی جارہی ہے کہ حق میں باطل کی آمیزش کا کوئی امکان نہیں، اہل حق کو اسی پر استقامت چاہئے اور اگر اہلِ باطل کی طرف سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ وہ کسی طرح بھی حق قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور عناد وبغض سے اس درجہ اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہیں کہ قریب بھی آنے کو تیار نہیں تو پھر ان کو ایک آخری پیغام کے طور پر اعلان کردینا چاہئے کہ اب اس صورت حال میں ہم مایوس ہوچکے ہیں۔ تم اگر حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ: اور تم یہ توقع اپنے دل سے نکال دو کہ ہم تمہاری دل جوئی کے واسطے تمہارے مذہب اور اخلاق واطوار اختیار کرسکتے ہیں۔

اسلام اور شعائرِ اسلام پر استقامت اور اہل باطل کی مراعات سے بیزاری:

اس سورت میں دنیا کے تمام گمراہوں اور باطل ملّت کی پیروی کرنے والوں کو جو باطل کو فروغ دینے کیلئے بڑی ہی محنت اور جدوجہد کررہے ہیں، کھلے عام اعلان کیا جارہا ہے۔ اب حق پرستوں کی طرف سے ایسے لوگوں کو مایوس ہوجانا چاہئے، وہ ان کی سازشوں سے ہرگز متاثر نہ ہوں گے۔ اور معبود حقیقی کی پرستش کرنے والا اب کبھی بھی باطل کی طرف رُخ نہ کرے گا، جبکہ اہل باطل حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو پھر اس احمقانہ تصوّر اور توقع کا کیا مطلب ہے کہ اہل حق اپنے عقیدہ اور طریقوں سے کچھ ہٹ جائیں۔

روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ کفارِ قریش کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ابوجہل اور ابولہب عاص بن وائل کو آپ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ یہ پیغام بھیجا۔ بعض روایات میں ہے کہ صرف حضرت عباسؓ کو ہی بھیجا۔ آپ ہمارے معبودوں اور ان کی پرستش کی بُرائی اور تردید کرنا چھوڑ دیں تو ہم بھی آپ کا مقابلہ اور مخالفت چھوڑ دیں گے۔ اگر آپ ﷺ کو سلطنت کا شوق ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار ماننے کو تیار ہیں اور اگر مال ودولت مقصود ہے تو وہ بھی جمع کرکے آپ کے سامنے ڈھیر لگادیں گے، اگر کوئی خواہش ہے تو جو تمام قبائل سے خوبصورت سے خوبصورت عورت ہو آپ کے واسطے مہیا کردیں گے۔

لیکن آپ اس پیغامِ توحید سے رُک جائیں اور ہمارے بتوں (معبودوں) کی بُرائی کرنا چھوڑ دیں۔ تو

آنحضرت ﷺ نے اس پر فرمایا: ہلاکت ہو اے قریشِ مکہ! مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی حاجت نہیں، میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ تم ہلاکت سے بچو اور اللہ واحد لاشریک لہ کی عبادت کرو۔

روایات میں ہے کہ قریشِ مکہ نے پھر یہ پیغام بھیجا کہ اچھا پھر ایسا کرے کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں تا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہ رہے اور اسی طرح باہمی اخوت اور یگانگت قائم ہو جائے، اس طرح پھر کوئی تفرقہ باقی نہ رہے گا، اور نہ باہمی کوئی رنجش پیش آئے گی۔ تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی (اے ہمارے پیغمبر ﷺ!) کہہ دو اے کافرو! میں نہیں عبادت کرتا ان معبودوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو (یہ کیسے ممکن ہے) اور جب کہ تم نہیں عبادت کرتے ہو اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں (حالانکہ تم باوجودیکہ شرک کر رہے ہو اور بتوں کی پرستش کرتے ہوئے بھی یہ کہتے ہو کہ: مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ: اس لئے کفارِ مکہ کی یہ پیش کش اور توقع کہ میں ان کی بات مان لوں گا، باطل اور لغو ہے) اور اب (تو کیا آئندہ بھی کبھی) بھی میں عبادت کرنے والا نہیں ہوں ان معبودوں کی جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرو گے اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں (کیونکہ تم تو یہ چاہتے ہو کہ خود میں ہی العیاذ باللہ توحید کو چھوڑ کر تمہارا طریقہ شرک اختیار کر لوں، تو جو دعوت توحید کو ٹھکرا کر اور حق سے روگردانی کرتے ہوئے داعیٔ حق ہی کو باطل کی دعوت دے گا، اس سے یہ کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ حق پرست اور داعیٔ توحید کے ایک خدا تعالیٰ کی عبادت کرے گا۔ اس لئے اب ایسے لوگوں کی اس قسم کی مفاہمت اور مصالحت کی گفتگو سے مایوس ہو جانا چاہئے اور سن لینا چاہئے کہ) تمہارے واسطے تمہاری راہ ہے (جس پر بھٹک رہے ہو اور تیار نہیں کہ اس کو چھوڑ دو، لہذا بس اسی پر بھٹکتے رہو) اور میرے لئے میری راہ ہے (جس پر میں قائم ہوں اور اس سے ہرگز میرا قدم کبھی نہیں ڈگمگا سکتا۔ اس لئے ہر صاحبِ ایمان شخص کو اسی طرح استقامت اور پختگی کے ساتھ ایمان پر قائم رہنا چاہئے اور اس پختگی اور استقامت کا ایسی ہی قوت کے ساتھ اعلان کر دینا چاہئے کہ اہلِ باطل اس کی طرف سے مایوس ہو جائیں۔ (معارف القرآن: ج 8: ص 559: ناشر: مکتبہ حسان بن ثابتؓ لاہور: سن طباعت 1434ھ)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

موضوع:

اس سورت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے زیادہ تر کفر و شرک کی تردید فرمائی ہے جو کہ نوعِ انسانی کی ایک عظیم بیماری ہے۔ حقیقت میں یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی، اور ایک لحاظ سے اس میں کفار و مشرکین کو آگاہ کیا گیا ہے کہ اُن کے ساتھ مومن کی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک قسم کا اعلانِ جنگ ہے اور کفر کرنے والوں کے ساتھ مقاطعہ کا ذکر

ہے۔اور مقاطعہ، جنگ کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔گویا یہ سورت مکی زندگی میں کافروں کیلئے الٹی میٹم تھا کہ تمہارے اور ہمارے درمیان ضرور جنگ ہوگی۔

رجعت پسند کون؟

الغرض! مخالفین کو الٹی میٹم دیا گیا ہے کہ تمہارے تمام حیلے ختم ہو چکے ہیں، اب تمہارا پروگرام نہیں چل سکتا، اس لئے انہیں براہِ راست خطاب کیا گیا ہے: قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ: اے پیغمبر! آپ واضح طور پر اعلان فرمادے کہ اے کفر کرنے والو! اور کفر کرنے والے وہی لوگ ہیں جو اسلام کے پروگرام کی مخالفت کرتے ہیں اور درحقیقت یہی لوگ رجعت پسند ہیں آج کل تو ایمان والوں کو رجعت پسند کہا جاتا ہے۔یا یہ خطاب علماء کرام کو دیا جاتا ہے۔حالانکہ رجعت پسند وہ تاریک ذہن کفار ہیں جن کا اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں کوئی مقام نہیں۔اور جو شخص اللہ تعالیٰ جل شانہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی صفات کو سمجھتا ہے، خالص اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عبادت کرتا ہے۔اُس سے بلند ذہنیت والا کوئی شخص نہیں۔اس لئے فرمایا کہ اے کفر کرنے والو! خوب اچھی طرح سُن لو: لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ: میں نہیں عبادت کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو، یہ بالکل ناممکن ہے۔

معبود صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات ہے:

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ مکے کے بعض مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی توہین نہ کریں، ان کی مذمت نہ کریں بلکہ آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کرلیا کریں، ہم آپ کے معبود کی تعظیم کریں گے، گویا مل جُل کر طے کرلیں کہ ایک دوسرے کے معبود کی توہین نہیں کریں گے بلکہ ایک دوسرے کے معبود کو مان لیں گے۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ آپ صاف صاف کہہ دیں: لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ: میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

فرمایا: جس طرح میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرنے کے لئے تیار نہیں اسی طرح تم سے بھی توقع نہیں رکھتا کہ تم اس ذات کی عبادت کرو گے جس کی میں کرتا ہوں: وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ: اور یہ بات تاکیداً فرمائی کہ نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرنے والا ہوں اور نہ تم میرے معبودِ حقیقی کی پرستش کرنے والے ہو، تم اپنے کفر کے پروگرام پر پکے ہو، یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے۔

معبودانِ باطلہ کی کبھی پرستش نہیں ہوگی:

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ: اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کر چکے ہو، گذشتہ زمانے میں اور آج بھی کر رہے ہو: وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ: اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں، پہلے بھی تم شرک میں مبتلا تھے، آج بھی تمہاری وہی حالت ہے۔ یہاں پر فاعل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ زمانے کے اعتبار سے ہے کہ: نہ پہلے یہ بات ہو سکتی تھی، اور نہ آج ہو سکتی ہے اور نہ آئندہ ہو گی۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ محض تاکید کیلئے ہے۔ کسی وقت اس بات کی توقع نہ رکھیں کہ ہم تمہارے معبودانِ باطلہ کی پرستش کرنے لگیں گے اور تم سے بھی بظاہر توقع نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کیلئے آمادہ ہو جاؤ گے۔ اس لئے ہمارا اور تمہارا پروگرام کبھی اکٹھا نہیں ہو سکتا۔ تمہارا کفر کا پروگرام ہے اور ہمارا توحید اور ایمان کا پروگرام ہے۔ توحید اور کفر آپس میں مل نہیں سکتے۔ اس لئے تمہارے ساتھ مصالحت کا کوئی امکان نہیں۔ بلکہ یہ قطع تعلقی اور الٹی میٹم ہے کہ جنگ ضرور ہو کر رہے گی۔

بہر حال یہاں فرمایا کہ تمہارے اور ہمارے درمیان صلح کا کوئی امکان نہیں، صلح تو اس وقت ہو سکتی ہے جب کوئی مشترک نکتہ سامنے آجائے مگر ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں، مصلحت کے لئے کم از کم یہ تو ہو کہ معبود ایک ہو، مگر وہ بھی جدا جدا ہیں۔ ہمارا معبود صرف ایک وحدہ لاشریک ہے۔ اور تمہارے سینکڑوں خود ساختہ معبود ہیں، اس لئے مصالحت نہیں ہو سکتی، بلکہ جنگ ہو کر رہے گی۔ چنانچہ آخر کار یہی ہوا کہ جنگ لڑنا پڑی۔ اس لئے فرمایا: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ: یعنی تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے، تم اپنے دین پر قائم رہو ہم اپنے دین پر قائم ہیں، اس کا فیصلہ جنگ کی صورت میں ہی ہو گا کہ کس کا دین سچا ہے اور کس کا دین باطل ہے۔

(معالم العرفان فی دُرُوس القرآن: ج20: ص 587)

اس سورت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اے کافرو! (میرا تمہارا طریقہ ایک نہیں ہو سکتا اور) نہ تو (فی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ (آئندہ استقبال میں) مَیں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے (احقر کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ مَیں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ، اور تم مشرک ہو کر موحد نہیں قرار دیئے جا سکتے نہ اب نہ آئندہ، یعنی توحید و شرک جمع نہیں ہو سکتے) تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا (اس میں اُن کے شرک پر وعید بھی سُنا دی گئی)۔

شانِ نزول: ابن اسحاق کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور

اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں اس پر صلح کرلیں کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔

اور طبرانی کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے اوّل تو باہمی مصالحت کیلئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ سارے مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوجائیں اور جس عورت سے آپ چاہیں آپ کا نکاح کردیں، آپ صرف اتنا کریں کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں۔

اور ابوصالح کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے باہمی مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی تھی کہ آپ ہمارے بتوں میں سے بعض کو صرف ہاتھ لگادیں تو ہم آپ کی تصدیق کرنے لگیں گے، اس پر حضرت جبریل علیہ السلام سورۂ کافرون لے کر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے براءت اور خالص اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عبادت کا حکم ہے۔

کفار سے معاہدۂ صلح کی بعض صورتیں جائز ہیں بعض ناجائز:

سورۂ کافروں میں کفار کی طرف سے پیش کی ہوئی مصالحت کی چند صورتوں کو بالکلیہ رد کرکے اعلانِ براءت کیا گیا۔ مگر خود قرآن کریم میں یہ ارشاد بھی ہے: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا: یعنی کفار اگر صُلح کی طرف جُھکیں تو آپ بھی جُھک جائیں (یعنی معاہدہ صلح کیجئے) اور مدینہ طیبہ جب آپ ﷺ ہجرت کرکے تشریف لے گئے تو یہود مدینہ سے آپ کا معاہدۂ صلح مشہور و معروف ہے۔ اس لئے بعض مفسّرین نے سورۂ کافرون کو منسوخ کہہ دیا اور منسوخ کہنے کی بڑی وجہ آیت: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ: کو قرار دیا ہے کیونکہ بظاہر یہ احکامِ جہاد کے منافی ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں: لَكُمْ دِيْنُكُمْ: کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دیدی گئی بلکہ اس کا اصل وہی ہے جو: لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ: کا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھگتو گے۔

اس لئے راجح اور صحیح جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ یہ سورت منسوخ نہیں۔ جس قسم کی مصالحت سورۂ کافرون کے نزول کا سبب بنی وہ جیسے اُس وقت حرام تھی آج بھی حرام ہے، اور جس صورت کی اجازت آیت مذکورہ میں آئی اور رسول اللہ ﷺ کے معاہدۂ یہود سے عملاً ظاہر ہوئی، وہ جیسے اُس وقت جائز تھی آج بھی جائز ہے۔ بات صرف موقع و محل کو سمجھنے اور شرائط صلح کو دیکھنے کی ہے جس کا فیصلہ خود رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمادیا ہے جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثناء کا ارشاد ہے وہ یہ ہے: الا صلحاً احلّ حراماً او حرّم حلالاً: یعنی ہر صلح جائز ہے

بجز اُس صلح کے جس کی رو سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو۔

اب غور کیجئے کہ کفارِ مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں، اُن سب میں کم از کم کفر و اسلام کی حدود میں التباس یقینی ہے اور بعض صورتوں میں تو اُصولِ اسلام کے خلاف شرک کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ ایسی صلح سے سورۂ کافرون نے اعلانِ براءت کر دیا۔ اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدۂ یہود سے اُس کی عملی صورت معلوم ہوئی، اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس میں اُصولِ اسلام کا خلاف کیا گیا ہو یا کفر و اسلام کی حدود آپس میں ملتبس ہوئی ہوں۔ اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری، حسنِ سلوک، صلح و سالمیت کا داعی نہیں مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے قانون اور اُصولِ دین میں کسی صلح مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔ (معارف القرآن: ج8: ص1109)

اس سورت کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

سورت کا موضوع توحید اور نفیٔ شرک ہے۔ جس طرح ناصح وعظ و نصیحت میں پورے افہام و تفہیم اور تفصیل و توضیح کے بعد کہتا ہے کہ مسئلہ تو میں نے واضح کر دیا ہے۔ اگر اب بھی نہیں مانتے تو میرا راستہ یہ ہے اور تمہارا راستہ وہ ہے۔ اسی طرح یہاں کہا گیا کہ اتنے بیانات کے بعد بھی باز نہیں آتے ہو تو ہمارے اور تمہارے درمیان سلامِ متارکہ ہے۔ اس میں سلامِ متارکہ کا اعلان کرنا مقصود ہے۔

:قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ،لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ: فرمایا اگر اس طرح ایضاح و تفصیل اور ایسے دلائل قاطعہ کے باوجود بھی مشرکین مسئلہ توحید کو نہیں مانتے تو آپ اعلان فرما دیں اے کفار! تم اپنی راہ پر چلو، میں اپنی راہ پر چل رہا ہوں۔ تم جن باطل اور خود ساختہ معبودوں کی پوجا کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کر سکتا اور نہ تم ہی اپنے ان معبودوں کی عبادت چھوڑ کر صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو تیار ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

:وَلَآ اَنَا عَابِدٌ: مطلب یہ ہے کہ نہ اب اور آئندہ ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے باطل معبودوں کی عبادت کروں اور تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ نہ گذشتہ زمانہ میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ میں نے تمہارے باطل معبودوں کی عبادت کی ہو۔ اور تم نے ان معبودوں کی عبادت چھوڑ کر صرف خدائے واحد کی عبادت کی ہو۔

:لَكُمْ دِيْنُكُمْ : یہ سلامِ متارکہ کا اعلان ہے۔ اگر تم نہیں مانتے ہو تو تم اپنے دینِ شرک پر چلتے رہو، اور میں اپنے دینِ توحید پر چلتا ہوں۔ بہت جلد دونوں فریق میں اور تم اپنا اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

(جواہر القرآن: ج3: ص1398)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

شان نزول: اس سورت کا شان نزول اس طرح ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ مکرمہ کی آبادی تھوڑی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کی باتیں لوگوں میں پہلے دن ہی پہنچ گئی تھیں۔ جن کو پہلے دن پتا نہیں چلا اُن کو دوسرے دن، تیسرے دن پتہ چل گیا۔ حضور اکرم ﷺ کے دعویٰ نبوت پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ اس سلسلے میں انہوں نے دارالندوہ میں اجتماع کیا۔ یہ اُن کا دارا تھا جس میں مشاورت کے لئے، گپوں کیلئے اکٹھے ہوتے تھے، اب وہ مسجد حرام میں شامل ہو چکا ہے۔ قریش مکہ نے مشورہ کیا کہ اس کے دعویٰ نبوت کی وجہ کیا ہے؟ ہر کام کا کوئی مقصد ہوتا ہے، غرض ہوتی ہے۔ آخر اس نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟

کسی نے کہا کہ یہ مالی لحاظ سے کمزور ہے، اس کا مقصد ہے کہ لوگ میرے قریب آئیں گے میری امداد کریں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ بات بھی ممکن ہے لیکن ہماری سمجھ میں دوسری بات آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے فضل و کرم سے خوبصورت جوان ہے، صحت مند ہے، جس عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے، وہ بیوہ ہے اس کا مقصد ہے کہ مجھے کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔ رشتہ حاصل کرنے کیلئے یہ انداز اختیار کیا ہے۔ کسی نے کوئی رائے دی، کسی نے کوئی رائے دی۔

چنانچہ قریش مکہ ایک وفد کی صورت میں حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! ہم نے سنا ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مجھے نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کا سردار مجھ پر نازل ہوا ہے اور مجھے قرآن پاک کی یہ سورتیں سکھلائی ہیں اور وعدہ کیا ہے کہ اور بھی قرآن پاک نازل ہوگا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی توحید کی دعوت دیتا ہوں، قیامت کے مسئلے کی دعوت دیتا ہوں، قرآن پاک کے حق ہونے کی دعوت دیتا ہوں، تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، سچ بولنے، جھوٹ چھوڑنے کا کہتا ہوں، عدل و انصاف کے ساتھ رہنے کا کہتا ہوں، بدامنی پھیلانے سے رُوکتا ہوں۔

قریش کہنے لگے اے محمد ﷺ! جتنا مال آپ چاہتے ہیں ہم آپ کو دینے کے لئے تیار ہیں۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ آدھا مال میرے ذمہ ہے باقی تم سارے مل کر دینا۔ اتنا مال اس کو دے دیں کہ اس کی سات پشتیں ختم نہ کر سکیں۔ عتبہ نے کہا کہ سارے جانتے ہیں کہ میری لڑکیاں شکل و عقل والی ہیں۔ سب لوگ رشتے کے پیغام بھیجتے ہیں لیکن میں نے کسی کیلئے ہاں نہیں کی۔ آپ جس پر ہاتھ رکھیں میں بغیر مہر کے اس کا آپ سے نکاح کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن یہ سلسلہ جو آپ نے شروع کر رکھا ہے اس کو چھوڑ دیں۔ اختلاف بُری چیز ہے، یہ گھر گھر میں پھیلے گا، گلی گلی میں پھیلے گا، بازار میں پھیلے گا، باپ بیٹے کا جھگڑا ہوگا، میاں بیوی کا جھگڑا ہوگا، بھائی بھائی کا جھگڑا ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے میرے سامنے مال کی پیشکش کی ہے مجھے رب تعالیٰ جل شانہ کی قسم ہے اگر تم مجھے ساری دنیا کا بادشاہ بنا دو میں پھر بھی حق کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ مجھے نہ مال کی ضرورت ہے نہ رشتے کی ضرورت ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہ نے مجھے نبوت و رسالت دی ہے مجھ سے جتنا ہو سکا میں اس کا حق ادا کروں گا۔ قریش پھر کہنے لگے کہ اس میں کچھ ترمیم کرو۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ پھر کہنے لگے چلو اس طرح کرتے ہیں کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں ان کو بُرا مت کہیں اور ایک سال ہم آپ کے خدا تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ صلح صفائی سے وقت گزارنا چاہئے، جھگڑا اچھی چیز نہیں ہے۔

جب انہوں نے یہ پیشکش کی تو حضور اکرم ﷺ خاموش ہو گئے۔ خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ پر یہ سورت نازل ہونی شروع ہو گئی تھی۔

احادیث میں آتا ہے کہ جس وقت وحی نازل ہوتی تھی سخت سردی میں بھی حضور اکرم ﷺ کی پیشانی سے پسینہ بہتا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہے تو بعض نے خیال کیا کہ حضور اکرم ﷺ پر ہماری بات کا اثر ہو گیا ہے۔ جس وقت یہ سورت نازل ہو گئی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جواب میں تاخیر اس لئے کی ہے کہ اس وقت وحی نازل ہو رہی تھی اور یہ سورت مجھ پر نازل ہوئی ہے جو میں تم کو ابھی پڑھ کر سناؤں گا۔ حضور اکرم ﷺ نے پُر وقار انداز میں یہ سورت اُن کو سنائی۔

قُلْ: اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہہ دیں: یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ: اے کافرو! لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ: میں نہیں عبادت کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو: وَلَآ اَنْتُمْ: اور نہ تم: عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ: عبادت کرنے والے ہو اُس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ مشرک رب تعالیٰ جل شانہ کی ذات کے منکر نہیں تھے، رب تعالیٰ جل شانہ کو مانتے تھے اور رب تعالیٰ جل شانہ کی عبادت کے بھی قائل تھے مگر اکیلے رب تعالیٰ کی عبادت کے قائل نہیں تھے۔ رب تعالیٰ جل شانہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں: قُلْ: اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہہ دیں: یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ: اے کافرو! لَآ اَعْبُدُ: میں نہیں عبادت کرتا فی الحال، اس وقت: مَا: ان کی: تَعْبُدُوْنَ: جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ جنوں کی، فرشتوں کی، انسانوں کی، لات، منات، عزّیٰ۔ میں ان کی عبادت کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہوں نہ ہی وہ عبادت کے مستحق ہیں۔ میں تو: وحدہ لاشریک: کی عبادت کرنے والا ہوں۔ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا بھی اس کے لئے، رکوع بھی اسی کے لئے، سجدہ بھی اسی کے لئے۔

تو فرمایا: میں نہیں عبادت کرتا ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو: وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ: اور نہ تم خالص عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اس کے وہ کافر مخاطب ہیں جن کا خاتمہ کفر پر ہوا۔ بیشتر وہ ہیں جو بدر کے موقع پر مردار ہوئے جیسے ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ۔

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ: اور نہ میں عبادت کروں گا ان کی جن کی تم عبادت کر چکے ہو: وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ: اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اُس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ میرے سامنے نہ تم مال پیش کرو اور نہ رشتے پیش کرو اور نہ اس طرح کی صلح کی شرائط پیش کرو: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ: تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے لئے میرا دین ہے۔ میں اپنا دین چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

(ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن: ج 21: ص 450)

ان آیات کے تحت حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

کہہ دے کہ اے کافرو! نہ میں تمہارے معبودوں کو پوجوں نہ تم میرے معبود کو پوجتے ہو، اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا، نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی عبادت میں کر رہا ہو، تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

مشرکین الگ اور موحدین الگ:

اس سورۂ مبارکہ میں مشرکین کے عمل سے بیزاری کا اعلان ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عبادت کے اخلاص کا حکم ہے، گو یہاں خطاب مکہ کے کفار قریش سے ہے لیکن دراصل روئے زمین کے تمام کافر مراد ہیں۔

اس کی شان نزول یہ ہے کہ ان کافروں نے حضور اکرم ﷺ سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عبادت کریں گے، اس پر یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے نبی برحق ﷺ کو حکم دیا کہ ان کے دین سے اپنی پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں کہ میں تمہارے ان بتوں کو اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ جل شانہ کا شریک مان رہے ہو ہرگز نہ پوجوں گا، کو تم بھی میرے معبود برحق اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کو نہ پوجو۔ پس: ما: یہاں پر معنی میں: من: کے ہے۔

پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ میں تم جیسی عبادت نہ کروں گا تمہارے مذہب پر میں کاربند نہیں ہو سکتا، نہ میں تمہارے پیچھے لگ سکتا ہوں، بلکہ میں تو صرف اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کروں گا اور وہ بھی اس طریقے پر جو اسے پسند ہو، اور جیسے وہ چاہے۔ اسی لئے فرمایا کہ نہ تم میرے رب کے احکام کے آگے سر جھکاؤ گے نہ اس کی عبادت اس کے فرمان کے مطابق بجا

لاؤ گے، بلکہ تم نے تو اپنی طرف سے طریقے مقرر کر لئے ہیں، جیسے اور جگہ ہے: ان یتّبعون الّا الظنّ، الخ : یہ لوگ صرف وہم وگمان اور خواہش نفسانی کے پیچھے پڑھے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے پاس رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے۔ پس حضور اکرم ﷺ نے ہر طرح اپنا دامن ان سے چھڑا لیا اور صاف طور پر ان کے معبودوں سے اور ان کی عبادت کے طریقوں سے علیحدہ گی اور ناپسندگی کا اعلان فرمادیا۔

ظاہر ہے کہ ہر عابد کا معبود ہوگا اور طریقہ عبادت ان کا وہ ہے جو سرور رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے، اسی لئے کلمہ اخلاص: لاالٰہ الّا اللّٰہ محمّد رّسول اللّٰہ: ہے یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا راستہ وہی ہے جس کے بتانے والے محمد ﷺ ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے پیغمبر ﷺ ہیں۔ اور مشرکین کے معبود بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سوا غیر ہیں طریقہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کا بتلایا ہوا نہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ تمہارا دین تمہارے لئے میرا میرے لئے۔ جیسے اور جگہ ہے: وان کذّبوک فقل لّی عملی ولکم عملکم انتم بریئون ممّا اعمل وانا بریء ممّا تعملون: یعنی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے تم میرے اعمال سے الگ ہو اور میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں۔ اور جگہ فرمایا: لنا اعمالنا ولکم اعمالکم: ہمارے عمل ہمارے ساتھ اور تمہارے تمہارے ساتھ۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے تمہارے لئے تمہارا دین ہے یعنی کفر اور میرے لئے میرا دین ہے یعنی اسلام۔ یہ لفظ اصل میں: دینی: تھا لیکن چونکہ اور آیتوں کا وقف نون پر ہے اس لئے اس میں بھی: یا: کو حذف کر دیا جیسے: فھو یھدین: میں اور: یسقین: میں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ میں اب تو تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا نہیں اور آگے کے لئے بھی تمہیں نا اُمید کر دیتا ہوں کہ عمر بھر میں کبھی بھی یہ کفر مجھ سے نہ ہو سکے گا، اسی طرح نہ تم اب میرے اللہ تعالیٰ جل شانہ کو پوجتے ہو نہ آئندہ اس کی عبادت کرو گے۔ اس سے مراد کفار ہیں جن کا ایمان نہ لانا اللہ تعالیٰ جل شانہ کو معلوم تھا جیسے قرآن میں اور جگہ ہے: ولیزیدنّ کثیرا منھم ما انزل الیک من ربّک طغیانا وّ کفرا: یعنی تیری طرف جو اُترتا ہے اس سے ان میں اکثر تو سرکشی اور کفر میں پڑھ جاتے ہیں۔

ابن جریرؒ نے بعض عرابی دان حضرات سے نقل کیا ہے کہ دو مرتبہ اس جملے کا لانا صرف تاکید کیلئے ہے جیسے: فانّ مع العسر یسرا انّ مع العسر یسرا: میں اور جیسے: لترونّ الجحیم ثمّ لترونّھا عین الیقین: پس ان دونوں جملوں کو دو مرتبہ لانے کی حکمت میں یہ تین قول ہوئے۔

ایک تو یہ کہ پہلے جملے سے مراد معبود دوسرے سے مراد طریق عبادت، دوسرے یہ کہ پہلے جملے سے مراد حال دوسرے سے

مراد استقبال یعنی آئندہ، تیسرے یہ کہ پہلے جملے کی تاکید دوسرے جملے سے ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں ایک چوتھی توجیہ بھی ہے جیسے حضرت امام بن تیمیہؒ اپنی بعض تصنیفات میں قوت دیتے ہیں، وہ یہ کہ پہلے تو جملہ فعلیہ ہے دوبارہ جملہ اسمیہ ہے، تو مراد یہ ہوئی کہ نہ تو میں غیر اللہ کی عبادت کرتا ہوں نہ مجھ سے کبھی بھی کوئی اُمید رکھ سکتا ہے، یعنی واقعہ کی بھی نفی ہے اور شرعی طور پر ممکن ہونے کا بھی انکار ہے، یہ قول بھی بہت اچھا ہے۔ واللّٰہ اعلم۔

(تفسیر ابن کثیر: ج5: ص603)

ربّنا تقبّل منّا انّک انت السّمیع العلیم:

وتب علینا انّک انت التّوّاب الرّحیم:

(ختم شد: جلد.....اوّل)

(458.....صفحات)